بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا علی الاعلیٰ

تاجدار وفا، علمدار کربلا، قمر بنی ہاشم

حضرت عباس علی ابن ابی طالبؑ

ذکر العباس علیہ السلام

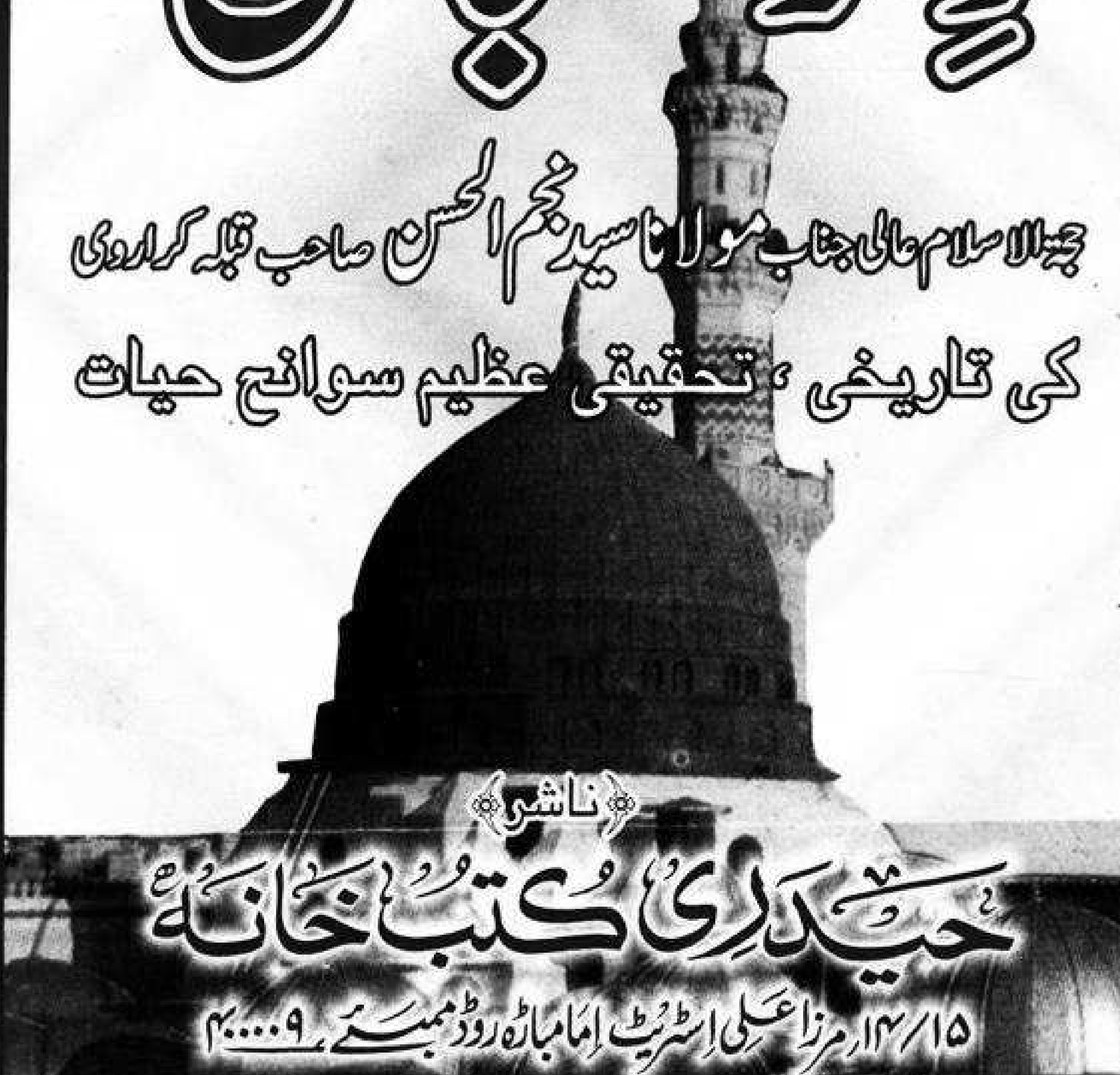

حجۃ الاسلام عالی جناب مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی

کی تاریخی، تحقیقی عظیم سوانح حیات

﴿ناشر﴾

حیدری کتب خانہ

۱۴/۱۵ مرزا علی اسٹریٹ امامباڑہ روڈ ممبئی ۴۰۰۰۰۹

Ph. : (O) 3743445, (R) 3711929

یا علی الاعلیٰ

ذکر العبّاس علیہ السلام

سوانح حیات حضرت عبّاس علیہ السلام

مولفہ

حجّۃ الاسلام عالی جناب مولانا سیّد نجم الحسن صاحب قبلہ کرّاروی

زیرِ اہتمام

سیّد اظہار حسین حیدری

خانقاہ منعمیہ قمریہ
میتن گھاٹ پٹنہ سیٹی - ۸

ناشر

حیدری کتب خانہ

۱۵۰/۱۴ مرزا علی اسٹریٹ امامباڑہ روڈ بمبئی ۴۰۰۰۰۹

نام کتاب :- ذکر العباسؑ

مصنّف :- حجۃ الاسلام عالی جناب مولانا سیّد نجم الحسن رضا صاحب قبلہ

سالِ اشاعت :- اگست ۱۹۹۴ء

تعداد :- ایک ہزار

ہدیہ :- 120 روپے

ناشر

کتاب شیعہ بکس لائبریری کی جانب سے مومنین
کو ہدیہ کی جا رہی ہے مزید کتب کے لیے
03251862705 پر واٹس ایپ کریں
اسکا pdf لائبریری شیعہ کتب اول انڈیا کی جانب
سے بنایا گیا ہے

ایم، ایس پرنٹرس
1853، لال دروازہ، ہمدرد مارگ
حوض قاضی، دھلی ۱۱۰۰۰۶
فون: 3284214

ناشر

حیدری کتب خانہ
۱۴/۱۵ امرزا علی اسٹریٹ امامباڑہ روڈ بمبئی ۴۰۰۰۰۹

فہرست مضامین ذکر العباس

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
١	حضرت امیرالمومنین کے دل میں بہادر فرزند کی تمنا	١١
٢	حضرت علی علیہ السلام اور جناب عقیل میں گفتگو	١١
٣	جناب اُم البنین کا نسب نامہ	١٢
٤	جناب اُم البنین خانہ جناب امیرؑ میں	١٣
٥	جناب عباس کی ولادت	١٥
٦	جناب عباس کی پہلی نظر چہرہ امام حسینؑ پر	١٧
٧	جناب عباس کا بچپن اور سید الشہداء کی خدمت	٢٤
٨	جنگ صفین اور حضرت عباس	٢٥
٩	جنگ صفین میں حضرت عباس کی نبرد آزمائی	٣٧
١٠	حضرت علی کی شہادت اور حضرت عباس	٤١
١١	حضرت علی کا دست امام حسن میں علمدار کربلا کا ہاتھ دینا	٤٣
١٢	شہادت حضرت علی اور ام البنین	٤٧
١٣	حضرت عباس کی شادی خانہ آبادی	٤٨
١٤	کیا حضرت عباس میں امامت کی صلاحیت تھی ؟	٥٣
١٥	حضرت عباس اور شجاعت	٦٣
١٦	حضرت عباس اور عہدہ علمداری	٦٩
١٧	حضرت عباس اپنی نظیر آپ ہی تھے	٨٣
١٨	حضرت عباس غلافی کے لباس میں	٨٩
١٩	حضرت عباس علم کے میدان میں	٩١
٢٠	حضرت عباس ائمہ طاہرینؑ کی نظر میں	٩٢
٢١	مجاہدین اسلام میں حضرت عباس کی حیثیت	٩٩
٢٢	معرکہ کربلا کا تاریخی پس منظر	١٠٩
٢٣	تاجداران اسلام کی مدینہ سے مکہ کو روانگی	١١٩
٢٤	مکہ معظمہ میں رسیدگی	١٣١
٢٥	کوفہ	١٣٧
٢٦	سرفروشان اسلام کا زمین کربلا پر ورود	١٥٠
٢٧	حضرت امام حسینؑ کے نام ابن زیاد کا پیغام	١٥٨
٢٨	عمر سعد کا کربلا پہنچنا	١٦٣
٢٩	بندش آب	١٦٦
٣٠	شب ہشتم حضرت عباس کی سقائی	١٧٠
٣١	خیموں کے گرد خندق	١٧٣
٣٢	حضرت عباس اور ان کے اہل بیت کا کنواں کھودنا	١٧٤
٣٣	حضرت امام حسین علیہ السلام اور ابن سعد میں آخری گفتگو	١٧٧

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
٣٤	ماہ محرم کی نویں تاریخ کنواں کھودنا	١٧٩
٣٥	حضرت عباس کے لیے امن نامے کی حصولی	١٨٣
٣٦	حضرت عباس کا شمر کو منہ توڑ جواب	١٨٤
٣٧	حضرت عباس اور شمر میں باہم قرابت داری کا انکشاف	١٨٨
٣٨	کیا شمر حضرت عباس کا حقیقی ماموں تھا؟	١٨٩
٣٩	جنگ کی پہل	١٩٢
٤٠	حضرت امام حسینؑ کا ایک شب کے لیے لڑائی روک دینا	١٩٣
٤١	شب عاشورہ	١٩٨
٤٢	حضرت عباس اور انصار کو خندق کھودنے کا حکم دینا	٢٠٢
٤٣	حضرت عباس کا پانی کے لیے جانا	٢٠٣
٤٤	حضرت امام حسین علیہ السلام نے جنت دکھادی	٢٠٥
٤٥	نایابی آب سے اضطراب	٢٠٧
٤٦	شب عاشور بریر کی مدد	٢٠٨
٤٧	عباس الاصغر کی شہادت	٢١١
٤٨	حضرت امام حسین کا ہدایات کے لیے آنا	٢١١
٤٩	حضرت عباس حضرت علی اکبر اور حضرت قاسم کی گفتگو	٢١٢
٥٠	حضرت زینبؑ جناب عباس کے خیمے میں	٢١٥
٥١	خیمہ گاہ حسینی میں عورتوں کا انداز عبادت	٢١٦
٥٢	مجاہدین کربلا کی آخری سحر	٢١٨
٥٣	صبح عاشور	٢٢٠
٥٤	انتخاب علمدار کے بعد	٢٢٣
٥٥	لشکر عمر سعد کی حرکت	٢٢٦
٥٦	خیمہ میں کہرام	٢٢٨
٥٧	جناب حُر کی آمد	٢٢٨
٥٨	وہب کلبی اور حضرت عباس	٢٣٤
٥٩	حضرت عباس کا عمر بن خالد کی کمک کرنا	٢٣٥
٦٠	عبداللہ ابن مسلم کی شہادت	٢٣٧
٦١	عون و محمد اور حضرت عباسؑ	٢٣٩
٦٢	حضرت عباس کا اپنے بھائیوں کو فہمائش کرنا	٢٤٣
٦٣	حضرت عباس کے حقیقی بھائی	٢٤٦
٦٤	فرزندان حضرت عباس کی جانبازی	٢٥٤

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۶۵	اور ق سنی کا حضرت عباسؑ کے متعلق سوال	۲۵۷
۶۶	حضرت عباس اور علی اکبر میں سبقت شہادت کے لیے گفتگو	۲۵۹
۶۷	حضرت عباس کی جانبازی اور شہادت	۲۶۰
۶۸	حضرت عباس کی ماروسے جنگ	۲۶۴
۶۹	حضرت عباسؑ کی آخری رخصت	۲۷۱
۷۰	رخصت آخری کے بعد	۲۷۵
۷۱	تین روز کا پیاسا نہر فرات میں	۲۷۸
۷۲	نہر فرات میں حضرت عباس کی حالت	۲۷۸
۷۳	حضرت عباس نے مشک سکینہ بھرلی۔	۲۸۰
۷۴	حضرت عباس کی خیمے کی طرف روانگی	۲۸۱
۷۵	حضرت عباس کا پہاڑی سے اتر کر خیمے کی طرف بڑھنا	۲۸۲
۷۶	حضرت عباس کے بدن پر تیروں کی کثرت	۲۸۳
۷۷	حضرت عباس کا داہنا ہاتھ کٹ گیا۔	۲۸۴
۷۸	حضرت عباس کا بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا	۲۸۵
۷۹	دونوں ہاتھوں کے کٹ جانے کے بعد	۲۸۶
۸۰	مشک سکینہ پر تیر ستم	۲۸۸
۸۱	حضرت عباس کے سر مطہر پر گرز آہنی	۲۸۹
۸۲	حضرت عباس کا امام حسینؑ کو پکارنا	۲۹۰
۸۳	حضرت امام حسینؑ کی کمر ٹوٹ گئی	۲۹۱
۸۴	حضرت عباس کی آواز پر امام کا جانا	۲۹۲
۸۵	حضرت عباس کی وصیت	۲۹۵
۸۶	حضرت امام حسین کا فریاد کرنا	۲۹۶
۸۷	جناب سکینہ کا سوال	۲۹۹
۸۸	خبر شہادت سے خیمے میں کہرام	۲۹۹
۸۹	حضرت عباسؑ کی غیرت	۳۰۰
۹۰	حضرت عباس سے قتل ہونے والوں کی تعداد	۳۰۱
۹۱	امام معصومؑ کا حضرت عباس پر سلام	۳۰۲
۹۲	حضرت عباس کے بارے میں امام زین العابدین کا سوال	۳۰۳
۹۳	نعش عباس پر خط صغریٰ	۳۰۶
۹۴	حضرت امام حسین کا گھوڑے سے گر کر عباس کو پکارنا	۳۰۸
۹۵	بیبیوں کا حضرت عباس کو پکارنا	۳۰۹
۹۶	شب یازدہم مخدرات کی پریشانی اور حضرت عباس کی یاد	۳۱۰
۹۷	مخدرات عصمت کی روانگی	۳۱۲
۹۸	حضرت عباس کا سر گھوڑے کی گردن میں	۳۱۳
۹۹	حضرت عباس کی تدفین	۳۱۴
۱۰۰	مخدرات عصمت کوفے سے شام کی طرف	۳۱۵
۱۰۱	جناب عباسؑ کے گھوڑے کی وفاداری	۳۱۶
۱۰۲	دمشق میں ماتم	۳۱۷
۱۰۳	قافلے کی کربلا کو روانگی	۳۱۸
۱۰۴	خاندان عصمت کا مدینے میں ورود	۳۱۸
۱۰۵	ام البنین کی فریاد	۳۲۰
۱۰۶	حضرت عباس کا مدفن	۳۲۴
۱۰۷	حضرت عباس کا سر کہاں دفن ہوا	۳۲۴
۱۰۸	مختصر تاریخ کربلا اور تعمیر روضہ عباسؑ	۳۲۴
۱۰۹	حضرت عباس کی میراث اور نسل	۳۳۰
۱۱۰	حضرت عباس کے کرامات و معجزات	۳۳۴
۱۱۱	مشک سکینہ چھیدنے اور حضرت عباس کا ہاتھ کاٹنے والے کا حشر	۳۴۰
۱۱۲	حضرت عباس کی قبر کو بوسہ دینے کا جواز	۳۴۳
۱۱۳	روضوں کی تعمیر کے جواز کے متعلق	۳۴۴
۱۱۴	حضرت عباس کی زیارت کا استحباب	۳۴۵
۱۱۵	حضرت عباس کی تعداد اولاد کے متعلق	۳۴۶
۱۱۶	مقام کربلا حضرت علیؑ کا خواب اور خطبہ	۳۴۷
۱۱۷	روضہ حضرت عباس کے خدام	۳۴۸
۱۱۸	حضرت عباس کی اہم مصیبت اور ایک خواب	۳۵۰
۱۱۹	حضرت عباس کی آخری تمنا۔	۳۵۱
۱۲۰	حضرت عباس کا بروقت مدد کو پہنچنا (ایک تاریخی واقعہ)	۳۵۴
۱۲۱	حضرت عباس بن عبد المطلب اور حضرت عباس بن علیؑ	۳۶۱
۱۲۲	حضرت عباس کا حفظ قرآن	۳۶۲
۱۲۳	حضرت امام حسن کو حضرت عباس کا غسل دینا	۳۶۲
۱۲۴	حضرت عباس کے گھوڑے کی تاریخ	۳۶۲
۱۲۵	حضرت عباس کی جانبازی کے متعلق امام جعفر صادق کا ارشاد	۳۶۴
۱۲۶	فرزندان مسلم بن عقیل کی زبان پر حضرت عباس کا نام	۳۶۵
۱۲۷	حضرت عباس کی زیارت	۳۶۶
۱۲۸	حضرت عباس کی نذر، حاضری اور سبیل	۳۶۷

نقشہ متعلق ذکر العباسؑ

آپ کا نام:	عباسؑ	تاریخ ولادت:	۴ شعبان
باپ کا نام:	حضرت علیؑ	سنِ ولادت:	۲۶ ہجری
ماں کا نام:	فاطمہ کلابیہ	یوم:	سہ شنبہ (منگل)
ماں کی کنیّت:	اُم البنین	مقام ولادت:	مدینہ منوّرہ
دادا کا نام:	حضرت ابو طالبؑ	کنیّت:	ابو الفضل، ابو القاسم، ابو قربہ
دادی کا نام:	فاطمہ بنت اسد	لقب:	سقّا، افضل الشہداء
نانا کا نام:	حزم بن خالد	عمر شریف:	۳۴ سال چند ماہ
نانی کا نام:	لیلےٰ بنت شہید	سنِ شہادت:	۱۰ محرم ۶۱ ہجری
زوجہ کا نام:	لبابہ	یومِ شہادت:	جمعۃ الحرام
بھائیوں کے نام:	عبداللہ، جعفر، عثمان	وقتِ شہادت:	بعد ظہر
لڑکوں کے نام:	فضل (محمد) قاسم، عبیداللہ	سبب شہادت:	حمایت اسلام، طلب آب

حیدری پریس لاہور باہتمام ملک رضا علی طبع ہوئی

سرلفظ اور تمہید

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ علی اھلھا

دُنیائے وجود کا ایک ایسا عہد بھی گذرا ہے جس میں واجب الوجود کے علاوہ کوئی ممکن نہ تھا۔ پھر خدا نے امکان کے حدود معین فرمائے اور نقطہ اول نور محمدی کو قرار دے کر اپنے لیے دین کی تعیین کی ان الدین عند اللہ الاسلام اور اس کی ترویج و بقا کے لیے نُور کے دو ٹکڑے فرمائے۔ ایک سے محمد مصطفےٰ اور دوسرے سے علی مرتضیٰ کو پیدا کر کے انہیں اسلام کے تحفظ کا ضامن قرار دیا۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسلام پر اپنی اولاد قربان کر دی۔ اور جس فرزند میں جذبہ اسلام حد سے سوا دیکھا اسے مجسمہ اسلام بنا کر اسلام کی حفاظت اس کے سپرد فرمائی اور حسینؑ منی وانا من الحسین فرما دیا۔ قدرت جو اس انداز و طریقہ کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے جبرئیل کو حکم دیا کہ زمین پر جا کر میرے حبیب سے کہو کہ اے حبیبِ خدا آپ کا صلبی فرزند ابراہیم آپ کو زیادہ عزیز ہے یا قرآنی فرزند حسینؑ آپ کو زیادہ پیارا ہے۔ پیغمبر اسلام علیہ السلام جو حسینؑ کو عین دین و ایمان سمجھ رہے تھے اور تحفظ اسلام کی ضمانت ان کے سپرد فرما چکے تھے۔ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے تھے۔ کہ مجھے حسین زیادہ پیارا ہے۔ آخر یہی کچھ کہا۔ اور جبرئیل بول اُٹھے کہ پھر ابراہیم کو حسینؑ پر سے فدا کر دیجئے۔ نبی کریم نے فرمایا۔ بہت بہتر۔ جبرئیل چلے گئے۔ ابراہیم بیمار ہوئے۔ "و بعد از سہ روز وفات یافت"۔ اور تین دن کے بعد راہی جنت ہوگئے۔ (شواہد النبوۃ ص۱۷۴) ؎

وہ حسینؑ ابن علی پیکر اسلام کی جان
کر دیا حق کے لیے جس نے بھرا گھر قربان

حضرت علیؑ جو نور محمدی کے دوسرے جزء تھے۔ اس قربانی کو دیکھ کر تڑپ اُٹھے بارگاہ احدیت میں عرض پرداز ہوئے۔ میرے پالنے والے مجھے بھی ایک ایسا فرزند عطا کر دے۔ جو عین اسلام حسینؑ پر قربان ہو کر مجھے تیری بارگاہ میں سرخرو بنا سکے۔ علیؑ کی دُعا و تمنا قبول ہوئی اور بطن ام البنین سے حضرت عباسؑ پیدا ہوئے۔ جنہوں نے تحفظ اسلام کی خاطر حسین پر قربان ہو کر حضرت علی علیہ السلام کو سرخرو بنا دیا ؎

عباسؑ کی وفا کوئی پوچھے حسینؑ سے

اوران ہستیوں میں اپنا بلند مقام حاصل کر لیا جن کی نظیر ضمن کائنات میں نہیں ہے ؎

شہیدانِ وفا کو ہم جو دیں تشبیہ کس سے دیں
کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں مثالیں بے مثالوں کی

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں لیس علی وجه الارض شبیهون لهم علامہ حسین کاشفی رقمطراز ہیں۔ درآں روزے برروئے زمین ایشاں را شبیہ نظیر نہ بود، شہدائے کربلا کی نظیر روئے زمین پر ناممکن ہے۔ جواہر الایقان صہ؁ ۔ روضۃ الشہداء ص؁۔ جناب آلِ رضا صاحب ایڈووکیٹ لکھتے ہیں ؎

ایک ہی رنگ میں ڈوبا ہوا ہر اک جانباز
پیروی اور قیادت کا وہ دلکش انداز
ایک دل ایک زبان ایک خیال ایک آواز
جس طرح ہوتی ہے اک ساتھ جماعت کی نماز

خون سے اپنے وہ لکھا کہ قلم توڑ دیا
یہ حقیقت ہے کہ تاریخ کا رُخ موڑ دیا

یہی نہیں کہ حضرت عباسؑ نے بلند ترین ہستیوں میں بلند ترین مقام حاصل کر لیا اور امام معصوم علیہ السلام کو "یغبطہ الملائکۃ" فرمانا پڑا۔ بلکہ انہوں نے رہتی دُنیا تک کے لئے اپنی قربانی اور شہادت کے زور سے حیاتِ ابدی حاصل کر لی۔ انہی جیسوں کے لیے شاعر کہتا ہے ؎

مرنے والوں نے بنا ڈالی ہے جینے کی نئی
زندگی دوڑتی ہے خون کے فواروں میں!

قطعہ تاریخ متعلق طبع ثالث

از حجۃ الاسلام مولانا سید ذیشان حیدر صاحب قبلہ کراروی

مرحبا نجم الحسن کی تائید — کسی موضوع پہ چھوڑا نہ مزید
چشمۂ فیض قلم آتنا رواں — ذکرِ عباسؑ ہے ہر سال جدید

۱۳۸۵ھ

کتاب شیعہ بکس لائبریری کی جانب سے مومنین کو
ہدیہ کی جا رہی ہے مزید کتب کے لیے
03251862705 پر واٹس ایپ کریں
اسکا pdf لائبریری شیعہ کتب اول انڈیا کی جانب

دیباچہ

خلاق عالم نے انسان کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور عبادت کے مدارج و منازل قرار دے کر ہر اس عبادت گذار اور ذکر خدا کرنے والے کو حلقہ عبدیت میں لے لیا جس نے تمام مدارج عبادت طے کر لیے اور جس کو شرف عبدیت سے نوازا۔ اس کے ذکر کو عبادت قرار دے دیا۔ محمدؐ جن کا وجود خود ذکرِ خدا ہے ذکراً رسولاً ان کے ذکر کو عبادت قرار دیا۔ کیونکہ وہ عبدیت سے نوازے گئے۔ ان کے لیے کہا گیا۔ "اسریٰ بعبدہٖ"۔ علیؑ جن کو الوہی عبدیت کے ساتھ ساتھ محمدؐ مصطفےٰ کی غلامی کا بھی شرف حاصل تھا "انا عبد من عبید محمد" ان کا ذکر عبادت "ذکر علی عبادۃ" ان کے چہرے پر نظر ڈالنی عبادت "النظر الی وجہ علی عبادت" (نور الابصار) نیز دیگر ائمہ طاہرین کا ذکر عبادت قرار دیا۔ کیونکہ یہ کمال عبدیت کی وجہ سے اہل ذکر قرار پائے۔ "فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون" اور یہ ظاہر ہے کہ جس میں عبدیت کا کمال ہوگا۔ وہ معبود سے قریب تر ہوگا۔ معبود اس کی ہر بات مانتا ہوگا۔ اس کی ہر ادا پسند کرتا ہوگا۔ اس کے کردار اور عمل کو اپنا فعل کہتا ہوگا۔ "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ" اس کے قول کو اپنا قول بتاتا ہوگا۔ "وما ینطق عن الھویٰ" اور اس کی ہر ناز برداری کے لیے آمادہ ہوگا۔ "یعطیک ربک فترضیٰ" مگر یہ سوچنے کی چیز ہے کہ عبدیت کے یہ مدارج کمال کب حاصل ہوتے ہیں۔ یہ اسی وقت حاصل ہوتے ہیں۔ جب انسان فرمانبرداری کے ان حدود میں داخل ہو جائے کہ جن سے اس کا تصور خیال بھی دائرۂ عبدیت سے باہر نہ جانے پائے یہ وہی کچھ کرے۔ جو خدا چاہتا ہے یہ وہی کچھ سوچے جو خدا کی مشیت و مرضی ہو وماتشاؤن ان یشاء اللہ اور جب ایسی شکل پیدا ہو جائے گی تو پھر عین اللہ، اذن اللہ، جنب اللہ اور نفس اللہ کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔ کیا کہنا ان بندوں کا جو اپنے عمل و کردار اور کمال عبادت و سرفروشی سے ان مدارج کو حاصل کر لیں۔ یقین کرنا چاہیئے محمدؐ و آل محمدؐ کے علاوہ نہ ایسی ہستیاں قرآن کے صفحات میں ملتی ہیں نہ تاریخ کے اوراق میں نظر آتی ہیں۔ اور نہ احادیث میں دکھائی دیتی ہیں نہ تذکرہ میں آتی ہیں۔ البتہ اگر ان کی ہلکی سی تصویر نظر آتی ہے تو انہی کی بعض اولاد میں "الولد سر لابیہ" (ع) بیٹا وہی قدم بہ قدم ہو جو باپ کے۔ حضرت ذاخر لکھنوی فرماتے ہیں ؎

ہم بازوئے شہ کی جو وفا کہہ دیں گے زینت وہ بزمِ شہدا کہہ دیں گے

عباسؑ کو ہم صورتِ حیدرؑ نہ کہو
سُن لیں گے نصیری تو خدا کہہ دیں گے

مجھے تو تاریخ کے اوراق میں ایک ایسی ہستی نظر آ رہی ہے جس کی ولادت کی تمنا علی ابن ابیطالب کر رہے ہیں۔ جس کی شجاعت کی بشارت حضرت محمد مصطفٰے دے رہے ہیں۔ جسے حضرت فاطمہؑ اپنا فرزند فرما رہی ہیں۔ جس کو امام حسنؑ اپنا مددگار بتا رہے ہیں اور امام حسین "بنفسی انت" فرما رہے ہیں۔ اور جس کے بلند مدارج کی شہادت امام زین العابدینؑ دے رہے ہیں اور جسے امام جعفر صادقؑ نافذ البصیرت اور عبد صالح فرما رہے ہیں۔ اور جس پر امام آخر الزمان علیہ السلام سلام بھیج رہے ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ حضرت عباس علیہ السلام امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی تمناؤں سے پیدا ہوئے اور وحدانیت کا کمال کمسنی میں اقرار کیا۔ آپ کا بچپن معصومین کی آغوش میں گذرا۔ جوانی اسلام اور ذمہ داران اسلام کی امداد میں گذری۔ شہادت راہ خدا میں واقع ہوئی ؎

عباسؑ سر کٹائے دریا پہ سو رہے تھے
اہل حرم کی حافظ جنگل میں بے کسی تھی

اسلام اور امام حسینؑ کی حمایت میں شہادت نصیب ہوئی۔ بچپن سے جوانی اور جوانی سے یوم شہادت تک جو اسلامی خدمات کی ہیں۔ وہ تاریخ کے صفحات میں روز روشن کی طرح واضح ہیں۔ کسے خبر نہیں کہ معرکۂ صفین کے سر کرنے میں آپ نے سروتن کی بازی لگا دی تھی۔ ولید بن عقبہ والیٔ مدینہ کے دربار میں آپ کا دلیرانہ عمل اور کردار ناقابلِ فراموش ہے، مدینہ سے روانگی مکہ میں قیام۔ کربلا میں ورود۔ نصب خیام کا واقعہ جلب آب اور سقائی غرضیکہ اس عظیم سفر میں تا دمِ آخر آپ نے وہ شاندار کردار پیش فرمایا ہے۔ جو تاریخ کربلا میں نمایاں جگہ کا مالک ہے۔

میرا نظریہ

تالیف کتاب کے سلسلہ میں مَیں اپنا نظریہ ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ۱۔ جو واقعات معلوم الکذب نہ ہوں۔ ۲۔ اور جن واقعات سے ممدوح یا مخاطب کی شان نہ گھٹتی ہو انہیں حوالہ کتب سے پڑھا اور لکھا جا سکتا ہے۔

حجۃ الاسلام علامہ سید حسین صاحب قبلہ علیین مکان تحریر فرماتے ہیں کہ بیان واقعہ میں "اثارۃ للاحزان علی القتیل العطشان" اسناد موثقہ کی پابندی نہیں ہے۔ ولیس الامر منحصراً فی الاحادیث المرویۃ عن اہل العصمۃ۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس معاملہ میں جو احادیث معصومینؑ سے مروی ہوں بس انہیں پر اعتماد کیا جائے اور مورخین کے قول کو نظرانداز کر دیا جائے۔ فالامر موسع فی الروایات کما فی سائرۃ المندوبات بس سمجھنا چاہیئے کہ بیان روایات میں سائر مندوبات کی طرح آزادی ہے۔ یہی وجہ ہے جناب شیخ مفید علیہ الرحمۃ جیسی شخصیت نے کلبی، مدائنی اربلی اور ابو مخنف وغیرہم کے بیانات سے تمسک فرمایا ہے۔ (مجالس مفجعہ ص۴۳ طبع لکھنؤ)

کچھ تیسرے ایڈیشن کے متعلق

کتاب ذکر العباسؑ کے دوسرے ایڈیشن کے بعد قدر دانوں کے خطوط کا تانتا بندھ گیا۔ بعض خطوط تو اس حیثیت سے لکھے گئے ہیں کہ انہیں پڑھ کر مجھے شرم آتی ہے۔ کیونکہ میں ہرگز ان کے مفاہیم پر صحیح نہیں اُترتا۔ میری حیثیت ایک خادم دین سے زیادہ ہرگز نہیں ہے۔ بہر حال میں ان حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنہوں نے اپنے خطوط سے میری ہمت افزائی فرمائی ہے۔

کتاب ذکر العباس کے اس تیسرے ایڈیشن میں مَیں نے کافی اضافہ کر دیا ہے۔ یقین ہے کہ اس ایڈیشن کو ایڈیشن نمبر ۲ سے کافی حد تک زیادہ وقعت دی جائے گی۔

والسلام

سید نجم الحسن کراروی۔ پشاور

۱۵ر شعبان ۱۳۸۸ھ

مُبسملاً مُحمّداً مُصلیاً

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے دل کی گہرائی میں

ایک بہادر فرزند کی تمنّا

تاریخ کی ورق گردانی کرنے والے جانتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا اور تمنّا سے حضرت یحییٰ پیدا ہوئے (قرآن مجید سورہ مریم و النفس المہموم صہ۲۳ طبع نجف اشرف و توضیح المقاصد بہائی صہ۱ طبع بمبئی ۱۳۱۵ھ) اور حضرت فاطمہ بنت اسد کی دُعا اور تمنّا سے حضرت علی متولد ہوئے۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۱ طبع بمبئی) اسی طرح حضرت علی علیہ السلام کی دُعا اور تمنّا سے عَلَمدار کربلا حضرت عباس علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں۔

حضرت علیؑ اور جناب عقیلؑ میں گفتگو

یہ ظاہر ہے کہ فرزند رسول الثقلین امام حسینؑ پر حتمی واقع ہونے والے حادثہ کربلا سے حضرت علی علیہ السلام بخوبی واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اس نازک دور میں میرا وجود نہ رہے گا۔ کہ میں اپنے نورِ نظر کی امداد کرسکوں۔ آپ کو اس موقع پر نہ ہونے کا افسوس اور اپنے فرزند کی مصیبت میں ظاہراً بھی شریک نہ ہونے کا رنج تھا۔ متفکر تھے ہی کہ دل کی گہرائی میں اِک جوشِ تمنا پیدا ہوا۔ منہ سے نکلا۔ اے کاش! میری کوئی ایسی اولاد ہوتی جو حسینؑ کے آڑے وقت میں کام آتی۔

دِل میں تمنّا کا پیدا ہونا تھا۔ کہ آپ نے اپنے بھائی حضرت عقیلؑ کو طلب فرمایا اور ان سے کہا کہ اے بھائی مجھے واقعہ کربلا کی تفصیلات معلوم ہیں۔ میرا دِل بےچین ہے میں چاہتا ہوں کہ:

انظر الی امراۃ قد ولدتھا الفحولۃ من العرب لاتزوجھا فتلد لی غلاماً فارساً یکون عونالولدی الحسین فی کربلا تنقیح المقال مامقانی

آپ عرب کی کسی ایسی عورت کو تلاش کیجئے کہ جو بہادروں کی نسل سے ہو۔ تاکہ میں اس سے عقد کرلوں اور اس کے بطن سے ایسا بہادر لڑکا پیدا ہو، جو رزمگاہ کربلا میں میرے فرزند

حسین کی کمال انہماک اور توجہ و جانفشانی سے مدد کرے۔

باب العباس ص۲۵ طبع ایران؛ اسرار الشہادۃ ص۳۱۹ طبع ایران ۱۲۷۹ھ و شرح شافیہ لابی نواس و عمدۃ المطالب ص۳۵۲ و معہ ساکبہ ص۳۳۶ و ناسخ التواریخ جلد ۳ ص۵۳

حضرت عقیل جو انساب عرب سے واقف تھے حضرت علیؑ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے بولے: بام البنین الکلابیہ اے علی آپ ام البنین کلابیہ کے ساتھ عقد کریں لیس فی العرب اشجع من آباءھا ولا افوس اس لیے کہ اس کے آباؤ اجداد سے زیادہ شجاع اور بہادر کوئی نہیں لقد کان لبید یقول فیھم سنئے لبید شاعر نے ان کے خاندان کی نسبی بلندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔ ع "نحن خیر عامر بن صعصعہ" ہم ہی خاندان عامر بن صعصعہ ہیں۔ بڑی عزت و منزلت کے مالک ہیں۔ جس سے کوئی عرب کا باشندہ انکار نہیں کر سکتا اور اے بھائی علی سنو! من قومھما ملاعب الاسنۃ ابو براء۔ ام البنین کے خاندان ہی سے ابو البراء بھی تھے۔ جن کو ملاعب الاسنۃ یعنی نیزوں سے کھیلنے والا کہا جاتا تھا۔ الذی لم یعرف فی العرب مثلہ فی الشجاعۃ۔ جس سے بڑا شجاع سرزمین عرب نے آج تک پیدا نہیں کیا۔ (تنقیح المقال ص۷۰ طبع ایران)

جناب ام البنین کا باپ کی طرف سے نسب نامہ مورخین کا بیان ہے کہ ام البنین یعنی فاطمہ کلابیہ کا نسب نامہ یوں ہے:۔ فاطمہ بنت حزام ابن خالد ابن ربیعہ بن لوی بن غالب بن کعب ابن عامر بن کلاب بن ربیعہ ابن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن (تحفہ حسینیہ جلد ۱ ص۹۳، المقتل عوالم ص۹۳، ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۸۰، عمدۃ المطالب ص۳۳۴، ابصار العین ص۲۶، مطالب السؤل ص۲۱۵، ابن ابی الحدید جلد ۱ ص۵۰۶، منہج للمقال طبع ایران ۱۲۶۷ھ

جناب ام البنین کا ماں کی طرف سے نسب نامہ لسان الملک کہتے ہیں کہ ام البنین کی ماں لیلیٰ بنت شہید ابن ابی بن عامر بن الاعب لاسنہ بن مالک بن جعفر بن کلاب تھیں۔ اور لیلیٰ کی ماں ثمامہ بنت سہیل بن عامر بن مالک ابن جعفر بن کلاب تھیں۔ اور ثمامہ کی ماں عمرہ بنت طفیل (فارس قرزل) ابن مالک الاحزم بن جعفر ابن کلاب (رئیس الہوازن) تھیں۔ اور عمرہ کی ماں کبشہ بنت عروۃ الرجال بن عتبہ بن جعفر بن کلاب تھیں۔ اور کبشہ کی ماں ام الخشف بنت معاویہ (فارس قبیلہ ہوازن بن عبادہ بن عقیل بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ تھیں۔ اور ام الخشف کی ماں فاطمہ بنت جعفر بن کلاب تھیں اور فاطمہ کی ماں عاتکہ بنت عبد شمس بن عبد مناف ابن قصی ابن کلاب تھیں۔ اور عاتکہ کی ماں آمنہ بنت وہب بن عمر بن نصر بن فعین بن حارث بن ثعلبہ بن داؤد بن اسد بن حزیمہ تھیں۔ اور آمنہ کی ماں دختر مجد بن صبیحہ

الاغر بن اقیس بن ثعلبہ بن عکاشہ بن صعصعہ بن علی بن بکر بن وائل بن ربیعہ بن نزار تھیں اور ان کی والدہ دختر مالک بن قیس بن شیبہ تھیں۔ اور ان کی ماں دختر ذوالراسین۔ خشین بن ابی بن عصم ابن شمخ بن فزارہ تھیں اور ان کی ماں دختر عمرو بن عرمرہ بن عوف بن سعد بن دینار بن بغیض بن الریب ابن غطفان تھیں (ناسخ التواریخ جزء ۳ ص ۳۰۰ طبع ایران) علامہ کنتوری لکھتے ہیں۔ فھی کریمۃ الاصل طیبۃ الولادۃ جناب ام البنین، شریف خانوادہ سے پاکیزہ اور بے داغ تھیں۔ ان کا نسب نہایت ہی عمدہ تھا۔ (مائتین ص ۴۴)

جناب ام البنین کی خواستگاری کے لیے حضرت عقیل کا جانا حضرت عقیل نے حضرت علیؑ سے جناب ام البنین کی کمال مدح و ثنا کرنے کے بعد کہا "اگر اجازت فرمائید اے راخواستگاری کنم۔ اگر اجازت دیں تو میں خواستگاری کے لیے جاؤں۔ عقیل را وکیل نمود۔ حضرت عقیل کو وکیل بنا کر کثیر مہر دے کر قبیلہ کلاب کی طرف روانہ فرمایا۔ حضرت عقیل خانہ حزام میں جا پہنچے۔ آپ کو صدر مجلس میں جگہ دی گئی۔ ادائے مراسم کے بعد از حزام ام البنین راخواستگار شد۔ جناب ام البنین کے والد حزام سے ام البنین کے لیے سلسلہ جنبانی شروع کی۔ حزام نے پوچھا میری لخت جگر کس کے لیے چاہتے ہو۔" فرمایا:

از جہت خورشید سپہر امامت، جمشید سریر کرامت۔ واقف معارج لاہوت۔ عارف مدارج ناسوت ناشر ناموس ہدایتہ۔ کاسر ناقوس غوایتہ۔ خطیب منبر سلونی۔ وارث رتبہ ہارونی۔ نور جمالی ازلی۔ شعاع بے مثال لم یزلی۔ حضرت علی ولی علیہ السلام برادر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

یعنی میں تاجدار مملکت کمالات حضرت علی برادر پیغمبر اسلام علیہ السلام کے لیے خواستگاری کی خاطر آیا ہوں یہ سن کر حزام فرط مسرت سے بیخود ہوگئے اور فوراً یہ کہتے ہوئے داخل خانہ ہوئے کہ میں ابھی ابھی عرض کرتا ہوں۔

جناب ام البنین اور حزام میں گفتگو آپ نے گھر میں جا کر جناب ام البنین سے کہا کہ عقیل بن ابیطالب آئے ہیں اور علی بن ابی طالب تیرے خواستگار ہیں۔ بیٹی! تیری کیا رائے ہے؟ ام البنین نے جب یہ سنا "در پیراہن نہ گنجید" بے انتہا خوش ہوئیں اور کہا۔ "اختیار در دست پدر است"۔ بابا جان آپ کو اختیار ہے البتہ اتنا عرض کیے دیتی ہوں کہ میرے دل میں پہلے سے تمنا تھی کہ میرا شوہر بے مثل و بےنظیر اور یکتا و بے ہمتا ہو خوشا نصیب کہ دلی مراد بر آنے کے اسباب پیدا ہوگئے۔ میں بالکل راضی ہوں اختیار آپ کے ہاتھ میں ہے۔

حزام گھر سے باہر آئے۔ حضرت عقیل نے پوچھا۔ "حزام کیا کہتے ہو" عرض کیا "جعلت فداک" میں آپ کے قربان، کہنا کیا ہے علیؑ سے رشتہ قائم کرنا عین سعادت ہے۔ اس سلسلہ میں علیؑ کو فروغ نہ ہوگا بلکہ "شرف وافتخار ما باشد" میری خوش قسمتی کا باعث ہے۔ عقیل! جب دن تاریخ درست سمجھو میری نور نظر لخت جگر کو علیؑ کی خدمت گذاری کے لیے لے جاؤ۔" جناب عقیل نے واپس آ کر صورت حال حضرت علیؑ

کی خدمت میں عرض کی۔ حضرت علیؑ نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ فتزوجہا امیر المومنین اورام البنین کے ساتھ عقد کر لیا۔ پھر چند عورتوں کو خانہ حزام میں بھیجا گیا کہ وہاں سے ام البنین کو لے آئیں۔

جناب ام البنین خانہ امیر المومنین میں عورتیں گئیں اور جناب ام البنین کو آراستہ و پیراستہ کر کے لے آئیں اور حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ ام البنین فرماتی ہیں کہ میں ساری دنیا کی عورتوں پر اس بارے میں فخر کیا کرتی تھی کہ ع "کنیز حضرت زہرا و زوجہ شاہم" میں فاطمہ زہرا کی کنیز اور تاجدار عالم کی زوجہ ہوں۔

علامہ قزوینی رقمطراز ہیں:- چوں قدم بآستانہ حضرت نہاد۔ آں عتبہ عالیہ را بوسید وارد۔ حجلہ شد اول حسنینؑ کہ بیمار بودند نشانید بدور ہر کدام سہ مرتبہ گردید بعد صورتہای ایشاں را بوسید۔ بوسید، گریید۔ عرض کرد۔ آقایان من وآقا زادگان من مرا بکنیزی خود قبول دارید۔ تصدق شما شوم۔ من آمدہ ام خدمتگار شما باشم۔ رخت و لباس شما بشویم و دست بستہ مشغول خدمت شما باشم مرا بخادمی قبول کنید (ریاض القدس جلد ۲ صہ ۶۶ طبع ایران)

کہ حضرت ام البنین نے حضرت علی کے گھر میں داخل ہوتے ہی ڈیوڑھی کو بوسہ دیا اور داخل حجرہ ہو کر سب سے پہلے حضرات امام حسن و امام حسین کو جو بیمار تھے اٹھا کر بٹھایا اور دونوں کے گرد تین دفعہ قربان ہوئیں پھر منہ چوما از بعض سونگھیں، اور رو کر عرض کی، اے میرے آقا اور میرے آقا زادو۔ مجھے اپنی کنیزی میں قبول کرو میں تم پر نثار۔ میں تمہاری خدمت کے لیے آئی ہوں تمہارے کپڑے دھوؤں گی اور بدل وجان تمہاری خدمت کروں گی۔ تم مجھے اپنی خدمت کے لیے قبول کرو۔

ناظرین کرام! جناب ام البنین کے اس طرز عمل سے حضرت علی کے ساتھ ساتھ روح فاطمہ زہرا بھی مسرور ہو گئی اس لیے کہ ان کی دلی تمنا یہی تھی کہ میرے بعد علیؑ جو بھی عورت لائیں وہ میرے بچوں کی صحیح نگراں ہو

لہ بعض کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہ زہراؑ کے بعد جناب ام البنین ہی کے ساتھ عقد کیا تھا چنانچہ علامہ علی بن عیسیٰ اربلی اپنی کتاب الکبیر التواریخ المعروف بہ سیرۃ الائمہ ترجمہ کتاب کشف الغمہ طبع بمبئی ۱۳۰۸ھ کے صہ ۶۲ پر لکھتے ہیں زنان آنحضرت نہ بود ہاند۔ اول فاطمہ زہرا علیہا السلام بود زمانِ آں معصومہ زندہ بود زن دیگر نخواست۔ بعد از وفات آں حضرت ام البنین دختر حزام بن خالد از بنی کلب بخواست (ترجمہ) حضرت علی کی نو بیویاں تھیں۔ سب سے پہلی حضرت فاطمہ تھیں بیدہ عالمیان کی زندگی میں آپنے دوسرا عقد نہیں فرمایا۔ آپ کی شہادت کے بعد جناب ام البنین بنت حزام سے عقد فرمایا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ۔ مورخین اسلام مسٹر ذاکر حسین صاحب نے اپنی تاریخ اسلام کی جلد ۳ کے صہ ۲۳۹ پر امیر المومنین کی بیویوں کی فہرست تحریر کی ہے۔ اس میں بھی حضرت ام البنین کو دوسرے نمبر پر رکھا ہے لیکن علامہ محمد باقر بن محمد حسن خراسانی قائنی اس کے خلاف ہیں وہ لکھتے ہیں کہ در بعضے کتب آمدہ اند کہ ام البنین اول زنے بود کہ بعد از وفات حضرت صدیقہ امیر المومنین بعقد خود در آورد۔ وآں را در تذکرۃ الخواتین نیز حکایت کردہ وآں بعید است باوصیت فاطمہ تزویج امامہ بنت زینب۔ ۔ ۔ الخ۔ ترجمہ بعض

حضرت عباس کی ولادت

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ حضرت ام البنین خانہ امیر المومنین میں مقیم رہیں۔ اور بجمد ستعدی ہر خدمت کو فرض عین سمجھتی رہیں۔ امیر المومنین کی دُعا اور تمنا بے اثر نہیں ہوسکتی تھی۔ لہٰذا وہ وقت آیا کہ حمل کا اظہار ہوا عقد کے بعد تقریباً ایک سال گزرتے ہی ایک چاند سا بچہ آغوشِ مادر میں آگیا۔ (حدائق الانس جلد ۲ صہ۶۷ طبع ایران)

علامہ مامقانی رقمطراز ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے یہاں آنے کے بعد حضرت ام البنین کی گود بھر گئی و اول ما ولدت العباس اور سب سے پہلا جو بچہ پیدا ہوا وہ حضرت علیؑ کی تمناؤں کا مجموعہ تھا جس کا نام عباس بن علی رکھا گیا۔ (تنقیح المقال صہ۱۲۸ باب العباس من ابواب العین طبع ایران)

حضرت عباس کی تاریخ ولادت علمدار کربلا حضرت عباس علیہ السلام کا ۲۶ھ میں پیدا ہونا متفق علیہ ہے۔ کسی معتبر مورخ نے سن ولادت میں اختلاف نہیں کیا۔ سب یک زبان کہتے ہیں ولد سنة ست و عشرین من الھجرت۔ آپ ۲۶ ہجری میں پیدا ہوئے۔ (ابصار العین صہ۲۵ طبع نجف اشرف ۱۳۴۱ھ۔ تنقیح المقال صہ۱۲۸ طبع ایران) لیکن تاریخ ولادت میں سخت اختلاف ہے (اول ۲) جناب مولوی سید محمد ضامن صاحب کراروی ضلع الہ آباد نے اپنے رسالے جواہر زواہر قلمی کے صفحہ ۹ پر آپ کی تاریخ ولادت ۱۹ رجمادی اول اور صہ۱۱۱ پر بقول ۱۸ رجب المرجب تحریر فرمائی ہے ۳۔ جناب مولانا سید اکبر مہدی صاحب سلیم جرولی نے اپنی کتاب جواہر البیان کے صہ۳۷ پر بحوالہ محرق الفواد ۲۶ رجمادی الثانیہ تحریر فرمایا ہے (۴) جناب شاہ محمد حسن صاحب صابری چشتی (صوفی) نے اپنی کتاب آئینہ تصوف کے صہ۴۴۲ طبع رامپور ۱۳۱۱ھ پر ۱۸ رجب تحریر کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:-

حضرت عباس بن علی کرم اللہ وجہہ بتاریخ ۱۸ رجب المرجب بروز پنجشنبہ بوقت صبح مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے

۵۔ اہل ایران کے نزدیک آپ کی تاریخ ولادت ۴ شعبان المعظم ہے۔ مشہد مقدس کے علمی ارگن "ندائے ترقی" ماہ شعبان ۱۳۵۰ھ کے صہ۲۲ پر مرقوم ہے "ولادت با سعادت باب الحوائج قمر بنی ہاشم حضرت ابوالفضل العباس را آقایان نجف لیلۂ چہارم ماہ شعبان از اسناد معتبرہ موثقہ بدست آوردہ اند۔۔۔۔ الخ" جناب مولوی محمد ظفریاب صاحب زائرؔ نے اخبار اثنا عشری نے بھی کتاب "قمر بنی ہاشم" میں یہی لکھا ہے۔

مفسر کتابوں میں یہ ہے کہ حضرت علی نے وفات سیدہ کے بعد سب سے پہلے جناب ام البنینؑ کے ساتھ عقد کیا تذکرۃ الخواتین میں تحریر ہے لیکن وصیت فاطمہ زہرا کو دیکھتے ہوئے یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا یعنی آپ نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے بعد امامہ بنت زینب کے ساتھ عقد کریں (کبریت احمر جلد ۳ صہ۱۳ طبع ایران ۱۳۴۳ھ۔ علامہ کلینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کے بعد جناب امامہ بنت زینب سے عقد کیا (اصول کافی، بحار، مرآۃ العقول جلد ۳ صہ۲۲۵)

دہلی ۱۷ مئی ۱۹۰۶ء کے ص۱۱ کالم ۲ پر ۲ رجمادی الاول تحریر فرمایا ہے

تحقیق۔ مذکورہ بالا اقوال پر جب تحقیقی نظر ڈالی جاتی ہے تو ۴ رشعبان والے قول کو ترجیح نکلتی ہے یعنی اس کے علاوہ دیگر مستند ہونے کی وجہ سے ناقابلِ التفات ہیں۔ اس لئے کہ اس مجلہ علمیہ میں علمائے نجف کی تحقیق کا حوالہ دیا گیا ہے یہ ظاہر ہے کہ ان کے مقابلہ میں غیر موثق اقوال قابلِ اعتنا نہیں ہو سکتے۔

دیکھئے علمائے بوقت شہادت آپ کی عمر ۳۴ سال تحریر کی ہے۔ اگر پورے ۳۴ سال عمر شریف مانی جائے۔ تو تاریخ ولادت ۱۰ ذی الحجہ ماننا ناگزیر ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ کو آپ کی ولادت کا ہونا کسی غیر معتبر کتاب میں بھی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے صاحب تاریخ ائمہ نے یہ نتیجہ برآمد کیا ہے کہ آپ کی عمر ۳۴ سال چند ماہ تھی ص۲۹۶۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر عام علماء نے ۳۴ سال کیوں تحریر کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے عرفِ عام کے مطابق تحریر کیا ہے اور ایسے استعمالات اردو میں بھی بکثرت موجود ہیں۔

غرضکہ بوقت شہادت آپ کی عمر ۳۴ سال چند ماہ ماننے بغیر چارہ نہیں تو اب دیکھنا یہ ہے کہ اقوال مذکورہ بالا میں سے کون سا قول ایسا ہے جو ۳۴ سال چند ماہ والی تحقیق کی تصدیق کر سکے۔ یہ ظاہر ہے کہ ۳۴ سال کے بعد "چند ماہ والی مدت" جو ہے وہ کم سے کم تسلیم کی جائے گی۔

اب ۴ رشعبان ۲۶ھ کو تاریخ ولادت قرار دے کر ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ تک آپ کی عمر کا حساب کیا جاتا ہے تو غالباً ۳۴ سال ۵ ماہ ۶ یوم ہوتے ہیں۔ جو دیگر تاریخوں کے حساب سے کم ہیں۔ مختصر یہ کہ حضرت عباسؑ ۴ رشعبان المعظم ۲۶ھ مطابق ۱۸ مئی ۶۴۷ء یوم سہ شنبہ کو پیدا ہوئے۔

۴ رشعبان کو اربابِ تحقیق نے مان لیا

ناظرین کرام! آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے ذکر العباس طبع اول ص۲ ۱۳۵۵ھ کے ذریعہ سے اپنی تحقیق دنیا کے سامنے پیش کی۔ جس میں نمایاں طور پر واضح کیا کہ حضرت عباسؑ کی تاریخ ولادت ۴ رشعبان ۲۶ھ ہے۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان کے باشندوں نے میری تحقیق کو سراہا۔ اسی تاریخ کو عام شیعیانِ حیدر کرار نے محفلیں منعقد کیں اور اربابِ تحقیق نے اپنی کتابوں اور تحریروں میں اسے لکھ کر اپنے ماننے کا ثبوت پیش کیا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں سلطان المحققین جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ ایڈیٹر اصلاح کھجوہ ضلع سہارنپور و جناب مولوی سید عابد حسین صاحب ایڈووکیٹ و ایڈیٹر مسلم ریویو مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے اسمائے گرامی پیش کروں۔ اول الذکر صاحب نے اپنی تاریخ ائمہ ص۲۹۳ طبع ۱۳۵۶ھ میں اور آخر الذکر نے مسلم ریویو جلد ۲۲ ع۳ میں تسلیم فرمایا ہے کہ لکھنؤ جو شیعیت کا مرکز ہے۔ وہاں بھی آپ کی محفل میلاد ۴ رشعبان ہی کو ہوا کرتی ہے۔ یہ حسنِ اتفاق ہے کہ تاجدار کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام ۳ رشعبان المعظم اور علمدار کربلا حضرت

عباس علیہ السلام ۴ شعبان المعظم کو پیدا ہوئے۔ حضرت نسیم امروہوی کہتے ہیں ؎

تیسری کو تُو نے پایا فاطمہؑ کا ماہتاب | صاحب والنجم کی منزل کا پُر انوار چاند
وہ بنی ہاشم کا چاند آیا ہے چوتھی کو جسے | کہتے تھے اوج وفا کا حیدر کرار چاند

حضرت علی کی پیشانی سجدۂ خالق میں | بطن جناب ام البنین سے چاند سا بچہ پیدا ہوگیا۔ لوگوں نے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو مژدہ مسرت سُنایا کہ اُم البنین فرزند سے قمر منظر بوجود آور دہ ام البنین کے شکم مبارک سے ایک ماہ پیکر بچہ پیدا ہوا ہے۔ حضرت علیؑ نے خبر مسرت اثر پاتے ہی اپنی پیشانی مبارک سجدۂ خالق میں رکھ دی۔ مطلب یہ تھا کہ خالق! میری دلی تمنا بر آئی۔ اب میرے حسینؑ کی امداد ہو سکے گی۔ (ریاض القدس ج ۱ ص ۶۶)

حضرت عباس کی پہلی نظر چہرہ امام حسین علیہ السلام پر | تاریخ کے چہرے پر نظر ڈالنے والے جانتے ہیں کہ جب حضرت علی علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اپنی آنکھوں کو اس وقت تک بند رکھا جب تک کہ پیغمبر اسلام تشریف نہ لائے تھے۔ جب آپ تشریف لائے اور اپنی آغوش میں تاجدار اسلام کو لیا تو آپ نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ اور چہرہ رسالت پر پہلی نظر ڈالی تھی۔ (راحتہ ذی الصلابتہ فی محبتہ الصحابہ قلمی)

شارح زیارت ناحیہ کی تحقیق ہے کہ جب حضرت امام حسین کو خبر ملی اور آپ تشریف لائے اپنے بھائی کو آغوش امامت میں لیا۔ کان میں اذان واقامت کہی۔ آپ نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ اور سب سے پہلے چہرہ امام حسینؑ پر نظر ڈالی۔

زبانِ امام حسینؑ دہن عباسؑ میں | تاریخ شاہد ہے کہ جب حضرت علیؑ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے پیغمبر اسلام نے زبان مبارک دہن اقدس میں دے کر بزبان حال اقرار جانبازی لے لیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علیؑ شمع رسالت پر ہر وقت پروانہ وار نثار ہونے کو تیار رہا کرتے تھے کسی وقت آنحضرتؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ جب نبرد آزمائی کا موقعہ آیا۔ نہایت ہی بے جگری سے لڑے۔ جاں نثاری کا وقت آیا تو آنحضرتؐ کے پسینے پر اپنا خون بہادیا۔ ہجرت کے موقع پر تلواروں کے سایہ میں میٹھی نیند سو کر دکھلا دیا۔ کہ حمایت اس کا نام ہے۔ حضرت امام حسین بہ نص قرآنی حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے فرزند اور حضرت عباس حضرت علی کے نُورِ نظر تھے آنحضرت کا جو برتاؤ حضرت علی کے ساتھ اور حضرت علی کا جو سلوک حضرت محمد مصطفےٰ کے ساتھ تھا۔ وہی برتاؤ حضرت امام حسین علیہ اسلام کا حضرت عباس کے ساتھ اور حضرت

۱؎ امام کافی لکھتے ہیں کہ علی جب بطن مادر میں تھے تو ابو طالب نے آنحضرت صلعم سے کہا کہ اگر ہمارے یہاں مولود لڑکا ہوگا تو آپ کا غلام اور لڑکی ہوئی تو آپ کی کنیز ہوگی۔ وہب بن ۳ھ اسکندری میں ہے جب حضرت علی کعبہ میں پیدا ہوئے تو بنت اسد نے انہیں کپڑے میں لپیٹ رکھا۔ ابو طالب نے کہا اس کا منہ اس وقت تک نہ کھولنا۔ جب تک محمدؐ نہ آجائیں۔ آنحضرتؐ تشریف لائے آغوش میں لے لیا اور علیؑ نام رکھا۔ (ارجح المطالب ص ۳۸۹)

عباسؑ کا امام حسینؑ کے ساتھ ہونا چاہیئے۔

شارح زیارت ناحیہ لکھتے ہیں کہ: حضرت عباسؑ نے بھی پیدا ہونے کے بعد نہ ماں کا دودھ پیا اور نہ ہی دائی کا۔ جب حضرت امام حسینؑ تشریف لائے اور آغوش مبارک میں لے کر دہن اقدس میں زبان اطہر دی تو حضرت عباسؑ نے اُسے چوسنا شروع کر دیا۔ گویا امام حسینؑ نے اسی طرح اقرار جانبازی لے لیا۔ جس طرح سرورِ کائنات نے لعاب دہن چسا کر حضرت علیؑ سے عہد وفاداری لیا تھا۔ چنانچہ آپ "تا عمر" انا عبد من عبید محمد فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عباسؑ مسجد میں

حضرت امام حسینؑ لعاب دہن سے سیراب کرنے کے بعد حضرت عباسؑ کو لے کر عبا سے سایہ کئے ہوئے داخل مسجد ہوئے اور حضرت علی علیہ السلام سے عرض کی۔ "بابا جان! یہ بچہ مجھے بہت ہی پیارا ہے۔ اس کی پرورش اور پرداخت میں کروں گا۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔ بیٹا بڑی خوشی کی بات ہے۔

امام حسین علیہ السلام مسجد سے واپس ہوتے ہوئے پھر عرض کرتے ہیں۔ بابا جان! کیا وجہ ہے کہ جب اس کی محبت جوش مارتی ہے تو ساتھ ہی ساتھ میرا دل بھی بھر آتا ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا۔ بیٹا خاصانِ خدا کے لیے خوشی اور غم توام ہیں۔ آج یہ بچہ تمہیں مسرور کر رہا ہے لیکن ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے کہ تم الان انکسر ظہری کہہ کر روتے ہو گے۔ امام حسینؑ نے اشارہ کی تفصیل چاہی۔ آپ نے فرمایا: بیٹا! جبریل امین تیری شہادت کا محضر نامہ[لے] لیے تھے۔ اس میں مرقوم تھا "الحسین سید الشہداء والعباس حامل اللواء"۔ حضرت حسینؑ شہداء کے سردار اور عباسؑ علمبردار کربلا شہید ہوں گے۔

[لے] محضر نامہ کے سلسلہ میں علامہ کلینی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ روائتیں درج فرمائی ہیں۔ ان حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے۔ حضرت صادق آل محمدؐ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام پر آسمان سے ایک وصیت نامہ نازل ہوا۔ جس میں حضرات ائمہ کرام پر گزرنے والے واقعات تحریر تھے۔ پیغمبر اسلام نے تمام واقعات کا مطالعہ فرمایا۔ جب واقعہ کربلا پر نظر کی نار تعدت مفاصل النبی۔ آپ کے جوڑ بند کانپنے لگے۔ پھر حضرت علی اور فاطمہ زہراؑ اور امام حسن علیہم السلام نے ملاحظہ کیا۔ ان کے بعد امام حسینؑ نے پڑھا۔
اور آپ کو واقعہ شہادت کا علم ہوا۔ یہ وصیت نامہ ہر امام کے پاس یکے بعد دیگرے رہا۔ یہاں تک کہ کربلا میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے حوالہ کیا گیا۔ اور اب بھی حضرت امام مہدیؑ آخر الزمان کے پاس موجود ہے۔ (اصول کافی ص ۱۳۵ طبع ایران ۱۲۸۱ھ۔ انیس الموحدین ملا مہدی نراقی ص ۱۳۸۔ مقاصد الاسلام حصہ ۶ ص ۵۹ طبع حیدرآباد ۱۳۳۲ھ)
علامہ کنتوری لکھتے ہیں۔ ان اصحاب الحسین الذین استشہد وامعہ۔ کانت اسمائہم مکتوبۃ فی العہد الذی جاء جبریل۔ محضر شہادت میں تمام شہداء کے نام درج تھے۔

علماء کہتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ کو بار بار کہتے ہوئے سُنا ہے کہ حسینؑ تین دن کے بھوکے پیاسے صحرائے کربلا میں شہید ہوں گے۔ (ینابیع المودۃ صد ۳۱۸، تحریر الشہادتین شرح سر الشہادتین صد ۹۰ طبع لکھنؤ) اور عباس نہر فرات پر جا کر اپنے شانے قلم کرا دے گا۔ اے حسینؑ! ذرا عباس کے شانے کھولو۔ شانے کھولے گئے۔ حضرت نے اس پر دو نشان دکھلائے۔ فرمایا۔ ایک علم کا اور دوسرا سکینہ کی سوکھی مشک کا نشان ہے۔ واللہ اعلم (ریاض الشہداء صد ۳۵۹ طبع دہلی ۱۳۵۲ھ)

حضرت عباس کی پیدائش اور حضرت علی کا گریہ

علامہ صدر الدین قزوینی لکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام ایک دن وارد خانہ ہوئے۔ فرمایا میرے نور نظر کو میرے پاس لاؤ سفید پارچہ میں لپیٹ کر حضرت عباس آپ کی آغوش میں دے دیئے گئے۔ آپ

پھر تحریر فرماتے ہیں ان الحسین کان اذا لقی احدا من الانصار فی ذلک السفر فیریہ ذلک العھد۔ کہ امام حسین اس سفر کربلا میں جب اپنے کسی مددگار سے ملتے تھے تو وہ محضر شہادت دکھایا کرتے تھے (ما صد)

۵۔ حضرت امام حسینؑ کے سید الشہداء ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں لیکن مولوی عبد الشکور صاحب لکھنوی نے جو حدیبیہ کے موقعہ پر شک کرنے والے کے پیرو ہیں۔ اپنے النجم سید الشہداء نمبر ۱۳۵۵ھ میں امام حسین علیہ السلام کے سید الشہداء ہونے سے انکار کیا ہے حالانکہ ان کا انکار بالکل بے بنیاد ہے۔ علماء و ارباب قلم کی اکثریت آپ کے سید الشہداء ہونے کی قائل ہے۔ ملاحظہ ہو: ایڈیٹر الفقیہ امرتسر لکھتے ہیں "بدر کے شہیدوں کے امتیاز سے حضرت امیر حمزہ سید الشہداء کہلانے کے مستحق ہیں (الفقیہ امرتسر ۳ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ) (۲) محب الدین بغدادی انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ کشتی نوح کی تیاری کے سلسلہ میں حضرت جبرائیل ایک صندوق لائے جس میں ایک لاکھ انتیس ہزار میخیں تھیں۔ سب میخیں کشتی میں جڑ دی گئیں۔ جب آخری پانچ میخیں رہ گئیں تو وہ چمک اٹھیں۔ جبرئیل نے ہر ایک مناسب مقام پر لگایا۔ جب آخری میخ لگائی گئی تو حضرت جبریل نے کہا۔ ھذا مسمار الحسین ابن علی سید الشہداء۔ یہ حسینؑ ابن علیؑ کے نام کی کیل ہے۔ جو سید الشہداء ہیں۔ (تاریخ ابن حجاز بغدادی قلمی) (۳) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ "چوں حضرت امام حسین سید الشہداء از دست اشقیاء شام و عراق منصب شہادت یافت (تحفہ اثنا عشریہ صد ۲۴ طبع لکھنؤ نولکشور پریس ۱۸۹۶ء۔

۴۔ عبد الرحمن جامی قصیدہ فرزدق کے ترجمہ میں لکھتے ہیں ؎

قرۃ العین سید الشہداء ست زہرۂ شاخ دوحہ زہرا ست

(النجم ۱۱ محرم ۱۳۵۵ھ) ملا محمد مبین فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ الباب الثالث ذکر سید الشہداء۔ وسیلۃ النجاۃ صد ۲۵۹

نے چہرۂ عباس سے کپڑے کو ہٹایا۔ "ماہے در سحاب دید" چہرۂ قمر بنی ہاشم پر نظر ڈالی۔ اور فوراً پیشانی فرزند کا بوسہ دیا۔ اس کے بعد اس پارچہ سے حضرت عباس کے ننھے ننھے ہاتھوں کو نکالا اور دست وبازو، کلائی و سرپنجہ کو بغور دیکھا۔ چشم مبارک سے آنسوؤں کے موتی ٹپکنے لگے۔ "آغاز نالہ و زاری کرد" اور آپ نے رونا شروع کیا۔ آپ کا رونا تھا کہ چاہنے والی ماں کے منہ کو جگر آنے لگا۔ دست بستہ عرض کی آقا! مگر در دست و سرپنجۂ پسرم عیبے مشاہدہ فرمودی کہ ایں قدر گریہ کردی" میرے مولا! آپ نے میرے اس فرزند دلبند کے ہاتھوں اور انگلیوں میں کیا دیکھا کہ اس قدر گریہ کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ام البنین یہ مت پوچھو۔ ام البنین نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کے اندر وہ راز ہے کہ اس کو معلوم کرکے تم تاب ضبط نہ لاسکوگی۔ لیکن ماں کے مضطرب دل کو کب سکون ہوسکتا تھا۔ اصرار پر اصرار کرتی گئیں اور آپ یہی فرماتے رہے کہ "تاب شنیدن نہ داری" اے ام البنین! تم سن نہ سکوگی۔ الغرض آپ نے فرمایا اے اُم البنین! ؎

یاد آمدم آں روز کہ عباس دلاور
بے دست شود از ستم فرقۂ اکفر

ارے آج وہ دن یاد آگیا۔ جس دن ہمارے اس فرزند کے دونوں ہاتھ جفاجُو اور ستم پرور مسلمانوں کی تلواروں سے کاٹے جائیں گے اس کے سر پہ گرز آہنی اور سینے پر نیزہ لگے گا۔ اور یہ تین دن کا بھوکا پیاسا زمین کربلا پہ شہید کیا جائے گا۔ (ریاض القدس جلد ۲ صہ ۶۷) یہ سن کر حضرت ام البنین بے چین ہوکر رونے لگیں۔

حضرت عباسؑ کی رسم عقیقہ اور آپ کا نام | عقیقہ اسلامی نقطہ نظر سے سنت موکدہ ہے (مفاتیح الشرائع قلمی ۴۰، ۱۱۲ھ) آپ کی ولادت کے ساتویں دن یہ رسم عمل میں لائی گئی اور عباس نام رکھا گیا۔

ناظرین کرام! اس بہادر فرزند کا نام عباسؑ رکھنا نہایت ہی مناسب تھا۔ اس لیے کہ شیر کا بچہ شیر ہی ہوتا ہے۔ علی علیہ السلام کا نام حیدر بھی تھا۔ عمدۃ المطالب میں ہے کہ یسمی امیر المومنین علی۔ حیدر لانہ حیدرۃ من اسماء الاسد۔ امیر المومنین علی کو حیدر اس لئے کہتے ہیں کہ آپ بڑے بہادر تھے اور حیدر شیر کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ تو جس طرح شیر کے ناموں میں

طبع لکھنو (۵) محمد ابراہیم خاں اکبر آبادی تذکرہ حالات خواجہ معین الدین چشتی اجمیری میں لکھتے ہیں: حضرت امام زین العابدین ابن سید الشہداء امام حسین علیہ السلام (تذکرہ حالات خواجہ معین الدین اجمیری صہ ۶ طبع آگرہ ۱۳۳۱ھ۔

(۶) فاضل صوفی لکھتے ہیں کہ دربار یزید میں لوگوں نے جناب زینب کو پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ جواب دیا: حضرت امام حسین سید الشہداء کی بہن ہیں۔ (ذکر الشہادتین صہ ۹۵ طبع کانپور ۱۹۲۷ء) (۷) منشی عبداللہ ابن خدا بخش لکھتے ہیں کہ ابن زیاد نے سب کو قید خانہ بھجوا دیا۔ اور جناب سید الشہداء کے سر مبارک کو شہر کوفہ کے پھاٹک پر لٹکا دیا (اصلی سچا شہادت نامہ صہ ۳۳ طبع لکھنو ۱۳۰۴ھ۔

سے ایک نام ہے اسی طرح عباس بھی ہے۔ العباس من الاسماء الاسد۔ شیر کے ناموں میں سے ایک نام عباس بھی ہے۔

حضرت عباسؑ کا اسم گرامی اور لغات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نام نامی کے متعلق ارباب لغات کے بیانات پیش کئے جائیں تاکہ اس کے نام کی وقعت کچھ اور بلند ہوسکے۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ مسٹر لوایس مسیحی المنجد صہ ۵۰۳ میں لکھتا ہے۔ کہ عباس کے معنی زیادہ ترش رو کے ہیں اور یہ شیروں کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

۲۔ راجہ راجیشور ابن راجہ اماپت راؤ اپنی کتاب افسر اللغات طبع حیدرآباد دکن ۱۳۲۳ھ کے صہ ۶۲۴ پر لکھتے ہیں کہ عباس اسم فرزند علی مرتضیٰ بمعنی شیر درندہ اور مرد پہلوان۔

۳۔ ملا عبدالعزیز بن محمد سعید اپنی کتاب لغات سعیدی طبع کانپور ۱۹۳۹ء کے صہ ۳۵۶ پر تحریر کرتے ہیں۔ عباس شیر۔ ترش رُو۔ نام حضور سرور کائناتؐ کے چچا اور حضرت علی کے ایک بیٹے کا۔

۴۔ مصنف غیاث اللغات فصل عین مع الباء طبع لکھنؤ کے صہ ۲۸ پر لکھتے ہیں۔ عباس بالفتح وتشدید ثانی بمعنی شیر درندہ و نام عم پیغمبر کہ خلفائے عباسیہ منسوب باد ستند و نام فرزند علی کرم اللہ وجہہ کہ از زوجہ کہ بعد وفات حضرت فاطمہ بنکاح آوردہ بودند۔ (ترجمہ) عباس کے معنی شیر درندہ کے ہیں۔ یہ نام آنحضرتؐ کے ایک چچا کا تھا۔ جن کی طرف خلفائے عباسیہ منسوب ہیں اور یہ نام حضرت علی کے ایک بیٹے کا تھا۔ جو حضرت کی اس بیوی سے پیدا ہوا تھا جس سے آپ نے جناب سیدہؑ کی وفات کے بعد عقد فرمایا تھا

۵۔ صاحب لغات سروری، طبع لکھنؤ ۱۸۷۰ء کے صہ ۲۸۶ پر لکھتے ہیں: عباس نام عم آنحضرتؐ و فرزند علی مرتضیٰ و درندہ شیر و مرد پہلوان۔

۶۔ نوراللغات جلد ۳۔ صہ ۵۳ طبع لکھنؤ ۱۳۴۷ھ۔ میں ہے کہ عباس بمعنی شیر درندہ

۷۔ جامع اللغات محمد رفیع طبع الہ آباد ۱۹۳۴ء کے صہ ۴۷ پر ہے، "عباس آنحضرتؐ کے چچا کا نام جن کی اولاد سے خلفائے عباسیہ ہیں۔ حضرت علی کے ایک صاحبزادے جو کربلا میں شہید ہوئے۔

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام شجاع تھے۔ علامہ شہیر تحریر فرماتے ہیں کہ کمال شجاعت کی وجہ سے آپ کا اسم گرامی عباس رکھا گیا۔ (کبریت احمر جزو ۳۔ صہ ۲۴) اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عباس علیہ السلام شجاعت علویہ کے ورثہ دار تھے، اور بمفاد الولد سر لابیہ۔ ع

بیٹا وہی قدم بہ قدم ہو جو باپ کے

حضرت علی علیہ السلام کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

غازی بڑا ہے سب سے زیادہ دلیر ہے
عباس جس کا نام ہے شیروں کا شیر ہے

حضرت عباسؑ کا عہد طفلی اور معرفت باری | غیاث اللغات ص۳۴۵ میں ہے۔ کہ یقین کے تین درجے ہیں ۱۔ علم الیقین ۲۔ عین الیقین ۳۔ حق الیقین۔ یہ ظاہر ہے کہ جو مدارج یقین میں سے جتنے درجے حاصل کر سکے گا۔ وہ اسی قدر معرفت باری کی منزلوں پر بھی فائز ہوگا۔ انجیل یوحنا کے باب ۱۴۔ آیت ۲۶ طبع لاہور میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پانی پر چلتے تھے ...... الخ پیغمبر اسلام ارشاد فرماتے ہیں لو ازداد یقیناً لمشی علی الھوی "اگر عیسیٰ کا یقین اور زیادہ کمال پر ہوتا تو وہ یقیناً ہوا پر اڑتے۔ اب ذرا حدیث بساط کے ماننے والے اور خیبر میں ہوا کے دوش پر علی کے قدم دیکھنے والے، علی کے مدارج یقین کا اندازہ لگائیں۔ اور اگر انسانی طاقت اس کے اندازہ سے قاصر ہو تو علی ہی سے پوچھیں۔ کہ حضرت آپ کا یقین کس حد کا ہے تو وہ فرمائیں گے میں معرفت الٰہی کے بارے میں اتنا بڑھا ہوا ہوں کہ لو کشف الغطاء لما ازددت یقیناً کہ اب اگر پردے ہٹا دیئے جائیں تو بھی میرے حد یقین میں اضافہ ناممکن ہے۔

ناظرین کرام! باپ کا اثر بیٹے میں ضرور ہوتا ہے۔ اب علی جیسے عارف باللہ کے صلب مبارک سے جو بچہ پیدا ہوا اس میں بھی علوی کمال کی جھلک ضرور ہونی چاہیئے۔ علامہ برغانی لکھتے ہیں کہ: وارد شد کہ عباس بود۔ بر زانوئے علی نشستہ و زینب ہم طفل بود بر ران دیگر نشستہ۔ مروی ہے کہ حضرت عباس نہایت کمسنی کے عالم میں حضرت علی کے زانو پر بیٹھے ہوئے تھے اور دوسرے زانو پر زینب تشریف فرما تھیں۔ جناب علی فرمود۔ بگو۔ واحد۔ گفت واحد۔ فرمود بگو اثنین۔ عرض گردانید کہ شرم می دارم۔ بزبانے کہ یکے گفتہ ام دو بگویم۔ یعنی امیر المومنین نے دستور زمانہ کے مطابق تعلیم کے سلسلہ میں حضرت عباسؑ سے فرمایا نور نظر لو گنتی گنو۔ کہو ایک ا۔ عباسؑ نے کہا ایک۔ پھر حضرت علیؑ نے فرمایا۔ کہو دو۔ عرض کی گستاخی معاف ع

میں ایک کا قائل ہوں کبھی دو نہ کہوں گا

اے بابا جان مجھے شرم آتی ہے کہ جس زبان سے ایک کہہ کر وحدت باری کا اقرار کر چکا ہوں اب اسی زبان سے دو کیوں کر کہوں۔ (یہ تو شرک ہے) آنجناب راخوش آمد۔ بوسہ داد۔ حضرت علیؑ نے اس معرفت میں ڈوبے ہوئے جواب کو سن کر عباس کے لبوں کا بوسہ لے لیا (مجالس المتقین ص۲۷ طبع ایران ۱۲۶۲ھ)

ے زینب سے مراد زینب صغریٰ بنت علی ہیں۔ جن کی عمر حضرت عباس کے مساوی تھی۔ جو حضرت علی کی ایک زوجہ کے بطن سے تھیں (انوار الابصار۔ تاریخ ابن الوردی جلد ۱ ص۱۶۵۔ نور مبین علی محمد خان آغا خانی ص۳۰۔ کبریت احمد ص۱۶)

دیکھئے یہ ہے معرفت باری اور اس کو کہتے ہیں یقین خداوندی۔ گودیوں میں کھیلنے والا بچہ کس طرح قرآن کی آیت "لاتتخذ الھین اثنین" (دو خدا قرار نہ دو) پر عمل کر کے اپنے کمال عقیدہ اور اپنی معرفت کا ثبوت دیتا ہے۔ دراصل اسی آغاز کا انجام ہے کہ حضرت صادق آل محمد حضرت عباس کو خطاب نافذ البصیرت صلب الایمان دینے پر مجبور ہوئے۔ (عمدۃ المطالب ص۳۲۳)

ناظرین کرام! یہ تو حضرت علیؑ کے ایک زانو پر بیٹھنے والے کی معرفت کا ذکر تھا۔ اب ذرا اس دوسرے زانو کی طرف بھی نظر کر لیجیے۔ جس پر ایک چھوٹی سی لڑکی بیٹھی ہوئی ہے۔ لڑکا بھی علی کے صلب سے اور لڑکی بھی علی کے صلب سے۔ لڑکا اگر اثرات علویہ سے بامعرفت ہے تو لڑکی بھی علوی اثرہ کی وجہ سے پُر معرفت ہونی چاہیئے۔

مولانا سید علیؒ شاگرد جناب سلطان العلما تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عباس کی گفتگو ختم ہوتے ہی جناب زینب بنت علی نے عرض کی۔ بابا جان! کیا آپ کے دل میں ہم لوگوں کی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا بیشک عرض کی باباجان! کیا ایک دل میں دو محبتیں جمع ہو سکتی ہیں۔ یہ تو بظاہر ممکن نہیں ہے کہ آپ خدا کو بھی چاہیں۔ اور ہم لوگوں کی محبت بھی اپنے دل میں رکھیں۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ آپ خدا کو دوست رکھتے ہوں۔ اور ہم لوگوں پر شفقت و مروت فرماتے ہوں یہ سن کر حضرت علیؑ بے انتہا خوش ہوئے۔ (مجالس علویہ باب ۱۔ ص۹۳ طبع لکھنؤ ۱۲۹۲ء)

حضرت علی کا حضرت عباس کے دونوں ہاتھوں کا بوسہ لینا علما کا بیان ہے۔ ان ام البنین رات امیرالمومنین فی بعض الایام اجلس ابا الفضل علی فخذہ و شمر عن ساعدیہ وقبلھما ...... الخ کہ جناب ام البنین نے ایک دن حضرت علیؑ کو

---

(۹) حافظ محمد خالق ہنسوی تعزیہ کے جواز کے سلسلہ میں لکھتے ہیں "نقل العمارۃ روضۃ سید الشہداء فکما بناء المساجد جائز شرعاً ھذا بناء التعزیہ" (جواز التعزیہ طبع میرٹھ ۱۳۳۳ھ) (۱۰) مولانا محمد لطیف فرنگی محلی لکھتے ہیں۔ سیدنا امام حسینؑ کے لیے لفظ سید الشہداء کا استعمال کرنا صحیح ہے۔ اور اس کی حجت کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ استاذ الہند حضرت نظام الدین خطبہ جمعہ میں حسینؑ کو سیدی الشہداء استعمال کیا کرتے تھے۔ (ابصار العین ص۴۵ لکھنؤ) ان چند حوالوں اور تحریروں سے ناظرین کرام بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ مولوی عبدالشکور نے اپنے انکار میں خالص بکواس کی ہے ان کو چاہئے کہ سرکار حسینی سے اس گستاخی کی معافی مانگیں۔

ص۵ حضرت عباس کا حامل لوا ہونا واضح ہے۔ مدینہ سے روانگی کے وقت علم لشکر حسینی آپ ہی کے ہاتھوں میں تھا۔ اور آخر وقت تک آپ ہی کے ہاتھوں میں رہا۔ امام حسین فرمایا کرتے تھے۔ یا اخی انت صاحب لوائی اے بھائی عباس! تم میرے علمبردار ہو۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۰۸۔ تحفہ حسینیہ ص۱۳۵ ابصار العین ص۲۹ مقتل عوالم ص۹۴۔ بحار الانوار جلد ۱۰ مناقب شہر آشوب ج۲)

دیکھا کہ عباس کو اپنے زانو پر بٹھائے ہوئے ہیں اور ان کی آستنیں سمیٹ کر اُن کی کلائیوں کا بوسہ لے رہے ہیں اور زار وقطار رو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر جناب ام البنین گھبرا گئیں اور بولیں۔ اے میرے والی و وارث آپ کا یہ کیا حال ہے۔ فرمایا ام البنین! یہ نہ پوچھو۔ انہوں نے اصرار کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ سنو! اس کے ہاتھ ایک دن نصرت حسین میں کٹ جائیں گے۔ یہ سُننا تھا کہ جناب ام البنین بے تحاشا رونے لگیں ان کے رونے سے گھر بھر رونے لگا۔ (قمر بنی ہاشم عربی علامہ عبد الرزاق ص۱۹ بحوالہ قمر بنی ہاشم فارسی ص۲۱)

حضرت عباس کا بچپن اور حضرت سید الشہداءؑ کی خدمت

حسینؑ محضر نامہ دیکھ چکے تھے۔ پیغمبر اسلام سے سُن چکے تھے اور حضرت علی سے معلوم کر چکے تھے وہ جانتے تھے کہ واقعہ کربلا ہوگا۔ اور ضرور ہوگا (ذخیرۃ المال علامہ عجیلی و مسند ابن حنبل جلد ۱ ص۸۵) اور یہ بھی جانتے تھے کہ یہی برادر عزیز میرا پورا قوت بازو ہوگا۔ اسی بنا پر آپ حضرت عباس سے بہت محبت کرتے تھے۔ اور وہ بھی اپنے اوپر تمام احسانات کو جو سید الشہداءؑ کی طرف سے ان کے متعلق تھے، دیکھا کرتے تھے۔ اور شمع امامت کے بچپنے ہی سے پروانہ بنے ہوئے تھے۔ سُنا جاتا ہے کہ حضرت عباسؑ فرط محبت سے امام حسین علیہ السلام کے پاؤں کی خاک اپنی آنکھوں سے لگا لیا کرتے تھے

حضرت عباس کو یہ گوارا نہ تھا کہ حسین کی کوئی خدمت ایسی ہو جو ان کے علاوہ دوسرا بجالائے مسجد کوفہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام تشریف فرما تھے آپ کے پہلوے مبارک میں آپ کے فرزند دلبند فروکش تھے۔ بادشاہ کربلا کو پیاس محسوس ہوئی۔ قنبر سے جو آپ کے خاندانی غلام تھے۔ فرمایا اسقنی من الماء قنبر ذرا پانی تو پلانا۔ حکم پاتے ہی قنبر اُٹھے حضرت عباس نے جو اس وقت نہایت ہی کمسن تھے۔ قنبر سے فرمایا۔ ٹھہرو۔ اپنے آقا کے لیے میں پانی لاؤں گا۔

حضرت عباس پانی کے لیے گئے۔ اور آب سرد کا ایک جام بھرا۔ بچپنے کا عالم تھا۔ حسینی جام کو سر اقدس پر رکھا۔ اور چلے گئے۔ پانی چھلکا اور آپ تر ہوگئے۔ حسین کے پاس پہنچے۔ بدن مبارک پر چھلکا ہوا پانی دیکھا۔ واقعہ کربلا یاد آگیا۔ اور آپ اشکبار ہوگئے۔ (چہل مجلس ص۳۱۲ طبع لکھنو)

اس واقعہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کم سنی کی وجہ سے آپ نے سر پر پانی کا جام رکھا تھا لیکن میں کہتا ہوں کہ عباس کو یہ دکھلانا تھا کہ میں اپنے آقا کے کاموں کو سر آنکھوں سے کرتا ہوں۔

حضرت عباس کے بھائیوں کی پیدائش | حضرت عباس کے حقیقی بھائی جناب عبداللہ، جناب عثمان اور جناب جعفر تھے۔ حضرت عباس کے تقریباً نو دس برس بعد بطن جناب ام البنین سے جناب عبداللہ پیدا ہوئے۔ اور جناب عبداللہ سے دو سال بعد جناب عثمان بن علی پیدا ہوئے۔ اور جناب عثمان سے تقریباً دو سال بعد جناب جعفر بن علی پیدا ہوئے جیسا کہ ابصار العین وغیرہ سے مستنبط ہوتا ہے۔

عثمان کی وجہ تسمیہ | آپ کی پیدائش کے بعد حضرت علی نے آپ کا نام عثمان تجویز کر کے فرمایا: سمیتہ باسم اخی عثمان ابن مظعون۔ میں نے اس کا نام عثمان اپنے قوت بازو عثمان بن مظعون کے نام پر اس لیے رکھا ہے تاکہ ان کی یاد تازہ رہے (تحفہ حسینیہ جلد ا صـ۶۳ اور مقتل عوالم صـ۹۳)

جعفر کی وجہ تسمیہ | آپ کی پیدائش کے بعد حضرت علیؑ نے آپ کا نام جعفر رکھا تاکہ جعفر طیار کی یاد قائم رہے۔ روی ان امیر المومنین سماہ اخیہ جعفر لحبہ ایاہ۔ حضرت علیؑ نے ان کا نام جعفر اپنے بھائی جعفر ابن ابی طالب کے نام پر محض اس لیے رکھا تاکہ ان سے محبت کا ثبوت دیں۔ حضرت علی جعفر طیار کو بے حد مانتے اور چاہتے تھے۔ (ابصار العین صـ۳۵ طبع نجف اشرف)

حضرت عباس کی ماں کا نام اور ان کی کنیت | مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عباس کی مادر گرامی کا نام فاطمہ کلابیہ تھا۔ اور کنیت ام البنین تھی۔ لیکن اس امر میں فی الجملہ اختلاف ہے کہ آپ کی کنیت ام البنین (بیٹوں کی ماں) کب سے قرار پائی۔ اکثر مورخین کا بیان ہے کہ جب حضرت عباس اور عبداللہ و جعفر پیدا ہوئے تو آپ کی کنیت ام البنین قرار دی گئی لیکن علامہ کنتوری کہتے ہیں کہ کناھا بھا ابو ھا تفاؤلا کہ ام البنین کی ماں لیلے بنت شہید اور باپ حزام بن خالد نے پہلے ہی آپ کی کنیت ام البنین قرار دی تھی۔ یعنی شگون کے طور پر آپ کو بیٹوں کی ماں کہا تھا۔ تاکہ اس سے اس بات کا مظاہرہ ہو کہ ہم لوگوں کے دل میں تمنائیں ہیں۔ کہ خدا اسے صاحب اولاد اور بیٹوں کی ماں قرار دے۔ (مائتین کنتوری صـ۴۴) میرے خیال میں دونوں صورتیں قرین قیاس ہیں۔

جنگ صفین اور حضرت عباس | صفین نام ہے اس مقام کا جو فرات کے غربی

لـہ یہ قدیم الاسلام تھے ۱۳ آدمیوں کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ دونوں ہجرتوں اور جنگ بدر میں شریک رہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی شراب کو حرام جانتے تھے۔ یہ مہاجرین میں سے پہلے شخص ہیں۔ جنہوں نے مدینہ میں انتقال کیا۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئے (مجمع البحرین ۶۱۹)

جانب رقہ اور بالس کے درمیان واقع ہے (معجم البلدان صفحہ ۲۶ باب ص طبع مصر ۱۹۰۶ء) یہیں اسلام کی وہ قیامت خیز جنگ عالم وقوع میں آئی جو جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے اس جنگ کے اسباب میں معاویہ کی چیرہ دستیوں اور تمرد و سرکشی کو پورا دخل ہے۔

معاویہ زمانہ خلافت حضرت عمر سے شام کا گورنر تھا۔ وفات عثمان کے بعد جب حضرت علی ظاہری خلیفہ ہوئے۔ اور عنان حکومت آپ کے دست حق پرست میں آئی تو آپ نے معاویہ کے پاس کہلا بھیجا کہ مجھ پر جو قتل عثمان کی سازش کا الزام لگا کر شامیوں کو برافروختہ کر رہے ہو اور اپنے کو رسول اللہ کا منصوص خلیفہ مشہور کر رہے ہو (سیر الائمہ صفحہ ۴۵) یہ تمہاری حرکت ناشائستہ اچھی نہیں ہے آپ کے متعدد احکامات کے بعد بھی جب معاویہ کے کان پر جوں نہ رینگی۔ اور آپ کو اس کا بھی قطعی علم ہو گیا کہ وہ مجھ سے برسرپیکار ہونے کے اسباب فراہم کر رہا ہے تو آپ نے برسر منبر فرمایا:
عزلت المعاویۃ من حکومۃ الشام میں نے حاکم وقت ہونے کی معاویہ کی شام کی گورنری سے معزول کر دیا اور اب اسے حاکم شام تسلیم نہ کیا جائے (اکسیر التواریخ صفحہ ۴) معاویہ جو خود حضرت علی کو معزول کرنے کے لیے ہمہ تن فکر بنا ہوا تھا اسے جب معزولی کی خبر ملی۔ تو اس نے آپ سے مقابلہ کی ٹھان لی۔ چنانچہ جنگ جمل اسی کا ساختہ تھی۔

جنگ جمل کے بعد آپ نے اس کے سمجھانے میں بڑا مبالغہ کیا مگر کتے کی دم سیدھی نہ ہو سکی۔
معاویہ اب کھل کر میدان میں آنے کے لیے بے چین تھا اسی حوصلہ اور بے چینی میں ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر لے کر حضرت علی پر حملہ کے لیے چل کھڑا ہوا یہاں تک کہ مقام صفین میں آ پہنچا۔ علامہ دمیری لکھتے ہیں کہ اجمعوا علی قتالہ قاتلہم اللہ خدا معاویہ اور اس کے ساتھیوں کو غارت کرے کہ ان لوگوں نے (عین ایمان) اسے جنگ کرنے پر اجماع کر لیا (حیوۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۵۶)

مقام صفین کی طرف حضرت علیؑ کی روانگی جب حضرت علی کو علم ہوا کہ معاویہ ایک لاکھ بیس ہزار (بقولے ایک لاکھ ساٹھ ہزار، تاریخ اسلام صفحہ ۲) کا لشکر لے کر آ گیا ہے تو آپ نے بھی تیاری شروع کر دی اور نوے ہزار افراد پر مشتمل لشکر لے کر صفین کی طرف روانہ ہوئے

حضرت علی کا کربلا میں ورود ابن حجر مکی لکھتے ہیں۔ کہ آپ صفین کی طرف تشریف لے جا رہے تھے جب نینوا کے قریب پہنچے تو بروایت شعبی سال عن اسم ھذہ الارض فقیل کربلا فبکی حتی بل الارض من دموعہ آپ نے پوچھا اس زمین کو کیا کہتے ہیں کہا گیا اس کا نام کربلا ہے یہ سن کر آپ رونے لگے اور اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی ثم قال دخلت علی رسول

اللہ وھو یبکی فقلت ما یبکیک فقال انی عندی جبریل انفا واخبرنی ان ولدی الحسین یقتل بشاطی الفرات بموضع یقال لہ کربلا ثم قبض جبریل قبضۃ من تراب فشمنی ایاہ فلم املک عینی ان فاضتا۔ پھر آپ نے فرمایا ایک دن میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہیں روتا ہوا پایا میں نے پوچھا حضور کو کس چیز نے رلا دیا۔ فرمایا ابھی ابھی جبرئیل آئے تھے۔ اور مجھ سے کہا کہ کربلا کی زمین پر فرات کے کنارے آپ کے نورِ نظر شہید کر دیئے جائیں گے۔ اب علی سنو! جب سے یہ سنا ہے آنکھوں سے آنسو نہیں تھمتے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ یہ کہنے کے بعد جبرئیل نے ایک مٹھی خاک دی اور کہا کہ اسے سونگھو۔ اس کا سونگھنا تھا کہ اشک آنکھوں سے جاری ہو گئے۔ صواعق محرقہ صہ ۱۱۵ طبع مصر ۱۳۲۴ھ اخبار الہدیٰ بحرانی صہ ۲۹۴۔ روایح القرآن صہ ۴۹۸)

احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ حضرت علی نے یہ بھی فرمایا: فتیۃ من آل محمد یقتلون بھذا لارضۃ تبکی علیھم السماء والارض اسی زمین پر آل محمد کا ایک برگزیدہ گروہ قتل کیا جائے گا جس کے غم میں زمین و آسمان (خون کے آنسو) روئیں گے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ا صہ ۸۵ طبع مصر سر الشہادتین شاہ عبد العزیز دہلوی صہ ۱۰ طبع لدھیانہ۔ اخبار الدول صہ ۱۰۸ حیوۃ الحیوان جلد ا صہ ۵۸)

علامہ مجلسیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت علی بہ نزدیکی نینوا رسیدند آب ہائے عسکر آنجناب تمام شدہ تشنگی برایشان غلبہ نمود۔ نینوا کے نزدیک پہنچے تو آپ کے لشکر کا پانی ختم ہو گیا تھا۔ اور تمام لوگوں پر پیاس کا حد درجہ غلبہ تھا۔ انتہائی کوششوں کے بعد بھی پانی نہ ملا۔ ناگاہ ایک دیر راہب نظر پڑا۔ اس سے پانی طلب کیا اس نے جواب دیا کہ یہاں سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر پانی دستیاب ہو سکتا ہے۔ یہ سن کر حضرت علیؑ نے روبقبلہ ہو کر ایک مقام کی طرف اشارہ کیا کہ اس جگہ کو کھودو۔ تعمیل حکم کی گئی ایک چشمہ نمودار ہوا۔ لیکن اس کا منہ ایک بڑے گرانبار پتھر سے بند تھا۔ لشکریوں نے لاکھ ہٹایا۔ مگر اس پتھر نے جنبش نہ کی پھر ید اللہ حضرت علی خود بڑھے۔ اور انگشت مبارک سے اسے سرکا دیا۔ شیریں پانی کا ایک چشمہ موجزن ہوا۔ سب نے جی بھر کر پانی پیا۔ مشکیزے بھر لیے گئے۔ چشمہ نظروں سے غائب ہو گیا راہب نے یہ ماجرا دیکھا کلمہ پڑھ کر دست امیر المومنین کو بوسہ دیا اور وہ ہمرکاب ہو گیا۔ اس کے بعد قافلہ وہاں سے روانہ ہوا۔ چوں آنجناب بہ کربلا رسیدند گریستند۔ جب آپ کربلا پہنچے تو بے حد روئے۔ (کشف الانوار صہ ۱۹۲) حبیب السیر جلد ا صہ ۵۶ جامع التواریخ صہ ۲۳۸)

شہادت حضرت عباس کا تصور کربلا پہنچ کر آپ ٹھہرے اور آپ کی آنکھ لگ گئی خواب دیکھا کہ ایک باغ ہے۔ ایک جماعت آئی اور اس نے باغ کو قطع کر ڈالا۔ پھر ایک خون کو

دریا جوش زن ہوا۔ امام حسین اس میں شناوری کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر آپ کی آنکھ کھل گئی۔ واقعہ کربلا کے تمام واقعات سامنے آگئے اب کیا تھا علیؑ نے ہونے والے واقعات کے عمل میں آنے سے قبل نوحہ و ماتم شروع کر دیا۔ (کشف الانوار ترجمہ بحار جلد ۹ صہ ۱۹۲)

صفین میں حضرت علی کا ورود اپنے فرزند پر نوحہ و ماتم کرنے کے بعد آپ صفین کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے معاویہ کے لشکر کو دیکھا۔ اپنی ساری فوج کو سامنے آنے کا حکم دیا۔ سارا لشکر معاویہ کے مقابل آگیا۔

آپ کے لشکر پر بندش آب مسٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ اب حضرت علی کی تمام فوج معاویہ کے لشکر کے مقابل پہنچ گئی۔ ابن ابوسفیان نے صفین کی طرف متوجہ ہو کر علیؑ کے پہنچنے سے پہلے ہی ابوالاعور کو چشمہ آب پر مامور کر دیا تھا کہ (جو اس علاقہ میں ایک ہی تھا) قبضہ کرے۔ جناب امیرؑ نے معاویہ نے مقابلہ میں چھاؤنی ڈالی۔ پانی کے روکنے کی خبر ہوئی تو صعصعہ ابن صوحان اور شیث ابن ربعی کی معرفت معاویہ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ یہ لشکر نے پانی روک دیا ہے لشکر کے ساتھ ضعیف کمزور اور بوڑھے بھی ہیں۔ مناسب نہیں کہ مسلمانوں سے پانی روک لیا جائے۔ اگر ہم تجھ سے پہلے وارد ہوتے تو ہرگز منع نہ کرتے ہم پانی پر لڑنے نہیں آئے۔ بلکہ دین پر لڑنے آئے ہیں۔ تاکہ خلق خدا پر حجت پوری ہو جائے۔ مناسب ہے کہ لشکر کو لب دریا سے ہٹا لے۔ اور پھر لڑے۔ حق و باطل کا فرق لڑائی سے ظاہر ہو جائے اور اگر تیری مرضی یہی ہے کہ جو گھاٹ کو لے اسی کی فتح سمجھی جائے تو ہم اس پر بھی رضامند ہیں۔ اس پیغام کے پہنچنے پر معاویہ نے اپنے امراء سے مشورہ کیا۔ عمرو بن عاص نے کہا اے معاویہ کیا تو اپنے خیال میں ساقی کوثر کو کنارے آب فرات پیاسا رکھ سکتا ہے۔ ؎

زہے تصور باطل زہے خیالِ خام

ولید بن عقبہ نے کہا کہ ان لوگوں میں اکثر قاتلانِ عثمان ہیں۔ ان لوگوں نے کئی دن ان پر پانی روکے رکھا مناسب ہے کہ ہم بھی ان کو پیاس کی تکلیفیں پہنچائیں۔ معاویہ نے ولید کی بات پسند کی اور سفیر ولید بن عقبہ کو برا بھلا کہتے ہوئے بے نیل و مرام واپس آئے۔ جناب امیر کے لشکری پیاس سے سخت بیتاب ہوئے۔ حضرت کے لشکر گاہ سے اس دوسرے مقام تک جہاں پانی دستیاب ہو سکتا تھا دو فرسخ کا فاصلہ تھا یہ حالت دیکھ کر اشتر اور اشعث جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا یا امیر المومنین تمام لشکر پیاسا ہے اور معاویہ مع اپنے لشکر کے سیراب ہو رہا ہے۔ ہم لوگ کب تک خاموش رہیں اجازت دیجئے کہ ہم لڑیں اور پانی چھین لیں۔ امیر المومنین نے فرمایا اگر تم دشمنوں سے مغلوب و مقہور

ہو کر جئے تو یہ زندگی عین موت ہے اور اگر دشمن پر مظفر و منصور ہوتے ہوئے مر گئے تو یہ عین حیات ہے الغرض آپ نے اپنے آقا و سردار سے اجازت پا کر دس ہزار فوج لے کر گھاٹ کی طرف رُخ کیا اور ناچار لشکر اعدا پر حملہ کیا زور و شور کی لڑائی کے بعد گھاٹ ابو الاعور سے چھین لیا (تاریخ اسلام صہ ۱۹۹)

بندش آب توڑنے کے لیے امام حسین کی روانگی علامہ شیخ مہدی مازندرانی لکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں یہ لشکر کچھ کمزور پڑتا ہوا دکھائی دیا۔ فضاق صدرہ الشریف آپ کچھ گھبرا سے گئے۔ فقام الیہ الحسین وقال یا ابت انا امضی الیہ یہ دیکھ کر حضرت امام حسین کمربستہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور خدمت پدر بزرگوار میں عرض کی۔ بابا جان! پھر اب تو میں جاتا ہوں۔ ان کو اجازت ملی۔ آپ روانہ ہو گئے اور میدان جنگ میں پہنچ کر بڑی بے جگری سے جنگ کی اور کامیاب پلٹے گھاٹ پر قبضہ ہو گیا۔ لوگوں نے امام حسین کی اس پہلی کامیابی پر مبارک باد دی۔ آپ رونے لگے لوگوں نے پوچھا۔ مولا! یہ تو خوشی کا موقع ہے آپ گریہ کیوں کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا انہ سیقتل بطف کربلا غریباً وحیداً عطشاناً فریداً مجھے اس وقت وہ وقت یاد آ گیا کہ یہ میرا نور نظر مستقبل قریب میں زمین کربلا پر یکہ و تنہا بھوکا پیاسا شہید کر دیا جائے گا۔ (شجرہ طوبیٰ نجف اشرف ۱۳۵۴ھ لوائج الاحزان جلد ۱ صہ ۲۱۹)

حضرت عباس امام حسین کے جلو میں علامہ محمد باقر خراسانی لکھتے ہیں کہ بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے ..... کہ عباس عضد و عون برادرش امام حسین بود۔ در روزیکہ لشکر معاویہ از فرات دور کردند و شریعہ را بہ بطوف اصحاب امیر المومنین دادند۔ .... الخ۔ حضرت اس دن اپنے بھائی امام حسین کے جلو میں معین و مددگار کی حیثیت سے تھے۔ جس روز سے معاویہ کے لشکر کا فرات سے قبضہ اٹھانا اور اپنا قبضہ بٹھانا مقصود تھا (کبریت احمر جز ۳ صہ ۲۵ طبع ایران ۱۳۴۳ء)

مُلا مقبل اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عباس جب لشکر اسلام پر بندش آب کو توڑنے کے لیے اپنے آقا کے ساتھ گئے اور کمال جانفشانی سے نبرد آزمائی کے بعد پلٹے تو حضرت علی سے لشکر کی تشنہ لبی با چشم گریاں بیان کرنے لگے۔ حضرت علیؑ کا دل بھر آیا۔ اور ہونے والے واقعات کا آنکھوں میں نقشہ پھر گیا۔ آپ نے حضرت عباس کو اپنے قریب بلا کر فرمایا: اے فرزند! تو آج کے دن تشنہ لبی سے آشنا ہوا ہے۔ کل وہ دن آنے والا ہے کہ تو اپنے تمام اعزاء و اقربا و برادر سمیت کئی روز کی بھوک و پیاس میں سرزمین کربلا پر شہید کر دیا جائے گا۔ (واقعات مقبل قلمی ۱۲۳۲ھ)

الغرض لشکر امیر المومنین کے قبضہ میں پانی آ گیا۔ مسٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں: لشکر امام نے دریا

پر پہرہ چھاؤنی ڈال دی۔ اور فریق مخالف کو پانی لینے سے روک دیا۔ معاویہ نہایت ہی مضطرب ہوا عمرو بن عاص نے اس کو ملامت کرنا شروع کی اور کہا میں کیا کہتا تھا۔ بتاؤ اگر علی اب تمہارے ساتھ وہی سلوک کریں۔ جو کل تم نے ان کے ساتھ کیا تھا تو تمہارا کیا حال ہوگا۔ معاویہ نے کہا پھر اب کیا ہوگا۔ عمرو نے کہا کہ محصور عثمان کو پانی کی مشکیں بھجوانے والا علی تمہاری طرح ہرگز پانی روکنے والا نہیں۔ حمل و شرمندہ ہوکر معاویہ نے اپنے ارکین دولت میں سے بارہ شخصوں مثل ضحاک ابن قیس۔ بسر ابن ارطاۃ۔ مقاتل ابن زید۔ داؤد بکری۔ حوشب ابن ذی ظلیم وغیرہ کی معرفت امیرالمومنین کی خدمت میں عرض کرا بھیجا کہ ہم پر پانی بند نہ کریں۔ ساقی کوثر نے جواب میں فرمایا کہ ہم کسی پر پانی بند نہیں کرتے۔ خاطر جمع رکھو اس کے بعد اپنے سرداروں کو کہلا بھیجا۔ پانی نہ روکو۔ اور منادی کرادی۔ پانی حلال ہے کسی کو اس میں مضائقہ نہیں ہے۔ دونوں لشکروں میں جس کی ضرورت ہو آدمیوں اور جانوروں کے لیے پانی لے جائے۔ (تاریخ اسلام جلد ۲ صفہ ۱۹۸) صاحب تاریخ ائمہ لکھتے ہیں کہ معاویہ کے جواب میں عمرو بن عاص نے کہا حضرت علی، تم جیسے نہیں ہیں۔ وہ کفو کریم ہیں وہ ایسا نہیں کریں گے۔ صفہ ۲۶۷

مختصر یہ کہ ذی الحجہ ۳۶ھ میں یہ جنگ شروع ہوئی، اور محرم ۳۷ھ میں ملتوی رہ کر یکم صفر سے شب و روز گھمسان کی لڑائی رہی امیرالمومنین نے اپنی روایتی بہادری سے دشمن اسلام کے چھکے چھڑا دیئے۔ عمرو بن العاص اور بشیر بن ارطاۃ پر جب آپ نے حملے کئے تو یہ لوگ زمین پر لیٹ کر برہنہ ہوگئے۔ حضرت علی نے منہ پھیر لیا۔ یہ اٹھ کر بھاگ نکلے۔ معاویہ نے عمرو بن العاص پر طعنہ کرتے ہوئے کہا۔ "در پناہ عورت خود گریختی" تو نے اپنی شرمگاہ کے صدقہ میں جان بچائی۔ عمرو نے کہا یہی عین عقل مندی تھی۔ (سیرۃ الائمہ ترجمہ کشف الغمہ صفہ ۴۲)

جب بشر بن ارطاۃ نے اپنی برہنگی کا واقعہ بیان کیا تو معاویہ نے کہا باکے نیست۔ عمرو بن العاص با تو شریک است۔ کچھ مضائقہ نہیں یہ تو ہونا ہی رہتا ہے کل عمرو بن العاص نے بھی تو یوں ہی اپنی جان بچائی تھی۔ موزخین کا بیان ہے کہ اس جنگ میں نوے لڑائیاں لڑی گئیں۔ ۱۱۰ روز تک فریقین کا قیام مقام صفین میں رہا۔ معاویہ کے نوے ہزار اور حضرت علی کے بیس ہزار سپاہی مارے گئے۔ ۱۳ صفر ۳۷ھ کو صلح ہوگئی۔ (تاریخ ائمہ صفہ ۲۷۱)

تبدیلی لباس کی بحث حضرت علی جن کی تلوار کا لوہا مانا ہوا تھا۔ ان کے متعلق علامہ دمیری لکھتے ہیں۔ اذا اعتلی قد واذا اعترض قط جب طول میں تلوار لگاتے تھے تو جسم کے دو حصے کر دیتے تھے اور جب عرض میں تلوار مارتے تھے تو دو ٹکڑے کر دیتے تھے (حیوٰۃ الحیوان جلد ا صفہ ۵۲)

اس صفین کی اہم اور تاریخی جنگ میں اکثر ایسے مواقع بھی پیش آئے کہ آپ نے بھیس بدل کر جنگ کی اور لباس تبدیل کر کے نبرد آزمائی کی۔ یعنی اگر کوئی بہادر مبارز طلب ہو تو آپ نے اپنے کسی صحابی یا عزیز کا لباس پہن لیا۔ اور مقابلہ کے لیے تشریف لے گئے یہ محض اس لیے کرتے تھے کہ جب مقابل کو معلوم ہو گا۔ کہ نبرد آزمائی کے لئے علی آئے ہیں تو وہ واپس چلا جائے گا۔ اور قتل ہونے سے بچ جائے گا۔

۱۔ صاحب تاریخ ائمہ لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت نے پکار کر فرمایا کہ اے پسر ہند کیوں مسلمانوں کی خونریزی کرتے ہو۔ خود میدان میں نکلو آؤ ہم تم فیصلہ کر لیں۔ مگر معاویہ کو میدان میں نکلنے کی ہمت نہ ہوئی۔ تب حضرت علیؑ نے بھیس بدل کر میدان میں آئے۔ اور آپ نے مبارز طلبی کی۔ عمرو بن العاص نے حضرت کو نہ پہچانا اور اس نے سامنے آ کر رجز پڑھا۔ حضرت نے بھی رجز پڑھ دیا عمرو بن العاص کو معلوم ہو گیا کہ حضرت علی ہیں پس وہ بھاگا۔ (ص ۲۶۹)

۲۔ علامہ عیسیٰ اربلی لکھتے ہیں۔ کہ جب لشکر معاویہ سے مخارق ابن عبدالرحمٰن نکلا تو اس کے مقابلہ کے لیے مولیٰ بن عبید اللہ آئے اور شہید ہو گئے۔ پھر مسلم نامی صحابی تشریف لے گئے وہ بھی شہید ہو گئے۔ تب حضرت علی بھیس بدل کر تشریف لے گئے اور اسے واصلِ جہنم کیا اس کے بعد پھر لشکر معاویہ سے سات جوان یکے بعد دیگرے آتے رہے۔ اور حضرت سب کو قتل کرتے رہے معاویہ نے اپنے غلام حرب سے کہا۔ کہ اب تو جا اور اس جوان کو قتل کر۔ اس نے تلوار کی چمک دیکھ کر معافی چاہی۔ پس امیر المومنین مغفر از سر برداشت تا مردمان لشکر معاویہ دانستند کہ امیر است۔ آنگاہ مراجعت فرمود۔ تب آپ نے اپنے چہرے کو ظاہر کر دیا اور لوگوں نے جان لیا کہ یہ علی ہیں۔ پھر آپ واپس تشریف لے گئے۔ (سیرۃ الائمہ ترجمہ کشف الغمہ ص ۵۴)

حضرت علی جناب ابن عباس کے لباس میں علامہ شیخ جعفر شوستری رقمطراز ہیں:

یک وقتی در جنگ صفین حضرت علی لباس ابن عباس را پوشید و بجنگ رفت بسیارے را کشت۔ معاویہ گفت ایں ابن عباس نیست۔ ابن عباس ایں قدر شجاعت نہ دارد۔ گفتند در جوابش کہ ہماں ابن عباس است۔ معاویہ گفت می خواہید کہ بدانید، ابن عباس ایں قدر باقوت نیست۔ لشکر یک دفعہ حرکت کنند۔

(ترجمہ) علامہ شیخ جعفر شوستری لکھتے ہیں، کہ جنگ صفین میں حضرت علی نے ایک موقع پر ابن عباس کا لباس پہن کر جنگ کی اور بہتوں کو قتل کیا۔ معاویہ نے پکار کر کہا۔ یہ ابن عباس نہیں ہو سکتے۔ ابن عباس اتنے بہادر کہاں۔ لوگوں نے کہا نہیں ابن عباس ہی ہیں۔ معاویہ نے کہا نہیں نہیں ابن عباس نہیں ہیں

پس ہمہ لشکر یک دفعہ حملہ کردند۔ بسوئے او وحضرت درہما مکان ایستادہ حرکت نکرد۔ لشکر دانستند کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام است۔ .... الخ۔ (فوائد المشاہد ص۸۱ م۹۔ طبع بمبئی ۱۳۲۷ھ)

وہ اتنے شجاع کہاں ہیں اگر تم چاہو تو آزمائش کر لو۔ اچھا ایک دفعہ سب مل کر حملہ کرو۔ سب نے مل کر حملہ کیا۔ حضرت نے اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کی۔ تب لوگوں نے سمجھا کہ ابن عباس نہیں بلکہ علی ہی ہیں۔

حضرت علی عباس بن ربیعہ کے لباس میں علامہ ابن طلحہ وعلامہ اربلی وغیرہ لکھتے ہیں کہ لشکر معاویہ سے ایک زبردست سوار برآمد ہوا۔ جناب عباس بن ربیعہ بن حارث ہاشمی اس کے مقابلہ کو گئے۔ "وباہم درآویختند" اور آپس میں گتھ گئے۔ عباس نے اسے ہلاک کر ڈالا۔ اور اپنے شامی گھوڑے پر سوار ہو کر واپس چلے معاویہ نے اپنے لشکریوں سے پکار کر کہا "ہر کس ایں جوان ہاشمی رابکشد او را مال وافر دہم" جو اس جوان ہاشمی کو قتل کرے گا اسے کافی مال دوں گا۔ یہ سن کر لشکر معاویہ سے قبیلہ بنی خشعم کے دو زبردست دلیر میدان قتال میں آکھڑے ہوئے اور للکار کہا۔ اے جوان (عباس) ہم تجھ سے لڑنے کے لیے نکلے ہیں۔ عباس گفت: من بردم واز امیر خود رخصت حاصل کنم۔ عباس نے کہا۔ ذرا اپنے دامن کو ملک الموت کے چنگل سے بچائے رکھو۔ اور تھوڑی دیر ٹھہر و کہ میں امیر سے اجازت لے آؤں۔ (سیرۃ الائمہ ترجمہ کشف الغمہ ص۴۸)

دجاء علیا یستاذنہ فقال لہ علی اذن منی فلما دنی منہ۔ اخذ سلاحہ واخذ فرسہ ولبس سلاح العباس وما کان علیہ ورکب فرس العباس و خرج الی بین الصفین کانہ العباس (مطالب السؤل ص۱۵۰ طبع لکھنؤ)

یہ کہہ کر حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اذن جنگ چاہا۔ حضرت علی نے فرمایا میرے قریب آ۔ جب وہ قریب آگئے تو آپ نے ان کا سلاح جنگ اور گھوڑا لیا اور اپنا لباس اتار کر عباس کا لباس اور سلاح جنگ وغیرہ خود پہنا اور عباس کے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں اس حال میں جا پہنچے کہ لوگ آپ کو عباس ہی جان رہے تھے۔

جب آپ میدان میں پہنچے، مقابل نے پوچھا اپنے مالک سے اجازت لے آئے۔ اور انہوں نے اجازت دے دی حضرت نے یہ آیہ اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا . . . . الخ کی تلاوت کی ان میں سے ایک نے بڑھ کر حضرت پر شمشیر کا وار کیا آپ نے اس وار کو خالی دے کر اس کے پیٹ پر تلوار لگائی اور وہ دو ٹکڑے ہو گیا پھر دوسرے نے بڑھ کر حملہ کیا۔ آپ نے اسے بھی جہنم رسید کیا۔ جب یہ

یہ دونوں قتل ہو گئے تو معاویہ نے پکار کر کہا۔ لشکریو ! ہشیار ہو جاؤ یہ علی بن ابیطالب ہیں

حضرت علی عباس بن حارث کے رُوپ میں علامہ شیخ مہدی مازندرانی لکھتے ہیں۔ کہ جب معاویہ کے لشکر سے ایک زبردست بہادر حمزہ نامی نکلا۔ اور اس کے مقابلہ کے لیے عباس ابن حارث ابن عبدالمطلب۔ لشکر حضرت علی سے نکل کر چلے تو حضرت علی نے عباس بن حارث کو قریب بلایا اور اُن کا لباس خود پہنا اور میدان جنگ میں بلا کر اُسے واصلِ جہنم کیا۔ (شجرہ طوبےٰ صہ ۸۹ طبع نجف اشرف ۱۳۵۴ھ)

حضرت علی اپنے فرزند عباس کے لباس میں علامہ عیسیٰ اربلی لکھتے ہیں۔ پس از لشکر معاویہ کریب ابن صباح بیرون آمد و مبارزت خواست۔ مبرقع خولانی از لشکر بیر بیرون رفت و آں سامی ملعون آں مومن را شہید کرد۔ پس دیگرے بیرون رفت او را تیز شہید کرد۔ لشکر معاویہ سے کریب نامی ایک بہادر نکلا۔ اس لیے مبارز طلبی کی۔ اس کے مقابلہ کو مبرقع خولانی نکلے اور شہید ہو گئے پھر ایک دوسرے صحابی نکلے وہ بھی شہید کر ڈالے گئے۔ (سیر الائمہ ترجمہ کشف الغمہ صہ ۴۶) **فیر ذا امیرالمومنین متنکراً**۔ یہ دیکھ کر امیرالمومنینؑ نے اپنی ہیئت بدلی اور اس کے مقابلہ کے لیے آنکلے۔ (شجرہ طوبیٰ۔ جلد ۲ صہ ۸۹)

علامہ موفق ابن احمد خوارزمی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے کریبؓ ابن صباح حمیری سے جنگ کے موقع پر اپنے فرزند عباس کا لباس اور گھوڑا بدلا تھا۔

فدعا علی علیہ السلام ابنہ العباس وکان تاماً کاملاً من الرجال فامرہ بان ینزل عن فرسہ وینزع ثیابہ ورکب فرسہ والبس ابنہ العباس ثیابہ وارکبہ فرسہ لئلا یحس کریب عن مبارزتہ

(مناقب اخطب خوارزمی صہ ۱۶۹ قلمی)

حضرت علیؑ نے اپنے نورِ نظر حضرت عباس کو بلایا جو کم سنی کے باوجود مردِ کامل تھے اور حکم دیا کہ اپنے گھوڑے سے اُترآؤ، اور اپنے لباس کو اتار دو (آپ نے تعمیل حکم کی) پھر حضرت علی جناب عباس کے گھوڑے پر سوار ہوئے اور ان کو اپنے کپڑے پہنائے۔ اور اپنے گھوڑے پر سوار کیا اور خود ان کا لباس پہن لیا تاکہ کریب نبرد آزمائی سے بھڑکے نہیں۔

حضرت علی علیہ السلام تیار ہو کر عازم میدان ہوئے تو عبداللہ ابن ابی حازبی نے عرض کی کہ مولا ! آپ توقف فرمائیں۔ اس سے میں جنگ کروں گا۔ چنانچہ آپ اجازت کے بعد جنگاہ میں گئے اور شہید ہو گئے

لہ یہ اتنا بہادر اور زور آور تھا کہ چٹکی سے مل کر درہم و دینار کے نقش مٹا دیتا تھا۔ (قمر بنی ہاشم صہ ۲۰)

(مناقب ص۱۹۶) "چوں امیرالمومنین مشاہدہ حال نمود، متوجہ حرب آں شقی شد واول او را نصیحت فرمود چوں اثرے برآں مترتب نہ شد بہ یک ضرب ذوالفقار ہلاک ساخت" حضرت امیرالمومنینؑ نے جب صورت حال کا مشاہدہ کیا تو آپ خود ہی جنگ کے لیے نکل پڑے اور پہلے اُسے نصیحت کی۔ جب نصیحت کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ تو آپ نے ذوالفقار کی ایک ضرب سے اُسے داخلِ دارالبوار کیا۔ (سیر الائمہ ترجمہ کشف الغمہ ص۴۶ طبع بمبئی)

ان تحریروں سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ حضرت علی نے جنگ صفین میں کسی دفعہ تبدیلِ لباس کی ہے۔ کہیں سے جنگ کے موقع پر آپ نے اپنے فرزند عباس کا لباس تبدیل کر کے جنگ کی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعض کوتاہ نظر مورخین اور بعض موجودہ زمانہ کے حضرات اشتباہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ وہ عباس ابن علی تھے یا اور کوئی عباس تھے۔ (کبریت احمر ص۲۵)

ان حضرات کے اشتباہ کو دور کرنے کے لیے چند مفصلہ ذیل چیزوں کا تذکرہ ضروری ہے۔

۱۔ جنگ صفین میں حضرت عباسؑ کی عمر

۲۔ خوارزمی کی حیثیت اور ان کی روایت کی تجزیہ۔

۳۔ حضرت عباسؑ کا قد و قامت۔

۱۔ جنگ صفین میں حضرت عباسؑ کی عمر تاریخوں سے ثابت ہے کہ جنگ آخر ۳۶ھ سے شروع ہو کر ۳۷ھ میں ختم ہوئی ہے اور حضرت ۲۶ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔ ۳۷ میں سے ۲۶ گئے گیارہ بچے یا ۲۶ میں سے گیارہ جوڑ دینے سے ۳۷ ہو جاتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جنگ صفین میں حضرت عباس کی عمر ۱۱ سال تھی۔

۲۔ علامہ خوارزمی کی روایت کا تجزیہ علامہ خوارزمی کی جلالت قدر میں شبہ نہیں ہے وہ فریقین کی نظر میں ممدوح سمجھے جاتے ہیں۔ جس صراحت کے ساتھ انہوں نے تبدیلی لباس کے متعلق تحریر کیا ہے وہ خود اس چیز کو واضح کر رہا ہے کہ موصوف نے بلا تحقیق نہیں لکھا۔ پھر عبارت کا تجزیہ بتاتا ہے کہ آپ نے درست لکھا ہے (۱) ابنہ العباس یعنی علیؑ نے اپنے بیٹے عباس کو بلایا اس سے معلوم ہوا کہ انہیں عباس کا ذکر ہے جو علی کے بیٹے تھے۔ (۲) وکان تاماً حضرت عباس کم سنی کے باوجود تام تھے۔ اس کا مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ گو وہ کمسن تھے لیکن عام، ردوں سے زیادہ کامل تھے کسی شخص کے انسان ہونے میں دو چیزیں دلیل ثابت ہوتی ہیں۔ ایک مرد کامل ہو دوسرے علم و فضل کا مالک خوارزمی نے ان دونوں چیزوں پر روشنی ڈال کر بتاتا ہے کہ حضرت

عباس کمسنی کے باوجود انسان کامل تھے وغیرہ وغیرہ۔

علامہ محمد باقر خراسانی لکھتے ہیں۔ ابوالفضل بروایت خوارزمی در مناقب در صفین مرد تام کامل بود۔ حضرت عباس جنگ صفین میں مرد تام و کامل انسان تھے (کبریت احمر ص۲۵) اس کے علاوہ جناب صدر المحققین، حضرت ناصر الملۃ اعلی اللہ مقامہ سے جب میں نے جنگ صفین میں حضرت عباس کے وجود کا سوال کیا تھا تو آپ نے اسی عبارت کا حوالہ دیا تھا۔ چنانچہ میں نے آپ ہی کے فرمانے پر اس قلمی کتاب سے اس عبارت کو نقل کیا تھا، جو علامہ سید نقی صاحب اعلی اللہ مقامہ کے کتب خانہ واقع لکھنؤ عقب مسجد تحسین علی خان میں موجود ہے۔

۳۔ **حضرت عباس کا قد و قامت** کہا جاتا ہے کہ جنگ صفین میں حضرت عباسؑ صرف گیارہ سال کے تھے، تو حضرت علیؑ کا لباس بدلنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ کیا حضرت عباسؑ کا لباس حضرت علی کے جسم پر اور حضرت علیؑ کا لباس حضرت عباسؑ کے بر میں ٹھیک اتر سکتا تھا؟ میں عرض کرتا ہوں کہ مقتل عوالم ص۱۱۳۔ ابصار العین ص۲۶۔ تحفہ حسینیہ ص۱۰۸۔ ناسخ جز۲ ص۲۰۹ میں ہے کہ یرکب فرس المطہم ورجلاہ یخطان فی الارض جب آپ دور کا بہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو آپ کے پاؤں زمین پر خط دیتے جاتے تھے۔ (نظام العلماء مرزا رفیع طباطبائی لکھتے ہیں کہ: "در بلندی قد و قامت از اہل زماں خود ممتاز بود" حضرت عباس بلندی قامت میں اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے ممتاز تھے۔ (مفاتیح الکنوز ص۱۴۲ طبع ایران ۱۲۹۸ھ) علامہ محمد مہدی نراقی لکھتے ہیں کہ "در جسامت و بلندی قامت از اہل زمان خود ممتاز بود"۔ حضرت عباسؑ جسامت اور بلندی قامت میں اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے ممتاز تھے۔ (محرق القلوب قلمی)

ان عبارات سے واضح ہے کہ آپ نہایت ہی طویل القامت اور لمبے قد کے انسان تھے۔ اور آپ کا طویل القامت ہونا اس لیے تعجب خیز نہیں ہے کہ بقول لسان الملک اسلام میں دس آدمی ایسے گذرے ہیں جن کا طول قامت ہمارے لحاظ سے تقریباً پچیس ہاتھ تھا۔ جن میں حضرت عباسؑ کے اجداد میں ماں کی طرف سے ابن ربیعہ اور ابن طفیل اور باپ و زوجہ کی طرف سے عباسؑ ابن عبد المطلب (عم رسولؐ) بھی تھے۔ یقال یقبل المرۃ وھی فی ھودجھا کہا جاتا ہے کہ وہ زمین پر کھڑے کھڑے اونٹ پر سوار ہودج میں بیٹھی ہوئی عورت کا بوسہ لے لیا کرتے تھے۔ (ناسخ التواریخ جلد ۳ ص۲۰۵)

تو اب عرض کرنا ہے کہ اول تو حضرت عباس کے آباؤ اجداد میں اتنے لمبے آدمی گذر چکے تھے

کہ جن کی نظیر ناممکن سی تھی۔ دوسرے ان کے قریبی زمانہ میں بھی انہیں دس میں کے ایک قیس ابن سعد ابن عبادہ موجود تھے جو معاویہ کے دربار میں رہا کرتے تھے (ناسخ التواریخ) تو یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ آپ کے پاؤں دور کابہ گھوڑے پر سے زمین پر خط دیتے تھے۔ اب اگر حضرت عباس کے قد و قامت کو دیکھا جائے۔ اس لحاظ سے کہ اس زمانہ کے قریب میں بھی پچیس ہاتھ کے آدمی تھے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ نمو کا خیال کرتے ہوئے یوں توازن قائم کیا جائے کہ مثلاً چالیس سال کا آدمی ۲۵ ہاتھ کا لمبا ہوگا۔ تو بیس سال کا آدمی ۱۲½ ہاتھ لمبا ہوگا۔ اور گیارہ سال کا آدمی تقریباً ساڑھے چھ ہاتھ لمبا ہوگا۔ اور پھر بعض روایات میں ملتا ہے کہ یرکب فرس المطهم وکانه کالطود العظیم حضرت عباس جب دور کابہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑے کی پشت پر ایک بہت بڑا ٹیلہ رکھا ہوا ہے۔ اس سے بھی آپ کے نشو و نما کی ارتقائی منزل کا پتہ چلتا ہے۔

اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ جنگ صفین میں آپ کا قد ساڑھے چھ ہاتھ لمبا تھا تو یہ ماننا بہرصورت ناگزیر ہوگا کہ آپ اس وقت اچھے خاصے ڈیل ڈول کے انسان تھے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ کا قد اگر پست نہ تھا تو طویل بھی نہ تھا۔ جیسا کہ اسد الغابہ جلد ۲، ص ۵۲ میں ہے اور اس میں شک نہیں کہ میانہ قد والے انسان کا لباس اس کے جسم پر جو کم سنی کے باوجود کافی طویل القامت ہو اور اس کا لباس اس میانہ قد والے انسان کے جسم پر ٹھیک اترے گا۔

ان تمام تحریری کاوشوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ صفین میں حضرت عباس گیارہ سال کی عمر کے باوجود تقریباً اتنے قد و قامت کے مالک تھے کہ جتنا ایک میانہ قد کا انسان ہوتا ہے۔ لہٰذا حضرت علیؑ کا حضرت عباس کے لباس بدلنے والی روایت غلط نہیں ہے۔ یعنی حضرت علیؑ نے کریب نامی پہلوان سے جنگ کرنے کیلئے حضرت عباسؑ کا لباس بدلا تھا۔

جنگ صفین میں حضرت عباس کی نبرد آزمائی

جبکہ یہ امر پایہ تحقیق کو پہنچ گیا کہ جنگ صفین میں حضرت عباس علیہ السلام موجود اور بہرصورت اس قابل تھے کہ اچھی نبرد آزمائی کر سکتے تھے تو کوئی وجہ نہیں کہ ایسی جو روایتیں ملیں، جن سے حضرت عباسؑ کے جنگ کرنے کا پتہ چلتا ہو انہیں باآسانی رد کر دیا جائے۔

حضرت عباس کے حوصلہ جنگ کی شہادت | علامہ باقر خراسانی لکھتے ہیں کہ جنگ کربلا سے قبل آنجناب در حروب و غزوات باشجاعان عرب محاربہ و مبارزہ نمود دادِ مردانگی دادہ۔ حضرت

عباس اکثر لڑائیوں میں بڑے بڑے شجاعان عرب سے لڑ کر دادِ مردانگی حاصل کر چکے تھے۔ اکبریت احمر صفحہ ۲۴) پھر فرماتے ہیں :۔ عباس نامدار و شجاع بغایت عالیمقدار بود۔ جرارت و قوت از حیدر کرار میراث داشت و پیوستہ در معارک مقاتلہ رایت نصرت برمیا فراشت۔" حضرت عباسؑ بڑے بہادر اور ہمت والے تھے۔ جرارت و قوت حضرت علیؑ سے ورثہ میں پا چکے تھے۔ اکثر جنگوں میں آپ نے رائت نصرت بلند کیا تھا اور دلیرانہ امداد کی تھی، ص۲۵

علامہ محمد مہدی نراقی لکھتے ہیں: بسیارے از ابطالِ عرب کشتہ بود و پیوستہ در غزوات و حروب لوائے فتح وظفر برداشتہ۔ حضرت عباسؑ نے اکثر بہت سے بہادران عرب کو قتل کیا تھا اور بہت جنگوں میں لوائے فتح وظفر کو بلند کیا تھا۔ (محرق القلوب م ۱۲ا، قلمی)

جنگ صفین میں حضرت امام حسین کی روانگی اور حضرت عباس کی جانبازی صاحب تحفہ لوسفیہ لکھتے ہیں کہ اسی جنگ صفین میں ایک مرتبہ محمد حنفیہ جنگ کرنے کے بعد پلٹے۔ حضرت علیؑ نے پھر حکم جہاد دیا۔ . . . . محمد حنفیہ نے عرض کی بابا جان! آپ مجھے امر بجہاد دیتے ہیں اور حسنینؑ کو حکم جہاد نہیں ہوتا۔ ارشاد فرمایا اے بیٹے! تم میرے فرزند ہو اور حسنینؑ فرزند رسولؐ ہیں انہیں حکم جہاد کیسے دیا جائے۔ یہ کلام حسینؑ کے گوش گزار ہوا۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار سے جنگ کی اجازت چاہی۔ (تحفہ لوسفیہ ص۵۵ طبع لکھنؤ ، ۱۳۱۰ھ)

سید الشہداء التماس و اسرار کرد۔ امیرؑ بعلم امامت می دانست کہ دریں واقعہ آسیبے بوجود فرزند حسین نمی رسد۔ اجازت داد۔" حضرت علیؑ کے انکار جنگ پر سید الشہداءؑ نے التماس و اصرار شروع کیا حضرت علیؑ کو علم امامت سے معلوم ہو گیا تھا کہ فرزند رسول کو اس جنگ میں کوئی صدمہ نہ پہنچے گا۔ لہٰذا آپ نے اجازت دے دی۔ حضرت امام حسینؑ عازم جنگ ہوئے۔ جب امام حسینؑ کے بھائیوں کو معلوم ہوا۔ تو انہوں نے آپس میں کہا۔ اللہ! اللہ!! ہم لوگ بیٹھے رہیں۔ اور حسین ابن فاطمہؑ عازم میدان جنگ ہو غرضکہ سب بھائی آگئے اور تادور ہمرکاب رہے۔ (ریاض القدس ص۱۲۵)

مگر مظلوم کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام کے جان نثار حضرت عباس نامدار نے جو دیکھا کہ میرا آقا لڑنے کے لیے جا رہا ہے۔ دل بے چین ہو گیا۔ اگرچہ آپ اس وقت بہت کم سن تھے لیکن دلیرانہ حیثیت سے امداد امام حسینؑ کے لیے بڑھے۔ اصحاب امیرالمومنینؑ کا بیان ہے کہ ناگاہ ایک برق سامنے سے چمک گئی۔ یعنی ایک سوار اس طرح ایک سمت سے نکلا کہ یہ معلوم نہ ہو سکا، وہ کون ہے اور دیکھا کہ درمیان صفوف لشکر در آیا۔ نیزہ اُس جرارت کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے کمال غیظ سے نیزے کو حرکت

دی اور بعض نوجوان لشکر شقاوت اثر کو نیزے کی آنی پر اٹھا کر پھینک دیا۔ یعنی ایک کے بعد دوسرے کو ہلاک کرتا رہا۔ یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں نوے اشقیا کو واصل جہنم کیا۔ ان شیرانہ حملوں کی وجہ سے لشکر میں غل مچ گیا۔ یہ دلیر کون ہے؟ معلوم ہوا کہ قمر بنی ہاشم فرزند حیدر صفدر عباس حق شناس ہیں .... الخ (تحفہ یوسفیہ ص۵ قمر بنی ہاشم ص۱۱ طبع نجف اشرف)

ابن شعثا سے حضرت عباسؑ کی جنگ علامہ محمد باقر خراسانی تلمیذ ملا حسین نوری لکھتے ہیں کہ جنگ صفین کے موقع پر ایک دن حضرت عباس (چہرہ پر نقاب ڈالے ہوئے) میدان جنگ میں پہنچے۔ آپ کی ہیبت اور سطوت کو دیکھ کر اصحاب معاویہ نے جرات نہ کی۔ "پس معاویہ گفت بہ مرد شجاع از اصحابش کہ اورا ابن شعثا می گفتند کہ بیرون رو بمبارزت ایں جوان" تو معاویہ نے اپنے اصحاب میں سے ایک بہادر کو چنا۔ جس کا نام ابن شعثا تھا اور اس سے کہا کہ تو اس نوجوان سے جنگ کے لیے جا۔ اس نے کہا کہ اہل شام مجھے دس ہزار سواروں کے برابر جانتے ہیں اس ایک جوان کے مقابلہ میں میرا جانا میری توہین ہے میں تعمیل حکم کے لئے اپنے فرزند کو بھیجتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اپنے ایک فرزند کو عازم جنگ کیا۔ جب وہ پہنچا واصل جہنم ہو گیا۔ پھر اس نے اپنے دوسرے لڑکے کو بھیجا۔ وہ بھی اس نوجوان کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یہاں تک کہ اس نے پے در پے اپنے ساتوں لڑکوں کو بھیج دیا اور وہ یکے بعد دیگرے اپنے ٹھکانے پہنچ گئے۔

"پس ابن شعثا خود بمبارزت قدم جرات برداشت و آں جوان برا و حملہ نمود" اب تو ابن شعثا سے نہ رہا گیا۔ اس نے خود قدم جرات بڑھایا۔ نقاب پوش بہادر نے اس پر مثل عقاب شکستہ مازو حملہ کیا اور ٹھکانے لگا دیا۔ پھر کسی نے اقدام جرات نہ کیا۔ لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ ھذا علی ابن ابیطالب یعنی علی ابن ابیطالب ہیں۔ حضرت علی جو اس جوان نقاب دار کے قریب تشریف لائے اور اس کے چہرے سے نقاب سرکائی اب لوگوں نے دیکھا۔ یہ تو علی نہیں بلکہ ان کی شجاعت کے ورثہ دار حضرت عباس علمدار ہیں۔" (کبریت احمر جلد ۳ ص۲۵ طبع ایران ۱۳۴۳ھ)

جنگ صفین میں حضرت عباسؑ کی پیاس صاحب فضائل الشہداء لکھتے ہیں کہ جنگ صفین میں حضرت عباس نبرد آزما تھے تو آپ پر پیاس کا زبردست غلبہ ہوا۔ آپ تاب ضبط نہ لاسکے۔ اور اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں عرض کرنے لگے۔ بابا جان! پیاس ہلاک کئے دیتی ہے حضرت علیؑ نے ایک جام آب سرد کا اپنے نور نظر کو دیا۔ حضرت عباسؑ نے پانی پی کر عطش بجھائی اور خدا کا شکر ادا کیا۔ جب آپ پانی پی چکے تو دیکھا کہ حضرت علیؑ کے گریہ گلوگیر ہے۔ دست بستہ عرض

کی۔ باباجان رونے کا سبب کیا ہے۔ فرمایا۔ بیٹا! تمہاری اس عطش کے غلبہ نے ایک اور موقع کی پیاس کی یاد دلادی۔ جس میں روانی دریا کے باوجود تیرے لبوں تک ایک قطرہ پانی نہ پہنچ سکے گا۔

حضرت عباسؑ: "بابا! وہ کون سا زمانہ ہوگا اور کس سن میں واقع ہوگا؟"

حضرت علیؑ: "بیٹا! وہ سنہ ۶۱ ہجری میں پیش آئے گا۔"

حضرت عباسؑ: "کیا اس وقت آپ نہ ہوں گے؟"

حضرت علیؑ: "بیٹا! ہاں میں نہ ہوں گا۔"

حضرت عباسؑ: "بابا! میرے بھائی حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ تو ہوں گے؟"

حضرت علیؑ: "بیٹا! حسنؑ تو نہ ہوں گے مگر تمہارا آقا حسینؑ ہوگا اور وہ بھی تمہارے ساتھ پیاسا ہوگا۔"

حضرت عباسؑ: "بابا! ہماری کون سی خطا ہوگی کہ ہم پر پانی بند ہوگا اور دریا کی موجوں کے باوجود ہم پیاسے رہیں گے۔"

حضرت علیؑ: "بیٹا! تیری کوئی خطا نہ ہوگی۔ تو صرف رفاقت حسینؑ میں پیاسا رہے گا۔"

حضرت عباسؑ: "بابا! کیا فرزند رسول حسینؑ پر بھی پانی بند رہے گا؟"

حضرت علی: بیٹا! وہ اسی گروہ کے لوگ ہوں گے جو آج بھی تیرے سامنے ہیں۔ تم لوگوں پر یہ پانی بھی بند کریں گے اور تمام اصحاب حتیٰ کہ تمام اقربا اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی شہید کر دیئے جائیں گے۔"

حضرت عباسؑ: "بابا! اس وقت ہمارا کیا فریضہ ہوگا؟"

حضرت علی: بیٹا! اس وقت تو اپنی جان کو فرزند رسولؐ اور اہل بیت پر فدا کر دینا۔"

(فضائل الشہداء باب ۲۔ ف ۲۔ ص۱۱۰)

غرضکہ ۱۳ صفر سنہ ۳۷ھ کو یہ جنگ ختم ہوگئی اور تمام لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے حضرت عباسؑ امام حسینؑ کی رفاقت میں رہے اور اس موقع کا انتظار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سنہ ۶۰ھ وسنہ ۶۱ھ ہجری آگیا اور آپ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ جو سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہیں۔

جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے دو شیر

۱۔ ابوالفضل ۲۔ ابوالحارث

یہ واضح ہے کہ عباس کے معنی شیر درندہ کے ہیں۔ آپ امداد حسینی کے لیے کتم عدم سے خیرو میں تشریف لائے حسین کی امداد فرمانا آپ کا فرض عین تھا۔ آپ کی پرورش کی غرض ہی یہ تھی کہ امام حسینؑ کے کام آئیں۔ چنانچہ آپ نے اسے بدرجہ اتم پورا کیا جیسا کہ آئندہ واقعات سے ظاہر ہوگا۔

آپ طفلی میں جس بے جگری کے ساتھ جنگ صفین میں لڑے اور حسینؑ کی امداد کی اس کی ایک مثال اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ آپ ہی کی کنیت ابوالفضل تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ابوالحارث کون تھے اور ان کے تذکرے کا یہاں مطلب کیا ہے۔ چنانچہ گذارش ہے کہ حضرت علیؑ نے تو عباسؑ جیسے فرزند کو حسینؑ کی امداد کے لیے معین فرمایا تھا یہ ظاہر ہے کہ عباسؑ اسی وقت تک امداد فرما سکتے تھے۔ جب تک جان میں جان باقی رہے۔ مرنے کے بعد تو بظاہر امداد نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے ضرورت تھی کہ حضرت علیؑ جناب عباس کی شہادت کے بعد بھی کوئی ایسا انتظام کریں کہ حسینؑ کی امداد کا سلسلہ بند نہ ہو۔ چنانچہ اسی خیال کے تحت حسب تحقیق علامہ محمد باقر نجفی۔ حضرت علیؑ نے بموقع جنگ صفین ایک بچہ شیر کو ایک گرگ کے حوالہ کیا۔ او را بزرگ کند د بآں بچہ شیر وصیت کرد کہ در زمین نینوا ترا بگیرد. بروقت حسینش دریں بیابان بے سر افتاد۔ درآں وقت حراست بدن فرزندش بکند .... الخ

(مرقات الایقان صہ۳، طبع نجف اشرف) ترجمہ کہ وہ اُسے پال پوس کر جوان کرے اور اس بچہ شیر سے وصیت کی کہ وہ زمین نینوا پر قیام پذیر ہو اور جب میرا حسینؑ اس جگہ پر آئے اور دشمنوں کے ہاتھوں بے سر ہو جائے تو ان کے بدن کی حفاظت کرے۔

نوٹ: کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ادائے وصیت کا وقت آیا تو اس نے پورے انہماک سے اپنا فرض ادا کیا جناب فضہ کا بیان ہے کہ جب حسینی قافلہ اپنے سردار سمیت شہید ہو چکا تو ان دشمنوں نے اپنے کشتوں کی نمازیں پڑھیں۔ روانگی کا انتظام کر رہے تھے کہ ابن زیاد کا تازہ حکم پہنچا کہ وہیں ٹھہرو اور تازہ نعلبندی کر کے حسینی لاشوں کو سم اسپاں سے پامال کردو۔ یہ خبر وحشت اثر حضرت زینبؑ کے گوش گذار ہوئی۔ آپ کمال اضطراب سے کبھی اٹھتی اور کبھی بیٹھتی تھیں۔ گاہے دست بدست می زد۔ گاہے دست بزانو می زد۔ کبھی منہ پیٹتی تھیں کبھی بیٹھتی تھیں کبھی کف افسوس ملتی تھیں کبھی زانو کوٹتی تھیں۔ میں (فضہ) نے جب یہ حال دیکھا، ڈرتی ہوئی خدمت عالیہ میں گئی

حضرت علیؑ کی شہادت اور جناب عباسؑ

۲۱ / رمضان کی وہ حشر انگیز اور قیامت خیز تاریخ ہے۔ جس میں اسلام کے مالک دین و ایمان کے سردار رسول کے حقیقی جان نثار و جانشین نے مسجد کوفہ میں زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے شہادت پائی۔ آپ کی شہادت واقع ہونے میں کس کا ہاتھ تھا۔ اور کون آپ کی وفات کا سبب اعظم تھا۔ اس میں اختلاف ہے۔ علامہ حسین واعظ کاشفی کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن ابن ملجم مرادی کا ایک دن کوفہ کی گلیوں سے گذر ہوا۔ اس نے ایک مکان میں کثیر مہ رخان عالم کو آتے جاتے دیکھا اور عمدہ باجوں کی آوازیں سنیں۔ اس مکان کے قریب گیا۔ جس میں سے عورتوں کا ایک گروہ نکلا۔ اس کی نظر قطامہ نامی عورت پر پڑی۔ اس کے حسن نے اس کمینہ کے دل میں جگہ کرلی۔ اس نے بڑھ کر پوچھا۔ کیا تو شوہر رکھتی ہے۔ اس نے جواب دیا۔ چونکہ میری پسند کا شوہر مجھے نصیب نہیں ہوا۔ اس لیے میں نے ابھی تک شادی نہیں کی۔ ابن ملجم نے کہا۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تو مجھے قبول کرلے"۔ اس نے کہا۔ میرے عزیزوں سے کہو" عزیزوں سے جب تذکرہ کیا گیا، تو انہوں نے قطامہ کی مرضی پر چھوڑا۔ قطامہ جو بہت آراستہ غرفہ بیت (کھڑکی) میں بیٹھی ہوئی تھی اس نے کہا اگر تم تین قسم کے مہر ادا کر سکتے ہو تو مجھے تم سے ہمکنار ہونے میں عذر نہیں ہے (۱) تین ہزار درہم نقد ادا کرو (۲) ایک اچھی گانے بجانے والی کنیز خدمت کے لیے لاؤ (۳) حضرت علیؑ کا سر کاٹ کر لاؤ۔ یہ سن کر ابن ملجم نے کہا اول کی دو شرطیں تو منظور اور ممکن ہیں مگر تیسری شرط سے میں عاجز ہوں علیؑ وہ جس کی شمشیر کا لوہا مشرق و مغرب کے بہادروں کے قطب مانے ہوئے ہیں۔ بھلا مجھ سے یہ کیوں کر ہو سکے گا۔ کہ ایسے بہادر کا سر کاٹ سکوں۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے تو دراصل سر علیؑ ہی

اور عرض کی بی بی! اگر اجازت ہو تو میں ابوالحارث نامی شیر کو بلاؤں۔ وہ اس وقت حسینؑ کی مدد کرے گا۔ جناب زینبؑ نے اپنی ماں کی نہایت ضعیفہ خادمہ کو اجازت دی۔ وہ ایک طرف گئیں۔ اور یا ابا الحارث کہہ کر پکارا۔ ایک شیر ہمہمہ کرتا ہوا جنگل سے برآمد ہوا اور فضہ کے سامنے سر جھکا کر حکم کا انتظار کرنے لگا۔ فضہ نے فرمایا: یا ابا الحارث اتدری ما یریدون ان یعملوا غدا بابی عبد اللہ یریدون ان یوطئوا الخیل علی ظہرہ۔ اے ابوالحارث تجھے کچھ خبر بھی ہے۔ کہ یہ دشمن کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ارے یہ حسینؑ کا لاشہ پامال کرنا چاہتے ہیں۔ وہ شیر اٹھا۔ فاقبل یدور القتلی حتی وقف جسد الحسینؑ۔ اور شہداء کی بو سونگھتا ہوا جسد حسینیؑ تک پہنچا فوضع یدہ علی جسدہ وجعل یمرغ خدہ بدمہ یبکی اور بہت سنبھال کر جسد حسینیؑ پر ہاتھ

درکار ہے میں نے پہلی دو شرطیں تجھ سے اٹھالیں۔ اب مہر میں صرف علیؑ کا سر چاہتی ہوں۔ اگر وصالِ من خواہی ایں کار را قبول کن وگرنہ۔ ع

پندار کہ ہرگزم نہ بہ بدی

اگر مجھ سے لطف حیات اٹھانا چاہتا ہے کہ علی کا سر لا ورنہ تو میری صورت بھی نہ دیکھ سکے گا اس بدبخت مرادی نے اس زن نامراد کی شرط قبول کرلی۔ اور مہر میں علی کا سر دینے کا وعدہ کرلیا۔ قطامہ کی مدد سے چند آدمیوں کو ساتھ کر دیئے بخدمت امیر نہاد حضرت علی کے قتل کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ (روضۃ الشہدا باب ۵ ص۱۹۵)

صاحب تاریخ ائمہ بحوالہ تاریخ طبری جلد ۵ ص۸۶ پر لکھتے ہیں کہ واقعہ نہروان کے بعد تین خارجیوں نے رائے دی کہ تین شخصوں معاویہ، عمرو ابن العاص اور حضرت علیؑ کی وجہ سے یہ انتشار بڑھ رہا ہے۔ ان کو قتل کر دیا جائے۔ اس کے لیے ۱۹ ر رمضان مقرر ہوئی۔ چنانچہ تینوں خارجی اپنی اپنی تلواریں زہر میں بجھا کر روانہ ہوئے۔ ایک دمشق میں معاویہ کے لیے، دوسرا فسطاط مصر میں عمرو بن العاص کے لیے، تیسرا ابن ملجم حضرت علیؑ کے لیے۔ معاویہ اور عمرو ابن العاص تو بچ گئے مگر ابن ملجم جب اس ارادے سے کوفہ پہنچا تو مسجد کوفہ میں چھپ رہا۔ حضرت علیؑ ایک شب حضرت امام حسنؑ کے پاس اور ایک شب حضرت امام حسینؑ کے پاس افطار کرتے اور تین لقموں سے زیادہ تناول نہ فرماتے۔ جب ۱۹ رمضان سنہ ۴۰ ہجری کو حضرت نماز صبح کے لیے گھر سے جانے لگے تو گھر کی بطخیں چیخنے لگیں۔ حضرت پر اس کا اثر ہوا اور مسجد میں تشریف لائے۔ اذان دی جب نماز میں مشغول ہوئے تو سجدہ کی حالت میں ابن ملجم نے سر پر تلوار ماری۔

رکھا اور خون میں اپنے رخسار ملنے لگا۔ اور روتا جاتا تھا الخ (مرقاۃ الایقان) (بحار الانوار جلد ۱ ص۲) جب تک شیر حفاظت میں رہا کسی کی ہمت نہ پڑی لیکن جب شیر واپس چلا گیا۔ ان حضرات کے اجسام گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر ڈالے گئے۔ صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں۔ نقد اوطئوہ الخیل بعد ذلک۔ پھر حسین کا جسم پامال کر ڈالا گیا۔ اسی لیے حضرت صاحب العصر علیہ السلام زیارت ناحیہ میں فرماتے ہیں قطئوك الخیل بحوافرھا الخ اے حسین تم کو گھوڑوں نے اپنی ٹاپوں سے پیس ڈالا (دمعہ ساکبہ ص۳۵۰)

علامہ برغانی لکھتے ہیں۔ واقول قد تقدم ازھم لعنھم اللہ قد اوطاہ الخیل ولا منافاۃ بینھما بعد ان یکون فی یوم. محی الاسد لم یطئوہ الخیل واوطیوہ بعد ذالک۔ میں کہتا ہوں کہ روایتوں میں یہ موجود ہے کہ گھوڑوں نے آپ کے جسم کو ٹاپوں سے کچل ڈالا۔ اور شیر والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم مبارک پامالی سے بچ گیا۔ دراصل ان دونوں روایتوں میں منافات اور اختلاف نہیں ہے یعنی جس دن شیر حفاظت کے لیے آیا تھا۔ اس دن گھوڑے پامال نہ کرسکے ۲

۲ جب وہ چلا گیا تو پامال کر ڈالا (بقیہ حاشیہ)

جس سے مغز تک شگافتہ ہوگیا۔ آپ نے فرمایا "فزت برب الکعبۃ" بخدا میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا الخ (تاریخ الخمیس صد ۲۰۲) ان حضرات کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی شہادت یا تو قطامہ کی حرکت سے عمل میں آئی یا ان خارجیوں کی سازش اس کا سبب قرار پائی ہے۔ لیکن جب آپ کی شہادت کے متعلق محققانہ نظر ڈالی جاتی ہے۔ تو واقعہ اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔

علی کی شہادت میں حکومت شام کا ہاتھ معاویہ اور عمرو بن العاص جنگ جمل اور صفین کی حشر انگیز اور قیامت خیز جنگ دیکھ ہی نہیں بلکہ بھگت چکے تھے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ علی کی زندگی میں ہمیں چین نصیب نہیں ہو سکتا۔ لہذا کسی نہ کسی صورت سے انہیں راہی جنت کر دیا جائے "تاکہ اطمینان کی سانس لینا ممکن ہو سکے اسی فکر میں لگے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے اور کامیاب کیوں نہ ہوتے۔ جب کہ سازش کرنا ان کا "طبیعت ثانیہ" بن گیا۔ معاویہ نے ابن ملجم مرادی کو قتل امیرالمومنین کے لیے تیار کیا۔ چونکہ وہ خوارج میں سے تھا۔ اس لیے فوراً قتل امیرالمومنین پر راضی ہوگیا۔ اور اس نے مسجد کوفہ میں حضرت علی کو شہید کر دیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب "چودہ ستارے" مولفہ حقیر مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی انصاف پریس" ریلوے روڈ لاہور۔

صاحب مناقب مرتضوی نے لکھا ہے کہ قدوۃ المحققین حکیم ثنائی چنیں تحقیق نمودہ کہ بموجب گفتہ معاویہ، ابن ملجم امیرالمومنین را بدرجہ شہادت رسانیدہ چنانچہ این مضمون را در حدیقۃ الحقائق منظوم ساختہ ے

پسر ملجم آں سگِ بے دین ؎ آں سزاوار لعنت و نفرین
بر زنے عاشق آں شدہ میشوم ؎ آں نگوں سار تر ز راہب روم
بود آں زن ز آل بوسفیان ؎ منعم مالدار و خوب و جوان
گشت ازیں سر معاویہ آگاہ ؎ مرد را گشت جملہ کار تباہ
گفت کار تو با کمال شود ؎ ایں چنیں زن ترا حلال شود

گر تو در کار خویش شیر ولی
ہست کابین حرہ خون علی

یعنی ملجم کا بیٹا وہ بے دین کتا جو لعنت و نفرین کا سزاوار ہے۔ ایک عورت پر عاشق ہوگیا اور اس بدبخت کے لیے کہا جائے راہب روم سے بھی زیادہ کینہ تھا وہ عورت معاویہ کے عزیزوں میں سے تھی اور خوشحال و مالدار اور خوبصورت و جوان تھی۔ معاویہ کو ابن ملجم کی عاشقی کا راز معلوم ہو گیا اسی وجہ سے وہ تباہ ہو گیا۔ معاویہ نے اس سے کہا۔ اے ابن ملجم اگر تو چاہتا ہے۔ کہ در مقصود ہاتھ آئے اور قطامہ جیسی

حسین عورت تیرے لیے حلال ہو جائے تو بس۔ ایک ذرا بہادری تو کرنا پڑے گی اور حضرت علی کا سر لانا پڑے گا۔ اس لیے کہ اس کا مہر "خونِ علیؑ" ہے۔ چنانچہ اس نے حضرت کے سرِ اقدس پر ضرب لگا دی۔ جب اسے لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا تو اس نے جواب میں کہا ؎

مرا ایں معاویہ فرمود ؛ کار کردم کنوں نہ دارد سُود

میں نے معاویہ کے کہنے سے ایسا فعل کیا، مگر افسوس کہ کوئی فائدہ برآمد نہ ہوا (مناقب مرتضوی صفحہ ۲۷۱)

الغرض سرِ اقدس پر ضرب لگی۔ منادیٔ فلک نے "الا قتل امیر المومنین" کی ندا دی۔ آپ کی اولاد اور اصحاب مسجدِ کوفہ میں جا پہنچے۔ اپنے آقا کو خون میں غلطاں دیکھ کر فریاد و فغاں کی آوازیں بلند کیں پھر حسب الحکم مکان لے چلنے کا سامان کیا۔ ایک گلیم میں لٹا کر آپ کو اس صورت سے لے چلے کہ سرہانے امام حسنؑ، پائنتی امام حسینؑ اور وسط میں حضرت عباسؑ لگے ہوئے تھے۔ گھر پہنچنے کے بعد آپ نے صبح کو مخاطب کر کے فرمایا "اے صبح تجھے اسی خدا کی قسم ہے جس کے حکم سے تو برآمد ہوئی ہے مجھے بتا تو نے کبھی مجھے سوتا ہوا پایا ہے؟ یعنی تو گواہی دینا کہ رسول اللہ کے ساتھ ابتدائے جوانی سے یعنی جب سے نماز پڑھنی شروع کی ہے۔ تو نے مجھے کبھی سوتا نہ پایا، جب تو برآمد ہوئی جاگتا ہوا پایا۔ بارالٰہا تو گواہ رہنا کہ میں تیرا حکم بجالایا۔ تو نے جس چیز سے روکا اس سے باز رہا۔ جس کا حکم دیا اس پر عمل کیا۔ تیرے بغیر کے علاوہ کوئی بات دل میں نہ لایا۔ الکرار صفحہ ۴۰۲ طبع بنارسی ۱۳۲۷ھ اسی کے بعد آپ کو دورہ ہوا "فلما افاق ناوله الحسن قعباً من لبن نشرب منه قليلاً۔ ثم نحاه عن فيه وقال احملوه الى اسيركم۔" جب دورہ سے افاقہ ہوا حضرت امام حسنؑ نے دودھ کا پیالہ پیش کیا۔ تھوڑا سا پی کر آپ نے منہ ہٹا لیا اور فرمایا اسے اپنے اسیر ابن ملجم کو دے آؤ۔ اخبار ماتم صفحہ ۱۴۴ و

حضرت علیؑ کا دستِ امام حسینؑ میں علمدارِ کربلا کا ہاتھ دینا

اب حضرت علی علیہ السلام کی عمر کے آخری لمحات گذر رہے ہیں۔ آپ نے اپنے بیٹوں کا انتظام شروع فرمایا اور ہر ایک کو مناسب امور و احکام سے باخبر کیا۔ سب سے پہلے اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی کہ "تم لوگ فرزند رسول الثقلین حسنؑ و حسینؑ کی نصرت و اطاعت سے منہ نہ موڑنا پھر امام حسنؑ کے ہاتھوں میں تمام اولاد کا ہاتھ دیا اور امام حسینؑ کے ہاتھوں میں دستِ حضرت عباسؑ دیا۔

حضرت علیؑ کا اپنی اولاد کو وصیت فرمانا | علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے حضرت عباسؑ اور دیگر اولاد کو جو بطنِ فاطمہ سے نہ تھی طلب کر کے ارشاد فرمایا کہ "وصیت میکنم شمارا بآں کہ مخالفت نہ کنید حسن و حسین را خدا شمارا صبر دہد در مصیبت من" میں تمہیں اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ تم لوگ فرزند

رسول الثقلین صلعم حسنؑ حسینؑ کی ہمیشہ یاری کرنا اور کبھی ان کی مخالفت دھیان میں بھی نہ لانا۔ میں تم سے رخصت ہوتا ہوں خدا تمہیں صبر عطا کرے۔ (کشف الانوار ترجمہ بحار۔ جلد ۹ صفحہ ۲۱۴)

علامہ کلینی چھ سندوں سے ایک روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے اپنے بارہ بیٹوں کو جمع کر کے فرمایا: "ان ھذین ابنا رسول اللہ فاسمعولھما واطیعوا وازروھما" دیکھو یہ میرے دونوں نور نظر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ہیں۔ ان کے فرمان کو بگوش دل سننا اور ان کی پوری پوری اطاعت کرنا اور ہر قسم کی امداد میں سینہ سپر رہنا۔ (اصول کافی صفحہ ۱۴۱ طبع ایران ۱۲۸۱ھ)

حضرت علی نے امام حسن کے ہاتھ میں سب بیٹوں کے ہاتھ دے دیئے وصیت فرمانے کے بعد آپ نے حضرت عباس کے علاوہ اپنے تمام فرزندوں کے ہاتھ حضرت امام حسن علیہ السلام کے ہاتھ میں دے دیئے۔ یعنی آپ نے سب کو امام حسن علیہ السلام کے سپرد کر دیا۔ (کتب تواریخ و مقاتل)

جناب ام البنین کا اضطراب جناب ام البنین مادر گرامی حضرت عباسؑ نے جب یہ دیکھا کہ اپنے سب فرزندوں کو حضرت امام حسن علیہ السلام کے سپرد فرمایا ہے۔ مگر میرے نور نظر عباسؑ کو کسی کے حوالے نہیں کیا تو آپ بے انتہا پریشان ہوئیں اور کمال اضطراب میں گھبرا کر عرض کرنے لگیں۔ میرے سرتاج! میرے آقا! میرے مالک! کیا اس ناچیز کنیز سے کوئی خطا سرزد ہو گئی ہے۔ یا حسنینؑ کے خادم عباس سے کوئی قصور ہو گیا ہے؟ سردار دو عالم جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے دریافت فرمایا کیوں ام البنین کیا بات ہے۔ عرض کی مولا! آپ نے سب بیٹوں کو امام حسن علیہ السلام کے سپرد فرمایا۔ اور خادمہ زادہ "عباس" کو کسی کے حوالے نہیں کیا۔ میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا ہے۔

حضرت علی کا گریہ جناب ام البنین کے اس مضطربانہ سوال پر حضرت علیؑ رو پڑے۔ "نبکی امیر المومنین وقال یا ام البنین لو تعلمین ما تقر لینی" اور فرمایا اے ام البنین اگر تم اس راز سے آگاہ ہوتیں تو ایسا سوال نہ کرتیں۔ عرض کی، مولا آگاہ فرمائیے۔ میں تو یہی چاہتی ہوں کہ میرے فرزند کا ہاتھ بھی حسنؑ کے دست مبارک میں دے دیا جائے۔

دست حسینؑ میں علمدار کا ہاتھ حضرت علیؑ نے تاجدار کربلا امام حسین علیہ السلام کو قریب بلایا اور عباسؑ علمدار کو بھی طلب فرمایا اور امام حسینؑ کے دست مبارک میں ان کے قوت بازو علمبردار کربلا عباس بن مرتضیٰ کا ہاتھ دے کر ارشاد فرمایا بیٹا! یہ تمہارے سپرد ہے۔ میں اسے تمہاری غلامی میں

دیتا ہوں۔ پھر حضرت عباسؑ سے فرمایا، بیٹا! یہ تمہارے آقا ہیں۔ ان کی رفاقت اور ان کی امداد تمہارا عین فریضہ ہے جب یہ کربلا کے میدان میں دشمنوں کے نرغہ میں گھر جائیں تو ان کی مدد کرنا۔ ریاض القدس صہ ۶۹ خلاصۃ المصائب صہ طبع نولکشور ۱۲۹۳ھ فضائل الشہداء باب ۲ ف ۹ صہ ۱۱۱)

علامہ کنتوری لکھتے ہیں " دفوض امر العباس الی الحسین ولم یفوض الی غیرہ " حضرت علیؑ نے جناب عباسؑ کو امام حسین علیہ السلام کے سپرد کیا اور کسی کے حوالہ نہیں کیا۔ ریاتین صہ ۴۴۱۔ مرقات الایقان جلد ا صفحہ ۴۰) جناب ام البنین اس خصوصی اعزاز کو ملاحظہ کر کے مطمئن ہو گئیں۔

شہادت حضرت علیؑ پر جناب عباسؑ کا سر ٹکرانا حضرت امیر المومنینؑ وصیت سے فارغ ہو چکے۔ اور تمام ضروری امور سے فرصت کے بعد خالق کائنات کی طرف روانگی سے حالات ظاہر فرمائے گئے اور ۶۳ سال کی عمر میں شب جمعہ ۲۱ ر رمضان کو نصف شب گذرنے کے بعد تمام اعزا و اقربا احباب، خادم اور اولاد کو ہاتھ ملتا چھوڑ کر راہیٔ جنت ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کا انتقال فرمانا تھا کہ اہل بیت کرام نے فلک شگاف نالے شروع کر دیئے کوفہ کی ہر گلی و کوچہ سے صدائے گریہ بلند ہو گئی تمام بیبیاں بے حال تھیں غرضیکہ کائنات کا ذرہ ذرہ محو نالہ تھا۔ ہر ایک اپنے احساس کے موافق رونے میں مشغول تھا۔

ملا محمد حسین واعظ لکھتے ہیں کہ اس وقت حضرت عباسؑ فرط غم کی وجہ سے اپنے سر کو بار بار دیوار خانہ سے ٹکرا رہے تھے۔ (اخبار ماتم صہ ۱۵۲ طبع رامپور ۱۲۸۵ھ)

صعصعہ بن صوحان کا ادائے تعزیت کے لیے آنا آپ کی شہادت واقع ہو چکی۔ آپ کی اولاد اور شیعوں نے غسل و کفن کے بعد آپ کی خریدی ہوئی زمین نجف اشرف میں آپ کو دفن کر کے حسب وصیت قبر کو پوشیدہ کر دیا (ناسخ) اس کے بعد گھر واپس آئے۔ لوگوں نے تعزیتیں ادا کیں چنانچہ جناب صعصعہ بن صوحان جو حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے تھے۔ دولت سرائے امامت پر حاضر ہوئے اور فراواں بگریست۔ آن گاہ امام حسنؑ و امام حسینؑ و محمد و جعفر و عباس و یحییٰ و عون و عبید اللہ و دیگر فرزندان امیر المومنین علیہ السلام را تعزیت بگفت۔ بے انتہا گریہ کے بعد حسنینؑ اور عباسؑ وغیرہ کو تعزیت ادا کی۔ اور بصد رنج و الم واپس گئے۔ (ناسخ التواریخ جلد ۳ صہ ۲۹۱)

اللہ اکبر! حضرت علیؑ شہید ہو گئے اور ان کے ہمدرد تعزیت ادا کر رہے ہیں مگر معاویہ خوشیاں منا رہے ہیں خبر شہادت پاتے ہی سجدۂ شکر ادا کیا (مرقات الایقان جلد ا صہ ۱۶) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب چودہ ستارے " ناشر شیعہ جنرل بک ایجنسی انصاف پریس ۱۰ ریلوے روڈ لاہور

حضرت علیؑ کی شہادت کا قطعہ تاریخ مُلا محمد عبد الجلیل حنفی ساکن یوسف زئی ضلع مردان من مضافات پشاور نے آپ کی تاریخ وفات اپنی کتاب سیف المقلدین علی اعناق المنکرین جلد ۲ طبع لکھنؤ ۱۳۱۸ھ باب ۵ سلسلہ چہارم کے صہ ۲۴۲ پر آپ کا قطعہ تاریخ شہادت لکھا ہے ۔

آنکہ زوج بتول حق بودہ — ابن عم رسول حق بودہ
گر تو سال شہادتش جوئی — سر ماتم چرا نمی گوئی
ایں سخن بود بصاحب غم — کہ سر ماتم است ایں ماتم
باز سال شہادتش کر جلی است — بیگماں آخری دو حرف علی است
۴۰

پھر لکھتے ہیں ۔ صدائے غیب بگوشم رسید اے ناظم
سن شہادت حیدر زمیم احمدؐ گیر

شہادت حضرت علی علیہ السلام اور جناب ام البنین جس طرح جناب خدیجہؓ کی حیات میں پیغمبر اسلام نے کوئی عقد نہیں فرمایا ۔ اسی طرح حضرت علیؑ نے بھی حیاتِ زہرا علیہا السلام تک کوئی عقد نہیں کیا شہادت جناب فاطمہؑ کے بعد آپ نے آٹھ عقد کئے ہیں ۔ ان آٹھ بیویوں میں سے پانچ نے حضرت کی حیات ہی میں انتقال کیا اور بعد از شہادت امیر المومنینؑ سہ تن زندہ بود نخستین اسماء بنت عمیس (مادر محمد بن ابی بکر) دوم ام البنین (مادر حضرت عباسؑ) سہ دیگر خولہ حنفیہ مادر محمد ابن حنفیہ) ناسخ جلد ۳ صہ ۲۰۴ طبع بمبئی ۔ ان بیویوں نے یہ احساس رکھتے ہوئے کہ حضرت علی ان سب کا بے حد خیال رکھتے تھے ۔ اور ان کو چاہا کرتے تھے ۔ یہ طریقہ زندگی رکھا ۔ کہ حضرت کی شہادت کے بعد لحریزوجن بعد ۵ ان بیویوں نے اپنا پھر کوئی عقد نہیں کیا ۔ مناقب ابن شہر آشوب مازندرانی جلد ۲ ۔ صہ ۱۹۲ طبع بمبئی

جہاں تک تاریخی عقیق کا تعلق ہے بآزادی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان تینوں بیویوں میں جناب ام البنین کو فوقیت ہے ۔ یعنی ان سب بیویوں نے ۔ جو بعد امیر المومنین عقد نہیں کیا ۔ ان میں قابلِ مدح صرف ایک ام البنین تھیں ۔ اس لیے کہ ان میں یہی ایک بیوی ہیں ۔ جن کا عقد حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ پہلا عقد تھا اور دوسری بیبیوں کا پہلا عقد نہ تھا ۔

ناسخ جلد ۳ صہ ۲۰۲ میں ہے کہ خولہ حنفیہ پہلے مکمل غفاری کے عقد میں رہیں ۔ ان سے ایک لڑکی عونہ نامی پیدا ہوئی ۔ پھر حضرت علیؑ کی خدمت میں آئیں ۔ ان سے محمد ابن حنفیہ (متوفی ۸۱ھ) پیدا ہوئے صفحہ ۲۰۳ پر مرقوم ہے کہ اسماء بنت عمیس سب سے پہلے جعفر بن ابی طالب کے عقد میں رہیں ۔ ان سے عبد اللہ ۔ عون ۔ محمد پیدا ہوئے ۔ جعفر بن ابی طالب کے بعد حضرت ابو بکر کے عقد میں آئیں ۔ ان سے محمد بن

ابو بکر وغیرہ پیدا ہوئے۔ان کے بعد حضرت علیؑ سے تزویج کی۔ اور ان سے یحییٰ بن علیؑ پیدا ہوئے

جناب ام البنین کا یہ عقد حضرت علیؑ کے ساتھ پہلا عقد تھا اب شہادت حضرت علی کے بعد خولہ حنفیہ اور اسماء بنت عمیس کا عقد نہ کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ البتہ جناب ام البنین والدہ حضرت عباس کا عقد ثانی نہ کرنا امتیازی شان رکھتا ہے۔

حضرت علیؑ کی نسل اور حضرت عباسؑ اس پر مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب کی نسل پانچ فرزندوں سے بڑھی۔

۱۔ امام حسنؑ ۲۔ امام حسینؑ ۳۔ محمد ابن حنفیہ ۴۔ عباس ابن علیؑ ۵۔ عمر ابن علیؑ (ناسخ التواریخ جلد ۳ صـ ۲۰۰ طبع بمبئی وغیرہ

۱۔ **امام حسنؑ** ۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۰ھ میں شہادت پائی۔ آپ کے آٹھ فرزند تھے: ۱۔ زید ۲۔ حسن مثنیٰ ۳۔ عمر ۴۔ قاسم ۵۔ عبداللہ ۶۔ عبدالرحمٰن ۷۔ حسن اثرم ۸۔ طلحہ

۲۔ **امام حسینؑ** ۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۶۱ھ میں انہوں نے شہادت پائی۔ آپ کے چار بیٹے تھے۔ ۱۔ امام زین العابدین ۲۔ حضرت علی اکبر ۳۔ جعفر ۴۔ علی اصغر

۳۔ **محمد بن حنفیہ** ۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۱ھ میں انتقال کیا۔ آپ کے چودہ بیٹے تھے ۱۔ علی ۲۔ جعفر سے نسل بڑھی۔

۴ **حضرت عباسؑ** ۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۶۱ھ میں شہادت پائی۔ آپ کے تین بیٹے تھے ۱۔ فضل ۲۔ قاسم ۳۔ عبیداللہ۔ فضل وقاسم کربلا میں شہید ہوئے ہا عبیداللہ سے نسل بڑھی عبیداللہ کے پانچ بیٹے تھے۔ (۱) عبداللہ (۲) عباس (۳) حمزہ (۴) ابراہیم (۵) فضل۔

۵ **عمر** ان کی ماں ام حبیبہ تھیں اور بہن رقیہ۔ ۸۵ سال تک زندہ رہے۔ ان کے ایک فرزند محمد نامی تھے۔ جن سے ممدوح کی نسل چلی ہے

حضرت عباسؑ کی شادی خانہ آبادی گیارہ سال کی عمر میں معرکہ صفین جھیلا تقریباً چودہ سال کے سن میں باپ کے سایہ سے محروم ہوئے۔ دن گزرے۔ راتیں گزریں۔ نام خدا پورے طور پر جوان ہوئے۔ ماں کے دل میں شادی کی تمنا تو تھی ہی۔ امام حسینؑ سے کہا: سلطانِ دو عالم! کیا اچھا ہوتا۔ اگر میرے نورِ نظر کا گھر آباد کر دیا جاتا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے شادی کے انتظامات شروع کر دیئے۔ اور جناب

لہ حضرت علیؑ کی ان اولاد کا شمار جو حضرت فاطمہ کے بطن سے نہیں ہیں۔ میرے نزدیک سادات میں ہے لیکن انہیں بنی فاطمہ کا درجہ نصیب نہیں بعض لوگ حضرت عباس کی طرف "اعوان" کو منسوب کرتے ہوئے میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ ۱۲ منہ

عبیداللہ ابن عباس بن عبدالمطلب سے ان کی دختر نیک اختر لبابہ نامی کی خواستگاری کی منظور ہوئی اور عقد ہوگیا۔

جناب مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی نے آپ کی زوجہ کا اسم گرامی ذکیہ تحریر کیا ہے (ذبح عظیم) لیکن یہ درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی زوجہ محترمہ کا نام نامی لبابہ تھا۔ لسان الملک اولاد حضرت عباسؑ کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں: از وی آنرا از لبابہ دختر عبیداللہ ابن عباس بن عبدالمطلب دو پسر بود یکے فضل و دیگر عبیداللہ نام داشت" کہ حضرت عباس کے لبابہ سے دو فرزند تھے۔ ایک فضل، دوسرے عبیداللہ۔ الخ۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۸۹ طبع بمبئی) علامہ ابن قتیبہ، عبیداللہ ابن عباس علمبردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امہ لبابہ بنت عبید اللہ بن عباس، عبیداللہ کی ماں کا نام لبابہ تھا۔ (المعارف ص ۹۶ طبع مصر ۱۳۵۳ھ کبریت احمر)

حضرت عباس علیہ السلام کی تعداد اولاد

حضرت عباس علیہ السلام کی اولاد میں سخت اختلاف ہے۔

۱۔ علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ حضرت عباس کے ایک ہی فرزند عبیداللہ تھے۔ (المعارف ص ۹۶ مصری)

۲۔ لسان الملک تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کے دو فرزند تھے۔ ایک فضل۔ دوسرے عبیداللہ۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۸۹ طبع بمبئی۔ و شجرہ طوبیٰ جلد ۱ ص ۱۲۶)

۳۔ جناب خان بہادر مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی رقمطراز ہیں: آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ اور ایک صاحبزادی۔ صاحبزادوں میں ایک کا نام فضل اور دوسرے کا عبیداللہ تھا (ذبح عظیم ص ۲۱۰ طبع دہلی) جناب خان بہادر کی دیکھا دیکھی جناب بشیر احمد وکیل نے بھی ادارہ علی کالج نوگانواں ضلع مرادآباد کے ماہنامہ کی جلد نمبر ۶ ص ۸ پر دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تحریر کیا ہے۔

تبصرہ: نمبر ۱۔ کے متعلق عرض ہے کہ حضرت عباس کے صرف ایک فرزند تسلیم کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا۔ اکثر مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عباس کی اولاد کربلا میں بھی شہید ہوئی اور ان کی نسل بھی چلی ہے۔ ملاحظہ ہو ابن شہر آشوب، ابصار العین، تنقیح المقال۔ عمدۃ المطالب وغیرہ ایک ہی فرزند کا کمسنی میں شہید ہو جاتا اور پھر اس سے نسل کا بڑھنا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ کی اولاد ایک سے زائد تھی۔

نمبر ۲ کے بارے میں عرض ہے کہ انہوں نے حضرت عباس کی اولاد کو صرف دو میں منحصر کر دیا ہے یہ قابل قبول نہیں ہے اس لیے کہ ایک فرزند کا مدینہ میں ہونا اور دو کا کربلا میں شہید ہونا ثابت ہوتا ہے۔

نمبر۳ کے بارے میں عرض ہے کہ آپ نے مرثیوں کے بھروسہ پر دو فرزند اور ایک دختر تحریر کر دی ہے علامہ محمد باقر قائنی خراسانی لکھتے ہیں کہ بعض قراء مراثی می خوانند کہ ابا الفضل را دخترے بود نامزد حضرت علی اکبر۔ پس آں علی الظاہر از جعلیات است۔ بعض مرثیہ خوان پڑھتے ہیں کہ حضرت عباسؑ کے ایک لڑکی تھی۔ جو علی اکبر سے منسوب تھی۔ بالکل جعلی اور فرضی ہے۔ (کبریت احمر ص۲۳)

ایضاح ناظرین کرام! ابن قتیبہ نے آپ کی اولاد ایک اور صرف ایک، اور صاحب ناسخ نے دو بتلائی ہیں یہیں واضح کر چکا ہوں کہ دو سے زیادہ کا احتمال ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ ابو اسحٰق اسفرائنی، نور العین فی مشہد الحسین کے صفحہ ۵۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباس جب رخصت آخری کے لیے تشریف لائے تو ان کے دو بچے دامن سے لپٹ کر پانی کی فریاد کرنے لگے وکان لہ زوجۃ وولد بن۔ الخ پھر ص۹۱ پر تحریر کرتے ہیں کہ خیمہ سے دو ماہرو بچے نکلے احدھما ابن العباس والثانی اخیہ القاسم ایک حضرت عباس کے بیٹے اور دوسرے انہی کے بھائی قاسم اور امام حسینؑ سے اذنِ جہاد مانگنے لگے۔ حضرت نے فرمایا "کفا کما قتل والد کما" تم دونوں کے لئے تمہارے باپ کا قتل ہی کافی ہے۔ غرضیکہ پھر حضرت عباس کے ایک فرزند کو اجازت ملی۔ اور وہ میدان میں گیا۔ رجز پڑھی دو سو پچاس آدمیوں کو قتل کیا اور شہید ہو گیا۔ پھر دوسرا نکلا۔ رجز پڑھی آٹھ سو آدمیوں کو قتل کیا اور شہید ہو گیا۔

پھر ان کے علاوہ علامہ محمد باقر بن محمد حسن خراسانی قائنی کبریت احمر کے تیسرے جز مسمی بہ مکین الاساس فی احوال ابی الفضل العباس کے صفحہ ۳۲ پر لکھتے ہیں پس دو جوان از خیمہ بیرون آمدند مثل دو ماہ یکے محمد بن عباس و دیگرے برادر او قاسم بن عباس بود کہ خیمہ سے دو نوخیز لڑکے باہر آئے جو ماہ رو تھے۔ ایک محمد بن عباس اور دوسرے ان کے بھائی قاسم بن عباس۔ امام حسینؑ نے فرمایا، تم دونوں کے لیے تمہارے باپ عباسؑ کی شہادت کافی ہے۔

علامہ شہیر نے اپنی کتاب ابصار العین میں حضرت عباس علیہ السلام کے بعد دو کم سن بچوں کی شہادت کا حوالہ دیا ہے ترجمہ ابصار العین ص۴۸ طبع حیدر آباد۔ علامہ قزوینی اپنی کتاب ریاض القدس و حدائق الانس جلد ۲ کے صفحہ ۲۵۸ پر لکھتے ہیں کہ جب شام سے اہل بیت کا لٹا ہوا قافلہ مدینہ پہنچا اور بشیر ابن جذلم خبر لے کر داخلِ مدینہ ہوا۔ تو حضرت عباس کے ایک فرزند سے ملاقات کی۔ الخ

ان تمام اقوال پر نظر ڈالنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے تین فرزند تھے۔ ایک فضل۔ دوسرے قاسم تیسرے عبید اللہ۔ فضل جن کو بعض مورخین نے محمد لکھا ہے (ابن شہر آشوب، جلد ۳ ص۹۹ و تو ضیح

عزا صفحہ ۲۲ طبع دہلی ۱۲۱۶ھ) اور قاسم کربلا میں شہید ہوگئے (نور العین و ریاض القدس) اور عبید اللہ باقی رہے جن سے حضرت عباس کی نسل چلی۔ واللہ اعلم۔ واضح ہو میری تحقیق کی تصدیق علامہ تزدینی کی تحریر سے بھی ہوتی ہے وہ تحریر فرماتے ہیں۔ "عباس بن امیر را سہ پسر بود" حضرت عباس بن علیؑ کے تین بیٹے تھے ملاحظہ ہو ریاض القدس جلد ۲ صفحہ ۹۴ طبع ایران ۱۳۳۲ھ

حضرت عباس کی کنیت مورخین کا اجماع ہے کہ آپ کی کنیت ابو الفضل تھی۔ "کان العباس یکنی ابا الفضل" (مقتل عوالم صفحہ ۹۴ طبع ایران۔ تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۱۶۵۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۸۹ وغیرہ یعنی فضل کے باپ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی اس کنیت سے واقعہ کربلا کے سلسلہ میں آپ کو یاد فرمایا ہے چنانچہ سید الشہداء نے بعد شہادت حضرت عباس مرثیہ کے طور پر یہ شعر پڑھا ہے

اخی کنت عونی فی الامور جمیعها

ابا الفضل یا من کان بالنفس باذلا

اے میرے قوت بازو ابو الفضل (العباس) تم ہی میرے تمام معاملات اور امور کے مختار اور مالک و نگران تھے۔ تم نے میری رفاقت میں اپنی جان اسلام پر قربان کر دی۔

وجہ کنیت کنیت کا استخراج دو ہی چیزوں سے ہوتا ہے۔ اوّل اپنے بڑے بیٹے کے نام سے۔ جیسے کہ حضرت محمد مصطفٰے کی کنیت آپ کے فرزند قاسم کی وجہ سے "ابو القاسم" تھی۔ تفسیر صافی اور حضرت علی کی کنیت ابو الحسن تھی دوسرے خصوصیت سے جیسے بقول علامہ قسطلانی آنحضرت کی کنیت ابو القاسم اس لیے تھی کہ یقسم الجنة بین اهلها۔ مواہب لدنیہ جلد ۱ یعنی حضور سرور کائنات صلعم کی کنیت ابو القاسم اس لیے تھی کہ آپ جنتیوں کو جنت تقسیم فرمائیں گے۔ (اخبار الفقیہ امرتسر ۲۸ جون ۱۹۴۳ء صفحہ ۳ کالم ۳) اس کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ مثلاً حضرت عباس ہی کی کنیت (ابو القربہ) اس لئے تھی کہ آپ کو مشکِ سکینہ سے خصوصیت حاصل تھی (ابصار العین صفحہ ۲۹) اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ کی کنیت ابو الفضل کس طرح قرار پائی ہے۔ میرے خیال میں آپ کی کنیت اس حیثیت سے بھی کہ آپ کے بڑے فرزند کا نام فضل تھا اور اس حیثیت سے بھی کہ آپ فضائل و کمالات کے مالک تھے "ابو الفضل" قرار پائی۔ علامہ عبد الرزاق قمر بنی ہاشم صفحہ ۲۵ میں لکھتے ہیں کہ آپ کی ایک کنیت ابو القاسم بھی تھی۔ جیسا کہ جابر بن عبد اللہ انصاری کی زیارت اربعین سے مستفاد ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں: السلام علیک یا ابو القاسم۔ السلام علیک یا عباس بن علی۔

حضرت عباسؑ علم الرجال میں علم الرجال یا علم درایہ ہی وہ علم ہے جس پر تمام روایات کی صحت و توثیق کا دار و مدار ہے۔ حضرت عباس اپنے کمال علمی میں اور نفس ذکی اور شرافت نفسی اور معرفت حقیقی کی وجہ سے اس منزل اہم میں بھی اعلےٰ درجہ رکھتے تھے۔ علامہ مامقانی لکھتے ہیں، کان عدلاً۔ ثقۃ تقیا۔ نقیاً نقیا۔ حضرت عباس عادل اور ثقہ۔ متقی اور شریف طینت و پاک سرشت تھے۔ (تنقیح المقال۔ باب العین ص۱۲۸ طبع ایران۔ علامہ نے جو صفات حضرت کے لیے رقم فرمائے ہیں۔ روایت کی توثیق اور واجب القبول ہونے میں بس انہیں صفات کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

حضرت عباسؑ اور علم فقہ علم فقہ و اصول ہی وہ علم ہے جو حلال خدا و حرام خدا اور دیگر ان چیزوں کو ظاہر کرتا ہے۔ جو اُن کی معاشرتی زندگی میں مفید اور انسان کو احکام خدا پر عامل اور منہیات خُدا سے روکنے والا ہوتا ہے۔ دُنیا میں سینکڑوں قسم کے علوم موجود ہیں اور بافہم انسان اُن میں کمالات حاصل کرتے ہیں لیکن کسی کو مجتہد نہیں کہا جاتا۔ انسان اسی وقت مجتہد کہا جاتا ہے۔ جبکہ اس علم فقہ میں اور اصول میں کمالِ تام رکھتا ہو۔ اور استنباط مسائل میں پوری صلاحیت کا مالک ہو۔

آج بھی علمائے کرام نجف اشرف جاکر باب العلم سے اسی علم فقہ و اصول کے جواہرات سے مالا مال ہوتے اور مرتبہ اجتہاد حاصل کرتے ہیں۔

دنیائے اسلام کا اتفاق ہے کہ آج تک دنیا میں علی سے بڑا کوئی عالم نہیں گذرا بعض مورخین کہتے ہیں کہ اگر علوم علی کے مظاہرہ کا موقع دیا گیا ہوتا تو دُنیا علم کی وسعت کو سنبھال نہ سکتی۔ خود رسول اکرم کی حدیثوں میں اعلمھم واقضا علیؑ موجود ہے۔ آنحضور صلعم نے آپ ہی کو باب مدینۃ العلم فرمایا ہے۔ حضرت علیؑ خود بھی فرمایا کرتے تھے:

"سلونی قبل ان تفقدونی"

اے میرے دُنیا سے اُٹھ جانے سے قبل جو کچھ پوچھنا ہو، پوچھ لو۔

معزز مورخین مثلاً اجل فرماتے ہیں کہ علیؑ کا یہ وہ دعویٰ ہے جس کی جراُت کسی اور اسلام یا غیر اسلام والے نہیں کی اور نہ قیامت تک کر سکتا ہے۔ (اسد الغابہ جلد۴ ص۲۲)

آپ فرماتے تھے:

لو ثنیت لی الوسادۃ الخ اگر میرے لیے مسندِ قضا (فیصلہ) بچھادی جائے تو میں توراۃ والوں

توریت سے، اور انجیل والوں کو انجیل سے، اور زبور والوں کو زبور سے اور فرقان والوں کو فرقان سے تسلی بخش اور قطعی جواب دے دوں اور فیصلہ کر دوں۔

حضرت عباس اسی باپ کے فرزند ہیں۔ دُنیا یہ نہ سمجھے کہ حضرت عباس صرف ایک وفادار اور شجاع انسان ہی تھے۔ بلکہ وہ امیرالمومنینؑ کی طرح میدانِ وفا میں وفادار میدان قتال میں شجاع، میدان علم میں زبردست عالم تھے۔ اور علم بھی کیسا، علم فقہ جو سب سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ علامہ ماتقانی لکھتے ہیں: قد کان من نقهاء اولاد الائمة حضرت عباس ائمہ طاہرین علیہم السلام کی فقیہ اولادوں میں ایک زبردست فقیہ تھے (تنقیع المقال باب العین صد ۱۲۸ طبع ایران)

علامہ قائنی خراسانی لکھتے ہیں: بدانکہ ابوالفضل از اکابر و افاضل فقہا و علماء اہلبیت بود بلکہ عالم غیر متعلم بود۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت عباس فقہائے آل محمدؐ اور علمائے اہل بیت میں بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ بلکہ وہ عالم غیر متعلم تھے۔ (کبریت احمر جز ۳ صد ۲۵) یعنی وہ ایسے عالم تھے جس نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی مقصد یہ ہے وہ علم لدنی کے مالک تھے۔

کیا حضرت عباس میں امامت کی صلاحیت تھی حضرت عباسؑ کی جلالت قدر کو دیکھتے ہوئے یہ یقین کرنا بیجا نہیں کہ ان میں امامت کی صلاحیت موجود تھی۔ صادق آل محمدؐ فرماتے ہیں کہ ائمہ طاہرین کی امامت خدا کی طرف سے ہے۔ نہ کسی کو اس عہدے کے قبول کرنے کا اختیار نہ اپنے بعد کسی کو سپرد کرنے کا اختیار۔ اگر علیؑ جیسے بصیر انسان بھی یہ چاہتے کہ اپنے بعد مثلاً حضرت عباس کو امام بنا دیں۔ لم یکن لیفعل یہ کسی طرح ممکن ہی نہ تھا۔ اس لیے کہ یہ لطف اور عہدہ خدا کی طرف سے خاص بندوں کے لیے معین ہے۔ (اصول کافی صد ۱۳۹ طبع ایران ۱۲۸۱ھ) حدیث مذکور سے جہاں حضرت عباس کی جلالت قدر کا پتہ چلتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں امامت کی صلاحیت موجود تھی۔ صادق آل محمدؐ کا میدان امامت میں حضرت عباسؑ کا ذکر فرمانا ہی صلاحیت کو واضح کرتا ہے۔ جناب سر مہاراجہ علی محمد خاں صاحب مرحوم والیٔ ریاست محمود آباد فرماتے ہیں ؎

مثلِ سبطین انہیں عالم ریاست ملتی

بطنِ زہراؑ سے جو ہوتے تو امامت ملتی!

حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت عباس ۴۰ھ میں حضرت علی علیہ السلام نے شہادت پائی۔ آپ کے انتقال کے بعد حضرت حسن علیہ السلام ظاہری خلیفہ قرار پائے۔ ان چالیس

ہزار آدمیوں نے آپ سے بیعت کی جنہوں نے جنگ معاویہ کے لیے علیؑ سے بیعت کی تھی۔

دفعتہً معاویہ نے آپ پر چڑھائی کردی اور ہزاروں کی فوج لے کر مقام مسکن میں اتر پڑا جو بغداد سے دس فرسخ تکریت کی جانب اوانا کے قریب ہے۔ امام حسن علیہ السلام نے جب اس چڑھائی کی خبر سنی مجبوراً اس کی پیش قدمی روکنے کے لئے بڑھے۔ فوج کا بڑا حصہ اپنے ہمراہ لے کر کوفہ سے ساباط میں جا ٹھہرے اور بارہ ہزار کی فوج قیس ابن سعد کی ماتحتی میں معاویہ کی طرف روانہ کردی۔ اسی دوران میں معاویہ نے خفیہ طور پر یہ فریب شروع کردیا کہ ایک شخص کو مدائن بھیج کر امام حسنؑ کی فوج میں مشہور کرا دیا۔ کہ حضرت حسنؑ کے سپہ سالار قیس نے معاویہ سے صلح کرلی دونوں فوجوں میں اس خبر کا مشتہر ہونا تھا۔ کہ بغاوت پھیل ہوگئی۔ فوجی آپ کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور کل مال و اسباب لوٹ لیا۔ دوش پر سے ردا اتار لی۔ بعض گمراہوں نے رشوت کے زور پر حضرت کو معاویہ کے حوالے کردینے کا ارادہ کرلیا۔ حضرت کمال صدمہ کی حالت میں وہاں سے گورنر سعد مدائن کی طرف روانہ ہوگئے۔ ایک خارجی نے راستہ میں موقع پا کر آپ کی ران میں ایسا زخم لگایا جو ہڈی تک اتر گیا۔ آپ اسی حالت میں قصر مدائن تک پہنچے۔ سعد نے مرہم پٹی کی۔ حضرت اچھے ہوگئے۔ آپ چھ ماہ تین یوم خلافت کے بعد ۲۴ ربیع الاول ۴۱ ہجری کو مکار زمانہ دشمن اہلبیت سے صلح کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ (تاریخ آئمہ صہ ۳۳۲)

مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد بھی آپ کو چین سے رہنے نہ دیا گیا۔ معاویہ نے جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ سے جو امام حسنؑ کی زوجیت میں تھی۔ حضرت کو شہد میں زہر ملا کر دیا۔ آپ بچ گئے۔ پھر خرمہ میں زہر دیا۔ لیکن آپ اچھے ہوگئے مگر طبیعت صاف نہ ہوتی۔ تبدیلِ آب و ہوا کی سخت ضرورت تھی۔ لہٰذا آپ موصل کی جانب روانہ ہوگئے۔

حضرت عباس کا امام حسنؑ کی معیت میں ہونا اب نام خدا حضرت عباس کم و بیش پندرہ سال کے ہیں۔ بھائی کے موصل کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر عرض کی۔ بھائی خادم بھی ہمراہ ہی چلے گا تاکہ خدمت گذاری کا شرف حسب دستور حاصل کرتا رہے۔ بھائی نے اجازت دے دی۔ حضرت عباس علیہ السلام ہمراہ روانہ ہوگئے۔

فاضل شہیر لکھتے ہیں: با عباس برابر با جان خویش و جمع شیعیان بموصل تشریف برد۔ آپ حضرت عباس اور کچھ شیعوں کو لے کر موصل تشریف لے گئے۔ اور ایک مدعی محبت کے گھر میں قیام

فرمایا چند دنوں کے بعد معاویہ کی سازش سے اس کی نیت بھی بدل گئی۔ اور اس نے بھی زہر دے دیا۔ مگر خدا نے شفا عطا کی۔ پھر ایک ملعون نے عصا کی آہنی اَنی کو زہر میں بجھایا۔ اور اُسے لے کر مسجد کے باہر چھپ کر کھڑا ہوگیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو اس نے وہ زہر میں بجھی ہوئی عصا کی اَنی حضرت کے پاؤں میں چبھو دی۔ جس سے آپ کو سخت اذیت پہنچی۔ اصحاب نے اُسے گرفتار کر لیا۔ اور پوچھا کہ اسے سزا دی جائے آپ نے فرمایا جانے بھی دو۔ یہ قیامت میں اندھا محشور ہوگا جب زہر نے زیادہ زور کیا۔ اور جراح نے زخم کو خطرناک تبلایا۔ تو اصحاب نے ملزم کے چھوٹ جانے پر اظہار افسوس کیا۔

حضرت عباس نے سزا دے دی ایک دن وہی ملعون موصل سے کہیں باہر جا رہا تھا حضرت عباس کی نظر پڑی۔ شیر کے سامنے روبا آگیا۔ اس کے ہاتھ میں عصا بھی وہی تھا۔ حضرت کو جلال آگیا۔ اور عصا چھین کر اس کے سر نجس پر لگایا۔ سر شگافتہ ہوگیا الخ۔ (طوفان بکا شعلہ چہارم طبع ایران ۱۳۱۴ھ

شہادت امام حسن پر عباس کی حالت ۵۰ھ کا ماہ صفر آگیا۔ معاویہ کی سازش سے جعدہ بنت اشعث نے ایسا زہر دیا جس نے آپ کو جانبر نہ ہونے دیا۔ چنانچہ آپ ۲۸ صفر ۵۰ھ مطابق ۶۷۰ء شہید ہوگئے[1]۔ دمعۃ ساکبہ ص۲۴، آپ کی شہادت پر تمام مدینہ میں کہرام برپا تھا۔ کوئی ایسا نہ تھا۔ جس کے گھر میں ماتم برپا نہ ہو۔ فاضل شہیر لکھتے ہیں۔ جہاں تمام متوسلین آپ کی شہادت سے گریاں تھے۔ حضرت عباس بھی رو رہے تھے۔ اور کمال رنج کی وجہ سے رنگ از روئے عباس پریدہ۔ آپ کے چہرے کا رنگ اُڑا ہوا تھا۔ اور آپ بے پناہ گریہ کر رہے تھے۔ (طوفان بکا۔ شعلہ دوم طبع ایران ۱۳۱۴ھ

---

[1] علمائے اہلسنت و اہل تشیع کا اس پر اتفاق ہے کہ معاویہ نے جعدہ بنت اشعث کو یہ لالچ دلائی کہ اگر تو امام حسنؑ کو زہر دے کر شہید کر دے گی اور یزید کے واسطے خلافت کا راستہ صاف کر دے گی تو ایک لاکھ درہم دوں گا۔ اور یزید کے ساتھ عقد کر دوں گا۔ پھر اس نے زہر بھیجا۔ جعدہ نے روزہ دار امام کو زہر دے دیا۔ (تاریخ ابوالفداء جلد ۱ ص۱۸۳، مروج الذہب برحاشیہ کامل جلد ۷ ص۱۵۵، تاریخ اعثم کوفی ص۳۵۵، روضۃ الصفا جلد ۳ ص۷، حبیب السیر ج ۲ ص۱۹، تاریخ طبری فارسی ص۳۴، تاریخ ادکلی ص۳۳۶) آپ کے جگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے امام حسینؑ نے پوچھا۔ بھائی خدا کے لیے بتاؤ کس نے زہر دیا ہے قال ما سواللہ عن ھذا۔ امام حسنؑ نے فرمایا اے حسین! یہ کیوں پوچھتے ہو میں نہیں چاہتا کہ اس سے دنیا میں عوض لوں۔ پھر آپ نے پہلوئے رسول میں دفن کرنے کی وصیت کی۔ اور فرمایا کہ اگر لوگ مانع ہوں تو پھر جنت البقیع میں دفن کر دینا، امام

حضرت عباسؑ اخلاق کی دُنیا میں

علماء کا بیان ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام رعب و جلال کے باوجود، خلق عظیم کی تصویر اور خلق حسن کے مرقع تھے۔ اپنے اور پرائے سب سے اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔ آپ کی

حسین علیہ السلام نے غسل وکفن سے فارغ ہوکر جنازہ کو دفن کے لیے لے چلے (اسد الغابہ۔ مروج الذہب مسعودی۔ ارجح المطالب، روضۃ الشہداء۔ آپ کو پہلوئے رسول میں دفن کرنے سے عائشہ نے روکا جو چالیس سواروں کے ساتھ خچر پر سوار موقعہ پر موجود تھیں۔ اور کہہ رہی تھیں کہ میں اجازت نہیں دیتی۔ کیوں میرے گھر میں گھسے آتے ہو۔ روضۃ المناظر بر حاشیہ کامل جلد ۱۱ صـ۱۳۳، تاریخ اوکلی صـ۳۳۶، تاریخ ابو الفداء جلد ۱ صـ۱۸۳، تاریخ ایرونگ صـ۱۹۷) ابن عباس نے کہا

تجملت، تبغلت ولو عشت تفلیت۔ لک التسع من الثمن و بالکل تملکت

اے عائشہ تمہارا عجب حال ہے کبھی تو اونٹ پر سوار ہوکر حضرت علی سے لڑنے جاتی ہو۔ کبھی خچر پر سوار ہوکر فرزند رسول کے دفن سے مانع ہوتی ہو۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں۔ کہ اگر تم کچھ دن اور زندہ رہیں تو ہاتھی پر بھی چڑھ کر جنگ کروگی۔ آج تم سارے روضۂ رسول کی مالک بن بیٹھی ہو۔ حالانکہ ازواج والے آٹھویں حصہ میں سے نویں حصہ کی مالک ہو (مناقب شہر آشوب جلد ۲ صـ۶۵، بحار الانوار و روضۃ الصفاء جلد ۳ صـ۷ غرضکہ عائشہ و مروان والوں نے امام کے لاشے پر تیر برسائے۔ ستر تیر آپ کے تابوت میں پیوست ہوگئے۔ روضۃ الصفا جلد ۳ صـ۷) اس وقت امام حسینؑ کو غصہ آگیا مگر امام حسن علیہ السلام کی وصیت مانع ہوئی۔

ارجح المطالب صـ۳۵۵ علماء نے لکھا ہے کہ اس وقت حضرت عباسؑ کے تیور بدل گئے۔ اور آپ جوشِ علوی دکھانے پر آمادہ ہوگئے لیکن امام حسین علیہ السلام نے آپ کو روکا۔ اور لاشہ کو جنت البقیع میں لے کر چلے گئے۔ اور وہیں دفن کردیا۔ بنی اُمیہ میں سے کوئی بھی آپ کے دفن میں شریک نہ ہوا۔ روضۃ الشہداء صـ۲۳۳۔ ارجح المطالب صـ۳۵۵۔ اسد الغابۃ) آپ کی خبر شہادت جب معاویہ کے کانوں تک پہنچی۔ تو اس نے تکبیر کہی، اور سجدہ شکر ادا کیا۔ (ارجح المطالب صـ۳۵۶۔ تاریخ طبری۔ تنزل الابرار صـ۵۔ عقد الفرید جلد ۲ صـ۱۱۲، تاریخ خمیس جلد ۲ صـ۳۲۸۔ حیوٰۃ الحیوان جلد ۱ صـ۵۱)

ابن عباس نے اپنے شعر میں جنگ جمل کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جس میں حضرت عائشہ اونٹ پر سوار ہوکر حضرت علیؑ سے لڑنے کے لیے گئی تھیں۔ اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ حضرت عائشہ بعد میں سخت نادم ہوئی تھیں۔ اور اپنے اس سنگین جرم پر اس قدر رویا کرتی تھیں کہ آپ کی اوڑھنی تر ہو جایا کرتی تھی۔ (ملاحظہ ہو کتاب الاعتقاد مؤلفہ عبد المحمود تفسیر بحر محیط صـ۲۳ و ارجح المطالب صـ۰۰۷)

سرشت میں داخل تھا۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ خصوصیت سے اخلاق برتتے تھے۔

علامہ قزوینی لکھتے ہیں:

سلوکِ عباس بن علیؑ با برادر آں بود کہ در حضور برادر نمی نشست، و ہیچ وقت برادر را برادر خطاب نہ کرد۔ حضرت فرمود، اے برادر، چرا مرا برادر نمی خوانی، عباس عرض کرد، فدایت شوم من و تو گر نسل یک پدرم۔ اما مادر من کنیز مادر تست۔ من کجا و تو کجا۔ یعنی حضرت عباس کا اخلاقانہ برتاؤ اپنے بھائی کے ساتھ یہ تھا کہ آپ کبھی اپنے بھائی کو بھائی کہہ مخاطب نہ کرتے تھے حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک دن یہ فرمایا۔ بھیا عباس کیا وجہ ہے کہ تم مجھے کبھی بھائی کہہ کر نہیں پکارتے عرض کی میری جان آپ پر نثار۔ بات یہ ہے کہ اگرچہ میں اور آپ ایک نسل پدری سے ہیں۔ لیکن میری ماں آپ کی مادر گرامی کی خادمہ ہے۔ کہاں میں اور کہاں آپ کی ذات والاصفات

(ریاض القدس جلد ۲ ص۶)

علامہ خراسانی لکھتے ہیں کہ حضرت عباس میں جمیع فضائل و اخلاق حسنہ بنحو اتم و اکمل در وجود آنسر در مہتر عالم مجتمع بود۔ تمام فضائل و اخلاق حسنہ پورے طور پر موجود تھے۔

(کبریت احمر ص۳)

حضرت عباس علیہ السلام کی بصیرت

حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام کی بصیرت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کان عمنا العباس بن علی علیہ السلام نافذ البصیرۃ، صلب الایمان الخ۔ عمدۃ الطالب ص۳۲۳۔ معۃ الساکبہ ص۳۳۴۔ مقاتل الطالبین۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ان صفات سے یاد فرمانا اور اس کی تصدیق کرنا واضح کر رہا ہے کہ حضرت عباس انسان کامل اور بڑے مستقل مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ ہوشیار، وفادار، جانباز اور بہادر تھے۔

علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ بصیرت نام ہے۔ امور دین اور مسائل اعتقادیہ میں تبصرہ اور غور و فکر کا اور ناقد کے معنی حق و باطل میں تمیز کرنے والے کے ہیں۔ فالمراد بناقد البصیرۃ انہ کان ممیزا بین الحق و باطل من الامور الاعتقادیۃ۔ حضرت عباس علیہ السلام کے ناقد البصیر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اعتقادی امور میں حق و باطل کے اندر کامل تمیز رکھنے والے تھے۔ اور ایمان کے تمام مدارج پر فائز تھے۔ امام علیہ السلام نے اسی کو لفظ صلب الایمان سے یاد فرمایا ہے۔ وھو نتیجۃ کونہ ناقد البصیرۃ فانہ من یدیم النظر فی المعارف الالھیہ فلا محالۃ ینکشف عندہ الحقائق الایمانیۃ۔

دراصل صلب الایمان ہونا ناقد البصرت کا نتیجہ ہے۔ اس لیے کہ جو معارف حسینیہ میں ہر وقت غور و فکر کرتا رہے گا۔ اس پر لامحالہ ایمانی حقائق روشن ہو جائیں گے۔ (مائتین فی مقتل الحسین صہ ۴۲۲) پھر علامہ کنتوری آگے چل کر لکھتے ہیں۔ کہ صلب الایمان اور ناقد البصیرت ہونا فھی بینۃ علی کون العباس ذ مُرتَبًا علی درجۃ المعرفت والعمل۔ یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ کہ حضرت عباس علیہ السلام معرفت اور عمل کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے۔ (مائتین صہ ۴۶۲)

حضرت عباس کی عصمت کی بحث

عصمت کے لغوی معنی | عصمت کے لغوی معنی المنع اجتناب معاصی اور خطا کے ہیں۔ المنجد صہ ۶۴۳

صاحب مجمع البحرین لکھتے ہیں: المعصوم الممتنع من جمیع محارم اللّٰہ معصوم اسے کہتے ہیں جو تمام محارم خدا سے باز رکھا گیا ہو۔ مجمع البحرین ع ۔ م طبع ایران۔

عصمت کے اصطلاحی معنے | عصمت اس مخفی لطف الٰہی کو کہتے ہیں۔ جو ان خاص بندوں پر کیا جاتا ہے۔ جن میں امکانات خطا و معاصی کی پوری طاقت کے باوجود اجتناب کی کامل اور حتمی صلاحیت ہوتی ہے۔ (شرح باب حادی عشر ۵ صہ ۳ طبع نول کشور)

علامہ مجلسی لکھتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ معصوم ترکِ گناہ پر مجبور نہیں۔ لیکن خداوند عالم اس پر ایسا لطف مخفی کرتا ہے۔ کہ وہ اپنے اختیار سے ترک معصیت کو لازم جاننے لگتا ہے۔ یا قوت عقل۔ فطانت، ذکاوت اور صفائی باطن اور اخلاق حسنہ کی وجہ سے وہ محبت خداوندی کا مالک بن کر ایسے درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ کہ شہوات نفسانی اور خیالات شیطانی اس کے پاس نہیں آنے پاتے۔ اور جمالِ ایزدی اور جلال و عظمت الٰہی اس کے دل پر جلوہ فگن ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے کو منظورِ نظر پروردگار عالم جانتے ہوئے معصیت سے پرہیز کرتا۔ اور رضائے الٰہی کے حاصل کرنے میں کوشاں رہتا ہے۔

اور اگر خدا نخواستہ اس کے دل میں کسی وقت معصیت کا خیال آجاتا ہے۔ تو وہ جلال الٰہی کے خوف کی وجہ سے باز رہتا ہے۔ حق الیقین باب ۴ صفحہ ۲، طبع ایران)

عالم اہل سنت فاضل روزبہان نے ابطال الباطل میں عصمت کو ملکہ لکھا ہے یعنی ایسا ملکہ جس کے ذریعہ سے اکثر گناہان کبیرہ سے بچتا رہے۔ اسے کچھ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ کلیات

ابو البقا اہلسنت لغت کی مشہور کتاب ہے۔ اس میں ہے کہ امام ابو منصور ماتریدی کے مذہب کے موافق عصمت نام ہے معصیت کی قدرت نہ ہونے کا اور ایسی بات کے پیدا ہو جانے کا جو معصیت سے مانع ہو لیکن اسی کے ساتھ ساتھ مجبور نہ کیا جائے اور پھر اسی کے ساتھ ساتھ اختیار نہ رہے۔ اسی قول کا مطلب ہدایہ میں مرقوم ہے۔ معناہ یعنی قول منصور انھالا تجبرہ علی الطاعة ولاتعجزہ عن المعصیت بل ھی لطف من اللہ یحمل العبد علی فعل الخیر ویزجرہ عن فعل الشر مع بقاء الاختیار۔ یعنی عصمت وہ صفت ہے جو طاعت گزاری پر مجبور نہ کرے۔ اور نہ معصیت کرنے سے عاجز بنائے۔ بلکہ یہ ایسا لطف ہے جو اختیارات کے باوجود امور خیر پر ابھارتا اور برے کاموں سے بچاتا ہے۔

بہر حال یہ وہ صفت ہے اور ایسا لطف ہے۔ جو خداوند عالم کے خاص بندوں کو نصیب ہوتا ہے جن میں انبیاء اوصیاء وغیرہ داخل ہیں۔ مگر ان کے نفوس ان کے قابو میں ہوتے ہیں۔ (بھگوت گیتا)

حضرت عباس کا معصوم ہونا اب رہ گیا یہ کہ حضرت عباس معصوم تھے یا نہیں۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ علامہ مجلسی نے کشف الانوار ترجمہ بحار جلد ۹ صد ۱۲۳ ایران ۱۲۹۵ھ اور علامہ محمد باقر خراسانی نے کبریت احمر کے تیسرے جزمیں حضرت امام حسین علیہ السلام کے الان انکسر ظھری فرمانے کے سلسلے میں تحریر کیا ہے کہ امام مظلوم درشہادت آں معصوم الان انکسر ظھری کہ حضرت امام حسینؑ نے اس معصوم "عباسؑ" کی شہادت پر فرمایا: اس وقت میری کمر ٹوٹ گئی ہے ملاحظہ ہو۔ (تکمیل الاساس فی احوال ابی الفضل العباس صد ۲۸) اس سے بھی آپ کی عصمت کا پتہ چلتا ہے۔

علامہ دربندی حضرت عباسؑ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "ان بعض الفقرات من بعض الزیارات الماثورۃ یقین انہٗ کان من اھل العصمۃ ومن علومہ من العلوم اللدنیہ" ان زیارات کے بعض فقروں سے جو ائمہ معصومین علیہم السلام سے مروی و ماثور ہیں۔ مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت معصوم بھی تھے اور علم لدنی کے مالک بھی تھے۔ (اسرار الشہادت صد ۳۲۰۔ جواہر الایقان دربندی علامہ ہروی نے موعظہ حسنہ کے صد ۲۵۲ پر حضرت علی اکبرؑ کو بھی داخل معصومین تحریر کیا ہے۔

حضرت عباسؑ کی عصمت کا مطلب بعض علما نے حضرت عباسؑ وغیرہ کو معصوم تحریر کیا ہے۔ میرے خیال میں ایسے مواقع پر عصمت سے حفاظت اور معصوم سے محفوظ مراد ہے۔ اس لیے کہ عصمت اصطلاحیہ کے لیے اجماع اور نص کا ہونا ضروری ہے۔ اور ان کی عصمت پر نص ہے

اور نہ اجماع علماء۔ ناچیز مؤلف نے اپنے رسالہ پیغمبر اسلام کے بارہ جانشین ؑ میں آئمہ اثنا عشر کی عصمت پر روشنی ڈالتے ہوئے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" طعن ۱۳ صفحہ ۳۹۴ کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ:

اس سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب بھی بعض دیگر علماء کی طرح عصمت آئمہ کے قائل ہیں۔ جس کی تعبیر بلفظ محفوظ سے کی ہے اور محفوظ اصطلاحِ شرع میں اُن لوگوں کو کہتے ہیں "فلا یصدر عنهم الذنب والخطا مع جواز الصدور" جن سے امکانات گناہ کے باوجود گناہ اور خطا وغیرہ صادر نہ ہوں۔ دراسات اللبیب صفحہ ۲۰۱

اس سے صاف واضح ہے کہ معلوم اور محفوظ قریب قریب ایک چیز ہیں۔ صرف الفاظ کا فرق ہے لیکن ہمارے بعض علما نے صراحت کی ہے کہ محفوظ سے خطا و نسیان اور مکروہات کا صادر ہونا ممکن اور جائز ہے۔ البتہ محرمات صادر نہ ہوں۔

علامہ دربندی عصمت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ولیس مراد نامن العصمت ھھنا العصمت التی کانت فی رسول اللہ و الائمۃ الطاھرین حتیٰ یردان ھذا مما یرفع الاجماع والضرورت من المذھب علی خلافہ۔ بل المراد منھا القوۃ التی نمتنع بھا عن المعاصی من منھا فصاحب ھٰذہ العصمت یصدر منہ الخطاء والنسیان کذا ترک الاولی والمکروھات ولا یصدر منہ فعل المحرمات حتی الصغائر فاثبات مثل ھذہ العصمۃ لمثل العباس وعلی بن الحسین وزینب و ام کلثوم وسلمان مالا ضیر وغائلۃ فیہ" کہ اس عصمت سے ہماری وہ عصمت مراد نہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلبیت علیہم السلام کی تھی کہ اس پر اعتراض ہو بلکہ اس عصمت سے وہ قوت مراد ہے جو گناہوں سے روکے۔ اس قوت کے مالک سے خطا نسیان ترکِ اولیٰ مکروہات کا صدور ممکن ہے لیکن محرمات کا صادر ہونا چاہے وہ گناہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو ناممکن ہے۔ اب معلوم ہونا چاہیئے کہ اس قسم کی عصمت کا حضرت عباس۔ حضرت علی اکبر۔ جناب زینبؑ جناب اُم کلثوم حضرت سلمان فارسی میں تسلیم کرنا نہ کوئی نقص رکھتا ہے اور نہ قابل اعتراض ہو سکتا ہے (اسرار الشہادت صفحہ ۳۰ طبع ایران)

اس قسم کی عصمت کی تعریف علامہ عبدالاحد اور عبدالرزاق یمنی نے یہ کی ہے کہ آلودگی گناہ سے اپنے

نفس کی حفاظت کرنا۔ یعنی معصوم وہ ہے جو اپنے سے گناہ سرزد نہ ہونے دے اور خود کو محفوظ رکھے۔ (شرح نہج رقعہ صہ ۴۲ طبع نولکشور ۱۸۶۸ء۔ ہم اسی کی تعبیر لفظ محفوظ سے کرتے ہیں۔ جس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا ہے۔

حضرت عباس نفس مشتعلہ کے مالک تھے حضرت عباس جو کمالاتِ نفسیہ کے مالک اور افعال ممدوحہ کے تاجدار تھے۔ جب ان کے شجاعت سے بھرے نفس کا جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ حمیّت وغیرت اور نخوتِ شہادت میں ایک ایسے نفس کے مالک تھے جس کی شعلہ فشانی میدانِ شجاعت میں تھامے، تھم نہ سکتی تھی۔

علامہ احمد عارف الزین مصری لکھتے ہیں:

العباس تلك النفس المشتعلہ حمیۃ و نخوۃ والملتھبۃ حماسۃ وبطولۃ۔ عباس ایک ایسے نفس کے مالک تھے۔ جو حمیّت وغیرت اور نخوت شجاعت وشہادت کے موقع پر شعلہ دیتا تھا اور بہادری وجانفشانی کے موقعوں پر بھڑک اٹھتا تھا۔ ولیس کالعباس مقداما مقحاما ذو دداع عن الشرف اور عباس جیسا بہادر میدان جنگ میں بڑھنے والا اور چہرہ شرافت سے دشمن کو گرد وغبار کی طرح پاک کرنے والا مادر گیتی کی آغوش میں کوئی نہ تھا۔ (رسالہ الفرقان صہ ۲۰۳ ماہ صفر ۱۳۵۰ ہجری طبع مصر)

حضرت عباس علیہ السلام کی سعادت قرآن مجید کی آیت سے واضح ہے کہ سعادت وہ صفت ہے جو بطنِ مادر میں عطا ہوتی ہے۔ اور جو چیز بطنِ مادر میں ملے۔ وہ عطیہ الٰہی ہوتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام دعائے یوم الخمیس میں فرماتے ہیں۔ "والسعید من اسعدت" سعادت اسی کے لیے ہے جسے تو سعید بنائے۔ (صحیفہ علویہ صہ ۳۵۶ طبع دہلی) علامہ کنتوری حضرت عباس علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں: کان العباس یھوی الحسین من بد و عمرہ لانہ السعید الذی سعد فی بطن امہ کہ آپ امام حسینؑ پر بچپنے سے ہی مرے جاتے تھے۔ اور ان کی حمایت میں پل پڑتے تھے۔ اس لیے کہ یہ بطن مادر ہی سے صفت سعادت سے متصف پیدا ہوئے تھے۔ (مائتین) گویا آپ کی کمال سعادت یہ تھی کہ آپ فرزند رسول پر نثار ہونے کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنت میں اُڑنے کے لیئے زمرد کے پر پرواز ملے ہیں اور سعادت وخوش بختی کی بلند پروازی نے آپ کو شہداء کی نظر میں قابل غبطہ بنا دیا ہے۔

حضرت عباس کی عبادت گزاری عبادت نام ہے اپنے خالق کے سامنے سر نیاز جھکانے کا۔ وہ لوگ جو معرفت میں کمال رکھتے ہوں۔ وہ اعتراف الوہیت میں بھی پورے ہوتے ہیں اور اقرار عبودیت میں کامل ہوتے ہیں۔ ان کے سر نیاز خالق بے نیاز کی بارگاہ میں اکثر زمین بوس رہا کرتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں افق پیشانی پر سجدہ کے نشان کا ہویدا ہونا بھی لازمی ہے۔ تاریخوں میں موجود ہے۔ کہ حضرات آئمہ معصومین علیہم السلام کی مقدس پیشانیوں پر آفتاب کو شرمندہ کرنے اور ماہتاب کو جلا دینے والے سجدہ کے نشان ضوفشاں تھے۔ حضرت عباس علیہ السلام بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ ان کی رگوں میں بھی عصمت کا لہو اور طہارت کا خون دوڑ رہا تھا۔ آپ معرفت میں کامل اور اعترافِ الوہیت میں مکمل تھے۔ آپ کے متعلق مورخین لکھتے ہیں:

كَانَ بين عينيه اثر السجود لكثرة عبادة ملك العلام۔۔۔ الخ

آپ کی پیشانی اقدس پر کثرت سجود ملک علام کی وجہ سے سجدہ کا نشان ضوفشان تھا۔ (تحفہ حسینیہ صہ ۱۶۵ طبع ایران۔ دمعہ ساکبہ صہ ۳۲۳۔ ریاض القدس صہ ۲۴)

حضرت عباس علیہ السلام کا "قمر بنی ہاشم" ہونا حضرت عباس علیہ السلام حضرت علی علیہ السلام اور جناب ام البنین سے پیدا ہوئے تھے۔ یہ دونوں حضرات حسن و جمال میں اپنے اپنے قبیلہ کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ ملاحظہ ہو مناقب شہر آشوب جلد ۲ صہ ۱۶۳ و ریاض القدس جلد ۱ صہ ۶۶) اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے۔ کہ حسین و جمیل ماں باپ کے بیٹے خوبصورت ہی ہوتے ہیں۔ تمام مورخین کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت عباسؑ حسن و جمال اور چہرہ کی تابندگی میں خصوصی حیثیت کے مالک تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو قمر بنی ہاشم کہا جاتا تھا۔

علماء لکھتے ہیں:

ان عباسؑ بن علی کان رجلاً وسیماً جمیلاً یقال لہ قمر بنی ہاشم لحسنہٖ وبہائہٖ۔۔۔۔۔۔ الخ

حضرت عباس بن علی مرد تابندہ اور جمیل و خوشخو تھے۔ آپ کو خوبصورتی اور چہرہ کی تابندگی کی وجہ سے "قمر بنی ہاشم" "قبیلۂ بنی ہاشم کا چاند" کہا جاتا تھا۔ (مقتل عوالم صہ ۹۴ طبع ایران شرح زیارت ناحیہ، ناسخ التواریخ۔ جز ۶۔ صہ ۲۹۸ بمبئی۔

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ حضرت عباس کی خبر ولادت جو امیر المومنین علی علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

"اُمِ البنین فرزندے قمر طلعت بوجود آوردہ"۔ (ریاض القدس جلد ۔ صہ ۶۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا حسن وجمال وقت ولادت ہی سے "قمر بنی ہاشم" بننے کی خوشخبری سُنا رہا تھا۔ علامہ علی قرنی لکھتے ہیں کہ:

حضرت عباس کا "قمر بنی ہاشم" ہونا بالکل اسی طرح ہے جس طرح حضرت ہاشم بن عبد مناف کو "بدر حرم" اور عبداللہ بن عبد المطلب پدر بزرگوار حضرت رسول کریم کو حسن وجمال کی وجہ سے "مصباح حرم" کہا جاتا تھا۔ (منہاج الدموع صہ ۳۲۵)

حضرت عباس علیہ السلام اور شجاعت

تعریف شجاعت | شجاعت نام ہے اس قوت قلب اور جرأت وہمت کا جو انسان کو اُن منزلوں اور مقامات پر جانے اور ثابت قدم رہنے میں مدد دے۔ جن کی طرف عام انسانوں کے قدم نہ بڑھ سکتے ہوں۔ علامہ کمال الدین طلحہ بن شافعی لکھتے ہیں:

الشجاعة عبارة عن قوة فی القلب یبعث علی الاقدام علی ارتکاب الافعال المخوفه[1] فکل من حصلت له، هٰذه الحاله۔ فقد اتصف بالشجاعة فیسمی شجاعاً

شجاعت اس قوت قلبی کا نام ہے جو انسان کو انتہائی خطرناک اور خوفناک امور کے کر گذرنے پر اُبھار دیا کرے۔ جس کے قلب میں یہ قوت پائی جائے۔ اسے بہادر شجاع کہتے ہیں۔

(مطالب السئول صہ ۱۱۹۔ طبع لکھنؤ)

---

[1] اس کی تصدیق حضرت زینبؑ کے واقعات سے ہوتی ہے۔ ابو الکلام آزاد ابن زیاد کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں "راوی کہتا ہے کہ جب اہلبیتؑ کی خواتین اور بچے عبیداللہ ابن زیاد کے سامنے پہنچے تو حضرت زینبؑ نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ ان کی کنیزیں انہیں بیچ میں لیے ہوئے تھیں۔ عبیداللہ نے پوچھا یہ کون بیٹھی ہے۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عبیداللہ نے تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر ان کی ایک کنیز نے کہا۔ یہ زینب بنت فاطمہ ہیں۔ عبیداللہ شماتت کی راہ سے چلایا اس خدا کی ستائش جس نے تم لوگوں کو رُسوا کیا اور تمہارے اور تمہارے نام کو بٹہ لگایا۔" اس پر حضرت زینبؑ نے جواب دیا۔ بڑا ستائش اس خدا کی جس نے ہمیں محمدؐ سے عزت بخشی اور ہمیں پاک کیا۔ نہ کہ جیسا تو کہتا ہے، فاسق رسوا ہوتے اور نا جروں کے نام کو بٹہ لگتا ہے۔ ابن زیاد نے کہا تو نے دیکھا۔ خدا نے تیرے خاندان سے کیا سلوک کیا۔ حضرت زینبؑ نے کہا ان کی قسمت میں قتل کی موت لکھی تھی۔ اس لیے وہ مقتل میں پہنچ گئے۔ عنقریب خدا تجھے اور انہیں جمع کردے گا۔ اور تم باہم

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شجاعت قلبی قوت اور جرات نفسی کا نام ہے تو اب یہ امر غور طلب ہے کہ کسی کو اگر شجاع کہا جائے۔ تو اس کا معیار کیا ہے اور کسی کو شجاعت سے متصف جاننے کی پہچان کیا ہے۔ کیا وہ شخص جس کے لیے شہرت ہو جائے اور جس کی شجاعت کا پروپیگنڈے کی وجہ سے ڈنکا بجنے لگے۔ کیا ارباب نظر بھی اُسے شجاع اور بہادر ماننے لگیں گے۔ اس کے متعلق علماء نے تحریر کیا ہے۔

شجاعت کیونکر پہچانی جاسکتی ہے:

فھی تدرک بالبصیرۃ لا بالبصر ولا یمکن معرفتھا بالحق مشاھدۃ آثارھا فمن اراد ان یعلم ان زیداً موصوف بالشجاعۃ فطریقتہ ان ینظر مایصدر منہ ...... الخ (النفس المهموم ص۱۸۱ طبع نجف اشرف ۱۳۳۵ھ)

شجاعت کے پہچاننے کے لیئے ظاہری آنکھیں درکار نہیں بلکہ دل کی آنکھیں مطلوب ہیں اس کی لذت کا محسوس و معلوم کرنا حس ظاہری سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کے جاننے اور پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے آثار کا مطالعہ کیا جائے مثلاً اگر کوئی یہ جاننا چاہتا ہو کہ زید شجاع ہے یا نہیں تو اس کے افعال اور آثار کو دیکھے اور اس سے رائے قائم کرے۔

شجاعت کے اقسام

اس میں شک نہیں کہ انسان جس طرح اپنی مادی تشکیل میں آگ پانی ہوا۔ مٹی کا محتاج ہے۔ اسی طرح روحانی تکمیل میں حکمت۔ عدالت۔ عفت۔ شجاعت کا بھی محتاج ہے اب چونکہ انسانیت کا دارومدار صفت شجاعت پر ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کے اقسام لکھ دیئے جائیں۔ علامہ ابو منصور ثعالبی لکھتے ہیں کہ شجاعت جو انسانیت کا جزو اعظم ہے اس کی گیارہ قسمیں ہیں۔

"اذا کان شدید القلب ربط الجیش فھو مزیر" جو بہادر میدان جنگ میں نہایت بے جگری سے لڑنے والا ہو۔ پہلو میں نہایت ہی قوی اور مضبوط دل رکھتا ہو۔ یعنی اس کا قلب

ہم اس کے حضور سوال و جواب کر لوگے ابن زیاد غضب ناک ہوا اس کا غصہ دیکھ کر عمرو بن حریث نے کہا خدا امیر کو سنوارے۔ یہ تو محض ایک عورت ہے عورتوں کی بات کا خیال نہ کرنا چاہیے پھر کچھ دیر بعد ابن زیاد نے کہا خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہلبیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا۔

شیعوں کی سیاسی شجاعت کا اعتراف: چودھری خلیق الزمان صاحب ایم ایل اے رکن مسلم لیگ فرماتے ہیں۔ موجودہ ہندوستان میں جو اسلامی کلچر کہلاتا ہے۔ وہ تعمیر اور ترویج میں شیعوں کا ہی ممنون کرم ہے۔

اتنا مضبوط ہو کہ میمنہ اور میسرہ اور قلب کے لشکر کو فنا کر دینے کی اس میں اچھی خاصی جرأت موجود ہو تو اس کو "مزیر" کہتے ہیں۔

"واذا کان لزوماً للفرقان لا یفارقہ فھو حلبس" (۲) اگر دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو اس کے قصہ وجود کو پاک کئے بغیر جو چین نہ لے اُسے "حلبس" کہتے ہیں۔

"واذا کان شدید القتال لزوماً لمن طالبہ فھو غلث" (۳) جو شخص اپنے دشمن سے بھڑ پڑنے کے بعد اسے قتل کئے بغیر اس کا پیچھا نہ چھوڑے اس کو "غلث" کہتے ہیں۔

واذا کان جریئاً علی اللیل فھو مخش و مخشف (۴) جو رات میں بھی جنگ آزمائی پر دلیری کے ساتھ تیار ہو اُسے مخش اور مخشف کہتے ہیں۔

"واذا کان مقداماً علی الحرب عالماً باحوالھا فھو محرب (۵) جو فن حرب سے واقف ہو اور بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والا ہو اُسے "محرب" کہتے ہیں۔

"واذا کان منکراً شدیداً فھو زمر" (۶) جو بہادر بڑے بڑے پہلوانوں کے دانت کھٹے کر دے اسے "زمر" کہتے ہیں۔

واذا کان بہ عبوس الشجاعتہ والغضب فھو "باسل" اور جس کے ماتھے پر شجاعت کی شکن اور رگوں میں بہادری کے غصہ کا خون دوڑ رہا ہو۔ اس کو "باسل" کہتے ہیں

اس پر جناب زینبؑ اپنے تئیں نہ سنبھال سکیں۔ بے اختیار رو پڑیں۔ انہوں نے کہا واللہ تُو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا۔ میرا خاندان مٹا ڈالا۔ میری شاخیں کاٹ ڈالیں۔ میری جڑیں اکھاڑ دیں۔ اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہے تو ہو جائے۔ ابن زیاد نے مسکرا کر کہا یہ شجاعت ہے تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا۔ زینب نے کہا عورت کو شجاعت سے کیا سروکار۔ میری مصیبت نے شجاع کر دیا ہے۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں یہ تو دل کی آگ ہے۔ (رسالہ انسانیت موت کے دروازہ پر صفحہ ۱۱۳)

ص میر انیس و مرزا دبیر کے مرثیوں اور میر و غالب کے کلیات کو اگر اردو سے علیحدہ کر دیا جائے۔ تو اردو فنا ہو جائے۔ اس وقت تمام اہل اسلام نے ایک شیعہ کو قائد اعظم مان رکھا ہے۔ موصوف کی سرداری کو مان لینا ہی اہلسنت کے احسانات کا آئینہ ہے جو شیعوں کے متعلق ان کے ہیں۔ اس ہندوستان میں کفر و اسلام کا مقابلہ ہے اور یہ مقابلہ ہمیشہ رہے گا۔ اس بنا پر شیعہ سنی اختلافات کا امکان نہیں ہے پاکستان کے تخیل نے تمام مذہبی اختلاف کو مردہ کر دیا ہے کچھ دنوں قبل کانگریس نے سنی اور شیعہ کو لڑانے کے لیے مدح صحابہ اور تبرا کا ڈھونگ رچایا تھا۔ شیعوں کو اس بارے میں فخر محسوس ہے کہ جب کبھی کفر و اسلام کی ٹکر ہوئی تو شیعوں نے اپنے تمام جزوی اعتقادی اختلاف کو بالائے طاق رکھ کر اور ہم میں مل کر قوم اسلام کے دوش بدوش دادِ شجاعت دی۔۔۔

الخ۔ اخبار زمیندار ج ۳۶ شمارہ نمبر ۴۔ صفحہ ۴ کالم ۴۔ ۲۴ مئی ۱۹۴۷ء

"واذا کان لایدری من این یوتی لشدۃ باسہ فھو بھمۃ" (۸) جس بہادر کے متعلق اس کی بہادری کی وجہ سے یہ نہ سمجھ میں آئے کہ کس طرف سے حملہ کرکے اسے زیر کیا جا سکتا ہے اُسے "بہمہ" کہتے ہیں
"واذا کان یبطل الاشداء والدماء فلا یدرک عندہ ثار فھو بطل" (۹) جو بڑے بڑے خونخواروں کے جی چھڑا دے اور جو بھی سامنے آئے اُسے کسی خون بہا کا موقع نہ دے۔ اُسے "بطل" کہتے ہیں۔
"واذا کان یرکب راسہ لایثنیہ شئی عما یرید فھو غشمشم" (۱۰) جو اپنے سر کو ہتھیلی پر رکھ کر اپنے حصول مقصد کے لیے اس طرح جنگ آزما ہو کہ اس کو کوئی قوت اس کے ارادے سے باز نہ رکھ سکے اُسے "غشمشم" کہتے ہیں۔
"واذا کان لایتحاش لشئی فھو الیھم" (۱۱) جو بہادر نبرد آزمائی کے موقع پر کسی چیز کی پروا نہ کرتا ہو۔ اُسے "ایہم" کہتے ہیں۔ فقہ اللغت جلد ا۔ صہ ۴۴ طبع مصر

حضرت عباسؑ جو دنیائے شجاعت کے تاجدار تھے۔ جب ان کے واقعات زندگی پر ہلکی سی نظر ڈالی جاتی ہے تو روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ شجاعت کے جتنے بھی اقسام ہیں، حضرت عباسؑ ان سب کے بدرجہ اتم جامع تھے۔ دیکھئے حضرت عباس علیہ السلام کا امام حسین علیہ السلام کے ساتھ اس طرح رواں دواں بن کر رہنا کہ حضرت کا پورا پورا اعتماد آپ ہی کی شجاعت آگین ذات پر ہو۔ اور حسینؑ یہ کہتے ہوئے دکھلائی دیں کہ اے اسد اللہ کے شیر تیرے وجود اور بقا پر ہمارے لشکر کا وجود ہے، اس سے حضرت عباسؑ کے مزیر ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور ماردا ین صدیف سے بے نیاز انداز میں جنگ کرنا حلبس۔ غلت اور محرب ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ اور آپ کا تیس سوار اور بیس پیادے لے کر نہر فرات پر جانا اور قیامت خیز جنگ و جدل کے بعد پانی لانا آپ کے مخنش اور مخشف ہونے پر دال ہے اور کربلا میں روز عاشورہ نہایت بے جگری سے جنگ کرنا اور ہزاروں کو فنا کے گھاٹ اتار دینا اور اس سلسلے میں اپنے ہاتھ بھی کٹوا دینا آپ کے زمر اور باسل ہونے پر شاہد ہے۔ اور آپ کا اکثر اعزا و انصار کی مدد کو جانا اور بے پناہ جنگ کرنا آپ کے بھمہ ہونے کا گواہ ہے۔ اور سینکڑوں دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر نہر فرات پر قبضہ جمانا۔ پانی بھرنا اور کسی دشمن کی پروا نہ کرنا خیمہ کی طرف برابر بڑھتے ہوئے چلے جانا آپ کے بطل۔ غشمشم اور ایہم ہونے کی کھلی دلیل ہے۔

تاریخ عالم کے مطالعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ وہ انسان جو موت سے نہ ڈرتا ہو اور پروردگار عالم کی پوری معرفت کا مالک ہو۔ وہی بہادر اور شجاع ہے۔ حضرت علی علیہ السلام، جن کا قول تھا: لوکشف الغطاء لما ازددت یقیناً۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ

موت مجھ پر آ پڑے گی ۔ یا میں موت کے منہ میں جا گھسوں گا۔ حضرت عباس بھی انہی امام العارفین کے عارف کامل فرزند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ موت سے بے خوف اور لاکھوں پر جھپٹ پڑنے والے تھے۔ اور دُنیا آپ کی شجاعت کا لوہا ماننے پر مجبور تھی ؎

هذا الشجاع هو الذی من باسه
فر الکماة نرا کل جبان

یہ وہ بہادر تھے جن کے زور شجاعت سے بڑے بڑے پہلوان میدان جنگ سے جی چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے ملا قاسم بحرانی لکھتے ہیں کہ حضرت عباس کی وہ ہیبت اور سطوت تھی کہ جس نے دشمنوں کے قلوب کو تاریک کر کے دلوں کو جلا ڈالا تھا۔ واعمت عیونهم اور انہیں اندھا کر دیا تھا۔ اثرعة المصائب صہ ۱۷۱ جلد ۲۔ طبع لکھنؤ؛ غرضیکہ شجاعت کے لیے عارف باللہ ہونے کی ضرورت ہے۔ اسی مقصد کو شیخ بوعلی سینا نے اپنی کتاب مقامات العارفین میں بھی لکھا ہے۔

علامہ عبدالرزاق لاہجی بھی تحریر فرماتے ہیں: العارف شجاع وکیف لا وهو بمعزل من تقیة الموت: جو خدا کی معرفت کامل رکھتا ہو۔ وہ زبردست بہادر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ موت سے بچنا نہیں جانتا۔ یعنی اس کو اس کی پروا نہیں ہوتی کہ موت مجھ پر آجائے گی۔ یا میں موت پر جا پڑوں گا۔ (سرمایہ ایمان صہ ۹۳ طبع بمبئی)

شجاعت کی پسندیدگی | سرور دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ان اللہ یحب الشجاعة ولو علی قتل حیة خداوند عالم شجاعت کو دوست رکھتا ہے چاہے اس کا مظاہرہ ایک سانپ ہی کے مارنے میں کیوں نہ ہو۔ (سراج المنیر صہ ۴۳ طبع بمبئی ۱۳۰۱ھ)

سرکار دو عالم کے ارشاد سے دنیا سمجھ سکتی ہے۔ کہ شجاعت کتنی پسندیدہ اور کس قدر قابل تعریف صفت ہے۔ مسٹر سی ایس رنگا آئر اپنے مضمون "حسین کی حیات جاودانی" میں شجاعان کربلا کی مدح سرائی کرتے ہوئے لارڈ روزبری کے نقل قول "خراج تحسین شجاعوں کے لئے ہے

ل؎ ناظرین کرام ذرا ملاحظہ فرمایئے کہ آج کل کی دنیا شجاعت کس کو کہتی ہے مسٹر وینڈل ولکی ماسکو نے روسیوں کی شجاعت کی تعریف کے زیرعنوان بیان دیا ہے۔ اب کی موسم سرما میں گو کہ روس میں سامان خوراک کم ہوگا۔ اور جلانے کو ایندھن نہ ملے گا۔ اور کپڑے نایاب ہوں گے۔ اور ضروری ادویات کا وجود نہ ہوگا۔ لیکن اس پر بھی روسی ہمت نہیں ہارے اور انہوں نے یہ طے کر لیا ہے۔ کہ وہ یا تو فتح حاصل کریں گے یا لڑ کر ختم ہو جائیں گے

کے بعد لکھتے ہیں:

"وہ باوفا جو حسینؑ کے ساتھ جیتے جی اور مرنے کے بعد بھی رہے۔ تمام شجاعوں سے زیادہ شجاع تھے۔" (دی مون لائٹ لکھنؤ محرم نمبر ۱۳۶۰ھ)

علامہ کنتوری شجاعت کو معجزہ کا رنگ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ آنحضرت نے اپنا دوسرا معجزہ شجاعت کا بھی اپنے خاص جہادوں میں دکھلایا جس کا انکار آج کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ شجاعت میں ہمارے نبی سے بڑھ کر کوئی آدمی تھا۔ اور یہ معجزہ شجاعت کا حضرت سے لے کر تا زمانہ خلافت علی بن ابی طالب محاربات صفین و نہروان اور آخر کو سنہ ۶۱ھ واقعہ کربلا میں آپ کے فرزند امام حسین علیہ السلام نے ایسا دکھلایا جس کو مورخین یورپ بھی پر زور الفاظ میں لکھ رہے ہیں ...... الخ (انتصار الاسلام ص۱۰۱ طبع بنارس)۔

حضرت عباسؑ کا مبشر بالشجاعۃ ہونا | حضرت عباسؑ کی شجاعت کے متعلق یہ امر قابل ذکر ہے کہ آپ کی شجاعت کی بشارت آپ کے پیدا ہونے سے پہلے دی جا چکی ہے۔ علامہ کنتوری لکھتے ہیں۔ وانہ کان مبشراً بالشجاعۃ قبل میلادہ آپ کی پیدائش سے قبل آپ کی شجاعت کی بشارت دی جا چکی تھی (مائتین) جناب الیاس صاحب لکھتے ہیں کہ یہ شجاعت کی بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی۔ (ماہ بنی ہاشم ص۲۳ طبع لاہور) اس واقعہ سے حضرت عباس علیہ السلام کی شجاعت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت عباس علیہ السلام کی شجاعت | ملا قاسم علی صاحب بحرانی لکھتے ہیں۔

اب کی جاڑوں میں سامان غذا بھی یہاں بھیجنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو لاکھوں آدمی بھوکوں مر جائیں گے۔ ایک شیر دل شخص بھی بھوکا رہ کر جنگ جاری نہیں رکھ سکتا۔ روسیوں کے لیے دوائیں بھی بھیجنے کی ضرورت ہے۔ (اخبار سرفراز ۱۹۴۳ء) مسٹر ولکی نے کمی اشیا کی حالت میں جنگ کرنے کا نام شجاعت رکھا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ بھوک کی حالت میں جنگ کرنے والوں کو شجاع خیال کیا ہے۔ چنانچہ اس کو واضح طور پر بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ایک شیر دل شخص بھی بھوکا رہ کر جنگ جاری نہیں رکھ سکتا۔ لیکن موصوف نے پیاس کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ دنیا جانتی ہے کہ بھوک کے عالم میں لڑا بھی جا سکتا ہے۔ چنانچہ زبردست حملہ آور اور بہادر کے جسم کو (شیر گرسنہ) کے جملے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن پیاس کا مارا ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتا یہ تو صرف کربلا والوں کا ہی جگر تھا۔ اور ان کی روحانیت تھی کہ تین دن کی بھوک پیاس میں ایسی جنگ کی جس کا اثر آج تک باقی ہے۔ منہ

انه کان فارساً هماماً و بطلاً ضرغاماً	حضرت عباس بڑے پرہمت شہسوار اور
وکان جسوراً علی الطعن والضرب	شیر دل بہادر تھے اور میدان کارزار میں
فی میدان الکفاح	نیزہ بازی اور شمشیر زنی میں بڑے جری
(شرعۃ المصائب جلد ۲ ص ۱۷۱ م ۹ طبع لکھنو)	اور دلیر تھے۔

شجاعت حضرت عباس کے متعلق علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں۔

عباس مبارز نامدار و شجاعے بغایت عالیمقدار	حضرت عباس بڑے نامور نبرد آزما
بود۔ جرأت و قوت از حیدر کرار میراث	اور زبردست بہادر تھے۔ اور میدان کارزار
داشت ...... الخ	میں نیزہ بازی اور شمشیر زنی میں بڑے
(روضۃ الشہداء ص ۳۶۱)	جری اور دلیر تھے۔

حضرت عباس کا رئیس الشجعان ہونا آپ کی شجاعت اس درجہ بلند تھی کہ تمام مورخین اور ارباب سیر کو کہنا پڑا "انہ کان رئیس الشجعان" آپ مملکت شجاعت کے تاجدار اور اقلیم شجاعت کے راس و رئیس تھے۔ ملاحظہ ہو: (مقتل عوالم ص ۹۴۔ ناسخ التواریخ جلد ۶۔ ص ۲۸۹۔ شرح زیارت ناحیہ، تحفہ حسینیہ جلد ۱، ص ۱۷۱۔ ابصار العین ص ۳۶)

حضرت عباس علیہ السلام کا عہدۂ علمبرداری

عَلم کی تاریخ عَلم، رائت، لواء، جھنڈا، نشان وغیرہ یہ مختلف زبانوں کی تقریباً ہم معنی لفظیں ہیں۔ جو قریب قریب ایک ہی مطلب میں مستعمل ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ مواقع کے لحاظ سے ان کے مفاہیم اصلیہ میں فی الجملہ اختلاف کی شان پیدا ہو جائے۔

ان کے استعمال کا سلسلہ زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ بنی آدم میں سب سے پہلے اس کا استعمال اس موقعہ پر ہوا جبکہ جناب شیث اور قابیل میں قتل ہابیل کی وجہ سے مڈبھیڑ ہو گئی مورخین جنگ کی ابتداء کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان اول حرب کانت بین بنی آدم ماکان بین شیث وقابیل وذلک ان اللہ تعالیٰ اھدیٰ الیہ حلۃ بیضاء و رفعت الملئکۃ لہ رایتہ بیضاء فسلسلت الملائکۃ لقابیل وحملوہ الی عین[1] الشمس ومات فیہا وصارت ذریتہ عبید الشیث۔

بنی آدم میں سب سے پہلی جنگ جناب شیث اور قابیل میں ہوئی۔ خدا نے اس جنگ میں

---

[1] صاحب معالم الزلفی لکھتے ہیں: یدہ مغلولۃ الی عنقہ ...... معلق بقرونہ فی عین الشمس

جناب شیث کے لیے ایک سفید جنتی حُلّہ بھیجا تھا۔ اس جنگ میں عہدہ علمبرداری ملائکہ کے سپرد تھا۔ وہ سفید پھریرے والے رایت کو اٹھائے ہوئے تھے۔ آخر قابیل پر غلبہ پالیا گیا۔ اور اسے گرفتار کر کے مقام عین الشمس میں پہنچا دیا گیا اور اس کی اولاد کو شیث کی زنجیر غلامی میں جکڑ دیا گیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۳ صـ۱۵۹ طبع بمبئی)

اس عبارت سے دو باتوں کا استفادہ ہوتا ہے۔ اول یہ کہ علم کی ابتدا حضرت آدمؑ کے قریبی زمانہ سے ہے۔ دوسرے یہ کہ علمبرداری ایسا جلیل القدر منصب اور عہدہ ہے۔ جس پر ملک یا ملک صفت انسان ہی فائز ہوا کرتا ہے۔

وحشی قبائل کے قومی نشان | جب یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ کہ جملہ اقوام عالم اپنے قومی نشان اور جھنڈوں کو خاص عزت واحترام کا مستحق سمجھتی ہیں۔ اور نظام طلیعہ میں بھی اس پر زور دیا جاتا ہے کہ قومی نشان کی عزت و حرمت مدنظر رکھی جائے تو یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ قومی نشان نہ صرف امتیاز قومی کا ذریعہ ہے بلکہ دراصل وہ قومی عروج و زوال کا صحیح ترجمان ہوتا ہے۔ زندہ اور بہادر قومیں اس کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہیں۔

بائبل سے صاف ظاہر ہے کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تھے تو ان کے مختلف قبائل ریگستانوں میں اپنے کیمپ کی تیاری میں جھنڈوں سے کام لیتے تھے۔ کولمبس نے جب امریکہ دریافت کیا اور غرب الہند واقع امریکہ کے وحشی قبائل کا جائزہ لیا۔ جس کا سردار گوانا گاری تھا۔ تو ان میں زر خالص کے

یدورمع الشمس حیث ماوارت یعذب بحر الشمس وزمہریر البرد حتی تقوم الساعۃ قابیل کے دونوں ہاتھ اس کی گردن سے بندھے ہوئے ہیں وہ اپنے سینگوں میں (جو اس کے سر میں نکل آئی ہیں) عین الشمس میں لٹکا ہوا ہے وہ آفتاب کے چکر میں رہتا ہے وہ قیامت تک آفتاب کی حرارت اور زمہریر کی برودت کے ساتھ معذب رہے گا۔

نوٹ نمبر ۲۔ امین الدین خان حسینی ہروی لکھتے ہیں کہ عین الشمس چشمہ ایست کہ در وقت طلوع آفتاب بجانب مغرب رواں باشد و چوں آفتاب میل غروب کند بجانب شرق گردد۔ عین الشمس وہ چشمہ ہے۔ جو طلوع آفتاب کے وقت مغرب کی جانب اور غروب آفتاب کے وقت مشرق کی طرف بہا کرتا ہے۔ (معلومات الآفاق طبع لکھنو ۱۲۹۰ھ)

نور الحسن صاحب وکیل دھول پوری لکھتے ہیں کہ عین الشمس وہ چشمہ ہے۔ جو قاہرہ مصریہ کے قریب واقع ہے۔ ملاحظہ ہو (تاریخ مصر صـ۱۲ طبع آگرہ ۱۸۹۴ء) علامہ احمد اللہ قریشی لکھتے ہیں کہ عین الشمس وہ چشمہ ہے جو توابع مصر میں ہے اور جس میں حضرت عیسیٰؑ نے غسل کیا تھا جس کی وجہ سے اس کے کنارے درخت بلسان پیدا ہوتا ہے۔ جس کے تمام اجزا اور روغن وغیرہ کثیر امراض فالج ، مرعہ ، عرق النساء وغیرہ کے لیے مفید ہے۔ (نزہۃ القلوب بیان اشجار طبع بمبئی ۱۳۱۱ھ)

بنے ہوئے جھنڈے بھی تھے۔ جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نئی دُنیا کی قدیم جنگی قوموں میں بھی اس کا رواج پہلے سے موجود تھا۔

مُسلماؤں کو ایشیا کی قدیم ترین سلطنت ایران تسلیم کی گئی ہے۔ اس کے ایک پرانے بادشاہ فریدوں کا جھنڈا (اوفش کاویانی) کے نام سے موسوم تھا۔ جس کا تذکرہ قومی جذبہ کے تحت شعرائے قدیم اکثر کیا کرتے تھے۔

قومی نشان اور زمانہ جاہلیت زمانہ جاہلیت میں بھی جھنڈے اور قومی نشان کا موجود ہونا مسلّم ہے۔ ہر قبیلے کے افراد اپنے لوا قبیلہ کے نیچے جمع ہوتے تھے۔ خاندان قریش جس میں اسلام کا پرچم لہرایا قبل از اسلام بھی مرتبے اور شرافت سے نہایت ہی ممتاز اور ذی عزت قبیلہ سمجھا جاتا تھا۔ خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی حیثیت سے دیگر قبائل عرب کے مقابلہ میں اس کی سرگرمیاں اور ذمہ داریاں بہت تھیں۔ اور اس کا دائرہ اثر بھی نہایت وسیع تھا۔ اسی بنا پر جملہ امور متعلقہ خانہ کعبہ و مراسم مذہبی و تمدنی و تصفیہ نزاعات مابین قبائل و معاملات صلح و جنگ اور دیگر ایسے ہی زبردست امور انھیں کے سپرد ہوتے تھے۔ ان حضرات کے اہم دستور العمل اور تجاویز میں عہدہ علمبرداری کی نگہداشت شامل تھی۔

زمانہ جاہلیت کے مشہور شاعر زہیر بن حباب کلبی (جس نے ۱۵۰ سال کی عمر میں ۵۶۰ء عیسوی میں انتقال کیا، کا حسب ذیل شعر قدامت علم کا شاہد ہے ؎

فانا حیث لا یخفی علیکم

لیوث حین یحتضر اللواء

"دُنیا والو! تم پر یہ پوشیدہ نہیں کہ جب ہم جنگاہ میں اپنے قبیلہ کا "علم" دیکھ لیتے ہیں تو غنیم پر غضب ناک شیر کی طرح حملہ آور ہوتے ہیں۔

یورپین ممالک کے جھنڈے اس میں شک نہیں کہ جھنڈے پر مخصوص علامات بنانے کا رواج بعض اقوام مثلاً روم، چین وغیرہ میں پہلے سے جاری تھا۔ تاہم جہاں تک یوروپین اقوام کا تعلق ہے، جھنڈوں پر مخصوص تصاویر یا اشکال یا طغریٰ بنانے کی ابتداء عام طور پر صلیبی جنگ ۱۰۹۱ء تا ۱۱۹۲ء سے ہوئی جس میں انگلستان و فرانس اور جرمنی کی بیشمار فوجیں اور مختلف یورپین اقوام کے رضاکار متحد ہو کر ملک شام میں بغرض فتح بیت المقدس جمع ہوتے تھے۔ چونکہ یہ لوگ جدید طرز کے خود استعمال کرنے لگے تھے، جس میں سارا چہرہ چھپ جاتا تھا اس لئے ان کو خاص طور پر اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہر قوم کے جھنڈے پر خاص امتیازی علامات

مرسم ہوں جس سے اس جماعت کی ترتیب و تنظیم میں سہولت ہو اور بوقت ضرورت ہر قوم کے جنگجو بہادر اپنے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں۔ بعد میں "تنظیم الاعلام" کی بنیاد جرمنی میں پڑی اور اس کی باقاعدہ تنظیم و تکمیل تیرہویں صدی مسیحی میں ہوئی۔

فوجی جھنڈوں کا رواج انگلستان میں نارمن فتوحات یعنی ۱۰۶۶ء سے تھا۔ لیکن فرانس کی فوج میں ان امتیازی جھنڈوں کی مزید توسیع سولہویں صدی میں اس وقت ہوئی جبکہ اٹلی برسرپیکار تھا۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بعض بعض جھنڈوں پر لکھی ہوئی عبارت کے ایک دو ترجمے لکھ دیئے جائیں۔ ملاحظہ ہو: (۱) کسی سے مت دبو (۲) تیز دم اور جری رہو۔ (۳) کل امور میں بہادر رہو (۴) کوئی قدم پیچھے نہ ہٹے (۵) ہمیشہ وفادار رہو۔

راجپوت اور ان کے جھنڈے | ہندوستان میں قدیم راجپوتوں کا جھنڈا زرد رنگ کا ہوتا تھا ان کے لیے مشہور ہے کہ وہ جھنڈا لے کر میدان جنگ میں جب جاتے تھے۔ تو یہ عہد کر کے جاتے تھے کہ یا فتح کر کے لوٹیں گے یا جان دے دیں گے۔

بعض مشرقی اقوام کے قومی نشان | اشاعت اسلام سے قبل شمالی افریقہ کی بربری اقوام منہاجہ وغیرہ کے جھنڈوں کا کوئی ایک ..... مخصوص رنگ نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ رنگ برنگ کے خالص ریشمی ہوا کرتے تھے۔ اور ان پر طلائی نقش و نگار بھی ہوتے تھے۔ بعض ترک اقوام کے جھنڈوں کے بالائی حصہ پر گھوڑے کی دم کے بالوں کا ایک بڑا گچھا ہوتا تھا جس کو وہ "چتر" کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ چینیوں کے جھنڈے پر ایک ہیبت ناک مگر فرضی اژدھے کی شکل ہمیشہ بنتی آئی ہے۔

اسلامی نشان یا علم کے امتیازی علامات | سنا جاتا ہے کہ صدر اسلام میں علم کا پھریرہ سفید ہوا کرتا تھا۔ بنی اُمیّہ کا شاہی جھنڈا سرخ رنگ کا ہوتا تھا۔ بنی عباسیہ کا عَلم تو درکنار ان کی ساری وردی ہی سیاہ رنگ کی تھی۔ بنی ابی طالب کا علم سفید تھا۔ شیعہ اور اعیانِ ہاشم کا جھنڈا سبز تھا۔

چونکہ بنی ہاشم کا عَلم سبز تھا۔ اس لیے یوم عاشور قمر بنی ہاشم کے دست مبارک میں جو عَلم تھا وہ بھی سبز تھا۔ شمس العلماء جناب مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ حضرت عباسؑ کے نہر پر پہنچنے کو دکھلاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ؎

رایتِ عباس کے پرچم سے بدلا رنگ آب
خضر آیا نہر کی پوشاک دھانی ہو گئی

قریش کا علم قصی بن کلاب کے ہاتھوں میں رہا کرتا تھا۔ ان کے بعد ہاشم کے دست مبارک میں جو بعثت رسولؐ کے بعد یہ علم مستقل طور پر حضرت علیؑ کے ہاتھوں میں رہا۔

اتفق ابن البختری وسائر اھل السیر انہ کانت رایت قریش ولوائھا جمیعاً بیدی قصی بن کلاب ثم لم تزل الرایتہ فی یدی عبد المطلب فلما بعث النبی اقرھا فی بنی ھاشم ودفعھا الی علیؑ فی اول غزاۃ حملت فیھا وھی ودان فلم تزل معہ وکان اللواء یومئذٍ فی عبد الدار فاعطاہ النبی معصب بن عمیر فاستشھد یوم احد فاخذھا النبی ودفعھا الی علی فجمع یومئذ لہ الرایتہ واللواء وھما ابیضتان (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۳ صفحہ ۱۵۹ طبع بمبئی وارث دسفینہ جلد ۱ صفحہ ۴۲ طبع ایران)

ابن بختری اور جملہ اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ قریش کے رایت ولوا، دونوں قصیٰ بن کلاب کے ہاتھوں میں تھے۔ پھر رائت جناب عبدالمطلب کے پاس رہنے لگا جب سرور کائنات مبعوث برسالت ہوئے تو آپ نے اسے بنی ہاشم میں مستقر کر دیا۔ اور اسلام کی پہلی جنگ "ودان" میں حضرت علی علیہ السلام کے سپرد فرمایا۔ پھر دائماً انہی کے ہاتھوں میں رہا۔ البتہ لوا، بنی عبدالدار میں تھا حضرت نے اسے مصعب بن عمیر کے سپرد کیا جب وہ جنگ احد میں شہید ہوگئے تو آپ نے اسے بھی حضرت علیؑ کے حوالے کر دیا۔ اب حضرت علیؑ ان دونوں رایت ولوا کے حامل قرار پائے۔ جن کا رنگ سفید[1] تھا۔

غرضکہ جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا۔ جھنڈوں کے امتیازات میں اضافہ ہوتا گیا۔ بسا اوقات نشانوں اور جھنڈوں پر سلاطین یا آلِ امرا کے نام لکھے جاتے تھے جو قوم کے سردار ہوا کرتے تھے۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ ابن یحکم کے جھنڈے پر ابن رائق کی نسبت سے الرائقی لکھا ہوا تھا موجودہ زمانہ کی اسلامی سلطنتوں کے جھنڈوں کے نشانات بھی اسی اصول پر مبنی ہوتے تھے دیکھیے ٹرکی۔ مصر، مراکو۔ کابل۔ حیدرآباد اور ایران وغیرہ کے جھنڈے۔ ایران کے جھنڈے پر شیر[2]

---

[1] حضرت علیؑ کے اس رایت کا سفید ہونا جو آنحضرت سے ملا تھا۔ یہ واضح کرتا ہے کہ آپ سے میراث میں جو علم حضرت عباسؑ کو ملا تھا اسے بھی سفید ہونا چاہیے تھا۔ لیکن کتابوں میں ملتا ہے۔ کہ حضرت عباسؑ پانی کے لیے نہر فرات پر تشریف لے گئے تو آپ کے ہاتھ میں سبز علم تھا۔ اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ حضرت عباسؑ کا جنگی علم سفید رہا ہوگا۔ لیکن اس وقت جب آپ پانی کے لیے تشریف لے گئے تو آپ کو لڑنے کی اجازت نہ تھی۔ آپ کا علم سبز رہا ہوگا۔ اس کی تائید ملائکہ کے افعال سے ہوتی ہے۔ وہ بھی جب لڑنے کے لیے آئے تو ان کے ہاتھ میں سفید علم رہا۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور جب جنگ کے علاوہ تشریف لانا ہوا تو سبز علم لے کر آئے۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرئیلؑ سبز علم لے کر آتے ہیں اور

اور آفتاب کی تصویر پائی جاتی ہے۔ (علیگڑھ میگزین)

مناسب ہے کہ اس مقام پر اپنے دوست لسان الملۃ جناب مولانا سید آغا مہدی صاحب لکھنوی کا وہ مضمون نقل کردوں جو آپ نے "تاریخ علم" کے سلسلہ میں "پیغام حسینی" بمبئی کے محرم نمبر ۱۳۶۲ھ کے سپرد اوراق کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: - اجزائے علمداری میں سب سے زیادہ اہم جز علم ہے جو نوحہ و شیون کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ اس وقت تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ علم حسینی فوج کے علمدار حضرت ابوالفضل العباس کی یادگار ہے۔ مگر اس کے پردے میں اُن سلف صالحین کی یاد مضمر ہے جو دین خدا کی حیات میں اپنی جان کو جان نہ سمجھتے تھے۔

منصب علمبرداری بہت قدیم منصب ہے اور عَلم حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی یادگار ہے جس کو سب سے پہلے آپ نے بنایا۔ تاریخ میں ہے۔ العلم ھی لواء وضعھا خلیل الرحمن فی العالم (آداب مجالس صہ ۲)

پیغمبر خدا چونکہ دین ابراہیم کے زندہ کرنے کے لئے مبعوث ہوتے تھے۔ اس لیے آپ نے اپنے دور میں اس یادگار ابراہیم کو نئے سرے سے قائم کیا اور جب مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو بریدہ کو حکم دیا کہ علم بنائے وہ مدینہ کی گلیوں میں "لا الٰہ الا اللہ" کی صدا بلند کرتا پھرتا تھا۔ مسلمان اچھی طرح اس عَلم کو پہچان گئے تھے۔ اور لڑائیوں میں اسی عَلم کو مسلمان سپاہیوں کا نشان قرار دیا تھا۔

تاریخ و سیر میں اس محل پر دو الفاظ اور استعمال کئے گئے ہیں۔ لِوا، اور رائت۔ لغت میں ہے کہ لواء اس عَلم کا نام ہے۔ جس میں نیزے کی لوڑی پر ایک پرچم لہرا رہا ہو۔ یہ عَلم کے علاوہ ایک چیز ہے۔ (منجم الطالب)۔ روزِ حشر کے واقعات میں لوائے حُمد انہیں معنوں میں آیا ہے۔ نبوی لشکر میں لواء اور رائت کا ذکر ہے۔ پیغمبر اسلام نے مسلمانوں کے ہر گروہ کا ایک علیحدہ رایت قرار دیا تھا۔

اور بالائے خانہ کعبہ نصب کرتے ہیں۔ (زاد المعاد صہ ۱۴۲)

ے ۲ جہاں تک مجھے علم ہے ہندوستان میں عام سیاسی جھنڈا اگر تھا تو کسی خصوصیت کا حامل نہ تھا۔ میرے خیال میں قدیم ہندوستان میں چونکہ شیر طبل وعلم کے مالک رہے۔ لہٰذا اُن کے سیاسی جھنڈے کی یہ خصوصیت رہی کہ اس پر شیر دشمن بنے ہوئے تھے۔ اب عہد پاکستان میں تمام مسلمانوں کا سیاسی جھنڈا وہی ہوگا جو اسلامیان ہند کا سیاسی جھنڈا ہے۔ اب رہ گیا فوجی جھنڈا یا نشان تو وہ وہی ہے جو ید اللہ کے ہاتھوں کی میراث ہے اور حضرت عباسؑ کا جس پر قبضہ ہے اور جس

مہاجرین وانصار کے رایت الگ الگ تھے۔ جنگ بدر میں (جو اسلام کی پہلی لڑائی ہے) پیغمبر خدا کا مخصوص رایت حضرت علی کے ہاتھ میں تھا۔ اور انصار کا نشان سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا۔ اور لوا مصعب بن عمیر کو دیا تھا۔ سعد بن عبادہ نشان برادری کے عہدہ پر فتح مکہ کے قبل تک برقرار رہے اور فتح مکہ کے موقع پر جناب علی مرتضیٰؑ نے پیغمبرؐ کے ایما سے سعد کو معزول کیا۔ یہ وہی رایت ہے جو ہر گروہ کے اختلاف کے لحاظ سے قرار دیا تھا۔

جو علم بریدہ نے سب سے پہلے ترتیب دیا۔ اس پر بریدہ کے بعد حضرت حمزہؑ کا قبضہ ہوا اور علمبرداری ہی کی حالت میں آپ "جنگ احد" میں شہید ہوئے۔ جنگ موتہ میں تین شخص یکے بعد دیگرے علمدار ہوئے۔

۱۔ جعفر طیارؑ۔

۲۔ زید بن حارثہ

۳۔ عبداللہ بن رواحہ۔

یہ تینوں مجاہد اپنے فرض کی ادائیگی میں شہید ہوئے۔ ان تاریخی حقائق پر تیرہ سو برس کے بعد آج ہم مطلع ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ عہد رسول کے مشہور لوگ "ابو سعید خدری" اور "تابعین میں ابن عباس اس تقسیم سے بے خبر ہوں۔ ابو سعید کا بیان ہے۔ پیغمبر خدا نے فرمایا۔ اے علیؑ! تم ہمارے جسم کو غسل دو گے۔ اور ہمیں قبر میں رکھو گے ہمارے قرض کو ادا کرو گے۔ اور تم ہی دنیا و آخرت میں ہمارے علمدار ہو۔ (ارجح المطالب صہ ۵۵۲)۔ یہ روایت فردوس الاخبار دیلمی کی ہے۔ اور اصل الفاظ زبان مبارک کے یہ ہیں:

انت صاحب لوائی فی الدنیا والاخرہ

اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول کا خاص علم صرف علیؑ کے ہاتھ میں رہا۔ ابن عباس کی ترجمانی سے اس مطلب کی اور توضیح ہو جاتی ہے۔ وہ افتخاریہ لب و لہجہ میں کہتے ہیں کہ علی علیہ السلام میں چار صفتیں ایسی ہیں کہ ان کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ وہ تمام عرب و عجم میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے سب سے قبل پیغمبر کے ساتھ نماز پڑھی اور وہ ایسے شخص ہیں کہ آنحضرت صلعم کا علم ہر غزوہ میں انہیں

کی حفاظت میں علی کے شیر نے اپنے دونوں ہاتھ نثار کر دئے۔ جس کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ اس جھنڈے یا علم کے اوپر کے حصہ میں ان کے پنجوں کے نثار ہونے کی یادگار میں پنجہ بنا ہوا ہے۔ ع

عباسؑ کا علم ہے قومی نشان ہمارا

کے ہاتھ رہا۔ اور وہ ایسے شخص ہیں کہ جب لوگ پیغمبرؐ کو چھوڑ کر میدان سے فرار ہو گئے۔ تو وہ رسول کے ساتھ صبر کیئے ہوئے تھے اور انہوں نے مرسل کو غسل دیا۔ اور قبر میں اُتارا۔ (ارجح المطالب صہ ۵۵۳)

یہ روایت ابن عبد البر نے استیعاب فی فضائل الاصحاب میں لکھی ہے۔ اور صحیح ترمذی میں بھی موجود ہے۔ عیون الفاظ حدیث کے یہ ہیں: "ھو الذی کان لوارہ معہ فی کل زحف" اگر کسی کو شبہ ہو کہ لوا ہر غزوہ میں علیؑ کے ہاتھ نہیں رہا اور رائیت رسول کسی اور کو ملا۔ تو دوسری جگہ ابن عباس کے الفاظ ہیں "کان اخذ رایت رسول اللہ یوم بدر والمشاھد کلھا" غزوہ بدر اور تمام لڑائیوں میں پیغمبر کا رایت علی ہی کے ہاتھ میں تھا۔ (ارجح المطالب صہ ۵۵۳) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی جنگ میں آپ پیغمبر کا لوا لے کر جہاد فرماتے تھے۔ اور کسی میں رائت۔ اور یہ دونوں مخصوص علم ان کے سوا اور کسی کے ہاتھ میں نہیں رہے۔ اخطب خوارزمی مشہور سُنّی محقق کا بیان ہے کہ بروز احد حضرت علیؑ کے ہاتھ بوقت جہاد لوا تھا۔ جو اپنے ہاتھ میں ضرب شدید آنے پر بائیں ہاتھ میں لے لیا تھا۔

علامہ حلی نے ایک نیا افادہ فرمایا ہے وہ جناب علی مرتضیٰ کی خصوصیات کے ذیل میں لکھتے ہیں:
ومنھا فی غزاۃ احد جمع لہ الرسول بین اللواوالرائتہ" (شرح تجرید) منجملہ اس کے ایک فضیلت یہ تھی کہ بروز جنگ احد پیغمبر نے لوا اور رائت دونوں کو دیے تھے۔

لہ نہج البلاغہ کے صہ ۶ پر زیر جملہ قلیل تحت الرایات علم اور رایت کو ایک معنوں میں لکھا ہے اور منجد کے صہ ۳۶۱ پر بھی تقریباً وہی ہے جو معجم المطالب میں لکھا گیا۔ ناظرین کرام میں نے ذکر العباس طبع اوّل کے صہ ۳۴ پر لکھا تھا۔ یہ بظاہر رایت اس علم کو کہتے ہیں۔ جو تمام لشکر کے سردار کے پاس ہو۔ اور لوا اس کو کہتے ہیں۔ جو کسی قبیلہ کا ہو۔ یہی سبب ہے کہ جنگ خیبر میں رایت ہی دیا گیا تھا۔ لوا نہ تھا اس لیے کہ وہ ساری مملکت اسلامی کا علم تھا کسی چھوٹے یا مخصوص قبیلہ کا نہیں تھا۔ میرا اب بھی خیال ہے کہ رائت لوا سے بڑا ہوا کرتا ہے۔ اور میری تائید علامہ سپہر کاشانی بھی فرماتے ہیں۔ لوا علمے خورد تر از رائت است۔ رائت سے چھوٹے عَلم کو لوا کہتے ہیں۔ (ناسخ التواریخ جلد ۳ صہ ۱۹۱ طبع بمبئی) لیکن المنجد کے صہ ۵۴۴ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوا رایت سے بڑا ہوا کرتا تھا۔ واللہ اعلم۔ اس مقام پر لواالحمد کو بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ لواالحمد کی صفت بیان کرتے ہوئے علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ یہ وہ ایک طویل علم ہوگا۔ جس کی لمبائی ایک ہزار سال کی راہ کے برابر ہوگی اور اس کا سرا یاقوت سرخ کا ہوگا۔ اور اس کی چوب چاندی کی ہوگی اور اس کا زیریں حصہ سبز موتی کا ہوگا اور اس کے تین زاویے ہوں گے ایک مغرب ایک مشرق اور ایک وسط دنیا میں پھیلا ہوگا۔ اور ان پر تین سطریں لکھی

سعد بن عبادہ کی علمبرداری کا جائزہ ثعلبہ بن ابی مالک نے لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کان سعد بن عبادہ صاحب رایۃ رسول اللہ صلعم فی المواطن کلھا فاذا کان وقت القتال اخذھا علیؑ" اس روایت کو ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ میں لکھا ہے۔ کہ سعد بن عبادہ رغیر وقت جنگ) رسول کے علمبردار تھے اور جب لڑائی شروع ہو جاتی تھی تو علیؑ ان سے علم لے لیا کرتے تھے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ سعد محافظ تھے علم کے اور علم ان کی نگرانی میں رہتا تھا۔

اوپر کے بیان سے واضح ہو گیا کہ پیغمبر کا مخصوص علم حضرت علیؑ کے سوا کسی اور کو اٹھانا نصیب نہ ہوا۔ جمل میں خود حضرت علیؑ نے فوج کا علم محمد بن حنفیہ کو دیا تھا اور صفین میں ہاشم بن عتبہ کو اور نہروان میں ابو ایوب انصاری کو۔

اب سوال یہ ہے کہ کربلا میں کتنے علم تھے اور پیغمبر کا علم اٹھانے والا کون تھا۔ جب یہ معلوم ہے کہ عہد رسول سے تہذیب جنگ یوں قائم ہو چکی ہے کہ ایک لشکر میں کئی کئی علم ہوتے ہیں۔ تو پھر کیا تعجب ہے کہ اس روایت کو دیکھ کر جس میں موجود ہے کہ امام حسینؑ نے کربلا پہنچنے کے قبل بارہ علم تیار کئے۔ اور گیارہ علم اصحاب و انصار کو تقسیم کر دئے اور بارھواں علم حبیب ابن مظاہر اسدی کو مرحمت فرمایا۔ اس روایت میں سوائے حبیب کے کسی دوسرے علمبردار کا ذکر نہیں ہے۔ ورنہ ہم علمداروں کے ذیل میں نام کی صراحت کرتے۔ یہ طرز عمل بھی امام حسینؑ کے نانا کی عین پیروی ہے۔ جس طرح عہد نبی میں مختلف علمبردار تھے۔ اسی طرح آپ کی فوج میں بھی بارہ علمبردار ہیں۔ اور وہ علم جو ید اللہ کے ہاتھ میں رہا کرتا تھا۔ اس کے حقدار صرف حضرت عباسؑ کو تجویز کیا۔ ابن اثیر جزری نے روز عاشورا کے واقعات میں لکھا ہے کہ حسین علیہ السلام زہیر بن قین کو اپنے اصحاب کے میمنہ (داہنی طرف) پر افسر اور حبیب ابن مظاہر کو میسرہ (بائیں جانب) کا سردار قرار دیا اور علم لشکر اپنے بھائی "عباسؑ" کو مرحمت فرمایا۔ (تاریخ کامل ص۲۴) ملک الشعراء منشی امیر مرحوم لکھتے ہیں ؎

بہ ترتیب سپہ آن شاہ پرداخت	بہ تزئین کواکب ماہ پرداخت
بروے زہیر از میمنہ تافت	حبیب بن مظاہر میسرہ یافت
علم در دست عباسؑ دلاور	بشان حمزہ در فوج پیغمبرؐ

ہوں گی۔ پہلی سطر بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ دوسری سطر الحمد للہ رب العالمین اور تیسری سطر لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ اور ہر سطر کی لمبائی اور چوڑائی ہزار سالہ راہ کے برابر ہوگی یہ علم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور آپ کے داہنی طرف امام حسنؑ اور بائیں جانب امام حسین علیہ السلام ہوں گے۔ (عین الحیاۃ ص۱۳۲ طبع لکھنؤ ۱۳۰۴ھ)

جناب عباس علیہ السلام کو علمدار قرار دینے سے حسب ذیل انکشافات ہوتے ہیں

۱۔ وہ بعد حسینؑ افضل الناس تھے۔ اگر علمدار ہونا سبب عزت نہ ہوتا تو پیغمبر خدا اپنے بھائی جناب امیر المومنین کی شان میں بار بار یہ نہ فرماتے۔ یا علی انت صاحب لوائی۔

۲۔ روز عاشورا جناب عباس کے ہاتھ میں علم ہونے کے یہ معنی ہیں۔ کہ بروز حشر بھی سپاہ قلیل کا علم حضرت عباسؑ کے ہاتھ میں ہوگا۔ جس طرح حضرت امیر المومنین دنیا و آخرت میں رسولؐ کے علمبردار ہیں، اسی طرح عباس علیہ السلام بھی ہوں گے۔

۳۔ کربلا میں اگر کوئی دشمن کو پشت دکھانے والا ہوتا تو حدیثِ خیبر کی طرح علمدار کی صفت کرار غیر فرار قرار نہ پاتی۔ مگر یہاں جو میدانِ جنگ کی طرف بڑھا اس کی لاش ہی مقتل سے آئی۔ اس لیے اس صفت کا مظاہرہ نہیں ہوا۔ لیکن حضرت عباس علیہ السلام کے لیے کرار ہونا بھی ثابت ہے۔ جو آبائی ورثہ ہے۔

۴۔ پیغمبر نے بتایا ہے کہ علمدار کے لیے محبت خدا اور رسول کی ضرورت ہے۔ تو اُن کے جانشین حضرت حجت نے اس صفت کو کربلا کے ہر مجاہد کا حصہ قرار دیا۔ یہ کہہ کر السلام علیکم یا اولیاء اللہ واحبائہ اگر خدا کے دوست نہ ہوتے تو نام حسینؑ پر جان نہ دیتے۔

۵۔ جناب عباس حافظ قرآن اور علم الٰہی کے ماہر تھے۔ جناب سرور کائنات نے کسی غزوہ میں علم لشکر مرحمت کیے جانے کا یہ معیار قرار دیا کہ اصحاب سے پوچھا کہ تم کو کوئی سورہ یاد ہے۔ بدقسمتی سے بزم میں سناٹا تھا۔ ایک نوعمر لڑکا حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے سورہ بقر یاد ہے۔ آپ نے بلا تکلف اس کو علم دے دیا۔ لوگوں کو اس منصب کے تفویض کر دینے میں جب عذر ہوا، تو آپ نے فرمایا۔ "معہ سورۃ البقرہ" اس کے ساتھ سورۂ بقرہ ہے اصحاب حسین علیہ السلام میں ایسے لوگ موجود تھے جن کو پورا قرآن یاد تھا۔ ان حافظانِ قرآن کی موجودگی میں حضرت عباس علیہ السلام کو علم دیا جانا بتاتا ہے کہ کسی ذاتی رشتہ یا قرابت کی بنا پر یہ عہدہ تفویض نہیں ہوا۔ بلکہ علم قرآن میں بھی وہ ممتاز ترین انسان تھے۔ اور صحیح معنوں میں ان کو حق تھا کہ جو علم علی علیہ السلام کے ہاتھ میں رہ چکا ہو۔ اس کو عباسؑ اپنے ہاتھ میں لیں۔

ہمارا علم جو عزاخانہ کی زینت ہے۔ اگر ایک ہوتا تو پیغمبر کا اسوۂ حسنہ مکمل طور پر پورا نہ ہوتا غور سے دیکھو، امام باڑہ یا نشستین یا عاشور خانہ میں بہت سے علم نظر آئیں گے۔ یہ ان علموں کا شبہ ہیں جو دیگر مجاہدین کے ہاتھوں میں تھے۔ اور ایک ممتاز علم ہے۔ وہی حضرت عباس کا علم ہے دیہات

کے خوش عقیدہ لوگ اس کو بڑا علم آج تک کہتے ہیں۔ یہ علم ضریح مبارک سے آگے ہوتا ہے۔ اور جلوس میں بھی تابوت کے آگے، دلدل کے آگے۔ "یہ کیوں" صرف اس لیے کہ عباس علیہ السلام اپنی زندگی میں ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ اور علمدار عموماً آگے رہتا ہے۔ حتیٰ کہ بہشت میں جاتے وقت بھی علمدار کے قدم جنت میں (پہلے پہنچے)۔ لہٰذا جس کو حسینؑ نے مقدم کیا تھا۔ وہی آج مقدم ہے اور شیعانِ لکھنؤ کا صدیوں سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ علم اٹھاتے وقت وہ سینہ زنی کرتے ہوئے جوق در جوق آگے چلتے ہیں۔ اور علم عقب میں ہوتا ہے۔ تاکہ اگر کوئی ناعاقبت اندیش اس مقدس یادگار پر حملہ کرے تو جس طرح حضرت عباس جناب حسینؑ کے لیے سینہ سپر تھے۔ ہماری جانیں نثار ہو جائیں۔ اور علم مبارک پر آنچ نہ آئے۔ یہ اس علم کی شبیہ ہے جس پر عباسؑ نے اپنے ہاتھ نثار کئے۔ جس پر علی کے لال کا خون بہا۔ شیعو! تم اس علم کے سایہ میں حسینی بن سکتے ہو۔ کجا علم کا اقتدار اور بے پناہ عزت اور کجا چمڑے کا معمولی مشکیزہ۔ مگر اس چھال کو یہ عزت دی جاتی ہے کہ کبھی وہ علم میں آویزاں۔ کبھی دوش پر عباس بتاتے ہیں۔ کہ مسلم کے لیے پانی بھرنا بے عزتی نہیں ہے۔ دوسروں کے ممنونِ احسان نہ بنو۔ اپنا کام خود کرو۔ اگر یہ پانی پہنچ جاتا۔ تو حسینؑ ایسے غیور پر کسی کا احسان نہ ہوتا۔ بھائی کا احسان تھا جو اپنی حیات کی غرض و غایت بھائی کی خدمت سمجھتا تھا۔ نام نہاد مسلمانو! تم بھی غیر کے احسان سے بچو۔ حسینؑ نے اپنے سارے خاندان کو کربلا میں مٹا دیا۔ مگر ایک فرزند کو باقی رکھا۔ جو بیڑیاں پہنے ہوئے کوفے سے آکر ان کی پارہ پارہ لاش کو دفن کر دے۔ اور ان کے جسم کو غیر ہاتھ بھی نہ لگانے پائے۔

مسلمانو! کیا تم میں قوتِ عمل کا فقدان ہے۔ کیا تم کام نہیں کر سکتے۔ جو دوسروں کے دست نگر اور ایک ناتواں مریض قیدی قبر کھود سکتا ہے۔ اور نہیں چاہتا کہ دوسرا اس کے بازو کو سبک کرے تو تم آزادی کا دعوےٰ کرتے ہو۔ حفظ صحت میں تمہارے ملک کا ہزار ہا روپیہ صرف ہوتا ہے مگر تم تندرست نہیں ہو۔ بیماروں سے بدتر ہو۔ عباسؑ کا ایک ہاتھ کٹ جاتا ہے تو دوسرے ہاتھ میں تلوار[1] لے لیتے ہیں۔ تمہارے دونوں ہاتھ ہیں مگر تم بے دست و پا ہو۔ اور اپنے تئیں اتنا سست بنا دیا ہے کہ کانگریس تم پر چاروں طرف سے حملہ کر رہی ہے۔ اور تم نہیں چونکتے۔ عباسؑ کے علم سے سبق لو۔ علمدار دونوں ہاتھ قطع ہونے کے بعد مشک کا تسمہ دانتوں سے دباتا ہے۔ مگر کیا کرے جب سر پر

---

[1] مولانا کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ عباسؑ جب پانی لینے کے لیے گئے تو آپ کے پاس تلوار تھی مجھے اس سے اختلاف ہے میرا خیال ہے کہ چونکہ لڑنے کے لیے تشریف نہیں لے گئے تھے۔ لہٰذا شمشیر کی ضرورت نہ تھی معتبر تاریخوں اور سیر میں بھی صرف مشک و علم لے کر جانے کا نشان ملتا ہے ملاحظہ ہو جلاء العیون۔ بحار الانوار۔ مجالس المتقین۔ ریاض الشہادت۔ کتاب العقد دمعہ ساکبہ اور منتخب عوالم

گرز آہنی پہ پڑے۔ تو فطرت کا تقاضا ہے کہ جبراً دھکے سے ساتھ چھوڑ دے۔ اور پانی بہ جائے اور محنت رائیگاں ہو جائے۔ اے عباسؑ! آپ نے قوت عمل کو آخر تک باقی رکھا۔ مشک و علم لے کر باپ کی بیرالعلم والی تصویر بن گئے تو یہ بات رہ گئی تھی۔ کہ علیؑ کے سر پر ابن ملجم کی ضربت پڑی، اور عباسؑ کا سر دشمن کی تلوار سے بچ گیا تھا۔ لیکن سقائی کی جدوجہد میں گرز آہنی سے مضروب ہونے میں بھی علیؑ کے ہم پلہ بنا دیا۔" تلوار سے گرز آہنی کا وزن زیادہ ہے۔ اس گرز کے پڑنے کے بعد نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑے اور امیدیں پامال ہوئیں۔ مسلمانو! عباسؑ سے عزائم کی پختگی سیکھو۔

حضرت عباسؑ کی علمداری اگرچہ تاریخوں سے یہ واضح طور پر نمایاں نہیں ہوتا کہ سنہ ۔۔ھ سے قبل آپ کو کب یہ عہدہ تفویض کیا گیا تھا۔ لیکن قرائن بتاتے ہیں کہ آپ کو یہ عہدہ علمداری بچپنے سے ہی مل گیا ہوگا۔ مختلف جنگوں میں آپ کا ہونا اور خصوصیت سے جنگ صفین میں نبرد آزمائی کرنا جبکہ آپ کی عمر صرف گیارہ سال کی تھی، اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ آپ نے علمداری کی ہوگی۔ خصوصاً ان جنگوں میں جن میں حضرت امام حسینؑ شریک تھے۔ لیکن بہر صورت اس وقت سے آپ کی علمبرداری مسلّم ہے۔ جس وقت مدینہ سے روانگی ہوئی ہے۔ اور آپ اپنے بھائیؑ کے چھوٹے سے لشکر کے آگے آگے علم بدست سینہ سپر چل رہے تھے۔

کربلا پہنچنے کے بعد جتنے مواقع علمداری کے سامنے آئے ہیں، معصوم کی نظر انتخاب اسی بہادر پر پڑتی رہی ہے۔ اور کربلا کی ہولناک جنگ میں مستقل علمبردار یہی بہادر رہا جس کا نام آج تک دنیا احترام سے لیتی ہے۔ اور قیامت تک لیتی رہے گی۔

حضرت عباسؑ اور شان علمبرداری میری کیا مجال کہ حضرت عباس علیہ السلام کی شان علمبرداری کے متعلق کچھ لکھ سکوں۔ سر دست اتنا عرض کیے دیتا ہوں کہ حضرت عباس علیہ السلام نے اسی شان و شوکت کے ساتھ علمبرداری کی ہے۔ جس شان سے حضرت علی علیہ السلام اور جعفر طیار نے لشکر اسلام کی علمبرداری کی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ وہ تمام صفات جو ایک علمبردار میں ہونی چاہئیں وہ سب ان حضرات میں مکمل طور پر موجود تھیں۔

سب سے بڑی چیز جو علمدار لشکر کے لیے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ بلند ہمت۔ قوی دل۔ جری بہادر اور شجاع ہو۔ بڑے بڑے ہولناک جنگ گاہ میں اپنے کو پہنچا دینا اور دشمن سے بے جھجک لڑ جانا غم کھانا۔ تلوار کا پانی پینا۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانا دشمن سے مرعوب نہ ہونا مستقل مزاج ہونا۔ میدان جنگ کی طرف پشت کرنے کو عار جاننا اپنے آقا کا تابع فرمان ہونا

اس کا شیوہ زندگی ہو اور وہ علم کی حفاظت میں ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کو تیار رہے۔ مختصر یہ اتنا بہادر ہو کہ ہاتھوں کے ٹوٹ جانے اور بازوؤں کے کٹ جانے پر بھی علم سرنگوں نہ ہونے دے۔

یہ ظاہر ہے کہ ان صفات سے متصف بہت کم لوگ ہوا کرتے ہیں۔ اسی لئے عہدہ علمبرداری دوسروں کے سپرد کرنا تو درکنار خود اس وقت بھی ان کو ہاتھ نہیں لگانے دینا چاہیے۔ جب علمدار کا ہاتھ زخمی ہو گیا ہو ثبوت کے لیے فعل رسول اسلام دیکھ لیجئے۔

کسرت زند علی یوم احد وفی یدہ لواء رسول اللہ تسقط اللواء من یدہ فتحامی المسلمون ان یاخذوہ فقال رسول اللہ صلعم فضعوہ فی یدہ الشمال فانہ صاحب الموائی فی الدنیا والاخرہ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۲ ص ۱۵۹ طبع بمبئی و ناسخ التواریخ جلد ۳ ص ۱۷۱ طبع بمبئی)

جنگ احد میں علم رسول علی کے ہاتھ میں تھا حضرت علی کی داہنی کلائی ٹوٹی۔ ہاتھ سے علم چھوٹا۔ لوگوں نے سنبھالنا چاہا۔ ارشاد ہوا کوئی نہ لے۔ علم علیؑ کے ہاتھ میں ہی دے دو۔ اس لیے کہ یہی دنیا و آخرت دونوں میں میرے علمبردار ہیں۔

اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ علم اسلام اٹھانے والے تنہا علی ابن ابی طالب ہی تھے۔ دوسرے یہ تعلیم بھی واضح ہو گئی کہ اگر داہنا ہاتھ ٹوٹ جائے یا کٹ جائے۔ تو علم کو بائیں ہاتھ میں لے لینا چاہیے۔ علی ابن ابی طالب کے واقعہ میں صرف داہنا ہاتھ بیکار ہونے پر بائیں ہاتھ میں لینے کی تعلیم ملی۔ اس سے آگے کی نوبت نہیں آئی لیکن ایک عہد رسالت کے دوسرے مجاہد حضرت جعفر طیار نے اسے بھی واضح کر دیا کہ اگر بایاں ہاتھ بھی کٹ جائے۔ تو علم کو سینہ سے لگا کر دل کی قوت اور ایمان کی طاقت سے سنبھال لینا چاہیے۔ یہی وجہ تھی کہ علمدار کربلا کا جب داہنا ہاتھ کٹ گیا اور اس مشکیزہ کو (جس کی حیثیت وہ علم کے ہی تک بھگ سمجھتے تھے) بائیں ہاتھ سے سنبھالا۔ جب وہ ہاتھ بھی کٹ گیا تو الحم کو ضمۃ الی صدرہ اپنے سینے سے لگا لیا اور دل کی قوت سے تھامے رہے۔ اور مشکیزہ کے تسمہ کو دانتوں سے دبا کر ایمان کی طاقت اور وفاداری سے سنبھالے رکھا۔

حضرت عباسؑ کا علم نکالنا سنت آل محمدؐ ہے چونکہ علم حضرت عباس علیہ السلام میں ایک کرامت موجود ہے کہ اس کے منظر عام پر آتے ہی ناواقف نگاہیں تجسسانہ نگر کرنے

لگتی ہیں۔ کہ آخر یہ کیا چیز ہے۔ اور جاننے والوں کے دلوں میں خون اسلام جوش مار کر شہید انسانیت کی بہادری کی داد دیتا ہے اور ہمہ تن دعوت تبلیغ بن کر نظروں میں سما جاتا ہے۔ کٹے ہوئے ہاتھوں کے سنبھلے ہوئے علم کو بے ساختہ چوم لینے کو جی چاہتا ہے۔ مولانا سید ابن حسن صاحب جارچوی لکھتے ہیں۔ عباس کا قاتل موت کے دستبرد کا شکار ہو گیا۔ مگر عباس کا علم آج بھی اسلامی رگوں میں خون کو جوش میں لانے کے لیے منظر عام پر نظر آتا ہے۔ فلسفہ آل محمد ص ۱۰۱ طبع لکھنؤ۔ لہٰذا حضرات آل محمد علیہم السلام نے اس علم کو منظر عام پر لانا سنت قرار دیا اور خود اسے نکالتے رہے۔ رسالہ اوراق غم مصنفہ حکیم ابو الحسنات سید محمد احمد صاحب حنفی، قادری، چشتی مفتی الور و پنجاب خطیب مسجد لاہور کے حوالہ سے ارسالہ معین دین ماہ اپریل ۱۹۳۴ء میں ننگے سر ہونے، منہ پیٹنے، سیاہ پوش ہونے، واویلا کرنے، اقسام اقسام کے مرثیے پڑھنے۔ نوحہ گر ہونے چلا چلا کر رونے، تعزیے نکالنے وغیرہ وغیرہ کے بعد لکھا ہے:

"سات محرم الحرام کو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عباس کا علم نکالنا[1]۔۔۔۔۔۔۔

مندرجہ بالا سب درست ہیں اور افعالِ آلِ محمد ہیں۔"

ناظرین کرام! جناب مفتی صاحب حنفی موصوف کے بیان سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت عباس کا علم نکالنا اسی طرح سنت آل محمدؐ ہے جس طرح مجلس منعقد کرنا اور تعزیہ نکالنا سنت ہے۔

---

[1] خواجہ حسن نظامی محرم ۱۳۶۵ھ میں حیدر آباد دکن گئے تھے۔ اور وہاں کی عزاداری میں سنی نواب حیدر آباد کے ساتھ شرکت کی تھی وہ اپنے روزنامچہ مطبوعہ اخبار منادی دہلی مورخہ ۱۶ ر ۲۶ ر دسمبر ۱۹۴۵ء میں ذیل کے تفصیلی حالات علم کے متعلق لکھتے ہیں۔

آج محرم کی ساتویں تاریخ ہے تمام ہندوستان میں علم اٹھائے جائیں گے۔ حیدر آباد میں بھی بہت سے امام باڑوں میں تاریخی علم موجود ہیں۔ ۱۰ محرم کو ہزاروں سیاہ پوش، سر دیا برہنہ بڈھے۔ نوجوانوں اور بچوں کا ایک جلوس اندر آیا۔ جس میں حضرت عباس کا علم نمایاں تھا۔ جلوس "ابن زہرا واویلا" کے نعرے لگا رہا تھا۔ اور فارسی میں اعلیٰ حضرت کا کہا ہوا مرثیہ پڑھتا جاتا تھا۔ نواب سالار جنگ بہادر اور شیعہ امراء سیاہ لباس اور سیاہ دستاروں میں تھے۔ جب جلوس نے تمام جلوخانہ کا گشت لگا لیا۔ تو علم بردار امام باڑہ کے اندر گیا میں بھی اعلیٰ حضرت اور دیگر روسائے کے ہمراہ امام باڑہ میں گیا۔ وہاں بکثرت سیاہ پوش نیچے جوان اور بوڑھے سینے کھولے ہوئے جمع تھے۔ ان میں اکثر ایرانی نسل سے معلوم ہوتے تھے۔

کچھ دیر بعد حضرت بی بی کا علم ہاتھی پر آیا۔ اعلیٰ حضرت میرے قریب تشریف لائے اور دریافت فرمایا۔ خواجہ صاحب! کبھی پہلے بھی حویلی قدیم کا یہ جلوس دیکھا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ جی نہیں میرے لیے یہ پہلا موقع ہے علم اٹھانے

حضرت عباس علیہ السلام اپنی نظیر آپ تھے

حضرت عباسؑ کے وہ کارنامے جو ولادت سے شہادت تک دنیا کے سامنے آئے اس بات کی کھلی شہادت ہیں کہ آپ نے سوتیلا بھائی ہونے کے باوجود امام حسین علیہ السلام کے ساتھ وہ سلوک کیا جو دُنیا کے کسی حقیقی بھائی سے بھی ممکن نہیں۔

مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

علامہ ابن اثیر حضرت ابوبکر کے داماد زبیر (جو جنگ جمل کے لیڈر تھے اور عشرہ مبشرہ میں شامل تھے) کے دو سگے بیٹوں عبداللہ بن زبیر کے متعلق لکھتے ہیں:-

فارسل الی نفر عن اهل المدینة فضربهم ضرباً شدیداً لهواهم فی اخیه عبد الله منهم اخوه المنذر بن زبیر وانه محمد بن المنذر بن زبیر وابنه محمد بن المنذر عبد الرحمن بن الاسود

جب عبداللہ ابن زبیر کے بھائی عمر بن زبیر حاکم مدینہ کے کوتوال مقرر ہوئے تو انہوں مدینہ کے بہت سے معززین کو گرفتار کرکے اس جرم میں بہت پٹوایا کہ وہ سب ان کے بھائی عبداللہ بن زبیر کے ہی خواہ و طرفدار تھے۔ ان معززین میں عمر بن زبیر کا ایک اور بھائی منذر بن

لہ یزید نے خلیفہ ہونے کے بعد حاکم مدینہ ولید بن عقبہ کو لکھا کہ امام حسین اور عبداللہ ابن زبیر وغیرہ سے میری بیعت لے لے اگر وہ انکار کریں تو ان کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیجدے۔ (روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۶۶ ۔ تاریخ اعثم کوفی صفحہ ۱۲۸) ان لوگوں نے بیعت سے انکار کیا اور مدینہ چھوڑ کر مکہ کو روانہ ہوگئے۔ یزید نے حاکم مدینہ ولید کو معزول کرکے ان کی جگہ عمر بن سعید اشرق کو مقرر کردیا۔ عمر بن سعید نے عبداللہ ابن زبیر کے بھائی عمر بن زبیر کو مدینہ کا کوتوال مقرر کیا۔ ۱۲ منہ

کے بعد سیاہ پوش سر و پا برہنہ ماتم داروں کا ایک بڑا جلوس اندر آیا جو صف بندی کرکے کھڑا ہوگیا۔ ان میں بچے جوان بوڑھے ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ میرا خیال تھا کہ عزاخانہ زہرا کی مجلسیں ختم ہوگئی ہیں اور اب مجھے جانا نہیں ہوگا۔ مگر معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے چو محلے میں بلایا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی موجودہ سکونت کنگ کوٹھی میں ہے ان کے والد اور تمام اجداد چو محلے میں رہتے تھے۔ مگر بعد میں ان کے والد حویلی قدیم میں رہنے لگے تھے جہاں میں پہلی دفعہ عشرہ محرم کی شام کو بی بی کا علم دیکھنے گیا تھا۔ یہ چو محلہ مبارک پرانے شہر کے اندر ایک بہت وسیع اور شاندار پُر فضا مقام ہے۔ اس مکان میں قدیم زمانہ کے نہایت نادر تبرکات اور آثار قدیمہ ہیں۔ جن میں قلمی قرآن مجید بھی ہیں۔ علم بھی ہیں اور سونے کے تعزیے بھی ہیں۔ دالیز کے اندر دو کمروں سے تلاوت قرآن مجید کی آواز آرہی تھی۔ نواب سالار جنگ صاحب نے مجھے وہ سب علم دکھائے جو کچھ چاندی کے اور بقیہ سب سونے کے تھے۔ جن پر نہایت خوش قلم طغرے

بن عبد یغوث و عثمان بن عبد اللہ بن
حکم بن خرام و محمد بن عمار و عماد
بن یاسر و غیرھم فضربھم الاربعین
الی الخمسین الی الستین فاستشار عمرو
بن سعید و سعید عمرو بن الزبیر بر سلہ
الی اخیہ فقال لا توجہ الیہ رجلاً
انکالہ منی فجھز معہ الناس و فیھم
انیس بن عمرو الاسلمی فی سبع مائۃ

زبیر اور اس کا بیٹا محمد بن منذر اور عبدالرحمٰن
ابن اسود بن عبد یغوث اور عثمان بن عبداللہ
بن حکم بن خرام اور محمد بن عمار اور عمار بن
یاسر وغیرہ تھے۔ عمرو بن زبیر نے ان بیچاروں
کو ۴۰-۵۰-۶۰ درّے لگوائے۔ پھر حاکم
مدینہ عمرو بن سعید اشرق نے اس عمرو بن زبیر سے
مشورہ پوچھا کہ تمہارے بھائی عبداللہ بن زبیر
سے لڑنے کے لئے کل کس کو بھیجا جائے۔ عمرو بن

خط عربی میں منقش تھے اور ہیرے، موتی، یاقوت اور زمرد ان پر جڑے ہوئے تھے۔ اور برقی روشنی میں جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ سونے کے دو تعزیے بھی وہاں تھے۔ ایک تعزیہ نجف اشرف کے روضہ کے ہم شبیہ اور دوسرا کربلائے معلیٰ کے روضہ کے ہم شبیہ تھا اور تقریباً تین فٹ اور پانچ فٹ چوڑے تھے۔ نواب سالار جنگ بہادر نے کہا۔ کہ یہ دونوں تعزیے ٹھیک پیمائش کر کے پیمانہ کے بموجب دونوں روضوں کی نقلیں ہیں۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت پھر دہلیز میں تشریف لائے۔ اور وہاں انہوں نے ان آثار قدیم اور تبرکات کے حالات بیان فرمائے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ان میں سے بعض علم میں نے رامپور سے منگائے ہیں اور ان سب کی ہلاگت خود ادا کی ہے۔ اگرچہ نواب رامپور صاحب چاہتے تھے۔ ان کی تیاری کے مصارف وہ ادا کر دیں۔ مگر اعلیٰ حضرت نے صرف ایک علم ان کا قبول فرمایا۔ باقی سب کی قیمتیں زیدی صاحب چیف منسٹر رامپور کو روانہ فرمائی۔ ...... الخ

بہادر شاہ ظفر کا تبدیل مذہب اور علم ناظرین کرام! خواجہ صاحب کے روزنامچہ سے آپ کو ہشتی ریاست حیدرآباد دکن کے حکمران کا طرز عمل معلوم ہوا۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ سمجھدار لوگ کس طرح علم و تعزیہ کی کس قدر کرتے ہیں۔ اب ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ابو المظفر نواب بہادر شاہ ظفر نے تبدیلی مذہب میں علم کی کس درجہ قدر کی ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک دفعہ بہادر شاہ بیمار ہوئے اور منت مانی کہ اگر میں صحت یاب ہو گیا تو حضرت عباس کا علم درگاہ میں چڑھاؤں گا۔ چنانچہ انہوں نے صحت پائی۔ لہذا انہوں نے مرزا محمد حید رشکوہ بہادر اور مرزا محمد نورالدین بہادر کی وساطت سے حضرت عباس کا علم تیار کرا کر مولانا سید محمد صاحب قبلہ کے ہاتھوں درگاہ حضرت عباس میں چڑھایا۔ اور ایک مرثیہ بھی کہہ کر بھیجا جو درگاہ میں پڑھا گیا اور اسی سلسلہ میں اس نے مذہب اہلسنت کو ترک کر کے مذہب اہل تشیع اختیار کیا۔ چنانچہ اس کا ثبوت امین الدولہ حسن فرید صاحب بہادر

وفيها مروان بن الحكم الى عمر بن سعيد
فقال له لاتغزمكة واتق الله ولا تحل
حرمة البيت وخلو ابن زبير فقد كبر وله
ستون سنة وهو لجوج فقال عمر بن
الزبير والله لنقر ونه فى جوف الكعبة على
زعم انف من زعم واتى ابو شريح الخزاعى

زبیر نے کہا میرے بھائی کا مجھ سے بڑا کوئی دشمن
نہیں۔ اس سے لڑنے کے لیے میرے سوا اور کسی کو
نہ بھیجنا۔ چنانچہ حاکم مدینہ نے ایسا ہی کیا اور عمر بن
زبیر کی ماتحتی میں عبداللہ بن زبیر سے لڑنے کے لیے ایک بھاری
فوج بھیج دی۔ عمر بن زبیر کے ماتحت انیس بن عمر اسلمی تھا
جو سات سو سپاہیوں کے ساتھ روانہ ہوا جب یہ خبر مدینہ
پہنچی تو حاکم مدینہ کے پاس مروان ......

بہادر دلیر جنگ ایجنٹ شاہجہان کے اس خط سے ملتا ہے۔ جو انہوں نے اس واقعہ سے گھبراہٹ میں لکھ کر ایجنٹ مقیم لکھنؤ کے پاس بھیجا تھا۔ یہ خط ۲۶ دسمبر ۱۸۵۳ء کو لکھا گیا تھا۔ جس کے بعض جملے یہ تھے۔

"دریں ایام بملاحظہ قطعات سوالات علماء و مشائخ این شہر
بوضوح پیوستہ کہ از روئے اخبار و خطوط لکھنؤ دریافت
ایں مرہم رسیدہ کہ بتاریخ ششم ربیع الاول سنہ حال
مرزا حیدر شکوہ بہادر و مرزا نورالدین بہادر شیعی مذہب
نبیرگان مرزا سلیمان شکوہ بہادر در لکھنؤ علمے بکمال تجمل ہمراہ
عمائد آں شہر برداشتہ بدرگاہ حضرت عباس بروند
وفضیلت پناہ و سیادت دستگاہ سید محمد مجتہد شیعہ
بدست خود علم مذکور را در درگاہ موصوف نصب نمودہ
و مرزایان موصوف ابلاغ آں علم بہ بندگان والا کردند
و نیز مرزا نورالدین بہادر بہ منبر برآمدہ مرثیہ بزبان اردو
کہ متضمن بہ بے ادبی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بودہ در
مجمع کثیر بآواز بلند برخواند۔ و در مطلع آں مرثیہ تخلص آں
حضور پرنور درج کردہ قطعہ شقہ مہری خاص شعر
ترک کردن مذہب اہلسنت و اختیار نمودن مذہب
اہل تشیع و ولوق آمادہ تعمیر امامباڑہ و اختیار تعزیہ داری
بردوام موسوم مجتہد مذکور ساختہ ... الخ

مشائخ و علماء دہلی کی درخواستوں سے جو اس زمانہ میں
آئی ہیں واضح ہوا کہ لکھنؤ کے خطوط اور خصوصی اطلاعات
سے اُن لوگوں کو معلوم ہوا ہے کہ ۶ ربیع الاول سال
رواں کو مرزا حیدر شکوہ بہادر اور مرزا نورالدین بہادر نے
جو مذہب شیعہ رکھتے ہیں اور مرزا سلیمان شکوہ کے پوتے
ہیں لکھنؤ میں ایک علم بہت شان و شوکت کے ساتھ وہاں
کے عمائدین اور رؤسا کی معیت میں اٹھایا اور حضرت
عباسؑ کی درگاہ لے گئے اور فضیلت پناہ و سیادت دستگاہ
سید محمد صاحب مجتہد شیعہ نے اپنے ہاتھ سے وہ علم درگاہ
میں قائم کیا اور مرزایان مذکور نے اس علم کے بھیجنے
کی نسبت اعلیحضرت بادشاہ معظم کی طرف دی اور
مرزا نورالدین بہادر نے منبر پر جاکر ایک مرثیہ اردو زبان
میں پڑھا جو صحابہ کرام کی شان میں بے ادبی پر مشتمل
تھا۔ ایک بڑے مجمع میں باواز بلند پڑھا۔ اس مرثیہ کے مطلع
میں حضور پرنور کا تخلص درج کیا اور ایک خط بادشاہ کی
مہر سے مزین اس مضمون کا کہ بادشاہ نے مذہب اہلسنت
کو ترک کرکے مذہب شیعہ اختیار کیا اور یہ کہ عنقریب وہ امام باڑہ بنائیں گے۔ اور تعزیہ داری ہمیشہ کرتے رہیں گے مجتہد
مذکور کا نام ظاہر کیا۔ الخ (در رسالہ حقائق لکھنؤ)

الی عمرو قتال لا تقرمکة فانی سمعت
رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم
یقول انما اذن لی بالقتال فیها ساعة
من نهار ثم عادت کحرمتها ما الامس
فقال له عمر فمن اعلم بحرمتها منا
ایها الشیخ فسار انیس فی مقدمة وقیل
ان یزید کتب الی عمرو بن سعید لیرسل
عمرو بن زبیر الی اخیه عبد الله ففعل
فارسله ومعه بیش نحو الف رجل فنزل
انیس بذی طوی ونزل عمرو بالابطح فارسل
عمرو الی اخیه بر یمین یزید وکان حلف
ان لا یقبل بیعته الا ان یوتی به فی جامعة
وتعال حتی اجعل فی عنقک جامعة مزفضة
لا تری ولا یضرب الناس بعضهم بعضاً
فانک فی بلد حرام فارسل عبد الله بن زبیر
عبد الله بن صفوان نحو انیس فی من معه
من اهل مکة ممن اجتمع الیه فهزمه ابن
صفوان بذی طوی واجهز علی جریحهم
وقتل انیس بن عمرو وسار معصب بن
عبد الرحمن الی عمرو بن الزبیر فتفرق

بن حکم آیا اور کہا کہ مکہ پر چڑھائی نہ کرو۔ خدا سے ڈرو۔
خانہ خدا کی حرمت برباد ہونے سے بچاؤ اور عبداللہ بن
زبیر کو چھوڑ دو دیکھو ان کی عمر بھی زیادہ ہے۔ وہ
سٹھیا گئے ہیں اور ضدی بھی ہیں۔ اس کے جواب میں
عمرو بن زبیر نے کہا خدا کی قسم ہم مکہ پر ضرور حملہ کریں گے
اور عبداللہ بن زبیر اگر خانہ خدا کے اندر ہوگا تو وہاں بھی جنگ
کریں گے چاہے کسی کو کتنا ہی برا لگے۔ پھر ابو شریح
خزاعی عمرو بن زبیر کے پاس آیا اور سمجھایا کہ مکہ پر چڑھائی
نہ کرو۔ کیونکہ میں نے آنحضرتؐ کو کہتے سنا ہے کہ صرف
فتح مکہ کے موقع پر تھوڑی دیر کے لیے مجھے اجازت ملی تھی
پھر اس کے بعد اس پر چڑھائی کرنا حرام ہو گیا جس
طرح پہلے تھا۔ مگر اس کا جواب بھی عمرو نے ٹیڑھا ہی
دیا۔ کہلا بھیجا کہ اے بڈھے میں حرمت کعبہ تجھ سے
زیادہ جانتا ہوں۔ غرضیکہ عمرو کسی طرح نہ مانا اور عبداللہ
ابن زبیر سے لڑنے کے لئے مکہ پر چڑھائی کر دی۔ انیس
بن عمرو بھی ان کی ماتحتی میں اپنی فوج لے کر چل پڑا۔ بعض
لوگوں کا بیان ہے کہ یزید ہی نے عمرو بن سعید کو لکھا تھا
کہ عبداللہ ابن زبیر سے لڑنے کے لیے عمرو بن زبیر کو تیار
کر۔ چنانچہ اس نے تیار کیا۔ اور دو ہزار کا رسالہ دے کر اسے
مکہ روانہ کیا۔ انیس اپنی فوج سمیت مقام ذی طوی پر

لحرمات الله ثم اقاد عمرا من كل من ضربه الا المنذر وابنه فانهما ابيا ان يستقيدا او مات تحت السياط .... الخ

(تاریخ کامل جلد ۴ ص۸ طبع مصر)

گردن میں باریک سی نقرئی زنجیر ڈال کر یزید کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔ اس طرح تمہاری ذلت بھی نہ ہو گی اور اس کی قسم بھی پوری ہو جائے گی۔ اور کشت و خون بھی رُک جائے گا۔ دیکھو تم ایسے شہر میں ہو جہاں لڑنا حرام ہے۔ عبداللہ ابن زبیر بھلا گرفتار ہونا کیسے قبول کر سکتے تھے۔ انہوں نے انیس اور اس کی فوج کے مقابلہ میں ایک مکی فوج کے ساتھ عبداللہ ابن صفوان کو بھیج دیا۔ دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی۔ عبداللہ ابن صفوان نے انیس کو شکست دی اور زخمیوں کو تہ تیغ کیا۔ پھر انیس کو بھی قتل کر ڈالا۔ اور عبداللہ ابن زبیر کی طرف سے ایک دوسری فوج مصعب بن عبدالرحمٰن کی ماتحتی میں عمر ابن زبیر سے لڑنے گئی اور کامیاب ہوئی۔ عمر کی حزیمت شدہ فوج پراگندہ ہو گئی۔ اور عمرو بن زبیر کو جان کے لالے پڑ گئے۔ بھاگے اور بھاگ کر ابن علقمہ کے دامن میں پناہ لی۔ پھر اس کے بھائی عبیدہ نے اپنے کنار امن میں لے لیا۔ اور عبداللہ ابن زبیر سے مل کر کہا کہ میں نے عمرو کو پناہ دے دی ہے اس پر وہ بگڑ کر بولے۔ کیا تم اسے لوگوں کے حقوق سے پناہ دے سکتے ہو۔ یہ تو تم نے اچھا نہیں کیا۔ میں نے تو تم سے نہیں کہا تھا۔ کہ تم اس فاسق و فاجر کو جس نے حرمات خدا کو حلال کر دیا ہے امن دے دینا۔ الغرض عبداللہ بن زبیر نے حکم دیا کہ وہ گرفتار کر لیا جائے۔ اور اس سے ان تمام کوڑوں کا بدلہ لیا جائے۔ جو اس نے مدینہ معززین کی پشتوں پر لگوائے تھے۔ چنانچہ تمام لوگوں کی طرف سے اس کی پشت پر کوڑے لگوائے گئے۔ البتہ اس کے بھائی منذر ابن زبیر اور بھتیجے محمد بن منذر نے عوض لینے سے انکار کر دیا۔ غرضیکہ عمرو بن زبیر نے کوڑوں کی زد میں دم توڑ دیا .... الخ

جناب مولانا سید علی حیدر صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مذکورہ بالا واقعہ سے چند باتیں ثابت ہوئیں (۱) عمر بن زبیر اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کے ساتھ مکہ معظمہ نہیں گئے (۲) پھر عبداللہ بن زبیر کے دشمن یزید کی حکومت میں ملازمت کر لی۔ اور حاکم مدینہ کے کوتوال ہو گئے (۳) کوتوال ہونے پر بھی اپنے بھائی کو کوئی مدد نہ دی۔ نہ حاکم مدینہ سے ان کی کوئی سفارش کی بلکہ اپنے بھائی کے ہواخواہوں کو کوڑوں سے پٹوایا۔ (۴) جب حاکم مدینہ نے ان سے مشورہ کیا کہ ان کے بھائی سے لڑنے کے لیے کسے بھیجا جائے۔ تو بجائے اس کے کہ وہ انہیں جنگ سے بچاتے خود حملہ کرنے کو تیار ہو گئے (۵) مروان نے حاکم مدینہ کو عبداللہ بن زبیر پر حملہ کرنے سے روک دیا مگر عمرو بن زبیر نے اس کی مخالفت کی اور قسم کھائی کہ ان سے خانہ کعبہ کے اندر جا کر لڑوں گا۔

(۶) ابو شریح خزاعی نے بھی روکا۔ مگر یہ اپنی بات سے نہیں ہٹے۔ (۷) اپنے بھائی کے پاس پیغام بھیجا کہ آؤ میں تمہیں گرفتار کر کے یزید کے پاس بھیج دوں (۸) عبداللہ ابن زبیر نے بھی موقع پایا تو عمر ابن زبیر سے اتنا بدلہ لیا کہ وہ کوڑے کھاتے کھاتے مر گئے۔ اس کے مقابلہ میں حضرت عباس علیہ السلام جناب سید الشہدا کے سوتیلے بھائی ہیں۔ مگر آپ نے حضرت کو کسی وقت چھوڑنا پسند نہیں کیا حضرت مدینہ سے مکہ گئے تب بھی آپ ساتھ رہے۔ امام مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تب بھی جناب عباس ہمرکاب ہی رہے اور اس طرح خدمت کی کہ بھائی بھی معلوم ہوئے، بیٹے بھی نوکر بھی اور غلام بھی۔ کہ جس وقت کوئی ضرورت پیش آئی۔ جناب عباس لبیک یا سیدی یا مولائی کہتے ہوئے حاضر خدمت ہوتے ...... الخ (اصلاح جلد ۲ ص ۹ نمبر) یہی وجہ ہے کہ علماء نے بھلے الفاظ میں لکھ دیا کہ دنیا کے تمام افراد پر بھی حضرت عباس کا قیاس نہیں کیا جا سکتا حتی کہ امیر المومنین علی علیہ السلام کے دوسرے بیٹے بھی ان کے مقابلہ میں حد قیاس سے باہر ہیں۔ یہاں تک کہ محمد حنفیہ جیسی ہستی بھی ان کے مقابلہ میں نہیں لائی جا سکتی۔ علامہ کنتوری لکھتے ہیں: لایقاس امرہ بامر غیرہ من ابناء امیر المومنین مثل محمد حنفیہ ان کے معاملہ کا قیاس حسنین علیہما السلام تو درکنار حضرت امیر المومنین کے دوسرے بیٹوں محمد حنفیہ جیسوں پر نہیں کیا جا سکتا۔" (ماتئیں ص ۴۵)

ناظرین کرام! حضرت محمد حنفیہ کی ہستی بہت ہی بلند ہستی ہے ان کے متعلق مورخین کا بیان ہے کہ یہ نہایت مضبوط دست و بازو اور زبردست طاقت کے مالک تھے۔ حضرت علی کی خدمت میں چند زرہیں پیش کی گئیں۔ ان میں سے ایک متوسط قد و قامت سے اک ذرا لمبی تھی۔ حضرت علی نے محمد حنفیہ سے فرمایا کہ میں نشان لگائے دیتا ہوں اس زرہ کو چھوٹی کرالاؤ۔ محمد حنفیہ نے زرہ لی اور حضرت علی کے لگائے ہوئے نشان کی جگہ سے پکڑ کر چنانکہ بافتہ حریر راقطع کنند دامن ہائے درع آہنی راقطع کرد جس طرح پارچہ حریر پھاڑا جاتا ہے آپ نے اس آہنی زرہ کو پھاڑ ڈالا۔ ایک دفعہ شاہ روم نے اپنے ملک کے سب سے بڑے بہادر کو معاویہ کے پاس بھیجا معاویہ نے محمد بن حنفیہ ہی کو مقابلہ کے لیے تجویز کیا آپ نے چشم زدن میں اس کو زیر کر لیا۔ (ناسخ التواریخ جلد ۳ ص ۵، کامل مبرو جلد ۱ ص ۲۵)۔ اس کے علاوہ جنگ جمل و صفین کے کارناموں سے بھی آپ کی شجاعت کا پتہ چلتا ہے لیکن ان تمام حالات کے باوجود علمائے یک زبان لکھا ہے کہ محمد حنفیہ حضرت عباس کے مقابلہ میں کوئی ہستی نہ رکھتے تھے اور خود امیر المومنین نے واقعہ کربلا کے لیے محمد حنفیہ جیسے بہادر کو تجویز نہیں کیا اور حضرت عباس علیہ السلام کے وجود کو ضروری سمجھا۔

مختصر الفاظ میں یہ بھی جان لینے کی ضرورت ہے۔ کہ امیر المومنینؑ علیہ السلام نے محمد حنفیہ پر حضرت عباس کو واقعہ کربلا کے لیے ترجیح کیوں دی۔ بات یہ ہے کہ محمد حنفیہ بہادر ضرور تھے اور بڑے بہادر تھے لیکن ایک موقع ایسا بھی آنے والا تھا۔ جس میں ان کی زبان سے امیر المومنین کے حکم جہاد پر یہ جملے نکلے تھے۔ "الا ترى السهام كانها شآبيب المطر" بار بار آپ حملے کرنے کو بھیجتے ہیں کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ تیروں کا مینہ برس رہا ہے امیر المومنینؑ نے کہا" ذیلك عرق من امك یہ تیری ماں کا اثر ہے۔ (شرح نہج البلاغہ)

واقعہ کربلا کے لیے ایسے بہادر کی ضرورت تھی کہ جو نجیب الطرفین ہو۔ جو حسینؑ کے قدموں پر مرنے کو زندگی سمجھتا ہو۔ جسے آب سرد کی ضرورت نہ ہو۔ جو تین دن کی پیاس کے باوجود چلو میں پانی لے کر پھینک دے۔ تیروں کی بارش اور تلوار کے پانی سے پیاس بجھانے کو سعادت جانتا ہو۔ اس وقت بھی حسین علیہ السلام کی حمایت کا حوصلہ رکھتا ہو۔ جب ہاتھ کٹے ہوں۔ سینے میں تیر و نیزے لگے ہوں۔ گرز گراں بار کی ضرب سے بھیجا کندھوں پر آگیا ہو۔ زمین گرم پر لاشہ ہو۔ سر کٹ چکا ہو۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے نعش پس گئی ہو۔

خدا کی قسم اس صفت کا انسان عباس کے علاوہ مادر گیتی نے پیدا ہی نہیں کیا اسی لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے۔ کہ عباس اپنی نظیر آپ تھے۔

حضرت عباس علیہ السلام غلامی کے لباس میں | جس طرح حضرت علی علیہ السلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبدیت کا دم بھرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے انا عبد من عبید محمد میں آنحضرتؐ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں۔ اسی طرح حضرت عباس علیہ السلام بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کے غلاموں میں سے ایک غلام ہونے کا دم بھرا کرتے تھے۔ (ماتین صفحہ ۴۴)

ناظرین کرام! عبد اس غلام کو کہتے ہیں کہ" لزمہ ولم یفارقہ" جو کسی وقت ساتھ نہ چھوڑے اور صحیح غلامی کا دم بھرنے والا ہو۔ (المنجد ص ۳۲۶) اور عبید اسم جمع ہے یعنی بہت بندگی کرنے والا۔ (لغات سروری ص ۴۰۸) اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؑ یا حضرت عباسؑ نے عبدیت کے صحیح معنوں پر عمل کیا۔ کوئی وقت تاریخ کے دامن میں ایسا نہیں ملتا۔ جس میں یہ کہا جائے کہ ان حضراتؑ نے اپنے ممدوح اور آقا کا ساتھ چھوڑا ہو۔ چاہے خوشی کا موقع ہو۔ مسرت کی گھڑی ہو یا تیر برستے ہوں۔ نیزے لگتے ہوں تلواریں چلتی ہوں۔ غرضکہ ہر حال میں ساتھ رہے۔ ذریعۂ

خدمت گذاری میں بسر وچشم منہمک رہے اور فخریہ کہتے رہے کہ میں اپنے آقا کا غلام ہوں اور صرف کہتے ہی نہ تھے بلکہ عمل کر کے دکھلاتے تھے۔

تاریخ اعثم کوفی اردو طبع دہلی کے صفحہ ۲۶۳ پر ہے کہ دوسرے دن جب امام حسین علیہ السلام نے عمر سعد کے پاس پیغام پہنچایا کہ تجھ سے کچھ کہنا ہے۔ رات کے وقت مجھ سے مل جانا اور میری باتیں سن لینا۔ عمر سعد ایک سو بیس سوارے کر اپنے لشکرگاہ سے نکلا۔ امیر المومنین حسین علیہ السلام نے اپنے ہمراہی سواروں سے کہا کہ تم پرے ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ وہ سوار وہاں سے پرے سرک گئے عباسؑ بن علیؑ اور علی اکبرؑ آپ کے ساتھ رہے۔ عمرو نے بھی اپنے آدمیوں کو جو ہمراہ تھے پیچھے ہٹا دیا۔ اس کا غلام لاحق اور بیٹا حفص اس کے ساتھ رہے۔

اکثر کتب مقاتل میں ہے، کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ عمر سعد نے تمام سواروں کو علیحدہ کر دیا۔ لیکن اپنے بیٹے اور غلام کو ساتھ رکھا، تو امام حسین علیہ السلام تن تنہا اس سے ملنے کو چلے۔ حضرت علی اکبرؑ ساتھ ہو لیے۔ حضرت عباسؑ نے جب امام حسینؑ اور حضرت علی اکبرؑ کو جاتے دیکھا، خود آگے بڑھے، امام حسینؑ نے فرمایا۔ بھائی! مجھے تنہا جانے دو۔ تم لوگوں کے ساتھ ہونے سے وہ ڈر نہ جائے۔ حضرت عباسؑ نے عرض کی۔ مولا! جبکہ اس کا غلام لاحق اس کے ساتھ ہے تو آپ کا غلام عباسؑ بھی آپ سے ملحق کیوں نہ رہے۔ غرضکہ اُدھر سے عمر سعد اور اس کا بیٹا حفص اور غلام لاحق، اور اُدھر سے امام حسینؑ اور ان کے فرزند علی اکبرؑ اور غلام کی جگہ حضرت عباس علیہ السلام یکجا ہوئے اور گفتگو شروع ہوئی۔

جناب ایڈیٹر صاحب رسالہ مولویؒ دہلی تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت عباسؑ کو امام حسینؑ کے ساتھ عشقیہ نیازمندی کا شرف حاصل تھا۔ آپ جناب امام کے ہر امر میں مطیع و منقاد تھے۔ اور آپ کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہانا سعادت ابدی تصور کرتے تھے۔ باوجودیکہ امام حسینؑ کے بھائی تھے، مگر آپ نے کبھی بھائی کہہ کر جناب امام حسین کو خطاب نہیں کیا۔ بلکہ فرط ادب و تعظیم سے ہمیشہ آقا، سید، او مولا کہہ کر خطاب کرتے تھے آپ کو جناب امام عالیمقام کے بچوں سے بے حد محبت تھی، اور جناب سکینہ بھی آپ سے مانوس تھیں، چنانچہ دشت کربلا میں بھی حضرت سکینہ کی تشنگی اور پیاس کو دیکھ کر آپ بے حد بے چین اور مضطرب ہو رہے تھے۔ اور حضرت سکینہ بھی جناب عباسؑ ہی سے بار بار پانی کا تقاضا فرماتی تھیں۔ اور بالآخر حضرت عباسؑ پانی ہی لانے کے لیے تشریف لے گئے

تھے کہ دشمنوں نے آپ کو ساحل فرات پر ہی شہید کر دیا تھا۔" (شہید اعظم ص ۲۰۲ مطبوعہ دہلی) علامہ قزوینی لکھتے ہیں :- کبھی بھائی کو بھائی کہہ کر نہیں پکارا (ریاض القدس جلد ۲ ص ۶۷) ایک شاعر حضرت امام حسین علیہ السلام کی زبانی اس موقعہ پر حضرت کو پکار رہا ہے ۔جب آپ ریگ گرم پر کربلا میں دم توڑ رہے تھے ۔ ؎

اس تیری وفا کے ہوں میں قربان علمدار
اپنے کو غلام اور مجھے سے آقا سمجھے
رہ جائے نہ دل میں مرے ارمان علمدار
اک بار تو تم بھائی مجھے کہہ کے پکارو

حضرت عباس علیہ السلام علم کے میدان میں باپ کا اثر بیٹے میں ہونا ضروری ہے۔ حضرت عباس حضرت علی کے فرزند ارجمند ہیں ۔حضرت علیؑ نے اپنے علمی کمالات کا ذکر کرتے ہوئے اکثر فرمایا ہے ۔ زقنی رسول اللہ زقاً زقاً مجھے رسولؐ اللہ نے اس طرح علم بھرایا ہے۔ جس طرح کبوتر اپنے بچہ کو دانہ بھراتا ہے۔ظاہر ہے کہ جب کبوتر اپنے بچہ کو دانہ بھراتا ہے تو وہ تمام دانے جو اس کے پوٹے میں ہوتے ہیں، بلاتحلیل کُل کے کُل بچہ کے پوٹے میں پہنچا دیتا ہے ۔یہی مقصد حضرت علیؑ کے ارشاد کا بھی ہے۔کہ پیغمبر اسلام جو علم خدا کی طرف سے لے کر آئے تھے ۔انھوں نے وہ سارے کا سارا مجھے عطا فرمایا ہے ۔ مطلب یہ ہے ۔کہ حضرت علیؑ خود علم لدنی رکھتے تھے ۔انہوں نے آنحضرتؐ کا بھی سارا علم حاصل کر لیا تھا ۔گویا آپ علمی نقطہ نظر سے ساری کائنات پر فوقیت کے مالک ہو گئے تھے۔یہی وجہ تھی کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ سلونی قبل ان تفقدونی جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لو قبل اس کے کہ میں تم میں موجود نہ رہوں ۔" علمنی رسول اللہ الف باب پیغمبر اسلام نے ہزار دروازے علوم کے مجھے تعلیم کئے ہیں ۔اور میں نے ہر باب سے ہزار باب خود پیدا کر لئے ہیں۔

عرض کرنے کا مطلب یہ ہے ۔کہ جس طرح حضرت محمد مصطفٰے نے حضرت علیؑ کو علوم بھرائے تھے ۔اسی طرح ائمہ معصومینؑ نے حضرت عباسؑ کو علوم سے بھرپور کر دیا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ حضرت عباس کے لیے ارشاد معصومینؑ یہ ملتا ہے ۔ ان العباس بن علی زق العلم زقاً ۔عباس بن علیؑ کو علوم بھرا دیئے گئے ہیں ۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ نے جو علم رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حاصل کیا تھا وہ سارا کا سارا حضرت عباسؑ کو عطا کر دیا ہے ۔ان کے علاوہ امام حسن اور امام حسین علیہم السلام نے اپنے علوم سے بہرہ ور کیا ہو گا ۔ اب ایسی صورت میں حضرت عباسؑ کے علم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

(اسرار الشہادت ص ۳۲۴)

حضرت عباسؑ کا عبد صالح ہونا

یہ ظاہر ہے کہ عبدیت کا درجہ بہت بلند ہے۔ کم ایسے انبیا بھی گذرے ہیں جنہیں خدا نے اپنا عبد قرار دیا ہو۔ کیونکہ عبد اپنے معبود سے ایسا مستحکم رشتہ رکھتا ہے۔ جو بڑے بڑے انبیاء کو بھی نصیب نہ ہوسکا۔ قرآن مجید میں چند انبیاء ایسے نظر آتے ہیں۔ جنہیں اس خاص لقب سے خدا نے نوازا ہے۔ اس میں خاص طور پر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت یعقوب، حضرت ایوب علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس لقب وخطاب سے ممتاز قرار دئے گئے ہیں۔ حضرت عباسؑ جو اپنے کمالات نفسی ونسبی کی وجہ سے اس خاص خطاب کے قابل تھے۔ انہیں عبد صالح قرار دیا گیا۔ جس کی سند حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس زیارت مخصوصہ میں دے رہے ہیں، جس کے راوی ابو حمزہ ثمالی ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

السلام علیک یا ایھا العبد الصالح

اے عبد صالح آپ پر خدا کی طرف سے سلامتی ہو۔

علامہ عبدالرزاق موسوی اپنی کتاب "قمر بنی ہاشم" کے ص۲۸ وص۵۶ میں لکھتے ہیں۔ کہ

"حضرت عباسؑ کو یہ وہ بلند درجہ نصیب ہوا ہے۔ جس سے بہت سے انبیاء بھی محروم رہ گئے۔"

حضرت عباسؑ آئمہ طاہرین کی نظر میں

اہل عصمت ہی سمجھتے ہیں تری شان وفا

دُنیا میں بہت کم ایسے افراد ہوں گے جو کسی بلندی پر فائز ہونے کے بعد دوست اور دشمن طرف دار وہمدرد اور مخالف نہ رکھتے ہوں۔ لیکن مدح اسی طرح اچھی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ جو خود بلند ترین درجہ کا مالک ہو۔ اگر کوئی ایسی شخصیت موجود ہو۔ جس کی مدح خدا کرے۔ جس کی ستائش محمدؐ کریں اور جس کی تعریف میں آئمہ معصومین رطب اللسان ہوں تو پھر اس کی فضیلت کی کوئی حد نہ ہوگی۔ حضرت عباس علیہ السلام کی ہستی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خدا؛ ند عالم تذکرۃ الشہداء میں آپ کو سراہ رہا ہے۔ اور لاتقولو المن یقتل فی سبیل اللہ کہہ کر مرنے کے بعد بھی آپ کو دیگر شہداء کی طرح زندگی دے رہا ہے اور غذا پہنچانے کا وعدہ فرما رہا ہے اور شہادت کے بعد بقول معصوم دونوں ہاتھوں کے بجائے دو پر پرواز دے کر جنت میں اڑنے کا موقع دے رہا ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم پیدائش سے پہلے آپ کی شجاعت کی

پیشین گوئی فرما رہے ہیں۔ حضرت علی آپ کی ولادت کی تمنا کر کے جب اپنی آغوش میں آپ کو پالتے ہیں تو بے حد مسرور ہو کر کبھی رخسار کو کبھی دست و بازو کو چومتے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام آپ کے مداح نظر آتے ہیں۔ اور اپنی زندگی میں آپ سے استعانت چاہتے ہیں۔ امام حسین اپنے تمام امور میں آپ کو مرکز سمجھتے ہیں اور آپ کے وجود کو شکر کے برابر قرار دے کر عہدہ علمبرداری آپ ہی کے سپرد فرماتے ہیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام واضح الفاظ میں فرمارہے ہیں۔

رحم الله عمی العباس لقد اثر و ابلی و فدیٰ اخاہ بنفسہ حتی قطعت یداہ فاید له الله بجناحین یطیر بهما مع الملئكة فی الجنة كما جعل جعفر بن ابی طالب و ان للعباس عند الله تبارك و تعالیٰ منزلة یغبطه علیها جمیع الشهداء یوم القیامه (الخصال الصدوق جلد ۱ ص۳۵)	خدا میرے چچا حضرت عباس پر رحم کرے انہوں نے قربانی پیش کرنے میں پورا پورا ایثار کیا اور امتحان گاہ میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ اور اپنی جان امام حسین پر قربان کر دی کہ دونوں ہاتھ تک کاٹے گئے لیکن خدا کی طرف سے یہ بدلا ملا کہ انہیں جعفر طیار کی طرح جنت میں پر پرواز عطا کر دیئے ہیں۔ بے شک عباس کا درجہ خدا کے نزدیک ایسا ہے کہ قیامت کے دن تمام شہداء غبطہ کریں گے۔

اور لفظ جمیع الشہداء فرما کر اتنی بلندی دے دی ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ کیونکہ ان میں وہ ہستیاں بھی آتی ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے کار تبلیغ کی شہادت دینے والی ہیں۔ جیسے حضرت حمزہ اور جعفر طیار (اصول کافی) اور اس کی تائید زیارت کے اس جملہ سے بھی ہوتی ہے۔ فرمایا گیا ہے:

السلام علیك ایها الربانیون انتم لنا فرط و نحن لكم تبع و انصار و انتم سادة الشهداء فی الدنیا والاخره ..... انهم لم یسبقهم سابق ولا یلحقهم لاحق۔ (ترجمہ) اے خدائی کارگزارو! تم پر سلام ہو۔ تم ہم سے پہلے چلے گئے اور ہم تمہارے بعد آنے والے ہیں۔ بے شک تم شہدا کے دنیا و آخرت میں سردار ہو۔ بے شک تم لوگ ایسے ہو کہ نہ تم جیسے پہلے شہدا گزرے ہیں۔ اور نہ آئندہ گزریں گے (کامل الزیارات ص۲۱۹ و ص۲۲۰)

علامہ عبد الرزاق لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے مذکورہ جملہ زیارت میں تمام دنیا کے شہداء کی سرداری شہدائے کربلا کے لیے ثابت فرمادی ہے اور ظاہر ہے کہ شہداء کربلا میں بعض امور اور مخصوص حالات کی بنا پر حضرت عباس کو ان میں امام حسین کے بعد سب سے بڑا درجہ حاصل ہوا ہے۔

جس کی تصدیق امام زین العابدین علیہ السلام کے ارشاد سے ہوتی ہے۔ جہاں پر آپ نے فرمایا ہے۔ کہ آپ کو جنت میں دو پَر دیئے گئے ہیں اور انہیں وہ فضیلت نصیب ہے جس پر جمیع شہداء غبطہ کریں گے۔ (قمر بنی ہاشم) ص۵۴) اور چونکہ حضرت عباسؑ کو بہت سے امور میں دیگر شہداء سے زیادہ فضیلت حاصل ہے اور آپ کو بلند درجہ نصیب ہے۔ اسی لیے امامت کے بہت سے کاموں میں آپ مددگار نظر آتے ہیں۔ اور اہل بیت میں عملاً داخل دکھائی دیتے ہیں مثال کے لیے ملاحظہ ہو۔

ا۔ محب الدین طبری کتاب ذخائر العقبیٰ کے ص۱۴۱ پر لکھتے ہیں کہ جب حضرت امام حسنؑ شہید ہوئے اور امام حسینؑ ان کو غسل دینے لگے تو آپ نے حضرت عباسؑ کو طلب فرمایا اور پانی ڈالنے و دیگر خدمات غسل میں بھی انہیں شریک کیا۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امام کو امام ہی غسل دے سکتا ہے۔ کفن پہنا سکتا ہے۔ اور دفن کر سکتا ہے۔" مدینۃ المعاجز۔ علامہ ہاشم بحرانی ص۲۶ پر درج ہے کہ آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ اور زمین پر تشریف فرما امام کی مدد کر کے نبی یا امام کی تجہیز و تکفین کرتے ہیں۔ جیسا کہ سرورِ کائنات کے بارے میں مفصل مرقوم ہے۔ (بصائر الدرجات جلد ۵ باب ۳ ص۶) پر ہے کہ پیغمبر اسلام کو غسل دیتے وقت حضرت علیؑ کی مدد ملائکہ کر رہے تھے۔ جنہیں آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

علامہ شیخ عباس قمی النفس المہموم کے صفحہ ۲۰۵ پر رقمطراز ہیں: واضح ہو کہ یہ امر اپنی جگہ ثابت ہو چکا ہے کہ معصوم کا دفن و کفن معصوم ہی کرتا ہے۔ اور امام کے سوا امام کو کوئی غسل نہیں دیتا۔ اگر امام کی وفات مشرق میں ہو اور اس کا وصی مغرب میں ہو۔ تو خداوند عالم دونوں کو ایک جگہ جمع کر دیتا ہے ..... الخ

اب ایسی صورت میں جبکہ آپ کو امام حسینؑ نے امام حسنؑ کے غسل میں شریک کیا۔ آپ کی بلندی مرتبت کے متعلق رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ اور کیوں نہ سمجھا جائے کہ آپ کا درجہ ائمہ طاہرینؑ کے بعد دنیا میں سب سے بلند ہے اور کیوں نہ انہیں عصمت غیر استکفائیہ سے متصف سمجھا جائے۔ کیونکہ اگر ان کے لیے عصمت واجب نہ تھی۔ جیسے ائمہ معصومین کے لیے تھی۔ جسے عصمت استکفائیہ کہتے ہیں۔ جو معرفتِ علم و یقین میں کسی کے محتاج نہ تھے۔ تو بہ سبب احتیاج الی المعصومین بوجہ عمل و کردار اور عدم صدور گناہ انہیں معصوم غیر استکفائی تسلیم کیا جائے۔ جیسا کہ کتاب قمر بنی ہاشم ص۶۱ میں بحوالہ کتاب اتفاق المقال ص۵، مذکور ہے اور پھر ایسی صورت میں جبکہ حضرت امام

زین العابدین علیہ السلام نے آپ کے لیے اس بات کی نص فرما دی ہے۔ کہ تمام شہدا آپ کے درجہ رفیعہ پر فائز ہونے پر غبطہ کریں گے۔ ظاہر ہے کہ شہدا میں حضرت علی علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ تو جسے ایسا درجہ مل سکے، جس پر حضرت علی جیسی شخصیت غبطہ کرے۔ تو اس کے مرتبے اور درجہ کی بلندی کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔

۲۔ اسی طرح امام جعفر صادقؑ نے آپ کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے۔ اس سے آپ کی بلندی مقام کا پتہ چلتا ہے۔ ایک مقام پر آپ نے فرمایا ہے۔ کان عمنا العباس نافذ البصیرت صلب الایمان میرے چچا عباس بن علی کی کمال بصیرت اور بہترین ایمان کے مالک تھے۔ ایک مقام پر زیارت نامہ میں آپ حضرت عباس کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔ اشھد انک لقد نصحت الله و رسوله والاخیک فنعم الاخ المواسی میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ تم نے خدا و رسول اور اپنے بھائی کی بہترین امداد کی۔

علامہ عبدالرزاق موسوی مقرم لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت عباس کی شہادت کو حضرت امام حسینؑ کی معیت میں اس درجہ پر پہنچا دیا کہ جس سے بلند درجہ اور نہیں ہو سکتا۔ یعنی اب ایسی صورت پیدا ہوگئی کہ گویا حضرت عباس نے خدا و رسول کی حمایت کاملہ کی اور اس سلسلہ میں ان کے سنین کا تمام اور توحید کی تکمیل اور دین و ایمان کی انتہا واضح ہوگئی۔

۳۔ علامہ عبدالرزاق موسوی اپنی کتاب قمر بنی ہاشم میں بحوالہ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۳ رقمطراز ہیں کہ جب ہم روز عاشورہ کے واقعات میں دیکھتے ہیں کہ امام حسینؑ، عباسؑ بن علیؑ سے اس وقت جبکہ لشکر آ پہنچا تھا۔ یہ فرمایا کہ ارکب بنفسی یا اخی اے میرے بھائی تجھ پر میری جان فدا ہو۔ جا کر دیکھو تو سہی کہ یہ لوگ کیوں آئے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ یقیناً عباسؑ کا درجہ ائمہ معصومین کی نظر میں اس درجہ بلند تھے۔ کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ اس کی مزید وضاحت اس چیز سے ہوتی ہے کہ آپ کے اور دیگر شہدا کربلا کے لئے زیارت جامعہ وارثہ میں فرمایا گیا ہے۔ بابی انتم و امی طبتم وطابت الارض التی فیھا دفنتم میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ تم بڑے اچھے ہو اور وہ زمین خوش نصیب ہے جس میں تم دفن کئے گئے۔ زیارت کے ان جملوں سے شہدا کربلا کی بلندی کی حد ختم ہوگئی۔ اللہ اکبر! معصوم کائنات کا یہ فرمانا کہ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ کتنا بلند جملہ ہے اس سے بڑی اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔

۴۔ کتاب مصباح المتہجد شیخ طوسی میں تحریر ہے کہ صفوان کہتے ہیں۔ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ حضور! زیارت سید الشہداء کس احترام سے کریں۔ ارشاد ہوا اے صفوان! جب زیارت کا ارادہ کرو تو تین روز قبل سے روزہ رکھو اور جب حائر میں پہنچو۔ تو کہو "اللہ اکبر کبیرا" پھر شہدائے کربلا کو

مخاطب کرکے کہو: السلام علیکم یا اولیاء اللہ ۔۔۔۔ الخ اے اولیاء خدا تم پر سلام ہو۔ امام علیہ السلام نے زیارت میں حاضر کی ضمیر اس لیے فرمائی ہے کہ یہ شہدائے اسلام راہ خدا میں شہید ہوئے اور شہدائے راہ خدا زندہ ہوتے ہیں: لاتقولو المن یقتل فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء

۵۔ حضرت عباسؑ کے بلندی مدارج کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جب آپ نے عمر بن سعد سے رات کے وقت ملاقات کی تھی۔ تو اس موقع پر آپ کے ہمراہ حضرت علی اکبر اور حضرت عباسؑ تھے۔ اور اسی طرح عمر بن سعد کے ہمراہ بھی اس کا غلام اور فرزند تھا۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۲۰ طبع بمبئی)

۶۔ اسی طرح جب روز عاشورا عورات بنی ہاشم میں شور فریاد و فغاں بلند ہوا تو حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباس سے فرمایا "ان یسکتھن" اے عباس! خیمہ میں جاؤ اور عورتوں اور بچوں کو خاموش کرو اس لئے کہ اگر دشمن رونے کی آوازیں سنیں گے تو شماتت کریں گے۔ چنانچہ حضرت عباس داخل خیمہ ہوئے۔ اور سب کو سمجھا بجھا کر خاموش کیا (قمر بنی ہاشم ص ۵۴)

۷۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے کمال اعتماد کی وجہ سے حضرت عباس کو علمدار لشکر قرار دیا تھا۔ اور آپ امتحان اکبر کے موقع پر حامل اللواء تھے۔ یہی سبب ہے کہ آپ کی شہادت سب سے بعد میں ہوئی ہے۔

۸۔ امام حسینؑ نے اس وقت جبکہ حضرت عباس اجازتِ جنگ کے لیے حاضر ہوئے فرمایا کہ اذ مضیت تفرق عسکری اے بھائی! تم کیا اجازت مانگ رہے ہو۔ ایسے میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اگر تم چلے گئے تو پھر میرا لشکر تتر بتر ہو جائے گا۔

امام حسین کا تفرق عسکری فرمانا واضح کرتا ہے کہ امام حسینؑ تنہا حضرت عباسؑ کو لشکر کے برابر سمجھے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام حسینؑ کو حضرت عباس پر کس درجہ اطمینان، اعتماد اور بھروسہ تھا۔

۹۔ حضرت عباسؑ کی حیثیت اور فضیلت کا اس سے بھی نمایاں طور پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب حضرت امام زین العابدین دفن شہداء کے لیے کربلا تشریف لائے تھے تو آپ نے دیگر شہداء کے دفن میں بنی اسد سے مدد لی تھی، اور امام حسین اور حضرت عباس کا لاشہ خود تن تنہا دفن کیا تھا۔ خود قبر میں اترے تھے۔ کسی نے کہا مولا ہم مدد کریں تو فرمایا: (ان معی من یعیننی) ان کے دفن کے لیے ہمارے پاس مددگار موجود ہیں۔ (دمعہ ساکبہ ص ۳۵۵ بحوالہ اسرار الشہادت و قمر بنی ہاشم ص ۵ بحوالہ حدیث الابقا و لشاہ عبد العظیم)

۱۰۔ حضرت عباس کے لیے یہ اہم فضیلت بھی موجود ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا شفاعت امت کے لیے انہی کے ہاتھ خدا کی بارگاہ میں پیش فرمائیں گی۔ (کتاب جواہر الایقان صفحہ ۱۹۴)

۱۱۔ حضرت فاطمہ زہرا حضرت عباسؑ کو اپنا فرزند فرمایا کرتی تھیں۔ کتابوں میں موجود ہے کہ آپ نے ایک شخص

ے خواب میں فرمایا تھا کہ تزورابنی الحسین ولا تزورابنی العباس میرے ایک بیٹے حسینؑ کی تو زیارت کرتا ہے۔ اور میرے دوسرے بیٹے عباسؑ کی زیارت کو نہیں جاتا۔ حشر میں آپ کا ارشاد ہوگا۔ کفانا الاجل هذا المقام الیدان المقطوعتان من ابنی العباس (اسرار الشہادت صفحہ ۳۲۵ طبع ایران)

۱۲۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت عباس کی مستند زیارت میں فرماتے ہیں۔ سلام اللہ وسلام ملئکتہ المقربین وانبیاء المرسلین وعبادہ الصالحین وجمیع الشهداء والصدیقین الزاکیات الطیبات فیما تغتدی وتروح علیک یابن المومنین۔ غور کرنے کی بات ہے کہ وہ امام جو اسرار قلوب اور تخیل اذہان سے واقف ہے وہ ارشاد کرتا ہے کہ عباس بن علی پر اللہ اور ملائکہ مقربین انبیاء المرسلین اور ساری کائنات کے بندوں اور دنیا کے تمام شہداء اور صدیقین کے پاک و پاکیزہ سلام ہوں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ حضرت عباس کن مدارج پر فائز تھے۔ کتاب ثمر بنی ہاشم صفحہ ۶۳ میں ہے کہ فکل هولاء یتقربون الی اللہ بالدعاء له واستنزال الرحمة منه تمام ملائکہ انبیاء، صالح بندوں اور تمام دنیا کے شہداء اور صدیقین حضرت عباس پر دعا کے وسیلے سے بارگاہ احدیث میں تقرب حاصل کرنے اور رحمت کی استدعا کرنے کے قائل ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عباس کی زیارت کے مذکورہ جملوں کو پیش نظر رکھنے کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کو پڑھا جائے تو معلوم ہو کہ حضرت عباس کا درجہ کتنا بلند ہے۔ حضرت امام حسینؑ کی زیارت میں یہ الفاظ موجود ہیں:

سلام اللہ وسلام ملائکتہ فیما تروح وتغدی والزاکیات الطاهرات لك وعلیك

سلام الملئکة المقربین والمسلمین لك بقلوبهم والناطقین بفضلك . . . . الخ

دونوں زیارات کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی نظر میں دونوں شہید بلند مرتبہ ہیں۔ (بحار الانوار کتاب المزار بحوالہ کامل الزیارت)

میرا خیال ہے کہ مساوات اسلامی میں اس سے بہتر کوئی نظیر نہیں مل سکتی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے خدمات کے پیش نظر آقا و غلام کو ایک ہی جیسا درجہ عنایت کر دیا ہے ہو سکتا ہے کہ مولانے واقعۂ کربلا میں عمل و سیرت حسینی کی رعایت کی ہو۔ اس لیے کہ امام حسینؑ نے یوم عاشورا جس زانو پر حضرت علی اکبر کا سر رکھا تھا۔ اسی زانو پر جناب حر اور دیگر غلاموں کا سر بھی رکھا تھا۔

۱۳۔ زیارت میں ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ اشهد لك بالتسلیم والتصدیق والوفاء والنصیحة میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ اے عباس تم منزل تسلیم و تصدیق اور وفا سے نصیحت پر فائز ہو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ان جملوں نے بھی حضرت عباس کی بلندی مرتبت پر روشنی ڈالی ہے۔ کیونکہ یہ منازل سالکین میں بہترین منزلیں ہیں اور جنہیں یہ منزلیں نصیب ہو جائیں ان کی بلندی مقام کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔

۱۴۔ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ لعن اللہ من جعل حقک واستخف بحرمتک ۔ خدا اس پر لعنت کرے، جس نے تمہارے حق کی پرواہ نہ کی، اور تمہارا احترام نہ کیا۔

زیارت کے اس جملہ میں حضرت عباس علیہ السلام کو منفرد اً یاد کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ جس نے تمہارے حق سے غفلت کی اس پر لعنت ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جملہ شہدائے کربلا صفائے ضمیر اور خدمات کے لحاظ سے بہت بلندی کے مالک ہیں لیکن جو درجہ کمال حضرت عباس کو حاصل تھا وہ شاید امام حسین پر قربان ہونے والوں میں اور کسی کو نصیب نہ تھا۔

۱۵۔ آپ اس زیارت میں جو حرم میں داخل ہوتے وقت پڑھی ہے۔ فرماتے ہیں: اشھد واشھد اللہ انک مضی ما مضی بہ بدرالبیون۔ ہم اور خدا گواہی دیتے ہیں کہ اے عباس تم اس طرح تحفظ اسلام کے میدان سے گزر گئے جس طرح بدر والے گزر گئے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ فرمانا واضح کرتا ہے کہ حضرت عباس نے اس وقت اسلام کی حمایت کی جب اسلام ختم ہو رہا تھا۔ کیوں کہ بدر کے مجاہدین سے مشابہت دی ہے اور جنگ بدر اس وقت ہوئی تھی جب اسلام انتہائی کمزور تھا۔ اگر بدر کے مجاہد ہمت نہ کرتے تو اسلام اپنی پہلی ہی منزل میں ختم ہو جاتا۔ لیکن انہوں نے کمال ہمت سے قربانی دے کر اسلام کو بچا لیا۔ تو جس طرح بدر میں اسلام کمزور تھا۔ اسی طرح کربلا میں بھی اسلام اختتام کی منزل تک پہنچ رہا تھا۔ اگر واقعہ کربلا نہ ہوتا اور عباس جیسوں نے کمال دلیری سے قربانی پیش نہ کی ہوتی تو اسلام رخصت ہو جاتا۔

۱۶۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: اشھد انک قد بالغت فی النصیحۃ واعطیت غایۃ المجھود فبعثک اللہ فی الشھداء وجعل روحک مع ارواح السعداء واعطاک من جنانہ افسحھا منزلاً وافضلھا غرفاً۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے نصیحت شہادت میں کمال حاصل کر لیا ہے اور بے انتہا سعی و کوشش سے جہاد کیا۔ یہی سبب تھا کہ خدا نے تمہیں شہدا میں مبعوث ہونے کا درجہ دیا ہے۔ اور تمہاری روح کو ارواح سعدا میں بلند مقام عطا کیا اور جنت میں سب سے زیادہ وسیع اور بہترین جگہ عنایت فرمائی۔ امام کے یہ جملے حضرت عباس کی خصوصی فضیلت کا پتہ دیتے ہیں۔

۱۷۔ ایک مقام پر آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ "رفع ذکرک فی علیین" اے عباسؑ تمہارا ذکر اعلیٰ علیین

میں لوگوں کی زبان پر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عباسؑ کا کیا درجہ ہے۔ اللہ اکبر اس ہستی کا کیا کہنا جس کا ذکر اعلی علیین میں موجود ہو۔

۱۸۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام (مطابق روایت مزار بحار ص۱۶۲) ارشاد فرماتے ہیں :"لعن اللہ امتہ استحلت منک المحارم و انتھک فیک حرمۃ الاسلام" خدا اس امت پر لعنت کرے کہ جس نے تمہاری عزت نہ کی اور اپنی سمجھ میں تمہیں رسوا کر کے اسلام کو ذلیل کرنے کی کوشش کی یہ ظاہر ہے کہ جس کی عزت اور جس کی ذلت اسلام کی ذلت ہو اس کا درجہ کتنا بلند ہو گا۔

۱۹۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ۱۵ رجب کی زیارت میں ارشاد فرماتے ہیں : السلام علیکم یا مھدیون۔ السلام علیکم یا طاھرون من الانس اے کربلا کے ہدایت یافتہ شہیدو اتم پر میرا سلام ہو اور اے گناہوں سے پاک و پاکیزہ تم پر میرا سلام ہو۔ اس زیارت کا آخری جملہ عصمت کی طرف اشارہ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض علمانے دیگر بے شمار فضائل کے حوالہ سے حضرت عباس کو معصوم قرار دیا ہے۔

۲۰۔ حضرت صاحب العصر امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام زیارت ناحیہ مقدسہ میں نہایت شد و مد سے ذکر کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے السلام علی ابی الفضل العباس بن امیرالمومنین المواسی اخاہ بنفسہ ابوالفضل العباس بن علی امیرالمومنین پر سلام ہو جنہوں نے کربلا میں اپنے بھائی پر جان نثار کر دی اور پانی کی طلب میں اپنے دونوں ہاتھ قربان کر دیئے۔ (شفاء الصدور شرح زیارت عاشورہ۔ ص۱۱۱ طبع بمبئی)

مجاہدین اسلام میں حضرت عباس کی حیثیت

ہر مجاہد مجاہد ہے۔ ہر جانباز جانباز ہے اور ہر شہید شہید ہے لیکن ان میں بھی مدارج ہیں۔ بدر و احد میں شہید ہونے والے۔ خیبر و خندق میں جام شہادت پینے والے۔ جنگ موتہ اور دیگر جہادوں میں جان دینے والے یقیناً شہید ہیں۔ اور حیات ابدی حاصل کر کے خدا سے رزق پاتے اور آرام سے دن گذارتے ہیں۔ لیکن ان شہدا میں سید الشہدا حضرت حمزہ اور جنت میں پرواز کرنے والے حضرت جعفر طیار کا کچھ اور درجہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ خصوصی شہداء بلند درجہ کے شہدا ہیں۔ ان کی قدر اور منزلت کوئی پیغمبر اسلام سے پوچھے۔ ان کے حالات کوئی سرور کائنات سے پوچھے تو معلوم ہو کہ خدا نے ان شہدار کو کیا درجہ عطا کیا ہے لیکن یقین کرنا چاہیئے کہ حضرت امام حسین نے اپنے مٹھی بھر جانبازوں کو کربلا میں لا کر تمام دنیا کے شہدار سے بلندی دے دی ہے آپ نے بار بار فرمایا ہے کہ خدا کی قسم جیسے اصحاب مجھے ملے ہیں نہ میرے نانا کو نصیب ہوئے نہ بابا جان کو ملے۔ نہ بھائی حسن کے ہاتھ آئے اس کی مزید تصدیق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے قول سے ہوتی ہے۔ آپ زیارت میں ارشاد فرماتے ہیں : انتم سادۃ الشھداء فی الدنیا والآخرہ " اے شہیدان کربلا تم دنیا و آخرت میں تمام

شہدائے عالم کے سردار ہو۔ پھر فرماتے ہیں۔ یہ وہ ہیں۔ لم یسبقھم سابق ولا یلحقھم لاحق کہ اتنے بلند درجہ کے شہداء نہ پہلے گزرے ہیں اور نہ آئندہ گزریں گے۔ اب غور کرنا چاہیے۔ کہ دنیا میں کیسے کیسے شہداء گزر چکے ہیں اور کتنی بڑی ہستیاں جام شہادت نوش کر چکی ہیں۔ جناب یحییٰ بن زکریا کی شہادت حزقیل پیغمبر کی شہادت کے کارنامے دیکھئے، رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ کسی کو درخت کے اندر آرے سے چیر ڈالا گیا کسی کو دیگ میں بند کر کے ابال دیا گیا۔ غرضیکہ نہ جانے کس کس انداز سے شہادتیں واقع ہوئی ہیں۔ مگر اللہ رے کربلا کے شہداء کہ انہیں دنیا کے شہیدوں پر فضیلت دی جا چکی ہے۔ سوچنے کی چیز ہے کہ اس فضیلت عامہ کی وجہ کیا ہے۔ قطع نظر اس سے صرف یہ دیکھئے کہ امام حسینؑ کے ساتھیوں نے جس دلیری اور بہادری سے جانیں دی ہیں، اور جذبۂ شہادت سے کام لیا ہے۔ شاید وہی انہیں عالم کے شہداء میں ممتاز کرتا ہو۔ یہ معمولی بات نہیں ہے کہ چھوٹے بڑے، بوڑھے اور جوان سب میں یکساں جذبۂ شہادت کارفرما تھا۔ استاذی العلام مولانا سید عدیل اختر صاحب قبلہ ایک ریڈیائی تقریر میں فرماتے ہیں۔ اب ذرا آج کی رات تاریخ کے سہارے کربلا کا منظر دیکھئے۔ ایک طرف کم سے کم تیس ہزار کی یزیدی فوج ہے۔ سیراب فوج۔ عیش و طرب کے نشے میں چور اطمینان کے ساتھ اپنی رنگ رلیوں میں مصروف ہے۔ دوسری طرف صرف بہتر مددگار جن میں کچھ از کار رفتہ بوڑھے، چند نوجوان، کچھ کم سن اور یتیم بچے ہیں۔ بلکہ ایک تو صرف چھ مہینے کا مجاہد ہے۔ ان کو صرف رات بھر کی مہلت عبادت و دعا کے لیے یزیدیوں نے بڑی مشکل سے دی ہے۔ کربلا کا ہیرو سید الشہداء اپنی اس چھوٹی سی جماعت کو اکٹھا کرتا ہے۔ تین دن کے بھوکے پیاسے زندگی سے۔ یہ زہراؑ کے چاند کو ستاروں کے جھرمٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ نبی و علی کے مطمئن دل کے ساتھ حسینؑ خدا کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ دنیاوی لڑائی لڑنے والے اپنے طرفداروں کی تعداد بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں برخلاف اس کے حسینؑ بعد حمد و ثنا اپنے ساتھیوں میں ہر شخص کو موقع دیتے ہیں کہ وہ چلا جائے اور یہ فرماتے ہیں کہ دیکھو! یہ رات کا وقت ہے۔ موقع اچھا ہے اپنی جانیں بچا لو۔ یزیدی تو صرف مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر میں ان کو مل گیا تو پھر وہ کسی کی تلاش نہ کریں گے۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جو عہد تم نے مجھ سے کیا ہے میں نے اس کو بھی معاف کر دیا۔ تمہیں کوئی گناہ بھی نہ ہوگا۔ لیکن بھلا

حسینؑ کے ساتھیوں کا سا چشم فلک نے کاہے کو دیکھا ہے سب نے یک زبان ساتھ چھوڑ دینے سے انکار کر دیا۔ اور ساتھ رہ کر جان دینے کا اقرار و اصرار کیا۔ حسینؑ نے یہ خبر سنائی کہ کل ہم سب قتل کر دیئے جائیں گے۔ فوراً یتیم قاسم (جن کا سن بہت ہی کم تھا) بول اٹھے میرا نام بھی فہرست شہادت میں ہے نا۔ یہ سن کر حسین علیہ السلام کو بچے کی کم سنی کا خیال ہوا۔ فوراً جواب دینا مناسب نہ سمجھ کر فرمایا: "کیوں بیٹا! تمہارے نزدیک موت ہے کیا چیز؟" یتیم بچے

نے عرض کیا۔ "چچا جان! موت شہد سے زیادہ میٹھی چیز ہے۔" اب امام حسینؑ کو کیا جھجک تھی فرمایا "بیٹا! چچا تجھ پر قربان، تیرا نام بھی فردِ شہداء میں موجود ہے۔ بلکہ کل تو میرا شیرخوار بچہ بھی ذبح کر ڈالا جائے گا۔" اور وہی ہوا جو سیدنا امام حسینؑ نے فرمایا تھا۔ حسین علیہ السلام کے چھوٹے چھوٹے بچے دادِ شجاعت دے کر شہید ہوگئے۔ خدا کی قسم جذبہ شہادت اور خدمت اسلام کے سلسلے میں جان دینے کی حلاوت میں تین دن کے پیاسے بہادروں نے دشمنانِ اسلام کا اس طرح مقابلہ کیا کہ دنیا لوہا مان گئی ؎

حوصلہ تھا یہ جوانانِ حسینی کا فقط
ورنہ لاکھوں سے بہتر کی لڑائی کیسی

الغرض اس جذبہ شہادت اور شوق خدمت اسلام نے ایسے وقت میں جبکہ اسلام کا نام دنیا سے مٹ رہا تھا۔ ان کی سچی قربانی کی وجہ سے انہیں ایسی بلندی دے دی کہ یہ ساری کائنات کے شہداء میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ اور ان کی یادگار تاریخ انسانیت میں جلی حرفوں سے لکھی ہوئی قائم ہے۔

میں سچ کہتا ہوں کہ غلط جان گنوانے والوں کا ذکر ہی کیا۔ "تاریخ عالم میں جام شہادت پینے والوں کی بھی کمی نہیں بلکہ خاص اسی خطہ پر جو کبھی بابل اور نینوا کے نام سے پکارا جا چکا ہے اور آج کربلا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حسین علیہ السلام سے پہلے خدا کے کتنے نیکوکار بندوں کا خون بہ چکا ہے مگر ان کے تذکرے اس طرح مٹ گئے۔ گویا وہ حوادث کبھی رونما ہی نہ ہوئے تھے۔ وہ اس طرح سہو و محو ہوگئے دماغوں کے خزانوں تک میں محفوظ نہ رہ سکے۔ زبانوں تک آنا یا ان کی یاد منانا کیسا؟ اصل یہ ہے کہ واقعات میں جتنی اہمیت اور جاذبیت ہوتی ہے۔ ان کا اثر بھی اتنا ہی گہرا ہوتا ہے اور ان کی عمر بھی اتنی ہی بڑھ جاتی ہے کبھی قصوں کو دہرانے، سننے، سنانے کی آزادی ہوتی ہے پھر بھی وہ دور تک نہیں چل سکتے اور کبھی اظہار واقعہ پر ہزاروں پابندیاں عائد کی جاتی ہیں لیکن وہ زبان زد خلائق ہو کر دائمی زندگی پاجاتے ہیں۔ جناب آدمؑ نے ہابیل کے مرنے پر خود بھی بڑا جزع و فزع کیا۔ تاریخ و سیر بتلاتی ہے کہ آپ نے مرثیہ کہہ کر حضرت شیث سے وصیت کی کہ ان کو یاد کریں اور ان لوگوں تک پہنچا دیں کہ یہ بات بطور میراث نقل ہوتی رہے اور لوگ سنتے اور روتے رہیں چنانچہ آپ کی فرمائش کے مطابق آپ کی اولاد جیسا کہ مشہور ہے۔ اس مرثیہ کو نسلاً بعد نسلٍ ایک دوسرے تک پہنچاتی رہی۔ یہاں تک کہ یعرب ابن قحطان تک پہنچ کر اسی مرثیہ نے سریانی سے عربی لباس اختیار کیا۔ اب صرف کتابوں میں باقی ہے اور بس لیکن شہیدانِ کربلا نے نینوا کی چٹانوں پر اپنے خون سے کچھ ایسی تصویریں کھینچی ہیں، جن کی رنگینی

نے عالم کو اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے۔ چھپانے مٹانے کی کوششوں کے باوجود یزیدیت کامیاب تو کیا ہوتی۔ خود فنا کے گھاٹ اُتر گئی۔ اور حسینی یادگار زندہ و پائندہ ہو گئی جوں جوں زمانہ گذرتا گیا حسینی جانثاروں کا نقش وفا ابھرتا اور ان کی خوش کرداری کے چہرے کا رنگ نکھرتا گیا۔ گنتی میں تو شہیدان کربلا ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادے نظر آتے ہیں لیکن جب ذرا غور سے دیکھا جائے تو سوار بھی عجیب اور پیادے بھی نرالے نظر آتے ہیں۔ حسینی فوج کے سواروں میں ایسے کم عمر بچوں کا بھی شمار ہے۔ جو خود گھوڑوں پر سوار نہ ہو سکے بلکہ کسی دوسرے نے انہیں گھوڑوں پر سوار کرایا ہے۔ اور پیادوں میں ایسے نونہال بھی ہیں جو بہادری سے تڑپ کر تلوار کا وار بے کھٹکے اپنے ہاتھ پر روکتے تو ہیں۔ مگر بمقتضائے سن منھ سے "یا اماہ" اے میری ماں کی فریاد بلند ہو جاتی ہے۔ صاحبان اولاد ایک اور مجاہد باقی ہے اس کو کس صف میں رکھا جائے۔ پیادہ کہوں کہ سوار۔ جو ماں کی گود سے باپ کے ہاتھوں پر آتا ہے اور دودھ کے بدلے تیر کی باڑھ سے اپنی پیاس بجھاتا ہے۔ شہیدان کربلا پر ہماری جانیں نثار۔ جو اپنی بے مثال وفاداری کے سبب تمام حق پرستوں کی محبت کا مرکز بن گئے جنہیں حبیب خدا کے محبوب فرزند نے بجا طور پر یہ خطاب عنایت فرمایا کہ میں اپنے اصحاب سے زیادہ وفادار اور بہتر و برتر کسی کے اصحاب کو نہیں پاتا۔ تاریخ عالم پر نظر ڈالیے۔ آپ پر حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ اور آپ تصدیق کریں گے کہ واقعاً شہیدان کربلا یعنی امام حسینؑ کے سے اصحاب کسی کو نہیں مل سکے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض کو بعض ملے اور بہت ہی اچھے ملے۔ مگر کسی کو کل نہ ملے۔ اور پھر کربلا کی کڑیاں جھیلنے کا تو دنیا میں نمونہ ہی نہیں۔ اگر کسی کے لیے ایسا ہوتا تو نہ جانے جو ملے تھے وہ بھی کیسے ثابت ہوتے۔ جناب مسیح کو گرفتار کرنے والے حواری اور صحابی کا تذکرہ موجود ہے۔ صرف ایک رات میں تین بار شک کرنے والے کا بھی ذکر مذکور ہے خود سرور عالم کے اصحاب کے لیے قرآن مجید کی آیتیں کافی ہیں۔ احادیث بھی پکار رہی ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے۔ نہ جانے تم لوگ میرے بعد کیا کرو گے۔ حضرت علیؑ کو تمنا رہ گئی۔ کاش ۴۰ چالیس صاحبان ہمت مل جاتے۔ امام حسن علیہ السلام کو تو ایسوں سے واسطہ پڑا جنہوں نے آپ پر ہی حملہ کر دیا لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حسینؑ کے اصحاب خیر و وفا میں سب سے آگے نکل گئے۔ اس شرف سے قسام ازل نے حسینؑ کو مخصوص کر دیا۔ شہیدان کربلا کا یہ حصہ ہو گیا کہ آزاد سے غلام تک مردوں سے عورتوں تک، بڈھوں سے جوان تک کمسنوں سے شیر خواروں تک اور مجھے کہنے دیجئے کہ انسانوں سے لے کر اونٹوں اور گھوڑوں تک اپنی اپنی صنف اور سن کے ایسے

ایسے نمونے بن گئے جن کی نظیریں غیر معصوم اور دنیاوی اقتدار والوں کو تو کیا نصیب ہوتیں۔ روحانیین کا خزانہ بھی ایسے وفادار خوش رو جواہر آبدار سے خالی نظر آتا ہے شہیدان کربلا میں کسی ایک کے حالات بھی پورے پورے عرض نہیں کیے جا سکتے۔ ان میں کا ہر ایک بزرگ جہاں فضائل کا مالک ہے۔ بنی ہاشم تو بنی ہاشم تھے۔ اوروں کی طرف نظر اٹھایئے تو معلوم ہوگا۔ کہ حق کا ساتھ اور باطل سے کنارہ کشی ان کی نگاہوں میں کتنی اہم اور عزیز تھے۔ زہیرؓ بن قین کے نصائح آج بھی موتیوں میں تولنے کے قابل ہیں۔ حبیب و حنظلہ کی ہدایات مشعل راہ ہیں۔ ادھر یزیدی فوج میں دنیا اپنی تمام راحتوں دلچسپیوں، بناؤ سنگار سمیت دلربائی میں مصروف ہے۔ ادھر حسینؑ اور ان کے گنے چنے ساتھی ہیں فرات کے کنارے پر ہوتے ہوئے تین دن سے پانی بند ہے کسی اور راحت کا تو وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا جلتی ریت۔ تپتا بن۔ دشمن کی ٹڈی دل فوج، جدھر دیکھئے، خون کے پیاسے، دشمنوں کے نیزے تلواریں۔ تیر و تبر نظر آتے ہیں، بار بار انہیں حسینؑ کا ساتھ چھوڑنے کے لیے طرح طرح کے لالچ دلائے جاتے ہیں۔ ساتھ دینے والوں کو موت کے گھاٹ اتار دینے کی دھمکی دی جاتی ہے۔ عیال و اطفال کی اسیری اور بربادی کا خوف دلایا جاتا ہے۔ مگر خوف و ہراس کے بدلے حسینؑ کے ساتھی نہایت خندہ پیشانی سے مشکلوں کا استقبال کرتے اور یزیدیوں کی پیشکش کو نہایت نفرت اور حقارت سے ٹھکرا دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک جان و نثار زہیرؓ بن قین بھی ہیں۔ جو شمر سے بے باکانہ فرماتے ہیں "خدا کی قسم ہمیں حسینؑ کی رفاقت میں مرنا تم لوگوں کے ساتھ زندہ رہنے سے زیادہ محبوب ہے۔"

اس کے علاوہ حق و ایمان کی حمایت کا یہ غیر فانی کارنامہ بھی آب زر سے لکھا جانے کے قابل ہے کہ ایک ماں اپنے نوجوان فرزند کو جس کی شادی صرف سترہ دن پہلے ہوئی ہے۔ حسینؑ پر قربان ہونے کے لیے خود تاکید کرتی ہے۔ اور جب وہ داد جوانمردی دے کر میدان جنگ سے واپس آتا ہے اور پھر پوچھتا ہے کیوں مادر گرامی! اب تو مجھ سے خوش ہوئیں تو ماں یہ کہہ کر ذلیں بھیج دیتی ہیں کہ میں تو اس وقت خوش ہوں گی۔ جب تم حسینؑ پر جان دے کر میرے پاس لائے جاؤ گے۔ سچ ہے ؎

شہیدان حسینی کو جو دیں تشبیہ، کس سے دیں
کہاں سے ڈھونڈھ کر لائیں مثال ان بے مثالوں کی

غرضکہ کربلا کے مجاہدوں کی نظیر ناممکن ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان مجاہدوں میں بھی اٹھارہ بنی ہاشم کو دیگر شہدا میں امتیاز حاصل ہے علامہ حسین واعظ کاشفی اپنی کتاب روضۃ الشہدا کے صـ۶ طبع بمبئی ۱۲۸۵ھ میں بحوالہ کتاب مراۃ الجنان امام یافعی لکھتے ہیں کہ: در واقعہ

کربلا شانزدہ کس از اہل بیت بابی عبداللہ الحسینؑ شربت شہادت چشیدند کہ درآں روز بر روئے زمین ایشاں را شبیہ و نظیر نہ بود۔" واقعہ کربلا میں شہید ہونے والے بہادروں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ایسے اٹھارہ نفوس بھی تھے۔ کہ جن کی نظیر اس زمانہ میں روئے زمین پر نہ تھی۔ گویا اس وقت کائنات عالم میں امام حسینؑ کے علاوہ اسی طرح افضل تھے۔ جس طرح آنحضرتؐ کے علاوہ ان کے اہل بیت ساری کائنات حتیٰ کہ انبیائے کرام سے بہتر تھے۔ اب ان بنی ہاشم میں بھی دیکھا جائے تو قمر بنی ہاشم کو فضیلت نظر آتی ہے۔ آپ کے لیے امام حسینؑ یہ کہتے دکھائی دیتے ہیں "بنفسی انت" میں آپ پر فدا ہو جاؤں۔ (المواعظ والبکا رص۱۱۱) اور جب شہادت واقع ہو جاتی ہے تو الان انکسر ظہری اے عباس! تمہاری شہادت سے میری کمر ٹوٹ گئی۔ اور شہادت سے پہلے ان کے وجود کو پورے لشکر کے برابر قرار دیتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون سے وہ ایسے اسباب ہیں جن کی وجہ سے قمر بنی ہاشم حضرت عباس علیہ السلام میدان شہادت میں تمام فلک رفعت شہیدوں سے سبقت لے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں جہاں تک میں سمجھا ہوں، وہ یہ ہے۔ کہ حضرت عباسؑ میں کچھ ایسی خصوصیت قدرت نے ودیعت کی تھی، جو دوسرے شہدائے کربلا کو نصیب نہیں ہو سکی تھی۔ مثلاً

۱۔ آپ کی پیدائش کی علت غائی صرف اسلام کی خدمت ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؑ کی تمنائے ولادت سے ظاہر ہے۔

۲۔ آپ کو خدا نے عالم زمانہ بنایا تھا۔ آپ عالم غیر متعلم ہونے کے باوجود حضرت علیؑ جیسی ہستی سے کسب علم کیے ہوئے تھے۔

۳۔ آپ معصوم یا محفوظ تھے آپ سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔

۴۔ آپ عبد صالح تھے۔

۵۔ آپ فقیہ کامل تھے۔

۶۔ آپ حضرت فاطمہ زہراؑ کے منہ بولے فرزند تھے۔

۷۔ آپ میں امامت کی صلاحیت موجود تھی۔

۸۔ آپ یقین محکم اور عزم کامل رکھتے تھے۔

۹۔ آپ کی خدمات تمام شہدا سے زیادہ نمایاں اور اہم تھیں۔ اس کے علاوہ آپ کی خصوصیات میں یہ بھی تھا کہ آپ "قمر بنی ہاشم" تھے یعنی جس طرح حضرت علیؑ بفاد آیہ والشمس وضحٰھا والقمر اذا تلٰھا قمر امامت تھے۔ اور حضرت کے والد ماجد جناب عبد مناف قمر البطحیٰ اور سرکار دو عالم حضرت محمدؐ

مصطفےٰ کے والد بزرگوار موحدِ کامل جناب عبداللہؑ "قمر الحرم" تھے۔ اسی طرح حضرت عباسؑ "قمر بنی ہاشم" تھے۔ آپ کے متعلق مورخین لکھتے ہیں کہ ان عباس بن علی کان رجلاً وسیماً جمیلاً یقال له قمر بنی هاشم لحسنه وبهائه مقتل عوالم ص ۹۴۔ حضرت عباس علیہ السلام اپنے حُسن وجمال اور خوش رُوئی کے کمال کی وجہ سے "قمر بنی ہاشم" کہے جاتے تھے

رئیس الشجعان | اور آپ تمام بہادروں کے سردار تھے۔ کوئی بہادر بھی ایسا نظر نہیں آتا جو صفت شجاعت میں حضرت عباسؑ سے بلند حیثیت رکھتا ہو۔ کان رئیس الشجعان آپ شجاعانِ عالم کے سردار تھے۔ (ناسخ التواریخ۔ جلد ۶ صفحہ ۲۸۹)

سید الفرسان | اور حضرت عباس علیہ السلام شہسواران کائنات کے سید و سردار تھے۔ بہت بلند قامت نہایت ہی وسیم و شجیع تھے۔ کان سید الفرسان یرکب الفرس المطهم ورجلاه یخطان فی الارض آپ سید الفرسان تھے۔ دور کا بے گھوڑے پر آپ جب سوار ہوتے تھے تو آپ کے قدم زمین پر خط دیتے جاتے تھے (تحفہ حسینیہ ص ۱۰۶)

علمدار کربلا | آپ علمدار لشکر حسینی تھے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو علمدار ہوتا ہے اسے دیگر افراد لشکر سے فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ جنگِ کربلا کا ایک علم حبیب ابن مظاہر کے ہاتھوں میں تھا لیکن اعطی رایته اخاه العباس حضرت امام حسین علیہ السلام نے لشکر کا سب سے بڑا علم حضرت عباسؑ کو عنایت فرمایا تھا۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۳ ص ۹۷)

وفادار اعظم | حضرت عباس علیہ السلام کان اوفی وابر من اهلبیت الحسینؑ سب سے زیادہ وفادار اور نیکی کرنے والے تھے۔ یعنی امام حسینؑ اور ان کے اہلبیت کے لیے تمام شہداء سے زیادہ وفا شعار اور فرماں بردار تھے۔ (ماتین فی مقتل حسین ص ۴۳۷)

افضل الشہداء | حضرت عباس علیہ السلام تمام شہداء میں افضل[1] تھے۔ حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں۔ یا افضل الشهداء یا بن المرتضیٰ صلی علیک الله کل اوان۔ اے افضل الشہداء عباسؑ

---

[1] یہ لقب حضرت امام حسینؑ کا تھا جیسا کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے قول سے مستفاد ہوتا ہے۔ راوی حدیث ربیع بن فضیل ابن سنان کہتا ہے کہ میں نے حضرت صادق آل محمدؑ سے زیارت کے سلسلے میں پوچھا کہ ای قبور من قبور الشهداء افضل عند کم۔ آپ کے نزدیک قبور شہداء میں کس قبر کو فضیلت حاصل ہے۔ فرمایا افضل الشهداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر کو۔ جس پر چالیس ہزار ملک قیامت تک مظاہرہ غم کرتے رہیں گے۔ (جامع الاخبار ص ۲۰۔ وغنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانی) پھر امام حسین علیہ السلام نے اس لقب کو حضرت عباسؑ کو تفویض کر دیا۔ جیسا کہ معالم الزلفی وغیرہ سے ظاہر ہے۔

بن علی مرتضیٰ تم پر خدا ہر وقت رحمت نازل فرمائے۔ (معالم الزلفی صـ۱۲۶ طبع ایران)

سقائے حرم حضرت عباس نے جس تندہی، جانفشانی اور محنت و مشقت سے اہل بیت حسینؑ کے لیے پانی فراہم کرنے کی سعی کی ہے اور جس جس مشکل سے پانی حاصل کیا وہ کسی اور سے نہیں ہو سکی آپ نے اس سلسلہ میں بہت کافی دوڑ دھوپ کی اور بتعدد کنوئیں بھی کھودے ہیں "یلقب السقاء لانه استقی الماء لاخیه الحسین یوم الطف" آپ کا لقب سقا اس لئے تھا کہ آپ نے کربلا میں حسینؑ اور ان کے اہلبیتؑ کے پوری جانفشانی کے ساتھ فراہمی آب کے لیے جوہر شجاعت دکھائے ہیں۔ (عمدۃ المطالب، مقتل عوالم صـ۹۴۔ منہج المقال فی احوال الرجال قلمی)

کمال عبادت گذاری حضرت عباس علیہ السلام کو عبادت خداوندی میں بڑا شغف حاصل تھا۔ آپ عابد شب زندہ دار تھے۔ کان بین عینیه اثر السجود لکثرة عبادة الملك العلام آپ کی پیشانی پر کثرت سجود کی وجہ سے نشان سجدہ نمایاں تھا۔ (تحفہ حسینیہ صـ۱۷۵ طبع ایران)

مبشر بالشجاعت آپ کو خدا نے وہ شجاعت عطا کی ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ مورخ لکھتے ہیں کہ آپ مبشر بالشجاعت تھے۔ یعنی حضرت محمد مصطفےٰ نے آپ کی ولادت سے پہلے شجاعت کی بشارت دی ہے۔ علامہ کنتوری لکھتے ہیں: اما شجاعته فقد دری بعض علماء الانساب من اهل السنة انها کانت مبشرة علی لسان المخبر صادق الامین آپ کی شجاعت کے بارے میں بعض علمائے اسلام لکھتے ہیں کہ ان کی شجاعت کی مدح سرائی زبان رسالت مآب پر جاری ہو چکی ہے پھر فرماتے ہیں۔ لاسیماء انه مبشر بالشجاعت قبل میلادہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بڑی خصوصیت ہے کہ آپ کی شجاعت کی بشارت ولادت سے پہلے دی گئی ہے۔ پھر فرماتے ہیں ولم یکن احد من الشهداء الذین استشهد وا فی الطف فائزًا الی تلک الدرجة کہ اس عظیم درجہ پر کربلا کے شہدا میں سے کوئی بھی فائز نہ تھا۔ (مائتین فی مقتل حسین صـ۳۴۵ طبع لکھنؤ)

عبید الحسین حضرت عباس بلند ترین شخصیت کے مالک ہونے کے باوجود کمال وفاداری کے جذبہ میں اپنے کو امام حسینؑ کا غلام فرما رہے ہیں۔ اس جگہ جہاں آپ کی کمال انکساری ظاہر ہوتی ہے۔ ممدوح کی بلندی مقام کا پتہ بھی چلتا ہے آپ فرمایا کرتے تھے انا عبد من عبید الحسین میں حسینؑ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں۔ (المنجد صـ۳۲۶ میں ہے کہ عبد اس کو کہتے ہیں کہ لزمه ولم یفارقه جو ہر وقت ساتھ رہے اور کبھی ساتھ نہ چھوڑے۔ من کان خالص العبد جس میں بندگی کا خلوص ہو۔ لغات سروری صـ۴۱ میں ہے۔ کہ عبد، بندہ، غلام، تابعدار، خدمت گزار کو کہتے ہیں۔

حضرت عباسؑ کا امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ ہونا اور ان کا اپنے کو غلام فرمانا بالکل ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؑ حضرت محمد مصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہمراہ بچپن سے رہے اور ہمیشہ فرمایا کئے "انا عبد من عبید محمد" میں محمدؐ کا ایک غلام ہوں۔ (کتاب ماتیین صفہ ۴۴) حضرت عباسؑ کے متعلق حضرت امام حسین علیہ السلام فرماتے تھے ؎

اپنے کو غلام اور مجھے آقا سمجھے
اس تیری وفا کے ہوں میں قربان علمدار

کثیر البطش | حضرت عباس علیہ السلام میں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ بڑے زبردست حملہ آور اور بہادر تھے (لغات کشوری صفہ) علامہ کنتوری لکھتے ہیں : ان العباس کثیر البطش قوی النقمہ لایغادر من اساء الیہ اوالیٰ اخیہ الا وینلقم منہ۔ حضرت عباس بڑے دبدبے اور رعب والے بزرگ ہیں۔ وہ انتقام لینے میں کسی بے ادب گستاخ کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتے تھے۔ آپ کا طریقہ تھا جو آپ یا آپ کے بھائیوں کے ساتھ گستاخی کرے اس سے بدلہ ضرور لیتے تھے۔ (ماتیین صفہ ۲۶۴) مثال کے لیے ملاحظہ ہو کتاب "طوفان بکا" شعلہ چہارم ایران ۱۳۱۴ھ میں ہے۔ کہ معاویہ نے حضرت امام حسنؑ کو شہد میں زہر دلایا۔ آپ نے نانا کے روضہ پر دعا کی۔ شفا پائی۔ پھر خرمہ میں زہر دیا۔ آپ بچ گئے لیکن طبیعت خراب رہنے لگی۔ آپ تبدیلی آب و ہوا کے لیے حضرت عباسؑ کو ہمراہ لے کر موصل تشریف لے گئے اور ایک محب آل محمدؐ کے ہاں مقیم رہے۔ کچھ دنوں بعد وہ معاویہ کے پھندوں میں آگیا۔ اور اس سے بھی حضرت کو زہر دلوایا مگر اس مرتبہ بھی اللہ نے آپ کو بچا لیا۔ ایک اور شخص نے آپ کو شہید کرنے کا یہ راستہ نکالا کہ اپنے عصا کی انی کو زہر میں بجھا لیا۔ جب امام علیہ السلام نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے برآمد ہوئے اس بیرون در چھپے ہوئے شخص نے اسے آپ کے پیر میں چبھو دیا۔ آپ اس کی اذیت سے بے ہوش ہو گئے۔ اصحاب نے اُسے گرفتار کر لیا۔ آپ نے سزا دینے سے روکا۔ کچھ دنوں بعد زہر نے زور کیا۔ اور طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ ایک ہوشیار جراح نے زخم سے زہر کھینچ لیا اور آپ مرنے سے بچ گئے ایک دن حضرت عباسؑ نے اُسے موصل سے باہر جاتے ہوئے دیکھا۔ اس سے عصا چھین کر اسی کے سر پر مارا کہ اس کا سر شگافتہ ہو گیا۔

معذب القاتل | حضرت عباس علیہ السلام کی ایک خصوصیت اور صفت یہ بھی تھی کہ آپ کو خدا کی طرف سے بھی ، اختیار دیا گیا تھا کہ جو آپ کو یا آپ کے بھائی حسینؑ کو ستائے یا ان کے ساتھ

کوئی بُرائی کرے۔ اُسے آپ سزا دیں۔

علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ:

میں یقین سے کہتا ہوں کہ ایسی روائیتوں میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ جن میں یہ ہے۔ کہ حضرت عباسؑ خدا کی طرف سے ان لوگوں کو سزا دینے کی قدرت رکھتے تھے۔ جو آپ کے ساتھ یا امام حسین علیہ السلام کے ساتھ بُرائی کریں۔ نیز آپ کو یہ بھی قدرت دی گئی تھی۔ کہ آپ اپنے قاتل کو اس کی زندگی بھر روزانہ عذاب میں مبتلا رکھیں۔ جیسا کہ آپ نے اپنے قاتل ابان بن دارم وغیرہ کے ساتھ کیا۔ وہ زندگی بھر روزانہ عذاب جہنم میں مبتلا ہوتا رہا۔ جس کی سبب سے رات بھر چیختا چلاتا رہتا تھا۔ بالآخر روسیاہ ہو کر مرگیا۔

علامہ لکھتے ہیں کہ:

هي كرامة خاصة لايدانى العباس احد من هولاء الشهداء

یہ وہ کرامت خاصہ ہے جس میں شہدائے کربلا کا کوئی شہید عباسؑ سے مساوی نہیں ہو سکتا۔ (ذ بتین ص۴۶۴ طبع لکھنؤ)

مقصد یہ ہے کہ ساری دُنیا کے جان دینے والوں میں شہیدانِ اسلام کو اور تمام شہداء میں شہدائے کربلا کو اور شہدائے کربلا میں بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں امام حسینؑ کے بعد حضرت عباس کو فضیلت حاصل ہے ۔

ولوئی الفت کا ہر ذرہ یہ دیتا ہے صدا
حضرت عباس ہیں خضرِ بیابانِ وفا (کاملِ کراروی)

معرکۂ کربلا کا تاریخی پس منظر

حق و باطل کی جنگ

اور

حضرت عباسؑ کی خدمات

شبیرؑ نے طے منزلِ تسلیم و رضا کی
عباسؑ نے ہر خدمت شاہِ شہدا کی

ہر واقعہ، ہر معرکہ، ہر تنازع، ہر جنگ، ہر رسہ کشی اور ہر کشمکش کوئی نہ کوئی پس منظر رکھتی ہے جو واقعہ رونما ہوگا۔ اور جو معرکہ ظہور پذیر ہوگا۔ یقیناً اس کی تہ میں کوئی نہ کوئی بنیادی راز پنہاں ہوگا۔ اور اس کا اظہار و شہود کسی نہ کسی غرض کے ماتحت عمل میں آیا ہوگا۔ واقعہ کربلا جو تاریخ اسلام ہی نہیں بلکہ تاریخ عالم کا ایک عظیم واقعہ ہے۔ اس کے پس منظر کے پیش نظر عرض ہے کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس طرح ہر نبی، ہر پیغمبر اور ہر رسول سطح ارض پر فریضہ تبلیغ کی ادائیگی کے لیے مامور ہو کر آیا۔ اور اُسے مادر گیتی کی آغوش میں ہدایت کا چراغ جلانا حکم خداوندی رہا۔ اسی طرح پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ترویج اسلام اور تبلیغ احکام کے لیے مامور تھے۔ آپ اگرچہ سنہ عام الفیل میں پیدا ہوئے اور آپ

کا عہد ولادت وہ تھا جس میں کُفر کی تاریکیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ جہالت کی مشعلیں ہر طرف بھڑک رہی تھیں۔ اور بظاہر تبلیغی اقدام کی فوری ضرورت تھی۔ لیکن آپ نے سنہ ۴۰ عام الفیل تک کھلی ہوئی تبلیغ کی سلسلہ جنبانی نہیں فرمائی۔ تاریخ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے نہ شکست ہونے والے بازو کی توانائی اور اپنے نور وجود کے دوسرے ٹکڑے کا انتظار تھا۔ آپ چاہتے کہ تبلیغ شروع کروں تو اتنی طاقت کے ساتھ شروع کروں کہ کہیں جھول نہ پیدا ہو جائے۔ اور ایسا کیرکٹر پیش کروں کہ موقعے پر کہہ سکوں کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب رکھ دیا جائے یعنی دنیا کا نصف حصہ سونے کا اور نصف حصہ چاندی کا میرے لیے بنا دیا جائے تب بھی تبلیغی سرگرمیوں سے باز نہ آؤں گا۔ چنانچہ وہ وقت آگیا۔ سنہ ۳۰ عام الفیل میں حضرت علیؑ پیدا ہوئے اور سنہ ۴۰ ف تک آپ کے عہد طفولیت پر شباب آگیا۔ آپ کے بازوؤں میں توانائی اور کلائیوں میں زور اور پنجوں میں طاقت آگئی اور پیغمبر اسلام کو یقین ہوگیا کہ اسد اللہ میں شمشیر زنی کی تاب پیدا ہوگئی ہے۔ تو آپ تبلیغ کی طرف متوجہ ہوئے۔ حکم خدا آپہنچا۔ انذر عشیرتک الاقربین اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ آپ نے حکم خداوندی کے مطابق ایک اجتماع منعقد کیا۔ جو آپ کے گراہ عزیزوں پر مشتمل تھا اجتماع کی تکمیل پر آپ نے تقریر فرمائی۔ لوگوں نے آنحضرتؐ کو بات تک نہ کرنے دی اور سخت اختلاف و انتشار پیدا کر دیا۔ دوسرا دن آیا آپ نے پھر دعوت اجتماع دی۔ وہی لوگ پھر جمع ہوئے آپ نے تقریر سے پہلے فرمایا۔ من یوازرنی کون ہے جو میری مدد کرکے میرا وزیر اور دنیا و آخرت میں میرا بھائی بننا چاہتا ہے۔ یہ سُننا تھا کہ حضرت علیؑ کھڑے ہوگئے انا یارسول اللہ اس خدمت کے لیے میں حاضر ہوں۔ تین دفعہ اسی طرح فرمایا۔ اور ہر مرتبہ حضرت علیؑ کھڑے ہوتے۔ اس کے بعد آپ نے تبلیغی تقریر فرمائی۔ کل تک پیغمبر اسلام کا تنہا نُور رسالت کا کام انجام دے رہا تھا۔ اور آج نُور امامت بھی محو خدمت اسلام ہے۔ نور کے دونوں ٹکڑے ملے۔ پیغمبر اسلام نے تقریر فرمائی کسی کی مجال نہیں ہوئی کہ لب کشائی کرے تقریر کامیابی کے ساتھ ختم ہوئی۔ (تاریخ ابو الفداء جلد ۱ ص ۱۱۶، تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۱۷۔ تاریخ کامل جلد ۲ ص ۲۲۔ تاریخ گبن جلد ۳ ص ۴۹۹۔ معالم التنزیل جلد ۳ ص ۴۶۔ تاریخ کارلائل ص ۶۱۔ تاریخ ایرونگ ص ۳۷۔ تاریخ اوکلی ص ۱۵۔ ڈیون ص ۵۔ لباب التاویل جلد ۲ ص ۳۷۱۔

———— تاریخ اس پہلی دعوت اسلام کو "ذوالعشیرہ" کے

نام سے یاد کرتی ہے۔

بہرحال آج سے وظیفہ تبلیغ اسلام کی ادائیگی شروع ہو گئی، اور اتنا زور پکڑا کہ دنیا حیران رہ گئی۔ لیکن یہ واضح رہے کہ جوں جوں تبلیغ کو فروغ ہوتا رہا ویسے پیغمبر اسلام اور امام الانام کی دشمنیاں بھی لوگوں کے دلوں میں ترقی کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ لوگ پیہم حملے کرتے رہے۔ اور آپ کی تبلیغ کو مٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ آپ نے اپنے اور اسلام کے تحفظ کے لیے دفاعی جہاد کئے اور جنگ بدر و احد، خندق و خیبر واقع ہوئیں بھلا وہ کون سی طاقت تھی، جو شیر خدا علی مرتضیٰ کی شمشیر کی تاب لا سکتی۔ بالآخر سینکڑوں کفار حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور دنیا اسلام کا لوہا مان گئی۔ تاریخ شاہد ہے اور واقعات بتا رہے ہیں کہ جنگ بدر وغیرہ میں اسلام قبول کرنے والے نعمت ایمان سے بہرہ ور ہو سکے تھے۔ اگر ان دلوں میں ایمان جاگزیں ہوتا تو آغوش حق میں پناہ لینے والے حق کو حق مانتے اور ناحق دلوں میں کدورت نہ رکھتے۔ شکریہ کے بجائے انتقام لینے کی کوشش نہ کرتے۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جس نے انہیں مسلمان کیا یا جس نے ان کی نسلوں میں اسپرٹ اسلام کی پیدا کی۔ اسی کو تباہ کرنے کی سعی کرتے رہے۔ اور دل و جان سے کوشش کرتے رہے۔ کہ علیؑ اور اولادِ علی کا تخم بھی دنیا میں باقی نہ رہے۔ جانے دیجئے دیگر سیاسی زمانوں کو۔ صرف عہد بنی اُمیّہ ہی کا جائزہ لے لیجئے۔ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں جو جذبات کار فرما تھے۔ وہ وہی تھے جو جنگ بدر و احد میں پیدا ہو گئے تھے۔ اور جنہیں اسلام لانے کے بعد دلوں سے جانے کا موقع نہ ملا تھا اور جنگ جمل و صفین کا روپ بدل کر عالم واقعات میں رونما ہوتے۔

تاریخ گواہ ہے۔ کہ وفاتِ رسول سے جنگ صفین تک جو حالات گزرے، وہ سیاسی رنگ لیے ہوئے ہونے کی وجہ سے عمل کی دنیا میں رونما ہوتے رہے۔ لیکن نوک زبان ان سے آشنا نہ ہو سکی اور زبان سے کچھ نہ کہا جا سکا۔ سب کچھ کیا جاتا رہا۔ انتقامی جذبات اُبھرتے رہے۔ دست و بازو کام کرتے رہے۔ تلواریں چلتی رہیں۔ ہزاروں بزرگان دین موت کے گھاٹ اُترتے رہے۔ قتل و غارت کا بازار گرم رہا۔ لیکن یہ کھلنے نہ پایا کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے۔ اور کن وجوہ کی بنا پر حضرت علی جیسے قابل اور انسان کامل کی اطاعت

کی ظاہری فتح ہمیشہ عارضی رہی۔ یہ صحیح ہے کہ آتش ظلم و ستم نے ایک دفعہ تو حق کو جلا کر خاک کر دیا۔ لیکن اس کے خاکستر سے وہ چنگاریاں نکلیں کہ جنہوں نے خرمن باطل میں کبھی نہ بجھنے والی آگ لگا دی۔

معرکہ کربلا بھی ان ہی یادگار جنگوں میں سے ایک عظیم الشان جنگ ہے جو دنیا میں حق و صداقت کا علم بلند کرنے کے لیے لڑی گئی۔

کون نہیں جانتا کہ رسول عربی دنیا کو حریت عمل اور آزادی ضمیر کا سبق پڑھانے کے لیے آئے تھے۔ کس کو خبر نہیں کہ اسلام امن و امان کا حامی اور بیجا تفوق اور ناجائز اقتدار کا دشمن ہے۔ جتھا بندی قومی، ملی، وطنی اور لونی امتیازات کے خلاف سب سے پہلے مؤثر آواز جو بلند کی گئی وہ رسول اسلام کی آواز تھی۔ لیکن بنی آدم کی تلون مزاج طبیعت کا برا ہو کہ دنیا کی کسی مفید تحریک کو بار آور نہیں ہونے دیا۔ اگر موسیٰ کا درس تنظیم چھوڑ کر یہودیوں کو باطل کے بادشاہ کی غلامی کرنا پڑی، عیسیٰ کا امن بخش اور صلح آفریں پیام طاق نسیاں کے نذر کر کے عیسائی بت پرست، رومی شہنشاہوں کے گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ گئے۔ تو کس طرح ہو سکتا تھا۔ کہ ریگستان عرب کے جنگ جو باشندے رسول اسلام کی تعلیم کو زیادہ دن تک یاد رکھتے۔ ابھی رسول اللہ کا کفن تک میلا نہ ہونے پایا تھا کہ پرانے عقیدے نئے بہروپ بدل کر سامنے آئے۔ ۲۳ برس کا عرصہ اتنا طویل نہ تھا۔ کہ رسول اللہ کفر کی نشانیوں کو قطعاً مٹا سکے۔ یہ سچ ہے کہ کعبہ کے سب بت ٹوٹ چکے تھے۔ مگر دلوں کے صنم ابھی تک آباد ہیں۔ اب لات و منات کے بجائے حرص و ہوا، طلب جاہ، خواہش حکومت اور تمنائے سطوت و ثروت کے دیوتاؤں کی پرستش ہو رہی تھی۔ نئے مذہب نے جو جوش پیدا کر دیا تھا۔ مصلح اعظم کی تعلیم نے منتشر قوتوں کو متحد کر کے جو روح پھونک دی تھی۔ وہ بجائے اس کے کہ صداقت کی ترویج میں صرف ہوتی۔ طلب جاہ اور تحصیل زر کے کام آنے لگی

حضرت رسول اسلام کو آنکھ بند کئے ہوئے ابھی پورے پچاس سال بھی نہ گذرے تھے کہ ان کی مقدس تعلیم خود غرض لوگوں کے ہاتھوں مسخ ہو گئی۔ اور اس طرح کہ بظاہر یہ معلوم ہونے لگا کہ آسمانی بادشاہت کا وہ خواب جو اسلام نے دیکھا تھا۔ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ رسول عربیؐ کی لگاتار ۲۳ سال کی محنت برباد ہو جائے۔

کی مجال ہے جو حسینؑ کو ہاتھ لگا سکے۔ امام حسین علیہ السلام کی آواز کا بلند ہونا تھا کہ بنی ہاشم کے وہ جوان جو دربار سے حضرت عباسؑ کی ہمراہی میں موجود تھے۔ دربار میں داخل ہو گئے۔ امام حسینؑ نے ان بپھرے ہوئے شیروں سے غصہ سرد کیا اور واپس تشریف لائے۔ گھر پہنچنے کے بعد عواقب پر غور کرنے لگے اور سوچنے لگے کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے آیا مدینہ میں قیام کروں یا کہیں چلا جاؤں۔ بہت ہی سوچ بچار کے بعد آپ نے فیصلہ کر لیا کہ مدینہ چھوڑ ہی دینا چاہیئے۔

رات کے تاریک پردے میں جد نامدار حضرت محمد مصطفےٰ صلعم اور والدہ ماجدہ جناب فاطمہ زہرا اور برادر محترم حسنؑ کے روضے سے رخصت ہو کر ۲۸ رجب کی صبح ہوتے ہوتے اپنے اہل و عیال کو ہمراہ لے کر مدینہ منورہ سے بارادہ مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ چار ماہ مکہ معظمہ میں گزارے۔ اس دوران میں کوفہ والوں کے بارہ ہزار خطوط، پیغامات اور دعوت نامے پہنچے۔ جن کا مجموعی مفہوم مطابق روضۃ الصفا یہ تھا کہ "ہم بلا امام ہیں، آپ تشریف لائیے۔ اگر آپ نہ آئیں گے تو ہم قیامت کے دن بارگاہ احدیت میں فریاد کریں گے۔ کہ امام حسینؑ کی موجودگی میں ہم گمراہ ہوتے رہے۔ اور آپ نے توجہ نہ فرمائی۔"

میری تحقیق کے مطابق یہ خطوط سازشی تھے۔ یعنی والیٔ مدینہ کی اطلاع پر کہ حسینؑ نے مدینہ چھوڑ دیا۔ یزید نے والیٔ کوفہ کو قتل حسینؑ کے انتظامات کی طرف متوجہ کیا۔ والیٔ کوفہ نے دارالامارہ میں ایک میٹنگ کی۔ جس میں صرف یزیدیوں کے مخصوص افراد نے شرکت کی اور فیصلہ کیا کہ حسینؑ کا قتل کوفہ سے زیادہ سہل تر اور کسی جگہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا انہیں یہیں طلب کیا جائے اور طلبی کے لیے طے کیا کہ حسینؑ کے خاص ماننے والوں کو بھی خوبی کے ساتھ اس جال میں پھنسا لیا جائے۔ چنانچہ ایک پارٹی نے سلیمان بن صرد خزاعی اور دیگر حسینیوں سے مل کر کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ امام حسینؑ کوفہ میں تشریف لے آئیں تاکہ ہماری ہدایت فرمائیں۔ ہم یزید کے دورِ فسق و ظلم سے عاجز آ چکے ہیں۔ ان غریبوں کو کیا علم تھا کہ محبت کے پردے میں دغا کی جا رہی ہے۔

بالآخر فیصلہ ہوا کہ امام حسینؑ کی خدمت میں خطوط لکھے جائیں اور عوام میں پروپیگنڈا کیا جائے۔ چنانچہ چند دنوں میں ہی بارہ ہزار خطوط پہنچے۔ امام حسینؑ ابھی اسی فکر میں تھے کہ کیا کریں۔ آپؑ نے تفحص حالات کے لیے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ کی طرف روانہ کیا۔ ناگاہ حج کا موقع آ گیا آپ نے احرام باندھا دوران حج میں معلوم ہوا کہ کئی دشمن حاجیوں کے لباس میں احاطہ مکہ کے اندر مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے حج کو عمرہ سے بدلا۔ اور کوفیوں کی دعوت کے پیش نظر کوفہ کے لیے چل پڑے منزل زبالہ تک پہنچے تھے کہ ۹ ذی الحجہ ۶۰ھ کو شہادت حضرت مسلم کی خبر پہنچی

لیت اشیاخی ببدر شہدوا

ترجمہ: کاش! میرے وہ بزرگ جو بدر میں شہید ہوئے موجود ہوتے تو دیکھتے کہ میں نے بدر، احد وغیرہ کے مقتولین کا کس طرح بدلہ لیا ہے۔ اور وہ میرے کارناموں سے بے انتہا خوش ہوتے اور خوش ہو کر مجھے دعائیں دیتے کہ اے یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ بنی ہاشم نے ملک کے ساتھ کھیل کھیلا تھا۔ نہ کوئی وحی آئی تھی نہ مَلک کا نزول ہوا تھا۔ ابھی کیا ہے دُنیا دیکھتی جائے گی کہ:

لست من خندف ان لم انتقم
من بنی احمد ما کان فعل

میں بنی خندف سے نہیں اگر آل احمد سے بدر و احد کے کارناموں کا بدلہ نہ لے لوں۔ ان اشعار پر نظر ڈالنے کے بعد واقعہ کربلا کا پس منظر سامنے آجاتا ہے اور یہ روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ کربلا کا واقعہ پیغمبر اسلام اور حضرت علیؑ کی تبلیغی سرگرمیوں کے انتقامی نتائج میں جو ان مسلمانوں کے ہاتھوں عمل میں آئے۔ جن لوگوں کے دلوں میں ادعائے اسلام کے باوجود اسلام جاگزیں نہ ہو سکا
(روایح القرآن صـ۲۰۱ باجازت ریڈیو پاکستان پشاور)

حق و باطل کی جنگ اس میں شک نہیں کہ حق و باطل کی دشمنی اتنی پرانی ہے کہ دریا اور پہاڑ بھی اس کی ہمسری کے دعوے نہیں کر سکتے۔ کون سا دن تھا کہ جب باطل کی فوجوں نے حق کے سامنے صف آرائی نہیں کی۔ کون سی گھڑی تھی کہ جب طاغوتی فوجوں نے رحمانی طاقتوں سے مقابلہ نہیں کیا۔ دنیا ایک میدانِ جنگ ہے۔ جہاں روز و شب، نور و ظلمت، حق و باطل، کفر و اسلام میں رسہ کشی ہوتی رہتی ہے فلک پیر کی سال خوردہ آنکھیں، بہت سی خونریز لڑائیاں دیکھ چکی ہیں۔ کرکشیستر۔ درہ تھرپاپلی۔ بدر و حنین وغیرہ کی عبرت گاہوں کو جا کر دیکھو۔ ان کے ذرہ ذرہ پر روح فرسا کہانیاں اور ہوش ربا داستانیں لکھی ہوئی ہیں۔ جن سے کسی دن معرکہ حق و باطل کی تاریخ مرتب کی جائے گی۔

یہ صحیح ہے کہ ظاہری اعتبار سے باطل کی فوجیں اکثر حق پر غالب آتی رہتی ہیں۔ دُنیا نے ایک دو مرتبہ نہیں سینکڑوں مرتبہ حق کے علم کو سرنگوں ہوتے دیکھا۔ کیا علم و جہل کی لڑائی میں سقراط نے شکست نہیں کھائی۔ کیا خون آشام یونانیوں نے اس محقق زمانہ کو اپنی غلط فہمیوں کے معبد پر قربان نہیں کر دیا۔ یا امن و امان کا پیامبر "مسیح" یہودیوں کے ظلم و ستم کا نشانہ نہیں بنا یا گیا اٹلی کے مقدس ہیئت داں "گلیلیو" کو پاپائے روم کی کفر آفرینیوں کا شکار نہیں ہونا پڑا۔ مگر باطل

کی ظاہری فتح ہمیشہ عارضی رہی۔ یہ صحیح ہے کہ آتش ظلم و ستم نے ایک دفعہ تو حق کو جلا کر خاک کر دیا لیکن اس کے خاکستر سے وہ چنگاریاں نکلیں کہ جنہوں نے خرمن باطل میں کبھی نہ بجھنے والی آگ لگا دی۔

معرکہ کربلا بھی ان ہی یادگار جنگوں میں سے ایک عظیم الشان جنگ ہے جو دنیا میں حق و صداقت کا علم بلند کرنے کے لیے لڑی گئی۔

کون نہیں جانتا کہ رسول عربی دنیا کو حریت عمل اور آزادی ضمیر کا سبق پڑھانے کے لیے آئے تھے۔ کس کو خبر نہیں کہ اسلام امن و امان کا حامی اور بیجا تفوق اور ناجائز اقتدار کا دشمن ہے۔ جتھابندی قومی، ملی، وطنی اور لونی امتیازات کے خلاف سب سے پہلے موثر آواز جو بلند کی گئی وہ رسول اسلام کی آواز تھی۔ لیکن بنی آدم کی "تلون مزاج طبیعت کا برا ہو کہ دنیا کی کسی مفید تحریک کو بار آور نہیں ہونے دیا۔ اگر موسیٰ کا درس تنظیم چھوڑ کر یہودیوں کو بابل کے بادشاہ کی غلامی کرنا پڑی، عیسیٰ کا امن بخش اور صلح آمیز پیام طاق نسیاں کے نذر کر کے عیسائی بت پرست، رومی شہنشاہوں کے گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ گئے۔ تو کس طرح ہو سکتا تھا کہ ریگستان عرب کے جنگ جو باشندے رسول اسلام کی تعلیم کو زیادہ دن تک یاد رکھتے۔ ابھی رسول اللہ کا کفن تک میلا نہ ہونے پایا تھا کہ پرانے عقیدے نئے بہروپ بدل کر سامنے آئے۔ ۲۳ برس کا عرصہ اتنا طویل نہ تھا۔ کہ رسول اللہ کفر کی نشانیوں کو قطعاً مٹا سکے۔ یہ سچ ہے کہ کعبہ کے سب بت ٹوٹ چکے تھے۔ مگر دلوں کے صنم ابھی تک آباد ہیں۔ اب لات و منات کے بجائے حرص و ہوا، طلب جاہ، خواہش حکومت اور تمنائے سطوت و ثروت کے دیوتاؤں کی پرستش ہو رہی تھی۔ نئے مذہب نے جو جوش پیدا کر دیا تھا۔ مصلح اعظم کی تعلیم نے منتشر قوتوں کو متحد کر کے جو روح پھونک دی تھی۔ وہ بجائے اس کے کہ صداقت کی ترویج میں صرف ہوتی۔ طلب جاہ اور تحصیل زر کے کام آنے لگی

حضرت رسول اسلام کو آنکھ بند کئے ہوئے ابھی پورے پچاس سال بھی نہ گذرے تھے کہ ان کی مقدس تعلیم خود غرض لوگوں کے ہاتھوں مسخ ہو گئی۔ اور اس طرح کہ بظاہر یہ معلوم ہونے لگا کہ آسمانی بادشاہت کا وہ خواب جو اسلام نے دیکھا تھا۔ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ رسول عربیؐ کی لگاتار ۲۳ سال کی محنت برباد ہو جائے۔

آپ نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون اس کے بعد آپ آگے بڑھے اور منزل شراف پر قیام فرما ہوئے۔ ایک صحابی نے عرض کی، کہ مجھے کوفہ کی جانب کیلے کے درخت نظر آرہے ہیں، دوسرے نے کہا یہاں درخت کا کوئی نشان تک نہیں ہے۔ ایک صحابی نے کہا نہیں نہیں گھوڑوں کی کنوتیاں نظر آرہی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ "حر" ایک ہزار کا رسالہ لیے آپہنچا اور سواری کے جانور پیاس سے بے حال ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ انہیں اچھی طرح سیراب کر دو۔ حضرت عباسؑ نے مشکوں کے دہانے کھول دیئے۔ سواروں نے اچھی طرح پانی پیا۔ رات آئی۔ بروایت امام شبلنجی، حر نے امام حسینؑ سے عرض کی، مولا رات کا وقت ہے، کسی جانب نکل جائیے امام حسین ایک طرف کو چل پڑے۔ ابھی رات ختم نہ ہونے پائی تھی کہ حر نے پھر آگھیرا۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے ہی تو کہا تھا۔ کہ کہیں چلے جاؤ اور تم ہی مجھے گھیر رہے ہو۔ اس نے عرض کی مولا حاکم کا بہت سخت حکم آیا ہے میں مجبور ہو گیا ہوں۔

الغرض امام حسینؑ اسی گھیرے میں چل رہے تھے۔ کہ ناگاہ آپ کے گھوڑے کے قدم رُکے امام حسینؑ نے فرمایا۔ محملیں اتار لو اور خیمے نصب کرو۔ کیونکہ ہماری موت اسی جگہ بسیرا لے رہی ہے دوسری محرم کو آپ وارد کربلا ہوئے۔ ساتویں محرم سے آپ پر پانی بند کر دیا گیا اور دسویں محرم کو آپ مع جملہ اعزا و اقارب قتل کر دیئے گئے۔

امام حسین علیہ السلام نے مع عزیز و اقربا و اصحاب شہادت پائی۔ قاضی قسطنطنیہ شیخ سلیمان قندوزی بلخی اپنی کتاب ینابیع المودہ طبع مصر کے صفحہ ۳۴۶ پر لکھتے ہیں کہ یوم عاشورہ امام حسینؑ نے مجمع عام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ایہا الناس! یہ بتاؤ کہ میں نے کونسی سنت بدل دی ہے اور شریعت کے کس حکم کو بدلا ہے۔ جس کے عوض تم مجھے قتل کر رہے ہو۔ فقالوا لہٗ انا نقتلك بغضاً لابيك اے حسین! تم نے کچھ نہیں کیا۔ لیکن ہم تمہارے باپ دادا کے بغض کے سلسلہ میں تمہیں قتل کرتے ہیں۔

اس بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ واقعہ کربلا کے پس منظر میں کیا تھا۔ الغرض گیارہویں تاریخ کو مخدرات عصمت وطہارت کو سر برہنہ ناقوں پر سوار کر کے بازاروں میں پھراتے ہوئے دربار کوفہ میں داخل کیا۔ پھر چند دنوں بعد سرہائے شہداء و مخدرات عصمت وطہارت کو شام بھیج دیا گیا۔ یزید کے سامنے جس وقت امام حسین علیہ السلام کا سر لایا گیا۔ تو اس نے چھڑی سے لبہائے مبارک کے ساتھ بے ادبی کی اور چند اشعار زبان زد کئے۔ جن کا پہلا مصرعہ یہ ہے۔

زارِ دمشق کا لاڈلا اور جانشین رسولؐ

۶۱ھ شروع ہونے کو ہے۔ وہ اسلام جو امن و امان کا مرادف سمجھا جاتا تھا، خون آشام شامیوں کے ہاتھوں پنڈاریوں کا پنتھ معلوم ہوتا ہے ہر طرف لوٹ مار کا بازار گرم ہے۔ عرب کی سرزمین بے گناہوں کے خون سے رنگین ہو رہی ہے قیصر آئین اور کسریٰ خیال لوگ رسول اسلام کی جانشینی کا دعوےٰ کر رہے ہیں۔ زارِ دمشق کا لاڈلا فرزند اسلام کو اپنی ہوسناکیوں اور عشق پرستیوں کے رنگ میں ڈبو دینا چاہتا ہے۔ حریم خلافت اندر کا اکھاڑہ بنا ہوا ہے۔ زناکاری کی کوئی انتہا باقی نہیں۔ سوتیلی ماؤں اور بہنوں سے عقد کا فتویٰ دیا جا رہا ہے۔ (صواعق محرقہ)

رسول کے مقدس صحابہ کچھ تو سفر آخرت کر چکے ہیں۔ کچھ کنج عافیت میں اپنی عزت کو سنبھالے بیٹھے ہیں۔ اور مسلمانوں کا خلیفہ سرو قد گلعذار رومی شاہدوں کے جھرمٹ میں تخت خلافت پر جلوہ فگن ہے۔ شراب آلود لبوں سے نکلی ہوئی بات قانون الٰہی سمجھی جا رہی ہے۔ اور مخمور آنکھوں کے اشارے حدیث کے مترادف بنے ہوئے ہیں۔ دمشق مرکز خلافت ہے۔ اسلام کی تازہ تہذیب روم و ایران کے تمدن سے بدل چکی ہے۔ اس حریم خلافت کی تقلید میں اب ہر گھر عشرت کدہ بنا ہوا ہے۔ نماز روزہ کی جگہ نازنینوں کے آتشیں رخساروں کے بوسوں کی آوازوں نے لے لی ہے۔ رات صرف اس لیے ہوتی ہے کہ اسلام کے خلیفہ "یزید" اور اس کے متوسلین نام نہاد مسلمانوں کے چشم و دہن کو شراب شیراز سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیں، اور صبح صرف اس لیے کہ ان کی خمار آلود آنکھوں سے کسی بے گناہ کے رقص مذبوحانہ کا نظارہ کرا دے۔

دنیا رسول عربی کے کلمہ پڑھنے کی ترکتازیوں سے پریشان ہے۔ امن پسند شہریوں پر عرصہ زندگی تنگ ہو رہا ہے۔ ملکوں کی دولت سمٹ سمٹ کر دارالخلافہ میں جمع ہو رہی ہے جفاکش دہقانوں اور محنتی تاجروں کی گاڑھی کمائی دولت اسلامیہ کے سود و بہبود کے بجائے چند رند مشرب لوگوں کی عیاشیوں کے لیے وقف ہو کر رہ گئی ہے۔ ایمان جیسی گراں جنس کا سودا چند درہم پر کیا جا رہا ہے۔ جو اس قیمت پر راضی نہیں ہوتے۔ ان کے لیے زہر اور تلوار کا پورا انتظام تیار ہے مسجدیں ویران ہیں، میکدوں کی رونق بڑھ رہی ہے۔ خدا پرستی کی جگہ شاہد پرستی نے لی ہے۔ لوگ رسول اللہ کی سنت کو فراموش کر چکے ہیں۔ علمی محفلیں برباد ہو چکی ہیں کفر کی مٹی ہوئی سنت زندہ کی جا رہی ہے۔ اور ہندہ و سمیہ کی یاد میں دمشق کے گلی کوچے

عیاشی اور بوالہوسی کے اڈے بنے ہوئے ہیں۔

غرضیکہ جب اسلام کی مقدس تعلیم اس طرح تباہ ہونے لگی۔ جب دورِ جہالت نے پلٹ آنے کی دھمکی دینی شروع کی۔ جب پیکرِ اسلام میں قیصر و کسریٰ کی روح نے داخل ہونے کی کوشش کی۔ جب جاہ و جلال مال و منال کے نقشہ نے مسلمانوں کو حواس باختہ کر دیا۔ جب اسلامی فتوحات کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے دنیا میں آگ لگانا چاہی۔ جب جہاد دفاعی حد سے گزر کر جنگ زرگری کی شکل اختیار کر گیا۔ جب رسولؐ کے نام لیواؤں نے محبت و مساوات کا سبق فراموش کر دیا جب قبیلہ پرستی، عربیت اور عجمیت کے امتیازات پھر نئی زندگی کی کروٹ لینے لگے۔ جب مذہب کی آڑ میں ذاتی مفاد کا شکار کھیلا جانے لگا۔ جب شاہد پرستی کے ہلاکت آفرین سیلاب نے مسلمانوں کو مانی و مزدک کا پیرو بنا دیا۔ جب عیش و عشرت کی افراط نے اُن کے قوے کو مضمحل کر دیا۔ جب مجسمۂ حیا اور پیکرِ شرم نبی کے پیرووں نے اپنے اعمال سے کفر کو بھی شرما دیا۔ جب اسلام رجعت قہقہری کے سلسلہ میں اپنے قدم کو آخری حد تک پہنچا دینے پر مجبور ہو گیا۔ تو غیرتِ حق جوش میں آئی۔ بنی اُمیہ کے طلسم خانہ کو توڑنے کے لیے ان کی فرعون سامانیوں کو خاک میں ملانے کے لیے یزید کے دین بوالہوسی پر ضرب کاری لگانے کے لیے نبی عربی کے گھر سے تاجدار انسانیت حضرت امام حسین علیہ السلام کو ظاہر کیا۔ جن کی قسمت میں ازل سے انقلاب آفرینی لکھی ہوئی تھی۔ جو تاریخ عالم میں اپنی نظیر آپ تھے۔ (سرفراز محرم نمبر ۱۳۴۹ھ) اور ان کا علمبردار عباس ایسے بہادر کو بنایا جائے جس کے لیے حسینؑ خود فرمائیں "بنفسی انت" میری جان تجھ پر فدا ہو جائے۔ (المواعظ والبکا ص۱۱۱ طبع بمبئی)

تاجدارانِ اسلام کی مدینہ منورّہ سے مکہ کو روانگی

اور

اس کے

اسباب اور وجوہات

وادیٔ اُلفت کا ہر ذرہ یہ دیتا ہے صدا — حضرت عباسؑ ہیں خضرِ بیابانِ وفا
کوئی منزل ہو، بیاباں ہو کہ میدانِ قتال — ہر جگہ تو نے کیا وہ جو تھا شایانِ وفا

یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ کوئی شخص بھی اپنا وطن خوشی سے نہیں چھوڑ سکتا۔ جب کوئی ترکِ وطن کرے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس کے لیے کچھ ایسے اسباب و وجوہ پیدا ہو گئے ہیں۔ جو ترکِ وطن کی صورت میں عملاً ظاہر ہو رہے ہیں۔ کیونکہ وطن کا ترک کرنا بے انتہا اہمیت رکھتا ہے۔ قرآن مجید نے جلاوطنی کو قتل کا درجہ دیا ہے۔ سرورِ کائنات جب ہجرت کے موقعہ پر اپنا وطن چھوڑ کر چلے تھے۔ اس وقت، اور پھر مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد وطن کی یاد سے غافل نہیں رہے۔ آپ مکہ سے آنے والے سے وطن کی گلیوں اور وہاں کے درختوں تک کے بارے میں استفسار فرمایا کرتے تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام جو معاویہ کی موت کے بعد وطن مالوف چھوڑتے نظر آرہے ہیں یقیناً ان کے سامنے کچھ ایسے اسباب موجود ہیں۔ جو آپ کو ترکِ وطن پر مجبور کر رہے ہیں۔ اگر تاریخ کا مطالعہ بنظرِ غائر کیا جائے۔ تو یہ راز کھل جائے گا کہ حسینؑ کا ترکِ وطن سقیفائی اسکیم کے مستحکم منصوبے کا ناگزیر نتیجہ ہے۔ کون نہیں جانتا کہ رسولِ اسلام کی آنکھیں بند ہوتے ہی کلمہ گویوں کی طرف سے پیغمبرِ اسلام اور امیر المومنین کی تبلیغی خدمات کا آبائی غیر مسلم بدلا لیا جانے لگا۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ امیر المومنینؑ کی حقوق سے محرومی، فاطمہ زہرا کا مصائب و آلام سے دوچار ہونا اور امام حسنؑ کی شہادت، سب اسی جذبۂ دیرینہ کی رہینِ منت ہے۔

تاریخ شاہد ہے اور واقعات بتا رہے ہیں کہ جب سلسلہ اول کی پانچویں کڑی رشتۂ خلافت سے ہر شتہ ہوئی۔ یعنی معاویہ برسرِ اقتدار آئے۔ تو انہوں نے آلِ رسول کو دنیا سے ختم کرنے کے

سلسلہ میں جنگ جمل وصفین کی بنیاد ڈالی اور بالآخر حضرت علی کو اپنی مکمل سازش کے ذریعے مسجد کوفہ میں شہید کرا دیا۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے نہ فرمان رسول اسلام "حرب علی حربی" کا لحاظ کیا اور نہ حکم خدا من قتل مومنا متعمدا فجزائہ جہنم پر نظر کی۔

امیرالمومنین کی شہادت کے بعد اس نے امام حسنؑ کے وجود کو ختم کیا اور ان بزرگ ہستیوں کے وجود کو زمین سے خالی کرنے کا منشا یہ تھا کہ میں آزادانہ حکومت کر سکوں اور یزید کی ولیعہدی میں کوئی روڑا نہ اٹکنے پائے۔ اسی خیال کے پیش نظر اس نے حضرت عائشہ کو جو ان کے متعلق پیغمبر اسلام کے خیالات اور ان کے فرمان سے بخوبی واقف تھیں، کچے چونے کے کنوئیں میں گرا کر مار ڈالا اور ان کے بھائی محمد بن ابی بکر کو جو کبھی کبھی ان کی مخالفت کرتے اور امیرالمومنین کی تائید فرمایا کرتے تھے، گدھے کی کھال میں زندہ سی کر جلا دیا۔

غرضیکہ خلافت یزید کے لیے جب زمین ہموار ہو گئی تو معاویہ بیعت ولیعہدی لینے کے بعد اہل حجاز کے گلے میں طوق بیعت ڈالنے کے لیے ۵۶ھ میں ایک ہزار سوار لے کر روانہ ہوئے اور مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے حضرت امام حسین علیہ السلام سے ملاقات کی۔ اور آپ سے بیعت یزید کا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا۔ میں یزید کے حالات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ خدا کی قسم ہرگز بیعت نہ کروں گا۔ (وسیلۃ النجات جلد ۲ صـ۲۸۳) معاویہ امام حسین علیہ السلام کا جواب سن کر خاموش ہو گئے۔ انہوں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ ان پر سختی کریں۔ لیکن اور بہت سے افراد کو ڈرا دھمکا کر حلقہ بگوش یزید کر دیا۔

پادری کینن ایڈورڈ سیل ڈی۔ ڈی لکھتے ہیں کہ معاویہ نے یزید کی ولیعہدی کی بیعت لے کر اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی جو وہ امام حسنؑ سے کر چکے تھے۔ اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ فریب کشی اور جبر سے کیا۔ (رسالہ اثنا عشریہ صـ۵ طبع لاہور ۱۹۲۵ء)

الامامۃ والسیاست ابن قتیبہ جلد ۱ صـ۱۳۵ میں ہے کہ معاویہ نے بیعت یزید کے سلسلہ میں لوگوں کے دین بھی درہم و دینار کے عوض خریدے۔ رسالہ فلسفہ شہادت صـ۹ پر بحوالہ تکمیل الایمان محدث دہلوی مرقوم ہے کہ بیعت کرنے والوں سے اس طرح اقرار لیا جاتا تھا کہ یزید کو یہ اختیار ہو گا۔ کہ چاہے تو وہ ہم کو غلاموں کی طرح سر بازار فروخت کرے اور چاہے عبادت خدا کی اجازت دے اور چاہے تو روک دے۔

الغرض وہ وقت آیا کہ آپ ایسی منزل کی طرف روانہ ہونے پر مجبور ہو گئے ۔ جہاں اپنے کیے کا بدلہ ضرور ملے گا۔ یعنی ماہ رجب ۶۰ھ آپہنچا۔ آپ نے مرنے سے پہلے اپنے فاسق و فاجر لاڈے فرزند یزید کو برادران اسلام کا چھٹا خلیفہ بنا دیا۔ اور اس کے سر پہ تاجِ خلافت رکھ کر دنیا سے چل بسے۔ ملاحظہ ہو (تاریخ الخلفاء صواعق محرقہ۔ ابوالفداء)

یزید نے تخت خلافت اور تاج امارت سنبھالتے ہی اپنے آبائی مشن میں روح تازہ پھونکنے کے لیے باپ کے اصولوں اور سمجھائے ہوئے خفیہ طریقوں پہ نظام سلطنت اور انتظام خلافت و امارت کو استوار کرنا شروع کر دیا۔ اور اس سلسلے میں اس نے جو سب سے پہلے قدم اٹھایا وہ ولید بن عقبہ کو والی مدینہ مقرر کرنے کا تھا۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۴ صفحہ ۵۵) جس کے ذریعہ سے وہ اپنے منصوبہ میں کامیابی حاصل کرنے کا یقین رکھتا تھا۔

ولید کو والیٔ مدینہ بنانے کے فوراً بعد اس مقصد کے لیے ایک خط لکھا کہ "ان یاخذ لہ البیعۃ عن الحسین" کہ میرے لیے حسینؑ سے بیعت لے لے۔ (وسیلۃ النجاۃ صفحہ ۲۸۴۔ ارجح المطالب صفحہ ۳۶۹)۔ اس واقعہ بیعت کو مورخین معتبرین یوں ارقام کرتے ہیں۔ یزید بن معاویہ ولید بن عقبہ کو لکھتا ہے۔ ——— وبایدچوں برفحوائے ایں مکتوب واقف شوی از اہل مدینہ بیعت بستانی۔ والسلام

واقعہ دیگر در غایت ایجاز نوشت مشعر برآں کہ از حسین و عبداللہ بن عمر۔ عبدالرحمن ابن ابی بکر۔ و۔ عبداللہ بن زبیر بیعت بستاں و دریں باب اہمال منمائی و اگر بیعت نہ کنند سرایشاں را نزد من فرست الخ (ترجمہ) میرے خط کو پاتے ہی اور مدعائے دل سے واقف ہوتے ہی فوراً اہل مدینہ سے بیعت لے لے۔ والسلام۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس خط کے ساتھ ایک نہایت مختصر پرچہ (کانھا اذن فارۃ۔ طبری) چوہے کے کان کے برابر علیحدہ لکھ کر لفافہ میں رکھ دیا جس میں لکھا ہوا تھا۔ کہ امام حسینؑ۔ عبداللہ بن عمر۔ عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر سے بلا رعایت بیعت لے لے اور انھیں دم لینے کی مہلت نہ دے اور اگر بیعت نہ کریں تو ان کے سر میرے پاس بھیج دے .... الخ۔ روضۃ الصفا میر شاہ ہروی جلد ۳ صفحہ ۵۲۶ طبع نولکشور۔ تاریخ الفتوح خواجہ محمد المعروف اعثم کوفی صفحہ ۱۲۸ طبع بمبئی۔ ۱۳۰۵ ہجری۔ و "تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۱۸۹۔ حالات ۶۰ھ ہجری طبع مصر و "تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۶ طبع مصر۔ بڑا شہادت نامہ عرف شہید اعظم مولفہ عبدالمجید ایڈیٹر مولوی دہلوی صفحہ ۲۲ طبع دہلی۔

اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں کہ علامہ ابن جوزی سے سوال کیا گیا۔ کیف نسب قتل الحسین الی یزید وھو بدمشق فانشد ؎

سھمٌ اصاب ورامیہ بذی سلم
من العراق لقد ابعدت مرماک

یزید دمشق میں تھا۔ اور امام حسینؑ عراق میں تھے۔ پھر ایسی صورت میں قتل حسین یزید کی طرف کیسے منسوب ہو سکتا ہے تو آپ نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔ (ترجمہ) تیر عراق سے جا کر لگا۔ حالانکہ اس کا پھینکنے والا ذی سلم میں تھا۔ اے محبوبہ تو نے بہت دور نشانہ تاکا ہے۔ (ابجد العلوم صـ۸۳۰ طبع بھوپال ۱۲۹۵ھ) مطلب یہ ہے کہ جس طرح تیر کا نشانہ دور جا کر لگتا ہے۔ چاہے پھینکنے والا کہیں کیوں نہ ہو۔ اسی طرح یزید کے نیزۂ حکم اور تیر قلم نے دمشق میں بیٹھے بیٹھے حسینؑ اور اس کے بچوں کو شہید کر دیا۔

ولید کا پیغام امام حسینؑ کے نام تاریخ طبری فارسی جلد ۴ صـ۶۱۶ میں ہے کہ ولید نے یزید کا حکم صریح پانے کے بعد مروان سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے اُس نے کہا کہ ان کو بلا کر ان سے بیعت یزید کا سوال کر۔ اگر وہ بآسانی بیعت کر لیں۔ تو فھو المراد۔ اور اگر انکار کریں۔ تو ان کا سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیج دے۔ ولید نے کہا: سبحان اللہ تُو نے تو بہت ہی اچھی رائے دی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو مجھے قتل حسینؑ کی ترغیب دیتا ہے۔ کیونکہ مجھے اور تجھے بھی معلوم ہے کہ وہ ہرگز بیعت نہ کریں گے تو میں ان کو قتل کر کے اپنی عاقبت خراب کر لوں۔ مروان نے کہا۔ اگر تو میری نصیحت پر عمل نہ کرے گا تو نقصان اُٹھائے گا۔

ولید نے نبیرۂ عثمان کو حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں بھیج کر حاضری کی درخواست کی آپ نے اپنے ہمراہ اپنے خاندان کے تیس مسلح افراد لیے اور دربار میں جا پہنچے۔ (سیرۃ الائمہ ترجمہ کشف الغمہ صـ۶۶ میں ہے کہ امام حسین علیہ السلام اپنے ہمراہ پچاس جانبازوں کو لے کر ولید کے دربار کے ارادہ سے روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر آپ داخل دربار ہوئے اور ان بہادروں سے فرمایا کہ تم باہر گوش بر آواز رہو۔ اگر میری آواز بلند ہو تو فوراً داخل دربار ہو جانا۔

غرضکہ آپ جب دربار میں پہنچے ولید نے نہایت عزت و احترام کیا۔ اس کے بعد کہا کہ معاویہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ اور یزید کا خط آیا ہے۔ کہ آپ اور عبد اللہ ابن زبیر، عبد الرحمن بن ابی بکر اور عبد اللہ ابن عمر سے ضرور بیعت لی جائے۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے تم چاروں افراد کو جمع

کرو پھر دیکھا جائے گا۔

در تاریخ احمدی بحوالہ روضۃ الاحباب مذکور ہے کہ امام حسینؑ کو ولید نے عبداللہ بن عمر بن عثمان کے ذریعے بلا بھیجا تھا۔

تحریر الشہادتین شرح سر الشہادتین میں ہے کہ امام حسینؑ کے ہمراہ دوستوں اور خادموں کا گروہ گیا تھا۔ روضۃ الشہداء ص۲۲۴ میں ہے کہ ولید محب اہل بیت تھا۔ اس نے حکم یزید پانے کے بعد مروان سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کہ ان لوگوں کو اپنے دربار میں طلب کر کے ان سے بیعت کا سوال کر۔ اگر انکار کریں تو ان کا سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیج دے۔ الغرض ولید کا پیغام امام حسینؑ کے پاس پہنچ گیا۔ اور آپ نے عصائے مبارک حضور سرور کائنات صلعم دست حق پرست میں لیا اور اپنے ہمراہ تیس جانبازوں کو لے کر قریب دربار ولید پہنچ کر ان جانبازوں کو سمجھا دیا کہ تم باہر موجود رہو۔ میں اندر جاتا ہوں۔ اگر میری آواز بلند ہو تو تم فوراً داخل دربار ہو جانا۔

بالآخر امام حسین داخل دربار ہو گئے۔ ولید اور مروان کو یک جا بیٹھا دیکھا۔ آپ کی نہایت شاندار تعظیم کی گئی۔ امام حسینؑ نے زحمت دہی کا سبب پوچھا۔ اس نے معاویہ کی موت کی خبر دی اور یزید کا خط دکھایا۔ آپ نے فرمایا۔ جب تمام لوگ جمع ہوں گے۔ اور بیعت عامہ شروع ہوگی۔ اس وقت دیکھا جائے گا۔ ولید نے کہا بہتر ہے۔ پھر حضور بوقت ضرورت تشریف لے آئیں گے۔

تاریخ الفخری ص۸۵ میں ہے کہ امام حسینؑ نے فرمایا کہ مثلی لایبایع سرا میرے لیے یہ مناسب نہیں کہ چھپ کر بیعت کر لوں۔ (وسیلۃ النجات ص۲۸۹ میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ علی رؤس الاشہاد۔ کل مجمع عام میں دیکھا جائے گا۔

دمعہ ساکبہ ص۲۰۴ میں بحوالہ شیخ مفید مذکور ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو ولید کی طرف سے رات کے وقت ایک اطلاع پہنچی۔ جس میں اس نے آپ سے ملاقات کی استدعا کی تھی۔ آپ اپنے ہمراہ ملنے والوں کا ایک گروہ جو مسلح تھا لے کر تشریف لے گئے۔ پھر دروازہ پر اس گروہ کو چھوڑ کر اندر داخل ہوئے۔ ولید نے آپ کی تعظیم کی اور بڑی عزت کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ ولید نے خبر مرگ معاویہ سنائی۔ آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون فرمایا۔ اس کے بعد یزید کا خط دکھلایا۔ آپ نے کمال ضبط کے ساتھ فرمایا۔ تم چاہتے ہو گے۔ کہ میری بیعت صرف خفیہ نہ رہے۔ بلکہ اس کا ظہور بھی ہو۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ جب سب لوگ جمع ہوں گے اس وقت یہ سوال اٹھانا۔ ولید نے کہا۔ جیسا آپ مناسب تصور فرمائیں وہی بہتر ہے۔ مروان نے جس وقت یہ گفتگو سنی تو بول اٹھا۔

ولید تو غلطی کر رہا ہے۔ حسینؑ کو مت چھوڑ۔ اگر یہ اس وقت نکل گئے تو پھر ہاتھ نہ آئیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ ان سے اسی وقت بیعت لے لے۔ اور اگر رضامند نہ ہوں تو سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیج دے۔ یہ سُننا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کو غصہ آگیا آپ نے فرمایا اے ابن زرقا کیا بکتا ہے کس کی مجال کہ حسینؑ کو ہاتھ لگا سکے۔

کتاب تظلم الزہرا طبع ایران میں ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی آواز کا بلند ہونا تھا کہ انیس بہادر انتہائی غصہ کی حالت میں داخل دربار ہو گئے۔ امام حسین علیہ السلام نے ان سب کے غصہ کو فرو کیا اور واپس دولت سرا کو تشریف لائے۔

کتاب ریاض القدس میں ہے کہ ان بہادروں میں نمایاں حیثیت حضرت عباس کی تھی۔

سوال بیعت | ناظرین کرام! حضرت امام حسین علیہ السلام سے بیعت کا سوال کیا گیا ہے اور بیعت بیع سے مشتق ہے جس کے متعلق اپنے دین و ایمان، عزت و آبرو، اختیار و آزادی کو بیچنے کے ہیں

ظاہر ہے کہ دنیا کا کوئی معمولی خود دار انسان بھی اپنے دین و ایمان وغیرہ کو فروخت کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ ایسی شخصیت جو دنیا کے زمان و مکان میں اپنی نظیر آپ ہو اور جسے اپنی اسلامی ذمہ داری کا پورا پورا احساس ہو۔ اور پھر بیعت بھی کس کی۔ ایک فاسق و فاجر کی۔ جسے اس کے باپ نے بروایت تاریخ طبری جلد ۴ ص ۲۱۲ سیرت شیخین پر چلنے کی ہدایت کی ہو۔ جس سے امیرالمومنین علی علیہ السلام پہلے ہی اظہار بیزاری کر چکے ہوں۔

تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے معمولی معمولی انسان اپنی مذہبی خود داری کی وجہ سے بیعت کے بجائے قربانی پیش کرنے پر آمادہ ہوئے ہیں۔

تاریخ انگلستان شیو چند کپور جلد ۲ ص ۳۷ طبع الہ آباد ۱۹۲۴ء میں ہے۔ کہ ۱۵۵۵ء میں جبکہ ملکہ میری ٹیوڈر انگلستان پر حکمران ہوئی، تو چونکہ وہ کیتھولک تھی۔ لہذا اس نے پروٹیسٹوں کو بُری طرح تباہ کیا۔ اس کی تمامتر خواہش یہ تھی کہ میری حدود سلطنت میں صرف کیتھولک خیال کے لوگ ہی ہوں۔ اسی نظریے کے ماتحت اس نے اعلان کرا دیا کہ جو بھی میری بیعت کرے گا، نجات پائے گا۔ اور جو منکر ہو گا زندہ جلا دیا جائے گا۔ قتل کر دیا جائے گا۔ اسے جلاوطنی کی سزا دی جائے گی چنانچہ اکثر نے بیعت کر لی۔ اور جنہوں نے طوق بیعت گلے میں نہ ڈالا وہ شہر بدر کرا دیئے گئے اور تین سو سے زائد افراد نذر آتش کر دیئے گئے۔ ان جلنے والوں میں مسٹر لیمر اور مسٹر رڈلے

بھی زندہ جلا دیئے گئے تھے۔ جب آکسفورڈ میں یہ ڈالے گئے تو مسٹر لیمر نے آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے پکار کر کہا۔ مسٹر رڈلے مذہب کے لیے بہادری سے جان دو۔ ہم لوگ آج اُن شعلوں کو بھڑکا رہے ہیں۔ جنہیں انگلینڈ کی زندگی میں کوئی نہ بجھا سکے گا۔

اس کے بعد مسٹر کرنیمر کی باری آئی۔ انھوں نے جان کے خوف سے بیعت نامہ پر دستخط کر دیئے اس کا ضمیر اس فعل پر راضی نہ ہوا۔ اور آن سے فوراً بیعت نامہ لے لیا۔ اور آگ میں جلنا گوارا کیا۔ جب اُسے آگ میں ڈالا گیا۔ تو اس نے اپنے داہنے ہاتھ کو آگ کی طرف بڑھا کر کہا کہ پہلے تجھے جلنا چاہیئے کیونکہ تو نے معافی نامہ پر دستخط کرنے کا عظیم گناہ کیا تھا۔

مسلمانوں کے لیے یہ امر ناقابل فراموش ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے جو بیعت فاسق نہیں کی اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانیت کا تقاضا یہی تھا۔ اور تحفظ اسلام کا ذریعہ بھی یہی تھا اگر حسینؑ بیعت کر لیتے تو آج سطح زمین پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کہنے والا کوئی بھی نہ رہتا۔

اُسے یہ ضد ہے کہ اقرارِ اطاعت کا رہے
مجھے یہ کد ہے کہ ہاتھوں میں اس کے ہاتھ نہ جائے
وہ کہہ رہا ہے کہ بیعت کرو، ہلاک نہ ہو
مرا یہ قول کہ سر جائے، جائے بات نہ جائے

روانگی کا انتظام اور حضرت عباسؑ غرضیکہ امام حسین علیہ السلام مراجعت فرمائے دولت سرا ہوئے۔ اور سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ مدینہ چھوڑ دینا چاہیئے۔ چنانچہ ۲۶، ۲۷ رجب ۶۰ھ کو اپنے نانا حضرت محمد مصطفٰے صلعم و حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا و حضرتِ حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے روضوں پر جا کر ان حضرات سے رخصت ہو آئے۔ اور ۲۸ رجب ۶۰ھ یوم سہ شنبہ کو حضرت عباسؑ سے فرمایا کہ بھائی اب روانگی کے لیے سواریوں کا انتظام کرو۔ حضرت عباسؑ علیہ السلام نے انتظامات شروع کر دیئے۔ (الدمع الهتون ص۲۲۴) تھوڑی دیر کے اندر چالیس محملیں حریر و دیبا سے آراستہ تیار کر لی گئیں۔ (سلسلۃ الذہب ص۱۱۴ طبع لکھنؤ ۱۳۳۷ھ و مجاہد اعظم حصہ اول ص۲۸۴ بحوالہ جلاء العیون۔ روایت مسلم جصاص)

حضرت عباسؑ نے تاجدار اسلام حضرت امام حسینؑ کو اطلاع دی کہ حضور سواریاں حاضر ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے عورات مخدرات کو حکم دیا کہ اپنی عزیز عورتوں اور مردوں سے رخصت ہو کر سواری کے لیے چلو اور جناب اُم سلمیٰ اور اُم البنین سے فرمایا کہ تم میری بیٹی فاطمہ صغریٰ کے

علاج کی خاطر یہیں ٹھہر جاؤ۔ (علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ کی اس بیمار بیٹی کی عمر اس وقت ۷ سال تھی۔ (روضۃ الشہداء صد۲۲)

فاطمہ صغریٰ کی علالت | مخدرات عصمت اپنے عزیزوں سے رخصت ہو رہی ہیں دفعتہً جناب فاطمہ صغریٰ جو تپ لازم میں مبتلا تھیں کو کچھ افاقہ ہوتا ہے۔ آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور عرض کی بابا جان مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ مجھے اپنے ہمراہ نہیں لے جا رہے ہیں۔ بابا جان! یہ ناممکن ہے۔ کنیز آپ کے ساتھ چلے گی۔ (اخمہ اقبالیہ صد۲۰۷ طبع حیدرآباد ماتیتین صد۱۳ اور شہید اعظم صد۴)

فاطمہ صغریٰ سے امام حسین علیہ السلام کا وعدہ | ایڈیٹر صاحب رسالہ مولوی دہلی لکھتے ہیں کہ حضرت امام عالی مقام نے اپنے ہمراہ تمام اہل بیت کو لیا۔ صرف بی بی فاطمہ صغریٰ کو نہیں لے جا سکے۔ کیونکہ وہ بیمار تھیں۔ اور اندیشہ تھا کہ علالت بڑھ نہ جائے۔ بی بی صغریٰ امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں۔ اور حضرت سکینہ سے بڑی تھیں۔ (شہید اعظم صد۴۵)

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ: کانت لمولانا الحسین بنت......

یعنی امام عالم ایجاد حسین بن علی را دخترے بود فاطمہ نام کہ در حین خروج حضرت از مدینہ مریضہ بود۔ بواسطہ تپ لازم کہ ملازم آن مخدرہ شدہ بود حضرت او را از ہمراہی خود محروم و مہجور فرمودہ بود۔ آن علیلہ بام البنین و ام سلمیٰ سپرد کردہ بود و وعدہ دادہ بود۔ انشاء اللہ اگر ترا بہبودی از مرض حاصل شد من از اہل کوفہ بیوفائی ندیدم علی اکبر برادرت رامی فرستم بمن برساند۔ ... الخ (ریاض القدس جلد۱)

امام حسینؑ کے ایک بیٹی تھی۔ جس کا نام فاطمہ تھا۔ مدینہ سے روانگی کے وقت وہ بیمار تھیں۔ انہیں تپ لازم عارض تھا۔ حضرت اسے اپنے ہمراہ نہ لے جا سکے۔ اور ام البنین اور حضرت ام سلمیٰ کے سپرد کر کے اور یہ فرما کر چلے گئے کہ انشاء اللہ خدا تجھے صحت دے گا۔ اور میں بھی کوفہ والوں کی بیوفائی سے بچوں گا تو تیرے بھائی علی اکبر کو بھیجوں گا وہ آکر تجھے لے جائے گا اور تو میرے پاس پہنچ جائے گی۔

صاحب فضائل الشہداء لکھتے ہیں کہ فاطمہ صغریٰ نے جب کمال اصرار کیا تو امام حسینؑ نے فرمایا: بیٹی! جلدی نہ کر۔ تجھ میں اتنی تاب نہیں ہے کہ تو اتنے اہم سفر کو طے کر سکے جب میں منزل مقصود پہ پہنچوں گا تو تیرے بھائی علی اکبر اور تیرے چچا عباسؑ کو بھیج کر تجھے بلا لوں گا۔ (فضائل الشہداء صد۱۴۱ باب ۲۔ فصل ۱۸)

علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ : وترک الحسین ابا ھا فی المدینۃ مع کونہ املأ قلبا من جبھا لابتلاوہ بالفراق وصبرہ علیہ ۔ امام حسین علیہ السلام فاطمہ صغریٰ کو اسی حال میں چھوڑ کر چل دیئے ۔ کہ آپ کا دل ان کی محبت اور جدائی سے سخت پریشان تھا ۔ لیکن یہ سمجھتے تھے کہ اس میں بھی میرا امتحان ہے ۔ ۔ ۔ ۔ بیمار بیٹی کو چھوڑا اور تیمار داری حضرت ام سلمیٰ اور ام البنین کے سپرد کی ۔ فھی وام البنین اعنیٰ ام عباس واخوتہ علیھم السلام کلتاھما کانتا فی المدینۃ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نتائج ام فاطمہ بنت الحسین جناب ام سلمہ اور ام البنین جو حضرت عباس وغیرہ کی ماں تھیں ، مدینہ میں رہیں ۔ اور فاطمہ صغریٰ کے علاج و تیمارداری میں مشغول تھیں ۔ مائتین ص۱۳) حضرت امام حسین علیہ السلام فاطمہ صغریٰ سے وعدہ وعید کرنے کے بعد فرمانے لگے ۔ عباس ! اب بی بیوں کو سوار کرو ۔ میر انیس فرماتے ہیں : ؎

سن کر یہ سخن بانوئے ناشاد پکاری ۔۔۔ میں لٹتی ہوں ، کیسا سفر اور کیسی سواری
غش ہوگئی ہے فاطمہ صغریٰ مری پیاری ۔۔۔ بے لبس کے لیے کرتے ہیں سب گریہ وزاری
اب کس پہ میں اس صاحب آزار کو چھوڑوں
اس حال میں کس طرح سے بیمار کو چھوڑوں

ماں ہوں میں کلیجہ نہیں سینہ میں سنبھلتا ۔۔۔ صاحب مرے دل کو ہے کوئی سینہ میں ملتا
میں تو اسے لے چلتی مگر بس نہیں چلتا ۔۔۔ رہ جاتیں جو بہنیں بھی تو جی اس کا بہلتا
دروازہ پہ تیار سواری تو کھڑی ہے
پر اب تو مجھے جان کی صغرا کے پڑی ہے

چلاتی تھیں گبرا کر بہن آنکھیں تو کھولو ۔۔۔ کہتی تھیں سکینہ کہ ذرا منہ سے تو بولو
ہم جاتے ہیں تم اٹھ کے بغلگیر تو ہولو ۔۔۔ چھاتی سے لگو باپ کی دل کھول کے رولو
تم جس کی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا
گھر بھر میں جو ڈھونڈو گی تو اکبر نہ ملے گا

---

۱ سوال یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام مخدرات عصمت و طہارت کو ہمراہ کیوں لے جا رہے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت کی نظر میں مدینہ محل خوف بن گیا وہ اپنے قتل کا نقشہ مدینہ کے قیام میں دیکھ رہے تھے ۔ اور جان بچانے کے لیے آپ مکہ کا ارادہ کرکے جا رہے ہیں ۔ ایسی صورت میں بال بچوں کو کس پر چھوڑ جاتے ۔ اور کون ان کی حفاظت کرتا جبکہ تمام عزیز و اقارب آپ کے ہمراہ جا رہے تھے ۔ صرف محمد بن حنفیہ اور عبداللہ ابن جعفر باقی رہتے تھے جو سخت علیل تھے ۔

حضرت عباس کا بی بیوں کو سوار کرانا حضرت امام حسین علیہ السلام کا حکم پانے کے بعد حضرت عباس نے سواریاں دولت سرا کے قریب پہنچائیں اور بی بیوں کو سوار کرنا شروع کیا۔ فاضل معاصر لکھتے ہیں: امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ بنی ہاشم میں سے ہر شخص اپنی اپنی عزیز اور محرم بی بی کو محمل میں سوار کرے۔ ناگاہ ایک جوان رعنا نمودار ہوا۔ اور آواز دی سب اس جگہ سے ہٹ جائیں۔ اس کے بعد دو برقعہ پوش بی بیاں تشریف لائیں۔ ان کے چاروں طرف کنیزیں حلقہ کئے ہوئے تھیں۔ وہ نہایت ہی سکون و وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ محمل کے قریب پہنچیں۔ اس ماہرو جوان نے اونٹ کو بٹھایا۔ اور اپنا زانو خم کرکے ایک معظمہ کو سوار کیا۔ جو انتہائے سکون و وقار کے ساتھ محمل کے قریب پہنچی تھیں۔ استفسار حال پر معلوم ہوا کہ ایک معظمہ حضرت زینبؑ اور دوسری ام کلثوم تھیں۔ اور جوانِ ماہ رو حضرت عباس علیہ السلام تھے۔ (سلسلۃ الذہب ص۱۱۴ طبع لکھنو ۱۳۲۷ھ، مظلومۂ کربلا ص۲۹)

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ سواری کے لیے دو بی بیاں نکلیں۔ لم تری الوجوہ شمس النہار ولم تنظر الیھن عیون الانجم والاقمار۔ جن کے چہروں کو آفتاب نے بھی نہ دیکھا تھا اور جن کی صورتوں پر چاند اور ستاروں نے بھی نظریں نہ ڈالی تھیں۔ جب وہ سوار ہونے لگیں تو علی اکبر نے دوڑ کر پردہ محمل کو اٹھایا۔ قاسم نے زیر پا کرسی رکھی۔ عباسؑ آمد زانو تہ می کرد۔ زینب پا بہ زانوئے عباسؑ می گزارد۔ عباس نے زیر پائے حضرت زینبؑ اپنے زانو رکھے اور آپ سوار ہونے لگیں۔ حضرت امام حسینؑ نے حضرت زینب کے زیر بغل ہاتھ دے کر سوار کیا۔ (ریاض القدس ص۲۱۲)

اہل بیتؑ کی سواری کا تزک و احتشام علامہ دربندی لکھتے ہیں کہ عبیداللہ ابن سنان کوفی کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں امام حسین علیہ السلام سفر کر رہے تھے۔ میں بھی سرزمین مدینہ پر موجود تھا۔ میرے دل میں آیا کہ چلوں شاہ حجاز کی سواری کا تزک و احتشام دیکھوں۔ چنانچہ میں موقعہ پر آ گیا۔ اور دیکھا کہ گھوڑوں پر زین کسے ہوئے ہیں۔ لوگ مستعد کھڑے ہوئے ہیں۔ اور تاجدار مدینہ حضرت امام حسین ایک کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ اور بنی ہاشم انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ امام حسینؑ ان لوگوں میں اس طرح معلوم ہوتے تھے۔ جیسے ہالہ میں چودھویں رات کا چاند ہو اور چالیس محملیں حریر و دیبا سے آراستہ موجود ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حکم دیا کہ اے بنی ہاشم اپنے اپنے محارم کو محمل میں سوار کرو۔ فبینما انظر الی الشباب قد خرج من دار الحسین وھو

طویل القامت" اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک ماہرو خوبصورت طویل القامت جوان دولت سرا سے برآمد ہوا اور سب لوگوں کو مخاطب کر کے بولا "تنحوا عنی" تم سب لوگ ہٹ جاؤ۔ علیؑ اور فاطمہؑ کی بیٹیاں سوار ہو رہی ہیں۔ پھر میں نے دور سے دیکھا کہ دو بی بیاں دولت سرا سے برآمد ہوئیں ان کے برقعوں کے کنارے زمین سے گھستے جاتے تھے اور بہت سی مائیں ان کو گھیرے ہوئے تھیں وہ ایک محمل کے قریب جاکر ٹھہر گئیں۔ جوان نے اپنے گھٹنے راست کر دیئے۔ وہ اس کے ذریعے سوار ہو گئیں۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ چادر (برقع) میں لپٹی ہوئی یہ دونوں بیبیاں کون تھیں جو سوار ہوئیں اور اس جوان کا کیا نام ہے۔ اس نے کہا علی وفاطمہؑ کی یہ دونوں بیٹیاں ہیں۔ ایک کا نام زینب اور دوسری کا نام اُم کلثوم ہے اور یہ جوان عباس بن علی ہیں۔ پھر میں نے دو کمسن عورتوں کو برقع میں دیکھا ایک حضرت زینب کے ساتھ دوسری اُم کلثوم کے ساتھ سوار کر دی گئیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک سکینہ بنت حسین اور دوسری فاطمہ بنت حسین ہیں۔ پھر ایک جوان بدر طالع کی طرح نکلا۔ اس کے ساتھ ایک بی بی تھیں، جو ایک بچہ لیئے ہوئے تھیں، ان کے گرد کثیر عورتیں تھیں، دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ وہ جوان تو علی اکبر ہیں اور ان کے ساتھ ان کی مادر گرامی، اور بچہ حضرت علی اصغر ہیں۔ پھر ایک خوبصورت نوخیز فرزند برآمد ہوا جس کے ساتھ ایک بی بی تھیں، معلوم ہوا کہ فرزند خوبرو حضرت امام حسن کے نورِ نظر قاسم بن حسن ہیں، اور ان کے ساتھ جو بی بی ہیں۔ ان کی مادر گرامی ہیں۔ ثم ارکبو بقیۃ الحرم والاطفال علی المحامل غرضکہ اسی طرح تمام حرم محترم اور بچوں کو محملوں میں سوار کیا گیا۔ (اسرار الشہادت صفحہ ۳۲۶ طبع ایران) تمام بی بیاں سوار ہو گئیں۔ اب امام چاہتے ہیں کہ خود سوار ہوں۔ اتنے میں تمام بنی ہاشم کی عورتیں، جو کھڑی رو رہی تھیں امام حسین کے گرد جمع ہو گئیں اور فلک شگاف نالے و نعرے بلند کرنے لگیں۔

علامہ ابن قولویہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب ان کا یہ اضطراب دیکھا تو فرمایا انشد کن اللہ تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں صبر سے کام لو۔ انہوں نے یک زبان جواب دیا فلمن نستنقی النیاحۃ والبکاء ہم کس دن کے لئے نوحہ وبکا اٹھا رکھیں ہماری نظر کو آج رسول اللہ، امیر المومنینؑ، فاطمہ زہراؑ، حسنؑ مجتبیٰ نے انتقال کیا ہے مولا آپ کا جانا ہمارے لیے بڑی مصیبت ہے۔ کامل الزیارت قلمی سیف المقلدین مصنفہ عبدالجلیل یوسف زئی ص ۲۵۵۔ طبع لکھنؤ ۱۳۱۸ھ

حسینی فرس کی رکاب جناب عباس کے ہاتھ میں امام علیہ السلام سب کو سمجھا بجھا کر سوار ہونے

کے لیے آگے بڑھے اور بایں الفاظ حضرت عباس کو پکارا۔"این اخی این کبش کتیبتی" قمر بنی ہاشم میرا ٹوٹ بازو میرے لشکر کا مالک قمر بنی ہاشم کہاں ہے۔" فاجابہ العباس قائلا لبیک لبیک "مولا آپ کا غلام حاضر ہوا، حاضر ہوا۔ کہتے ہوئے پہنچ گئے۔ عرض کی حضور کیا حکم ہے۔ فقال الامام قدم لی یا اخی جوادی بھائی! میری سواری کا گھوڑا لاؤ۔ فاتی العباس بالجواد الیہ وقد حفت بہ بنو ھاشم۔ آپ نے فوراً فلک سیر گھوڑا حاضر کیا۔ تمام بنی ہاشم کے جھرمٹ میں امام حسین علیہ السلام سوار ہونے لگے۔ فاخذ العباس برکاب الفرس حتی رکب الامام حضرت عباس نے فوراً رکاب فرس تھام لی۔ اور بادشاہ دو عالم رونق افروز زین فرس ہوئے ثم رکب بنو ھاشم پھر بنی ہاشم سوار ہوئے۔ (اکسیر العبادات ص۳۹۶) بنی ہاشم کا سوار ہونا تھا کہ اہل مدینہ نے فلک شگاف نعرے شروع کر دیئے۔

فصاح اھل المدینۃ شدیدۃ وعلت	پھر اہل مدینہ چلا چلا کر رونے لگے اور عورات بنی
اصوات بنی ھاشم بالبکاء والنحیب و	ہاشم کی صدائے گریہ بلند ہوئی وہ سب کہنے لگیں۔
تقلن الوداع الوداع۔ الفراق الفراق	الوداع الوداع الفراق الفراق یہ سن کر حضرت
فقال العباس واللہ ھذا یوم الفراق	عباس نے فرمایا خدا کی قسم آج جدائی ہو رہی ہے اور
والملتقی یوم القیامۃ (اسرار الشہادت ص۲۶۷)	اب قیامت میں ہی ملاقات ہو سکے گی۔

غرضیکہ صدائے الرحیل الرحیل بلند ہوئی اور اہل بیت رسالت کا قافلہ روانہ ہو گیا۔ صاحب خلاصۃ المصائب لکھتے ہیں

فلما اراد المسیر تبعتہ فاطمۃ	جب یہ قافلہ چل کھڑا ہوا تو فاطمہ صغریٰ روتی
الصغریٰ الی ظاھر المدینۃ تقول	ہوئی مدینہ کے باہر تک چلی آئیں، کسی نے
یابن رسول فاطمہ تجی خلفک باکیۃ	حضرت امام حسین سے کہا مولا! فاطمہ صغریٰ یہ
وتقول لا افارق ابی فبکی الحسین	کہتی ہوئی چلی آتی ہیں کہ میں اپنے باپ کو نہیں

چھوڑ سکتی اور نہ جدائی میں صبر کر سکتی ہوں۔

یہ سن کر امام حسینؑ رونے لگے اور صدائے گریہ و زاری اہل حرم کے کجاووں سے بھی بلند ہوئی حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباس اور حضرت علی اکبر سے ارشاد فرمایا کہ جاؤ میری لخت جگر کو میرے پاس لے آؤ۔ یہ دونوں حضرات تشریف لے گئے اور فاطمہ صغریٰ کو سینے سے لگا لیا اور بے پناہ گریہ کے بعد فرمایا۔ چلو تمہارے بابا جان بلا رہے ہیں۔ فسرت بذالک سرورا عظیماً یہ سن کر

فاطمہ صغریٰ بہت مسرور ہوئیں اور خدمت پدر میں حاضر ہوگئیں اور دوڑ کر قدموں سے لپٹ گئیں پھر دامن تھام کر کہنے لگیں، "یا ابی کیف بعدکم ادی منازلکم خالیۃ ولم یری فیھا ایس" بابا جان! میں آپ کے دولت سرا کو خالی اور خوابگاہ کو سونی دیکھ کر کیسے صبر کروں گی۔

فلمارا ھا الحسین فی اسوۂ حال رفع راسہ الی السماء مدید یہ ومرک شفتیہ (وقال) یا فاطمہؑ اذھبی الی دارلۓ فاذا وصلت الی العراق ارسل الیک اخاک علی الاکبر وعمک العباس

امام حسین علیہ السلام نے جب فاطمہ صغریٰ کا حال دگرگوں دیکھا تو ہاتھ اٹھا کر کچھ دعا فرمائی اور کہا اے فاطمہ اب اپنے گھر کو جاؤ میں جب عراق پہنچ جاؤں گا تو تمہیں لے جانے کے لیے تمہارے بھائی علی اکبر یا چچا عباس کو بھیجوں گا۔

غرضکہ امام حسینؑ نے وعدہ کی تجدید کی اور سواری روانہ ہوگئی، یہ روانگی ۲۸ رجب ۶۰ھ یوم سہ شنبہ کو عمل میں آئی سرفروشانِ اسلام اور بہادرانِ ذوالاحترام صبر و رضا کی منزلیں طے کرتے ہوئے جا رہے تھے مسلم ابن عقیل نے کچھ سوچ کر امام حسین علیہ السلام کو شارع عام سے کچھ ہٹ کر چلنے کا مشورہ دیا حضرت نے فرمایا واللہ ما فارقنا ھذا الطریق ابداً۔ خدا کی قسم میں ابن زبیر کی طرح عام راستہ چھوڑ کر نہ چلوں گا۔ (مقتل ابی مخنف)

حضرت عباس کی شان علمبرداری | عبداللہ ابن سنان کوفی کا بیان ہے کہ جب حسینی قافلہ منزل تسلیم و رضا طے کرتا ہوا مکہ معظمہ کی جانب بڑھ رہا تھا تو حضرت عباس گھوڑے پر سوار علم اسلام ہاتھ میں لیے آگے آگے سینہ سپر چل رہے تھے۔ (اسرار الشہادت ص۲۶، طوفانِ بکا شعلہ ۳)

مکہ معظمہ ورود | مختصر یہ کہ منزلیں طے کرتے ہوئے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ ۳ شعبان ۶۰ھ یوم جمعہ کو آپ مکہ معظمہ پہنچے۔ ماہ شعبان رمضان شوال اور ذیقعدہ میں مکہ معظمہ میں مقیم رہے (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۱) اور عبداللہ بن زبیر

لہ مذکورہ بالا کتب کے علاوہ حسب ذیل کتابوں سے بھی حضرت فاطمہ صغریٰ کے وجود کا ثبوت ملتا ہے:

۱۔ درر اصدف۔ ۲۔ روضۃ الاحباب۔ ۳۔ ناسخ التواریخ۔ ۴۔ بحار الانوار۔ ۵۔ جلاء العیون۔ ۶۔ فضائل الشہداء۔ ۷۔ تاریخ احمدی۔ ۸۔ سیدہ کا لال۔ ۹۔ اسعاف الراغبین۔ ۱۰۔ خمہ اقبالیہ۔ ۱۱۔ ماتتین۔ ۱۲۔ مفتاح البکا۔ ۱۳۔ شبلی نعمانی اپنی کتاب موازنہ انیس و دبیر طبع آگرہ ۱۹۰۷ء کے ص۳ پر لکھتے ہیں کہ حضرت صغریٰ امام حسینؑ چھوٹی صاحبزادی تھیں جن کو امام مدینہ میں ہی چھوڑ آئے تھے۔ الخ

جو پہلے سے تلے ہوئے تھے (تاریخ کامل جلد ۴ صہ) اور جنگ کی تیاری کر رہے تھے۔ حضرت امام حسینؑ ان سے ہٹ کر قیام فرما ہوئے۔ ان کے شریک نہ ہوئے۔ (محرم نامہ صہ ۱۳۲) اسی دوران کوفہ سے تقریباً ۱۲ ہزار خطوط آئے۔ اور صرف ایک دن میں چھ سو خطوط آئے۔ (دمعہ ساکبہ صہ ۳۰) جو ہر طبقہ اور ہر جماعت کی طرف سے لکھے گئے تھے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی مصنف تحفہ اثنا عشریہ۔ اپنی کتاب اسرار الشہادتین طبع لدھیانہ کے صہ ۲۰ پر لکھتے ہیں۔ من کل طائفہ وجماعۃ یہ خطوط ہر طائفہ اور جماعت کی طرف سے آئے تھے۔

کوفہ کے خطوط کا مضمون یا ابن رسول اللہ! ہم بنی امیہ کے ظلم و ستم سے عاجز ہو گئے ہیں اور یزید کی بدکاریوں اور خلاف شرع اعمال سے بیزار ہیں۔ ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔ آپ یہاں تشریف لائیں اور ہماری امامت قبول فرمائیں۔ اگر آپ تشریف لائیں گے۔ تو ہم پیش خدا گریباں گیر ہوں گے کہ ہم نے امام کو دین کی حفاظت کی نظر سے بلایا اور آپ نہیں آئے۔ جب اس مضمون کے خط پہنچے تو آپ پر کوفہ جانا واجب ہو گیا۔ کیونکہ انہوں نے حجت قائم کر دی (تاریخ اسلام صہ ۳)

علامہ ابو اسحٰق اسفرائنی لکھتے ہیں کہ ایک دن جناب امام حسین علیہ السلام اپنے دولتکدہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کوفہ سے ایک آنے والے نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا کوفہ کا ایلچی آپ نے اذن حضوری دیا وہ اندر آیا اور ایک خط پیش خدمت کیا۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اس میں لکھا تھا: اے حسین! اے رسول اللہ کے نواسے آپ کو معلوم ہو گا کہ یزید بن معاویہ نے ظلم اور جور سے بیگناہوں کو قتل کرنا اور لوگوں کے اموال کو لوٹنا شروع کر رکھا ہے۔ سرکشی اور تمرد کو اختیار کئے ہوئے ہے ہر طرف اس کا ظلم پھیل گیا ہے۔ بری باتوں کا حکم کرتا اور اچھی باتوں سے روکتا ہے۔ شراب پیتا ہے۔ خدا سے نہیں ڈرتا ہے۔ تمام شہروں میں برائیوں کو پھیلاتا ہے۔ ظلم و جور خدا کے بندوں پر کرتا ہے۔ عدل نہیں کرتا۔ ارسلنا الیک یا ابا عبد اللہ سابقاً مخوائف کتاب نطلبک ان تحضرنی عند نا۔ الخ اے ابو عبداللہ! ہم اس سے پہلے آپ کی خدمت میں ایک ہزار کے قریب خطوط ارسال کر چکے ہیں۔ ہم آپ کی تشریف آوری کے لیے عرض کرتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس آجائیں ہم آپ کے جد امجد کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ آپ تشریف لائیں دیکھئے اب بھی اگر آپ نہ آئے تو بین یدی اللہ خاصمناک ونقول یا ربنا ظلمنا ما جوابک الذی یقولہ اللہ وتتخلص بہ من حقوق اللہ ہم خدا کے سامنے

آپ کا گریبان پکڑیں گے اور کہیں گے کہ اے خدا امام حسینؑ نے ہم پر ظلم کیا اور ہم پر ظلم کرنے پر راضی رہے۔ اس وقت آپ خدا کو کیا جواب دیں گے، اور کیوں کر چھٹکارا حاصل کریں گے۔ فلما قرا الحسین المکتوب اقشعر جلدہ خوفاً من اللّٰہ امام حسینؑ نے جس وقت اس مضمون کا خط پڑھا خوفِ خدا سے کانپ اٹھے۔ (نور العین فی مشہد الحسین)

غرضکہ امام حسینؑ نے اپنی شرعی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے بہت سوچنے سمجھنے کے بعد کوفہ جانا طے کر لیا۔ اور ایک خط لکھ کر حضرت مسلم بن عقیل کے سپرد کیا اور فرمایا۔ بھائی! کوفہ جاؤ اور یہ خط دے کر وہاں کے حالات سے مجھے باخبر کرو۔ حضرت مسلم بن عقیل حکم مولا پاتے ہی فوراً روانہ ہو گئے۔ پہلے مدینہ تشریف لائے اور سرورِ کائناتؐ کے روضہ مبارک سے رخصت ہو کر کوفہ کو چلے گئے۔ (روضۃ الشہداء صا۲۶)

مکہ معظمہ میں امام حسینؑ کے قتل کی سازش جناب مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کرنے کے بعد ہی حج کا زمانہ آ گیا۔ حضرت امام حسین نے احرام باندھا اور مشغولِ حج ہوئے۔ ناگاہ آپ کو اطلاع مل گئی کہ تیس دشمن حاجیوں کے لباس میں میرے قتل کے لیے آ گئے ہیں۔ تو آپ نے حج کو عمرہ سے بدل کر اور مکہ معظمہ کو جلد سے جلد چھوڑ دینا ضروری سمجھا۔

لسان الملک سپہرِ کاشانی لکھتے ہیں۔ یزید ابن معاویہ نے بنی امیہ کے تیس شیطانوں کے حج کے بہانہ سے مکہ بھیجا۔ اور حکم دیا کہ وہاں پہنچ کر امام حسین کو گرفتار کر لیں اور اگر گرفتار نہ کر سکیں تو پھر قتل کر ڈالیں۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صا۲۱) کتاب خلاصۃ المصائب مطبوعہ ۱۲۹۳ھ کے صفحہ ۵ پر ہے۔

ان یزید انفذ عمر بن سعد فی عسکر عظیم وامرہ علی الحجاج کان قد اوصاہ بقبض الحسین سراً وان لم یتمکن بقتلہ، غیلۃ ثم انہ لعنہ اللہ دس مع الحجاج ثلثین رجلاً من شاطین بنی امیہ وامرھم بقتل الحسین علی کل حال اتفق لھذا نخرج من مکۃ بعد ان طاف وسعی واحل من احرامہ وجعل حجتہ عمرۃ منفردۃ الخ دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۱۵ بحوالہ منتخب طریحی۔ (ہیج الاحزان صہ۴۳)

یزید نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ عمر بن سعد کو حج کے بہانے سے بھیجا اور اسے سمجھایا کہ امام حسینؑ کو مناسب طریقہ سے گرفتار کر لے اور یہ بھی کہہ دیا۔ کہ اگر گرفتار نہ کر سکے تو دھوکے سے قتل کر دے پھر اس کے بعد تیس شخصوں کو بنی امیہ کے شیطانوں میں سے بھیجا۔ اور انہیں حکم دیا کہ جس صورت سے ہو سکے۔ امام حسین کو قتل کر دیں۔ یہ حالات دیکھ کر امام حسینؑ نے طواف وسعی سے فراغت کر کے احرام کھول دیا۔ اور حج کو عمرہ منفردہ سے بدل دیا۔

عبارت مذکورہ سے پتہ چلتا ہے کہ یزید نے کثیر آدمی حضرت امام حسین کی گرفت یا قتل کے لیے

بھیجے تھے۔ عبدالحمید خان ایڈیٹر رسالہ "مولوی" دہلی لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک سازش یہ بھی کی کہ ایام حج میں تین سو شامیوں کو بھیج دیا کہ وہ گروہ حجاج میں شامل ہو جائیں۔ اور جہاں جس حال میں بھی حضرت امام حسینؑ کو پائیں قتل کر ڈالیں۔ (شہید اعظم ص۱)

قاضی قسطنطنیہ علامہ شیخ قندوزی تحریر فرماتے ہیں کہ وکان فیہ خروج الحسین من مکہ الی العراق بعد ان طاف وسعی رحل من احرامہ وجعل حجہ عمرۃ منفردہ لانہ لم یتمکن من اتمام الحج بمخافۃ ان یبطش بہ ویقع الفساد فی الموسم فی المکۃ لان یزید ارسل معہ الحجاج ثلاثین رجلاً من شیاطین بنی امیہ وامرھم بقتل الحسین علی کل حال۔ امام حسینؑ نے طواف اور سعی کے بعد احرام کھول کر حج کو عمرہ منفردہ سے بدل کر مکہ سے عراق کو روانہ ہو جانا اس لیے ضروری سمجھا کہ ان کے حملہ کے خوف اور مکہ میں قتل وغارت کے ڈر سے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ حج کو تمام تک پہنچاتے۔ اس لیے کہ یزید نے بنی امیہ کے تیس بدمعاشوں کو حاجیوں کے ساتھ مکہ بھیج دیا تھا اور ان کے لیے یہ حکم تھا کہ جس صورت سے ہو سکے۔ امام حسین علیہ السلام کو قتل کریں۔ (ینابیع المودۃ ص۲۳ طبع مصر)

امام حسینؑ کی مکہ سے روانگی آپ مدینہ منورہ سے نکل چکے ہیں۔ اور مکہ معظمہ میں بھی۔ یزیدی احکام کی بنا پر اپنی قتل وبربادی اور حرمت کعبہ کا کامل یقین کر چکے ہیں۔ اب آپ کو حرمت کعبہ اور لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ۔" اپنے کو جان بوجھ کر ہلاکت میں نہ ڈالو" کے لحاظ سے مکہ معظمہ چھوڑ کر کسی طرف چلا جانا ضروری ہے۔ اب حسینؑ جائیں تو کدھر جائیں۔ اور جان بچائیں تو کیوں کر بچائیں۔ پناہ لیں تو کہاں لیں۔ نہ کسی نے آپ کی خبرگیری کی اور نہ کوئی دعوت نامہ بھیجا۔ اب آپ کے سامنے ایک کوفہ کا راستہ تھا۔ جس کی طرف رہبری پر آپ شرعاً مجبور تھے۔ اور اصولاً بھی۔ بارہ ہزار دعوت نامے اور ان میں لکھا ہوا ہونا کہ اگر آپ نہ آئے تو ہم قیامت میں گریبان گیر ہوں گے۔ اور ہماری ہدایت کیجئے۔ امام حسینؑ کو مجبور کرتا تھا کہ آپ کوفہ کی طرف ہی چل پڑیں۔

چنانچہ آپ نے پوری نیک نیتی اور ثواب وتقوے کی امید میں عزم بالجزم کر لیا۔ (انسانیت موت کے دروازے پر، مؤلفہ ابوالکلام آزاد ص۴۵) آپ کے مصمم ارادہ کی اطلاع باشندگان مکہ میں گونج اٹھی اور لوگ آپ کی خدمت میں اس ارادے سے آنے لگے کہ آپ کو سمجھا بجھا کر ارادۂ سفر عراق سے روکیں۔ امام حسین علیہ السلام نے ان حضرات کو مناسب جواب دیا۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی امیہ میرے قتل کے درپے ہیں میں کہیں جاؤں کہیں بھی رہوں۔ بنی امیہ مجھے ضرور قتل کریں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے قتل ہونے سے حرمت کعبہ برباد ہو۔ (ینابیع المودۃ ص۲۳) میں اگر چیونٹی کے بل میں بھی گھس جاؤں تو

بھی پناہ نہ پاؤں گا۔ ایم اللہ لوکنت فی حجر ھامۃ من ھذہ الھوام لاستخرجونی حتی یقضوا بی حاجتھم۔ خدا کی قسم اگر ان زمین میں بسنے والوں میں سے کسی کے بھٹ یا بل یا سوراخ میں روپوش ہو جاؤں تب بھی جان نہ بچے گی۔ یہ دشمن مجھے وہاں بھی ڈھونڈھ نکالیں گے۔ اور اپنا دل ٹھنڈا کریں گے۔ خدا کی قسم میں کعبہ میں قتل سے کعبہ کے باہر چاہے ایک ہی بالشت کی دوری کیوں نہ ہو۔ اُسے خاص کعبہ میں قتل سے بہتر جانتا ہوں۔ اور کعبہ سے جتنی دوری پر قتل ہوں وہی میرے لیے بہتر ہے۔ (تاریخ کامل طبع مصر۔ جلد۴) واللہ لایدعونی حتی یستخرجوا ھذہ العلقۃ من جوفی۔ الخ۔ خدا کی قسم جب تک یہ لوگ میری جان نہ لیں گے دم نہ لیں گے۔ تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۲)

حضرت محمد بن حنفیہ کو چونکہ امام حسین علیہ السلام کا زیادہ درد تھا۔ لہذا وہ بار بار دوڑ کر آتے اور آپ سے التجا کرتے کہ سفر عراق ملتوی کر دیجئے۔ امام حسین علیہ السلام فرماتے "یا اخی انی اخشی ان یقتلنی جنود بنی امیہ فی مکۃ فاکون کالذی تستباح دمہ فی حرم اللہ۔ اے بھائی! میں اس بات سے ڈرتا ہوں۔ کہ کہیں بنی اُمیہ کے درندے مجھے خانہ کعبہ میں نہ پھاڑ کھائیں۔ اور میں ہی وہ دنبہ قرار پاؤں جس سے حرمت کعبہ خراب ہونے کی خبر نانا دے گئے ہیں۔ (ینابیع المودۃ صفحہ ۲۳، صواعق محرقہ صفحہ ۱۱) امام حسینؑ کے جواب کے بعد بھی محمد بن حنفیہ کمال خلوص کی وجہ سے برابر اصرار کرتے رہے۔ بروایتے حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ اچھا میں غور کروں گا۔ (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۱۶) علامہ ابوالحسن علی بن اسمٰعیل لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ کو سمجھانے میں ابن عباس نے بھی مبالغہ سے کام لیا تھا اور سمجھانے کے تمام پہلو اختیار کئے تھے۔ آپ نے یہ بھی کہا تھا۔ کہ ابن زبیرؓ آپ کے چلے جانے سے دلیر ہو جائے گا۔ اور اس کی قدرومنزلت بڑھ جائے گی (کتاب المخصص طبع مصر صفحہ ۱۳۱۶)

دو ایک راتیں گزریں۔ یہاں تک کہ ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ یعنی کوچ کی رات آگئی۔ آپ نے اصحاب کو جمع کیا۔ اور ایک زبردست خطبہ دیا جو حمد خدا و نعت رسولؐ اور آئندہ آنے والے واقعات پر مشتمل تھا۔ جس میں خصوصیت کے ساتھ یہ کہا گیا تھا۔ جو شخص راہِ خدا میں جان قربان کرنا چاہیئے موت کا مشتاق اور لقائے الٰہی کا شائق ہو۔ وہ میرے ساتھ چلے۔ میں انشاء اللہ صبح یہاں سے کوچ کروں گا۔ ازاں بعد حضرت عباس علیہ السلام کو حکم دیا کہ سامان سفر درست کرو اور اسباب سفر فراہم کر لو۔

رات کا نور ہو گیا۔ نور کا تڑکا ہوا۔ حکم امام علیہ السلام سے سواریاں کَسی جانے لگیں۔ ناگاہ امام حسینؑ کے خیر خواہ عبداللہ ابن جعفر اور محمد بن حنفیہ وغیرہما کو خبر ہوئی۔ دوڑے ہوئے آئے اور عرض کی مولا! نہ جائیے عراقی بے وفا ہیں۔ آپ نے عبداللہ کے جواب میں فرمایا۔ انی رأیت رؤیا رأیت فیھا رسول اللہ

وامرت فیھا بامرانا ماض لہٗ۔ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے انہوں نے مجھے ایک امر کا حکم دیا ہے۔ اور میں اسے کیے بغیر نہ رہوں گا۔ (تاریخ طبری ص۲۸۹ و تاریخ کامل جلد ۴ ص۲۱)

محمد حنفیہ آگے بڑھے اور عرض کی۔ بھائی! کوفہ کی طرف نہ جایئے۔ یہ لوگ اہل عذر و مکر ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہیں قیام کیجیے۔ امام حسین نے فرمایا: اے بھائی! مجھے یہ خوف واندیشہ ہے کہ یہ ظالم بنی امیہ مجھے مکہ ہی میں نہ قتل کر ڈالیں۔ اور میرا خون بہنے سے مکہ معظمہ کی حرمت برباد ہو جائے۔ محمد بن حنفیہ نے کہا تو بہتر یہ ہے کہ آپ یمن تشریف لے جایئں۔ حسین علیہ السلام نے فرمایا، بھائی! اگر میں کسی پتھر کے سوراخ میں بھی سما جاؤں تب بھی یہ ظالم مجھے نکال لیں گے (ناموس اسلام ص۱۱۳) پھر محمد بن حنفیہ نے غور و خوض کا حوالہ دیتے ہوئے مہار تھام کر عرض کی۔ بھائی اتنی جلدی کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ غور کروں گا۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا بس تمہارے جانے کے بعد رات کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ نانا رسول اللہ تشریف لائے ہیں مجھے سینہ سے لگاتے ہیں، آنکھوں کو چومتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں "اے میرے قرۃ العین! میرے نور نظر بس جلدی کرو۔ عراق کی طرف روانہ ہو جاؤ۔" محمد حنفیہ یہ سن کر رو پڑے اور عرض کی کہ بھائی! اگر یہی بات ہے کہ آپ کو ضرور شہید راہ الٰہی ہونا ہی ہے تو ان اہل بیت اطہار ان بی بیوں کو کیوں ساتھ لیے جا رہے ہیں۔ فرمایا ان کے بھی ہمراہ لے جانے کا حکم ہے (ناموس اسلام بحوالہ مقتل ابی مخنف)

ڈاکٹر میسور بائیس جرمنی فلاسفر اپنے رسالہ "سیاست اسلامیہ و فلسفہ شہادت حسین" میں لکھتا ہے۔ حسینؑ اپنے دوستوں سے جو انہیں سفر عراق سے روکتے تھے صاف طور پر کہہ دیتے تھے کہ میں تو مقتول ہونے کے لیے جا رہا ہوں۔ چونکہ ان مانع لوگوں کے خیالات محدود تھے اور حسینؑ کے مقاصد عالیہ سے وہ باخبر نہ تھے۔ اس لیے وہ سفر سے ممانعت میں اصرار کرتے تھے۔ جس کا آخری جواب حسین کی طرف سے یہ تھا کہ خدا کی مشیت یہی ہے اور میرے نانا نے مجھے یہی حکم فرمایا ہے۔ اور جب یہ اصرار کرتے تھے کہ آپ مقتول ہونے کی غرض سے جاتے ہیں تو عورتوں اور بچوں کو ہمراہ نہ لے جائیں تو آپ ان کو یہی جواب دیتے کہ خدا کی مشیت یہی ہے "میرے عیال اسیر ہوں" حسینؑ کے یہ کلمات اس وقت جو روحانی ریاست کی حیثیت سے تھے۔ لاجواب تھے لاجواب تھے۔ یعنی کسی کو مجال دم زدن نہ تھی۔

غرضکہ امام حسین علیہ السلام حرمت کعبہ کو بچانے اور تبلیغی حجت تمام کرنے کے لیے یوم ترویہ ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو مکہ معظمہ سے بارادہ کوفہ روانہ ہو گئے۔ (ناسخ التواریخ، تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۲۰)

کوفہ

کوفہ اور بصرہ یہ دونوں شہر عہد خلافت ثانیہ سنہ ۱۷ھ میں ملکی ضروریات اور حفاظت سرحدات کے خیال سے فوجی مقام اور چھاؤنی کی حیثیت سے آباد کئے گئے تھے۔ خلیفہ دوم کے حکم سے بصرہ کو عتبہ بن ولید اُموی نے بسایا تھا اور وہی وہاں کا کنٹونمنٹ مجسٹریٹ و حاکم مقرر ہوا اور کوفہ کو سعد بن ابی وقاص نے آباد کیا۔ اور وہی وہاں کا گورنر مقرر رہا۔ کوفہ پر مشتری مستولی ہے اور اس کا عرض البلد ۳۳ درجہ اور طول البلد ۴۴½ درجہ ہے۔ اور اس کی آبادی بقول ے کربلائے معلیٰ سے ۳۳ میل کے فاصلہ پر ہے۔

کوفہ کی ساری آبادی دشمنان اہلبیت اور ہوا خواہان بنی اُمیہ کے ماتحت گزری۔ یہی وجہ ہے کہ کوفہ کی آبادی ہمیشہ خاندانِ رسالت کے خون پینے والوں سے چھلکتی رہی اور اسی لیے سنہ ۶۰ھ میں امام حسین علیہ السلام کو دعوت تبلیغ دے کر کوفہ میں بلانے اور وہیں قتل کر دینے کا خفیہ اور سازشی پروگرام بنایا گیا تھا۔ جس میں اُن معدودے اشخاص کو بھی فریب سے شامل کرنے کی کوشش کی گئی تھی جو امام حسینؑ کے دوستداراں میں سے تھے۔ مگر اُن پر جب ان خونخواروں کی دھوکہ دہی کا حال حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت سے بے نقاب ہوگیا تو یہ لوگ کربلا کی جانب دوڑے۔ اور امام حسین علیہ السلام کے قدموں پر نثار ہو کر سعادت ابدی حاصل کرلی۔ جیسے سعید اور زہیر جو نہ جا سکے وہ کوفہ میں ہی قتل ہو گئے جیسے ہانی بن عروہ وغیرہ

اب ہم ذیل میں اپنے محترم دوست جناب مولانا سید سبط الحسن صاحب ہنسوی کی وہ عبارت من و عن نقل کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب "اظہار حقیقت" کے صہ ۵۴ سے صہ ۵۵ تک تحریر فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں :-

یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے، جس سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عہد خلافت امیر المومنین میں بنی ہاشم و خاندان رسالت کو ایسا اقتدار حاصل ہوگیا تھا۔ جس کی وجہ سے شیعی اثرات عراق میں کسی حد تک موجود تھے جن کے مٹانے کے لیے معاویہ نے بڑی کوششیں کیں۔ بسر بن ارطاۃ بن سمیہ ایسے ظالموں کو عراق پر مسلط کر دیا گیا۔ ان لوگوں نے چن چن کر شیعیان علیؑ کو قتل کر ڈالا۔ خاص شہر کوفہ کی یہ حالت تھی کہ وہاں سوائے دو جانوں کے تمام شیعوں کو قتل کر دیا گیا تھا جیسا کہ عبید اللہ ابن زیاد نے تفاخر و احسان کے جذبہ میں ہانی بن عروہ شیعی سے یہ کہا تھا کہ :

یا ھانی اما تعلم ان ابی قدم ھذا البلد   اے ہانی! کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا باپ زیاد

فلم تیتزت احداً من هذه الشیعة الا قتله غیرابیك وغیرحجر۔ تاریخ طبری ص ۲۴۵ طبع لندن)

جب یہاں حاکم ہو کر آیا تھا تو اس نے یہاں ایک شیعہ بھی زندہ نہیں چھوڑا تھا۔ سوائے تمہارے باپ (عروہ) اور حجر کے

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوفہ میں بزمانہ معاویہ شیعوں پر جو تباہی آئی، اس کے بعد یہاں صرف دو شیعہ رہ گئے تھے۔ معاویہ اور اس کا مشیر عمرو بن عاص جو دہات عرب کے مشہور افراد ہیں۔ ان کی نگاہیں کوفہ کی سی اہم چھاؤنی پر بھی تھیں۔ صلح امام حسن علیہ السلام کے بعد اس چھاؤنی پر پورا پورا قبضہ کیا گیا تھا۔ دمشق کی مرکزی چھاؤنی کو مضبوط بنانے کی اب ضرورت نہ تھی۔ بلکہ ملک شام کی پوری طاقت کو کوفہ میں تبدیل کر دینا ہی اصل سیاست تھی۔ چنانچہ سرزمین شام کی فوج کا ہیڈ کوارٹر بھی اب کوفہ ہی ہوگیا تھا۔ اسی بنا پر حدود ممالک اسلامیہ میں جہاں کہیں بھی بغاوت رونما ہوتی تھی۔ اس کو فرو کرنے کے لیے کوفہ ہی سے فوج روانہ کی جاتی تھی۔ چنانچہ عمر سعد خود بھی واقعہ ہائلہ کربلا سے پہلے چار ہزار کی فوج لے کر قبیلہ دیلم کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے ملک عجم جانے ہی والا تھا۔ کہ مقام "حمام اعین" سے واپس بلا کر قتل حسینؑ کے لیے مامور کیا گیا۔ کربلا میں عمرو بن سعد جس فوج شامی کا سردار تھا۔ دراصل اس میں خاص باشندگان کوفہ کی تعداد بہت کم تھی۔ اور جو تھے بھی وہ شامی فوج سے نکل کر امام حسین علیہ السلام کی طرف آگئے گئے۔ چنانچہ منتخب تاریخ الاسلام ذہبی میں ہے۔

(ترجمہ) ذہبی کہتے ہیں کہ عمر و بن سعد کی فوج میں تیس آدمی خاص کوفہ کے بھی تھے۔ ان لوگوں نے عمر بن سعد سے کہا۔ فرزند دختر رسول تین باتیں پیش فرما رہے ہیں۔ اور ہم ان میں سے کسی کو بھی قبول نہیں کرتے۔ یہ کہہ کر لوگ امام حسینؑ کی طرف چلے آئے اور حضرت کی محبت میں جنگ کی وہ اصل کوفہ (باشندگان کوفہ خاص) کی فوج نہ تھی۔ اور اس فوج میں سوائے ان تیس آدمیوں کے جو آخر کار امام حسینؑ کے ساتھی تھے کوئی بھی خالص کوفی نہ تھا اور اس سے ہمارے گذشتہ قول کی تائید ہوتی ہے کہ یہ لوگ شیعان خالص میں سے نہ تھے۔ جنہوں نے حضرت کو خط لکھے تھے۔ (منتخب تاریخ اسلام قلمی ص ۲۰۳ کتب خانہ ناصری ناظم ادارہ معلوم نہیں۔" کوفی لوگوں" سے کیا مراد لیتے ہیں۔ کوفی کوئی قوم نسل یا ملت نہیں ہے۔ جس کے لیے کوفی و شامی کی لایعنی بحث جاری ہے۔ سنئے سرزمین عراق میں کوفہ ایک نوآبادی تھی۔ جہاں مختلف قبائل و سرزمین کے لوگ آکر آباد ہوگئے تھے۔ یہ سب لوگ اس

عہد کی اسلامی فوج کے سپاہی جن کا کام جنگ وجدل کرنا تھا۔ حکومت سے گھر بیٹھے تنخواہ پاتے تھے اور ضرورت کے وقت حکومت کی مدد کیا کرتے تھے۔ ان کا مذہب حکومت کا مذہب تھا۔ صحیح معنوں میں یہ لوگ دینی و دنیوی معاملات میں حکومت کی پیروی کرنے والے تھے۔ ملاحظہ ہو۔ کوفہ کے متعلق شبلی کیا کہتے ہیں:۔ غرض ۱۷ھ میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمر نے تصریح کے ساتھ لکھا ہے۔ چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہیاج بن مالک کے زیر اہتمام عرب کے جدا جدا قبیلے جدا جدا محلوں میں آباد ہوئے۔ شہر کی وضع اور ساخت کے لیے خود حضرت عمر کا حکم آیا تھا کہ شارع عام چالیس چالیس ہاتھ اور اس سے گھٹ کر تیس تیس ہاتھ چوڑی رکھی جائیں۔ اور گلیاں سات سات ہاتھ چوڑی ہوں۔ جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی تھی۔ اس میں چالیس ہزار آدمی آ سکتے تھے اس کے ہر چہار طرف دور دور تک جگہ کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔ (الفاروق حصہ دوم صفحہ ۹۹ مطبوعہ قومی پریس)۔

آگے چل کر پھر لکھتے ہیں:۔ جو قبیلے آباد کئے گئے ان میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے۔ اور قبائل جو آباد کئے گئے تھے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ سلیم۔ ثقیف۔ ہمدان بجیلہ۔ تیم۔ آلات۔ تغلب۔ بنو اسد۔ نخع وکندہ۔ ازد۔ مزینہ۔ تمیم ومحارب واسد وعامر بجالہ جدیلہ واخلاط۔ جہینہ۔ مذحج۔ ہوازن وغیرہ وغیرہ (الفاروق حصہ دوم صفحہ ۱۰۰)

یہی نہیں بلکہ اس کی آبادی بڑھتی رہی۔ لکھتے ہیں:۔

زمانہ مابعد میں اس کی آبادی برابر ترقی کرتی رہی۔ لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل ہوتے تھے۔ (صفحہ ۱۰۰) فوجی حالات کے ضمن میں آگے چل کر لکھتے ہیں۔

فوجوں کے لیے بیرکیں تھیں۔ کوفہ۔ بصرہ۔ فسطاطیہ تینوں شہر تو دراصل فوج کے قیام اور بود وباش کے لیے ہی آباد کئے گئے تھے۔

ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل خانے تھے۔ جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت معہ ساز وسامان تیار رہتے تھے۔ یہ صرف اس غرض سے مہیا رکھے جاتے تھے۔ کہ دفعتہً ضرورت پیش آجائے تو ۳۲ ہزار سواروں کا رسالہ فوراً تیار ہو جائے۔ ۲۱ھ میں جزیرہ والوں نے دفعتہً بغاوت کی تو یہی تدبیر کلید ظفر ظہری۔ (الفاروق حصہ دوم صفحہ ۸۱) اس عبارت کے حوالہ میں شبلی لکھتے ہیں:

"تاریخ طبری صفحہ ۲۵۴ میں ہے کان العمر اربعة الاف فرس عدة تكون ان كان يشتيعاً في قبلة قصر الكوفة وبالبصرة نحو منها۔ طبری کے حوالہ سے معلوم

ہوتا ہے کہ بصرہ کی بھی یہی حالت تھی کہ وہاں بھی ہر وقت ایسی فوج تیار رہتی تھی۔

پھر لکھتے ہیں چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار آدمی موجود رہتے تھے۔ (الفاروق حصہ دوم ص۸۴) یہاں بھی طبری کا حوالہ دیا ہے۔ (طبری ص۲۸۰۵ وکان بالکوفۃ اذ ذاک اربعون الف مقاتل

پھر تحریر فرماتے ہیں کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط اور جیزہ وغیرہ میں جس قدر عرب آباد ہو گئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے اس بے شمار گروہ کی علیٰ قدر مراتب تنخواہیں مرتب کی گئیں۔ اگرچہ ان سب کا شمار تاریخوں سے معلوم نہیں ہوتا ہے۔ تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ آدمی ہتھیار بند تھے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال تیس ہزار فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی۔ کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل پائے گئے۔ جن میں چالیس ہزار باقاعدہ فوج تھی۔

حاشیہ پر شبلی لکھتے ہیں: کنز العمال جلد ۶ ص۳۳۱۔ امام مالک نے موطا میں ۳۰ ہزار کے بجائے چالیس ہزار کی فوج بیان کی ہے۔ (الفاروق جلد ۲ ص۸۴)

آخر میں شبلی فرماتے ہیں: "یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب و داب قائم رہا، اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا۔ جس قدر اس نظام میں کمی ہوتی گئی، عرب کی طاقت میں ضعف آتا گیا۔ سب سے پہلے معاویہ نے اس میں تبدیلی کی۔ یعنی شیر خوار بچوں کی تنخواہ بند کر دی۔ عبد الملک بن مروان نے اور بھی گھٹا دیا۔ (جلد ۲ ص۸۵)

شبلی کے تذکرہ بالا تاریخی بیانات سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ کہ کوفہ کی حیثیت کیا تھی۔ اور وہاں کون لوگ آباد تھے۔ اور اس عظیم الشان فوجی چھاؤنی میں کس قسم کی فوج رہا کرتی تھی۔ اس لیے قاتلان حسینؑ کی فوج میں یہ تلاش کرنا کہ کتنے شامی یا عراقی و حجازی وغیرہ تھے۔ بے سود ہے دراصل یہ فوج عہد عمر کی تربیت یافتہ تھی جس سے امیر المومنین جناب علی بن ابیطالب نالاں رہے۔ اور یہ فرماتے رہے کہ تم نے میرے دل میں ناسور ڈال دیا ہے (نہج البلاغہ) جس نے امام حسن علیہ السلام کے ساتھ دغا کی، اور امیر معاویہ کی معین ہوئی۔ فوجی اعتبار سے جب سب سے بڑا مرکز یہی کوفہ تھا۔ تو سرزمین شام کی فوجیں یہیں موجود رہی ہوں گی۔ جس سے حسینؑ مظلوم کو مقابلہ کرنا پڑا۔ اس صورت میں دمشق کی متعینہ فوج کی نقل و حرکت کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اس لیے دمشق میں فوجی بھرتی نہیں ہوئی۔ اور نہ وہاں سے کوئی تازہ دم فوج ہی آئی لیکن یہ کہنا کہ کوفہ کی اتنی بڑی چھاؤنی میں شامی سپاہی نہ تھے۔ بچوں کی سی باتیں ہیں جن کو کوئی ہوش مند تسلیم نہیں کر سکتا۔ تاریخیں موجود ہیں ان میں ملاحظہ کیجئے کہ جب دار الخلافہ دمشق میں فوج کی ضرورت ہوئی ہے

تو کوفہ ہی سے شامی فوجیں بھیجی گئیں ۔ (اظہار حقیقت صفحہ ۵۴ تا ۵۸ طبع لکھنؤ ۱۳۶۴ھ)

ناظرین کرام ! ابوالکلام آزاد اپنی کتاب (انسانیت کے دروازے پر) کے صفحہ ۲۹ پر لکھتا ہے کہ کوفہ میں اہل بیت کرام کے طرفداران کی تعداد زیادہ تھی ۔ پھر اسی کے ساتھ ساتھ صفحہ ۴۲ پر ابن عباس اور امام حسینؑ کی گفتگو کے سلسلہ میں رقمطراز ہے کہ اگر آپ حجاز سے جانا ہی چاہتے ہیں ۔ تو یمن چلے جائیے وہاں قلعے اور دشوار گذار پہاڑیاں ہیں ۔ ملک کشادہ ہے ۔ آبادی عموماً آپ کے والد کی خیر خواہ ہے ۔۔۔۔ ۔۔۔ الخ ۔ اس سے واضح ہے کہ اگر کوفہ میں اہلبیتؑ کے طرفدار زیادہ ہوتے تو پھر کوفہ جانے سے منع کرتے ہوئے ابن عباس یمن جانے کا مشورہ نہ دیتے ۔

"تاریخ پکار رہی ہے کہ کوفہ کی اکثریت ہمیشہ خاندان رسالت کی دشمن رہی ۔ بانی کوفہ سعد بن ابی وقاص نے حضرت علیؑ کی خلافت ظاہری کے موقع پر بھی آپ کی بیعت نہیں کی ۔ جس پر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اسے جانے دو یہ حاسد ہے ۔ ابن قتیبہ ۔ ابن جریر ۔ اسد الغابہ ۔ پھر جب اسی بانی کوفہ کے بیٹے عمر بن سعد کا دور آیا ، تو اس نے حکومت رے کے وعدہ پر حضرت امام حسینؑ کے قتل کا بیڑہ اٹھایا ۔ اور نائب یزید ابن زیاد ملعون کی فوج کا سپہ سالار بن کر حضرت امام حسینؑ سے لڑنے گیا ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آباد ہونے کے وقت سے امام حسین علیہ السلام کے وقت تک تقریباً چالیس سال برابر کوفہ والوں نے ایسی آب وہوا میں نشو ونما پائی جو ہمیشہ سے آل محمد کے لیے سخت مخالف اور ان کے خون کی پیاسی رہی ۔ اس عرصہ میں خلافت ظاہریہ کے زمانہ میں زیادہ سے زیادہ چار ساڑھے چار سال علی کا تعلق کوفہ سے ضرور رہا ۔ لیکن ظاہر ہے کہ علیؑ کی چار سالہ حکومت اتنے لمبے تیس پینتیس سال کے عرصے کو کیسے زائل کر سکتی تھی ۔ اور اس چار سالہ زمانہ خلافت میں بھی علی کے ساتھ جیسا کچھ محبت واخلاص ، اطاعت و فرمانبرداری اور عقیدت مندی کا سلوک کوفہ والوں نے کیا ہے ۔ وہ جنگ صفین اور تقرر حکمین وغیرہ جیسے واقعات وحالات پر نظر ڈالنے سے بخوبی روشن ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ معاویہ اور عمرو بن العاص کی سازشوں اور چالبازیوں کے جال میں پھنس کر سونے چاندی کی جھلک سے آنکھیں چوندھیا کر یہ ایک دم عین جنگ کی حالت ہی میں ہتھیار ڈال دیتے تھے ۔ اور خود علی کی مخالفت اور ان کے قتل پر آمادہ ہو جاتے تھے ۔ جو یقیناً معاویہ کی سازش اور پروپیگنڈہ کا نتیجہ تھا دراصل یہ لوگ نہ کبھی اسلام کے سچے وفادار ہوئے اور نہ دین کے بارے میں وفا شعاری اختیار کی یہی وجہ ہے کہ خاندان رسالت ہمیشہ ان کی بے وفائی کا ذکر کرتا رہا ۔

ناظرین کرام! شرح نووی میں بوقعۃ قراۃ نماز ظہر و عصر و فضائل کوفہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ "کوفہ" شہر ہست معرفت و آن شہر خانہ علم و محل فضلاست و بنا گشتہ در خلافت حضرت عمرؓ کوفہ ایک مشہور شہر ہے جو معدن علم اور فضلا کے رہنے کی جگہ ہے اور حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں اس کی تاسیس ہوئی ہے پھر قاموس میں لکھا ہے کہ کوفہ عراق کا ایک بڑا شہر ہے اور قبۃ الاسلام ہے۔ اور مسلمانوں کے ہجرت کی جگہ ہے اور زمانہ گذشتہ میں حضرت نوح علیہ السلام کے رہنے کی جگہ تھی۔ علامہ عجلی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ کہ کوفہ یک ہزار و پانصد صحابہ و در قریباً شش صد صحابہ سکونت پذیر گشتہ بودند۔ علامہ عجلی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ کوفہ میں ایک ہزار پانچ سو اور قریباً میں چھ سو صحابی رسول رہتے تھے۔ ملاحظہ ہو اسیف المقلدین علی اعناق المنکرین مصنفہ مولانا محمد عبد الجلیل یوسف زئی صفحہ، طبع لکھنؤ ۱۳۱۸ھ)

ان علماء کی تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ کوفہ کی آبادی کن لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ اہلبیت کرام کا کوفہ کی بیوفائی ظاہر کرنا اور اس کے باشندوں کی مذمت کرتے رہنا اور علمائے اہل سنت کا کوفہ کی تعریف اور اس کے فضائل بیان کرنا، واضح کرتا ہے کہ کوفہ سے کن لوگوں کا تعلق تھا۔ اور کوفہ میں کون لوگ آباد تھے اور کن لوگوں کی اکثریت تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ اول تو ابتدا ہی سے کوفہ میں شیعوں کی آبادی نہ تھی اور جو تھوڑی بہت تھی بھی۔ تو وہ شہادت امام حسنؑ کے بعد ختم کر دی گئی تھی۔ شہید ثالث رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ احتجاج طبرسی لکھتے ہیں۔ چون زیاد بن ابیہ ملعون اہل آن دیار را می شناخت لاجرم معاویہ حکومت عراقین کوفہ و بصرہ را باو داد و او شیعہ را بدست آورد و در تحت ہر خنجر و مدر می کشت۔ بعضے را گردن می زد۔ بعضے را دست و پا برید و پارہ را بر دار می کشید و قومے را چشمہا می کند و قومے را از خانہاں آوارہ می ساخت ... الخ۔ چونکہ ابن زیاد بن ابیہ ولد الزنا کوفہ کے شیعوں کو پہچانتا تھا لہٰذا معاویہ نے اسی کو وہاں کا حاکم بنا دیا۔ اس نے شیعوں کو بالکل ختم کرنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ ان کا قتل عام کیا۔ کسی کو حجر و مدر سے دبا کر مار ڈالا کسی کی گردن مار دی۔ کسی کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر جنہ کو لٹکا دیا۔ کسی کی آنکھیں نکلوا دیں۔ کسی کے گھر جلوا دیے غرضکہ اس طرح ظلم کیا کہ بظاہر کوئی شیعہ باقی نہ رہا (مجالس المومنین ص۲۵ طبع ایران۔ نعاسخ کا ذبہ ص۔
مورخ طبری لکھتا ہے کہ زیاد بن ابیہ کے قتل و غارت کے بعد صرف دو شیعہ باقی رہ گئے تھے۔ ۱۔ عروہ ۲۔ حجر۔ ملاحظہ ہو تاریخ طبری ص۲۴۵ طبع لندن واقعہ شہادت حضرت ہانی)

الغرض ۶۱ھ میں جو چند گنے گنے شیعہ کوفہ میں رہ گئے تھے وہ تین حال سے خالی نہ تھے یا مسلم بن عقیل کے ساتھ قتل ہو گئے۔ جیسے حضرت ہانی بن عروہ (نور العین) یا قید کر دیئے گئے، حضرت

مختار علیہ الرحمۃ ارباض القدس) یا امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر شہید ہو گئے۔ جیسے حضرت سعیدؓ حضرت حبیب ابن مظاہر اور حضرت زہیر بن قین وغیرہ۔ (ناسخ التواریخ وغیرہ)

شیعیان کوفہ نے اپنی کمال وفاداری سے اس امر کو ثابت کر دیا کہ الکوفی لایوفی کا مقولہ صرف ان کے لیے ہے جن کا چھٹا خلیفہ یزید تھا۔ اور جن کے مذہب کے رکن رکین عبد اللہ ابن زیاد و عمر بن سعد۔ شمر ذی الجوشن۔ حرملہ بن کاہل اسدی۔ حکیم ابن طفیل سنبسی۔ خولی بن یزید اصبحی وغیرہم تھے جنہوں نے امام حسین اور ان کے رفقاء کو شہید کیا اور ان کے سر کاٹے۔ ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑائے تین دن پانی بند رکھا۔ ان کے خیمے جلائے۔ عورتوں کو اسیر کر کے بازاروں میں پھیرایا اور سال بھر قید میں رکھا۔ چونکہ شیعوں نے پوری پوری وفاداری کی ہے اسی لیے امام حسینؑ نے بیوم عاشورا ان کی مدح کی۔ عالم اہلسنت علامہ ابو اسحٰق اسفرائنی لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے یوم عاشورا ایک دفعہ جنگ کی اور پلٹ کر خیمہ میں آئے تو آپ نے چھ شعر پڑھے۔ جن میں سے آخری شعر یہ ہے۔

وشیعتنا واللہ اکرم شیعۃٍ

ومبغضنا یوم القیامۃ یخسر

خدا کی قسم ہمارے شیعہ بڑے قابل قدر اور بہترین شیعہ ہیں۔ اور بڑی عزت پائیں گے اور ہمارے دشمن قیامت کے دن گھاٹے میں رہیں گے۔ (نور العین فی مشہد الحسین صہ ۵۴ طبع بمبئی)

غرضکہ اس وقت جبکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو دعوت کوفہ دی گئی کوفہ میں تین طبقے اور عقیدہ کے لوگ آباد تھے۔ اوّل خالص معاویہ والے، جیسے عبد اللہ بن مسلم حضرمی۔ عمارہ بن ولید بن عقبہ۔ عمر بن سعد ابن ابی وقاص وغیرہم۔ دوسرے خالص علی والے جیسے مسلم بن عوسجہ۔ حبیب ابن مظاہر۔ ہانی بن عروہ۔ اور تیسرے عام پبلک۔

طبقہ اولیٰ کے لوگ کثیر تعداد میں تھے۔ اور طبقہ ثانیہ کے لوگ گنے گنے چند حضرات تھے۔ اور طبقہ ثالثہ والے بے شمار تھے۔ یزید کی مرضی کے مطابق معاویہ والوں نے امام حسینؑ کو بلا کر قتل کر دینے کا خفیہ پروگرام بنایا۔ اور یہ سوچتے ہوئے کہ حسین اپنے طرفداروں کی خواہش طلب کے بغیر کوفہ نہیں آئیں گے۔ علی والوں سے ملے اور ان سے کہا کہ یزید فاسق و فاجر ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ امام حسین یہاں آجاتے اور ہماری ہدایت کی ذمہ داری لیتے۔ علی والوں نے اس پرفریب رائے کو پسند کیا۔ اور اس کی گہرائی تک نہ پہنچے پھر ان لوگوں نے مشترکہ طور پر عام پبلک میں پروپیگنڈا شروع کیا۔ اور تمام کوفہ پر فریب کا جال بچھا کر امام حسینؑ کی طلب شروع کر دی۔ اب کیا تھا۔ خطوط جانے لگے اور چند ہی دنوں میں خطوط کی تعداد

بارہ ہزار تک پہنچ گئی۔ علامہ شاہ عبدالعزیز دہلوی مصنف تحفہ اثنا عشری اپنی کتاب سر الشہادتین طبع لدھیانہ کے صفحہ ۱۸ پر لکھتے ہیں کہ یہ خطوط من کل طائفہ وجماعۃ ہر طبقے اور ہر جماعت کی طرف سے آئے تھے ..... الخ۔ ان خطوں میں ایسی باتیں لکھی گئی تھیں کہ امام حسینؑ کو مجبوراً کوفہ کے ارادہ سے چل کھڑے ہونا پڑا۔ چنانچہ آپ چھوٹے چھوٹے بچوں عورتوں اور مختصر سے ہوا خواہوں کو ہمراہ لئے ہوئے ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ یوم شنبہ کو مکہ سے روانہ ہو گئے۔ (دمعہ ساکبہ۔ ابھی تھوڑی مسافت طے کی تھی کہ عمر بن سعید والی مکہ نے یزید کے تیس آدمیوں والی اسکیم ناکام ہوتے دیکھ کر اس کی کوشش شروع کر دی کہ امام حسینؑ مکہ سے باہر نہ جانے پائیں۔ مگر وہ اس کوشش میں بھی کامیاب نہ ہوا۔ اور امام حسین علیہ السلام ایک آیت کی تلاوت کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ (ابن نما) یہاں تک کہ منزل تنعیم تک پہنچ گئے۔

فرزوق سے ملاقات راستہ میں فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی۔ اس نے عرض کی مولا! حج کو عمرہ سے بدل کر آپ نے اتنی جلدی مکہ کیوں چھوڑ دیا۔ ارشاد فرمایا "لولم اعجل لاخذت" اگر میں جلدی نہ کرتا تو گرفتار کر لیا جاتا (الدمع الهتون ترجمہ جلاء العیون ص ۴۴۴ و دمع ساکبہ ص ۳۱۶ و تاریخ طبری تذکرہ ابن جوزی)

ابوہرہ سے ملاقات پھر آپ اور آگے بڑھے۔ اور دوپہر کے وقت منزل ثعلبیہ پر پہنچے آپ کی آنکھ لگ گئی۔ خواب میں ہاتف کو کہتے سنا۔ "انتم تسرعون والمنايا تسرع بكم الى الجنة" آپ حضرات تیزی سے کوفہ کی جانب جا رہے ہیں اور موت آپ کو جنت کی طرف کھینچ رہی ہے آپ نے بیدار ہو کر حضرت علی اکبر سے خواب بیان فرمایا۔ عرض کیا "یا ابتہ السنا علی الحق" بابا! کیا ہم حق پر نہیں۔ فرمایا بے شک ہم حق پر ہیں۔ عرض کیا لا نبالی بالموت پھر موت کی کیا پرواہ ہے (دمعہ ساکبہ ص ۳۱۲) اس کے بعد ابوہریرہ ازدی ملا۔ اس نے پوچھا آپ نے حرم خدا و رسولؐ کو چھوڑ

ؔ صاحب دمعہ ساکبہ لکھتے ہیں: "وكان الحسين بن علي لما خرج من مكة اعترضه يحيى بن سعيد بن العاص ومعه جماعة ارسلهم اليه عمر بن سعيد فقالوا له انصرف الى اين تذهب تابى عليهم ومضى وتدافع الفريقان واضطربوا بالسياط وامتنع الحسين واصحابه منهم امتناعاً قوياً۔ امام حسینؑ جب مکہ سے نکلے تو عمر بن سعید کی طرف سے یحییٰ ابن سعید وغیرہ نے آپ کو روکا اور کہا یہاں سے کہاں جاتے ہیں لوٹئے۔ آپ نے انکار فرمایا اور دونوں جماعتوں میں مڈبھیڑ ہو گئی اور کوڑے چلے۔ امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے سخت مقابلہ کیا (ص ۳۱۶) ناظرین کرام! اس مقام پر تاریخ وہی کچھ کہہ رہی ہے جو میں نے دمعہ ساکبہ سے لکھا لیکن ابو الکلام آزاد کی یزید نوازی ملاحظہ کیجئے آپ اس روایت کو کس رنگ سے پیش کر رہے ہیں۔ آپ عبداللہ بن جعفر کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں (والی کا خط ایسے

کہ اس زمانہ میں سفر کیوں اختیار کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ بنی اُمیہ نے ہمارے حقوق غصب کئے۔ ہم نے صبر کیا ہمیں علانیہ طور پر بُرا بھلا کہا۔ ہم نے صبر کیا۔ آپ ہمارے خون بہانے کے درپے ہیں۔ اس لئے مکہ سے ہم نکل کھڑے ہوئے (دمعہ ساکبہ ص۳۱۶)

الغرض آپ ثعلبیہ سے روانہ ہو کر منزل غدیب رہیمیہ، قادسیہ، حاجز۔ حزیمیہ ہوتے ہوئے منزل زبالہ پر پہنچے تو جناب مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن یقطیر کی خبر شہادت ملی۔ امام حسینؑ نے واپسی کا خیال کیا پھر نہ جانے کیا سوچ کر آگے بڑھنے سے قدم نہ رکے۔ (تنزیہہ الانبیاء ص۲۸) اب آپ نے ایک خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا کہ: ایھا الناس فمن کان یصبر علی حد السیف وطعن الالسنة فلیقم معنا والا فلینصرف۔ لوگو! تم میں سے جو تلواریں کھا سکتا اور تیروں کی دعوت برداشت کر سکتا ہے۔ وہ تو میرے ہمراہ رہے۔ ورنہ واپس لوٹ جائے۔ (ابومخنف)

وہ لوگ جو مال و دولت کی طمع میں راستہ سے ہمرکاب ہو گئے تھے اپنی راہ لگ گئے۔ صرف وہ بہادر جو حسین کے ہمراہ آئے تھے وہی باقی رہے۔ (دمعہ ساکبہ ص۳۱۸)

آپ منزل زبالہ سے کوچ کر کے بطن عقبہ پر پہنچے پھر وہاں سے روانہ ہو کر منزل شراف یا اشراف پر منزل پذیر ہوئے۔ منزل شراف پر آپ نے اپنے جاں نثاروں کو حکم دیا کہ تمام مشکیں۔ چھاگلیں۔ پکھالیں پانی سے بھر و تعمیل حکم کی جاتی ہے اور اچھی طرح پانی لے لیا جاتا ہے اور چلچلاتی دھوپ میں روانگی ہو جاتی ہے۔

لشکر حسینی آفتاب کی تمازت، دھوپ کی حدت میں بادیہ پیمائی اور صحرا نوردی کرتا چلا جاتا تھا کہ ناگاہ

له علامہ مجلسی نے مکہ معظمہ سے کربلا تیرہویں منزل پر لکھا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ ۱ تنعیم ۲ ثعلبیہ ۳ غدیب ۴ رہیمیہ ۵ قادسیہ ۶ حاجز ۷ حزیمیہ ۸ زبالہ ۹ بطن عقبہ ۱۰ اشراف ۱۱ قصر بنی مقاتل ۱۲ قطقطانیہ ۱۳ کربلا (الدمع الہتون ترجمہ جلاء العیون) ص۴۴۲ و ص۴۵۶

نہیں بلکہ انہوں نے یزید کے مقرر کئے ہوئے والی عمر بن سعید بن العاص سے جا کر کہا حسین بن علیؑ کو خط لکھ کر بالکل مطمئن کر دو۔ آپ خود لکھ لائیں میں مہر کر دوں گا۔ چنانچہ عبداللہ نے والی کی جانب سے یہ خط لکھا۔

میں دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کو اس راستہ سے دور کر دے۔ جس میں ہلاکت ہے۔ اور اس راستہ کی رہنمائی کرے میں سلامتی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق جا رہے ہیں۔ میں آپ کے لیے شقاق و اختلاف سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں آپ کی ہلاکت سے ڈرتا ہوں۔ میں عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں ان کے ساتھ واپس چلے آیئے۔ میرے پاس آپ کے لیے امن سلامتی احسان اور حسن جوار ہے۔ خدا اس پر شاہد ہے اور وہ اس کا نگہبان اور کفیل ہے۔ (والسلام)

مگر آپ بدستور اپنے ارادہ پر جمے رہے ملاحظہ ہو "انسانیت موت کے دروازہ پر"

ایک صحابی نے تکبیر کہی۔ اذ کبر رجل من اصحابہ فقال لہ الحسین اللہ اکبر لم کبرت قال رایت النخل۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا ارے بھئی۔ تکبیر کا سبب۔ عرض کیا مولا! مجھے تو خرمہ کی شاخوں اور کیلے کے درخت نظر آرہے ہیں لوگوں نے خیال کرتے ہوئے کہ ادھر نخلستان وغیرہ ہے یا نہیں غور کرنا شروع کیا سینہ غبار کے بیچ سے گھوڑوں کی کنوتیاں نظر آئیں۔ یقین ہوا کہ دشمن آرہے ہیں طے پایا کہ منزل ذوخشت کی طرف بڑھ کر پناہ گیر ہو جانا چاہیئے۔

حُر کی آمد اور حضرت عباسؑ کا قرینہ

امام حسینؑ کے لشکر نے رُخ بدلا اور حُر نے اس امر کو ناپسند کرتے ہوئے امام حسین علیہ السلام منزل ذوخشت جائیں۔ دوڑ دھوپ میں تیزی کر دی۔ لیکن کچھ حاصل حصول نہ ہوا۔ اور امام حسین منزل ذوخشت پر پہنچ گئے۔ لشکر حُر اسی تگ و دو میں بے انتہا پیاسا ہو گیا۔ سوار اور سواری دونوں کی زبانیں منہ سے باہر نکل آئیں۔ امام حسینؑ کے جانباز سپاہی سینے تانے ہوئے کھڑے تھے کہ اتنے میں حُر اپنے لشکر سمیت آپہنچا۔ سوار اور سواری غرضیکہ ہر جاندار پیاس سے بےحال تھا۔ زبانیں دہانوں سے باہر نکلی ہوئی تھیں لیکن اس نے قرینے سے غفلت نہیں کی۔ اور آتے ہی بدحواسی کے عالم میں بروایت کنز العبادات امام حسین علیہ السلام کے لجام فرس پر ہاتھ ڈال دیا۔ اور بروایت ناسخ سامنے آکر کھڑا ہو گیا اس کا آگے بڑھنا تھا کہ حضرت عباسؑ نے لجام فرس تھام کر فرمایا ثکلتک امک ماتریدیں تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے، کیا چاہتا ہے (ذاکرین صفحہ ۱۸۳) اس نے آمد کا سبب بیان کیا۔ حسینؑ نے عباسؑ کے غصہ اور جوش کو سقائی کی طرف پھیر دیا۔ ممکن ہے حسینؑ کے بہادروں میں کچھ ایسے بھی رہے ہوں کہ جن کا خیال رہا ہو کہ دشمن کو آبِ شمشیر سے سیراب کر دینا چاہیئے۔ لیکن فرزند ساقی کوثر نے اس کا تصور بھی نہ کیا تھا۔ انہوں نے لشکر حر میں جب پیاس کی یہ حالت دیکھی۔ فوراً حضرت علی اور حضرت علی اکبر کو طلب کیا۔ فرمایا دیکھو یہ نانا کے نام لیوا پیاسے ہیں۔ انہیں جی بھر کے پانی پلاؤ۔ میرے بچوں کی پیاس کا خدا مالک ہے۔ جب سوار پی چکے تو طشت منگوا کر سواری کے جانوروں کو پانی پلانا شروع کیا۔

بروایت دمعہ ساکبہ جب جانور تین چار پانچ مرتبہ طشت سے سر اٹھا اٹھا کر پانی پی چکتے تھے۔ اور خود منہ ہٹا لیتے تھے تب طشت سرکا کر دوسرے جانور کے سامنے لایا جاتا تھا (توضیح عزا ص۲ طبع دہلی ۱۲۱۷ھ)

علی بن طعان محاربی کا بیان ہے کہ حُر کے لشکر کا ایک سپاہی تھا۔ کسی وجہ سے اس وقت پہنچا جب سب کو پانی پلایا جا چکا تھا۔ حضرت امام حسینؑ نے مجھے یہاں دیکھ کر فرمایا۔ سواری سے اُترو اور پانی پی۔ (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۱ و ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۱۹) امام حسینؑ نے بنفس نفیس اپنے ہاتھوں سے مجھے اور میرے جانور کو پانی پلایا۔

غرضیکہ اسی پانی کے پینے پلانے میں نماز ظہر کا وقت آگیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کپڑے بدلنے کے لیے خیمے میں تشریف لے گئے۔ حجاج بن مسروق موذن نے اذان کہی امام برآمد ہوئے۔ نماز سے پہلے خطبہ میں لشکر مخالف کے سامنے اپنا تعارف پیش کیا۔ اور کوفیوں کے خطوط کا حوالہ دے کر حر کے سامنے خطوط کی دو خورجیاں (بوریاں) ڈلوا دیں۔

خطبہ کے بعد نماز جماعت شروع ہوئی۔ امام حسین علیہ السلام نے حُر سے فرمایا۔ ان تریدان تصلی باصحابک فقال الحر لا بل تصلی انت ونصلی بصلواتک کہ تم اپنے لشکر والوں کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتے ہو تو جاؤ۔ اس نے عرض کی آپ نماز پڑھائیں۔ میں اپنے طریقہ سے آپ کے ساتھ نماز پڑھوں گا۔ ملاحظہ ہو۔ (انسانیت موت کے دروازے پر)

امام حسین علیہ السلام نے نماز سے فراغت پائی۔ اور سب اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے تھوڑی بعد نماز عصر کا وقت آگیا۔ موذن نے اذان کہی۔ نماز ادا کی گئی۔ آپ نے ایک خطبہ کے بعد کوچ کا حکم دے دیا۔ حُر آپ کے رستہ میں حائل ہوگیا۔ آپ نے فرمایا۔ تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے۔ آخر چاہتا کیا ہے اس نے جواب دیا میں آپ کو گرفتار کر کے کوفے لے جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم حسینؑ کی زندگی میں یہ امر ناممکن ہے۔ اس نے کہا میں بھی آپ کا پیچھا نہ چھوڑوں گا۔ جب زیادہ گفتگو بڑھی تو حُر نے کہا مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ملا۔ مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ یہاں تک کہ آپ کو کوفہ پہنچا دوں۔ اگر آپ اسے منظور نہیں کرتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ جاتا ہو اور نہ مدینہ کو۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں۔ شاید خدا میرے لیے مخلصی کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ اور آپ کے معاملہ میں امتحان سے بچ جاؤں۔ (انسانیت موت کے دروازے پر ص)

امام شبلنجی لکھتے ہیں۔ کہ حُر نے امام حسینؑ کے اس کہنے پر کہ میں تمہارا طلبیدہ آیا ہوں۔ آپ کسی طرف چپکے سے نکل جائیں میں ابن زیاد کو لکھ دوں گا۔ کہ حسینؑ راستہ بدل کر نہ جانے کس طرف نکل گئے اور میری گرفت میں نہ آئے۔

خان بہادر خیرات احمد صاحب لکھتے ہیں۔ کہ حُر نے بعد ردو بدل شب کے وقت تخلیہ کی ملاقات کی تو حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ یا حضرت! میرا سارا لشکر سوتا ہے۔ آپ اسی وقت کوچ کر جائیے کہ جس میں اعداء کے شر سے نجات ملے۔ آپ نے فوراً اس رائے کو قبول کیا۔ اور اسی وقت حضرت عباسؑ کو کوچ کا حکم دیا۔ اور خیمہ اکھاڑا گیا۔۔ الخ۔ (معراج شہادت ص۱۱) اس سے قبل ص۹ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور کوفہ سے عنان عزیمت موڑی۔ اور رات کے وقت کوچ کیا۔ کہ جدھر اللہ لے چلے

اُدھر متوکل بخدا چلے چلو۔ الخ

غرض امام حسین علیہ السلام ایک غیر معروف راستہ سے راجع الی الحجاز حجاز کے رُخ پر چل پڑے۔ ساری رات راستہ میں گزری۔ صبح ہوتے ہوتے پھر حُر نے گھیر لیا۔ آپ نے فرمایا۔ کل تم نے کیا مشورہ دیا تھا۔ اور آج کیا کر رہے ہو۔ اس نے عرض کیا۔ مولا! میں کیا کروں۔ مشورہ کے فوراً بعد ابن زیاد سے میری چغلی کھائی گئی۔ اس نے مجھے لکھا ہے کہ حسینؑ کا اس وقت تک ساتھ نہ چھوڑنا جس وقت تک میرا کثیر لشکر نہ پہنچ جائے مولا! حکم میں بڑی سختی ہے۔ اور اب میرے لیے آپ کے چھوڑنے کا کوئی راستہ ہی نہیں۔ (نور الابصار صہ ۱۱۷)

پھر امام حسین علیہ السلام طرماح کی راہبری کے ساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ "قصر بنی مقاتل" پہنچے پھر وہاں سے روانہ ہو کر نینوا پر وارد ہوئے۔ حُر ساتھ ساتھ تھا۔ دن کے کسی حصہ میں ایک کوفی ناقہ پر سوار آیا۔ حُر کو سلام کیا اور ایک خط دیا۔ یہ خط ابن زیاد کا تھا جس میں لکھا تھا۔ کہ میرا خط پاتے ہی لا تنزله الا بالعراء فی غیر خضر و علی غیر ماء حسینؑ کو ایسی جگہ پر اتارنا جو بے آب و گیاہ ہو۔ اور جہاں پانی کا نام نہ ہو۔ (تاریخ طبری صہ ۳۰۷۔ تاریخ کامل جلد ۴ صہ ۲۶۔ تاریخ الفداء جلد ا صہ ۲۰۱۔ دمعہ ساکبہ صہ ۳۲۳)۔ (اخبار الطوال دینوری صہ ۲۵۲۔ تاریخ ابن الوردی جلد ا صہ ۱۶۲) حُر نے حضرت امام حسینؑ کو خط کا مضمون بتایا۔ آپ نے فرمایا اسی نینوا یا پھر غاضریہ میں قیام کرنے کا موقع دو۔ اس نے کہا یہ ناممکن ہے۔ زہیر بن قین نے عرض کی یا مولا! اجازت دیجئے۔ ابھی یہ صرف ایک ہزار ہیں۔ ان سے اسی وقت نبٹ لیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا میں جنگ کی ابتدا نہیں کرنا چاہتا (دمعہ ساکبہ صہ ۳۲۱) اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا۔ جس کا جواب اصحاب حسینؑ نے بڑی عالی حوصلگی سے دیا۔

زہیر بن قین کا مشورہ جناب زہیر بن قین نے جب یہ دیکھا کہ مارنے مرنے کی منزل قریب آگئی ہے تو حضرت امام حسینؑ سے عرض کیا۔ بہتر ہوگا کہ اگر حضور کربلا کی طرف روانہ ہو کر نہر فرات کا کنارہ پکڑ لیں۔ تاکہ ہم بعون خدا اچھی طرح جنگ کر سکیں۔ یہ سُن کر امام حسین علیہ السلام آبدیدہ ہو گئے اور آگے بڑھنے کے بجائے اپنے اعزا کو جمع کر کے بارگاہ احدیت میں عرض کرنے لگے۔" مالک! یہ تیرے حبیبؐ کی مظلوم عترت ہے۔ انصرنا علے القوم الظالمین ہمیں ظالم قوم پر فتح نصیب کر امام حسینؑ ایک سمت چل کھڑے ہوئے۔ اور قضاءا ۲ محرم سنہ ۶۱ھ بروز پنجشنبہ کو سرزمین کربلا پر جا پہنچے۔ ملاحظہ ہو (دمعہ ساکبہ صہ ۳۲۱، ناسخ، ارشاد مفید۔ ریاض الشہادتین۔ جلاء العیون۔ بحار الانوار۔ تاریخ کا خونی ورق۔ مہیج الاحزان۔ سفینۃ الاولیا۔ محمد داراشکوہ صہ ۲۴ مطبوعہ ۱۸۷۲ء)

عمرو بن خالد صیداوی اور طرماح بن عدی کی آمد عمرو صیداوی کوفہ کے شرفا میں سے تھے۔ اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی محبت اور وِلا میں کامل تھے۔ جب جناب مسلم کوفہ میں آئے تو ان کے ساتھ رہے۔ اہل کوفہ نے خلاف عہد کیا۔ اور جناب مسلم شہید ہوگئے تو یہ مجبوراً روپوش ہوگئے۔ جب ان کو یہ خبر ملی کہ امام حسین مکہ سے کوفہ کی طرف آرہے ہیں اور منزل حاجز تک پہنچ چکے ہیں تو اسی وقت انہوں نے اپنے غلام سعد نامی کو ہمراہ لیا۔ اور کوفہ سے حاجز کی طرف روانہ ہوگئے ان کے ہمراہ چار اشخاص اور ہوگئے۔ مجمع عائذی اور اُن کے بیٹے اور جنادہ بن حرث سلمانی اور ایک نافع بجلی کے غلام جن کے ساتھ نافع کا گھوڑا بھی تھا۔ جن کا نام کامل تھا۔ یہ سب لوگ طرماح بن عدی طائی کی حمایت اور ہمراہی میں جو اپنے اہل وعیال کے لیے طعام وغیرہ کی فکر میں کوفہ آئے تھے، روانہ ہوئے۔ طرماح ان سب کو ایک غیر معروف راستے سے لے چلے اور نہایت عجلت۔ وتیزی سے راہ چلتے تھے۔ ان کو نگہبانوں کا خوف تھا۔ جو ابن زیاد کی طرف سے راستوں پر جابجا متعین ومامور تھے کہ کوئی شخص ادھر اُدھر آنے جانے نہ پائے۔ جب یہ لوگ امام حسینؑ کے قریب پہنچے تو طرماح بن عدی نے نہایت خوش الحانی سے یہ اشعار پڑھنا شروع کیے۔ ؎

یا ناقتی لا تذعری من زجری	وامض بنا قبل طلوع الفجر
بخیر رکبان وخیر سفر	حتی تجلی بکریم النحر
الماجد الحر رحیب الصدر	اتی به الله لخیر امر

ثمۃ ابقاہ بقاء الدھر

تاآنکہ منزل عذیب ہجانات میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوگئے اور سب کو آداب بجالائے۔ اشعار پڑھے۔ حضرت نے سب کے جواب میں ارشاد فرمایا قسم بخدا چاہے ہم شہید ہوں، اور چاہے فتح یاب۔ ہر حال میں ہم کو خدا کی طرف سے بہتری ہی بہتری ہے۔ ابومخنف کہتے ہیں کہ جب یہ لوگ حضرت کی خدمت اقدس میں پہنچے۔ اور حُر بن یزید ریاحی نے جو حضرت کو گھیرے ہوئے تھا ان سب کو دیکھا تو امام حسین علیہ السلام سے عرض کیا۔ مولا! یہ سب کوفہ کے لوگ ہیں۔ آپ کے ہمراہ نہیں آئے ہیں۔ ان کو میں قید کروں گا۔ یا انہیں کوفہ کی طرف واپس بھیج دوں گا۔ حضرت نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا۔ جو ہمارا حال ہوگا وہی ان کا ہوگا۔ اب تو یہ ہمارے ہمارے ساتھ ہیں۔ ہمارے اعوان و انصار ہیں۔ اے حُر! تُو نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ اب جب تک ابن زیاد کا کوئی حکم تجھ کو نہ آئے گا۔ کسی بات میں ہم سے تعرض نہ کرے گا۔ حُر نے عرض کیا۔ مولا یہ لوگ آپ کے ساتھ نہیں آئے۔ ابھی یہیں آئے

ہیں۔ یہ اس وعدہ سے خارج ہیں۔ حضرت نے فرمایا یہ لوگ میرے اصحاب ہیں، اور گویا میرے ساتھ ہی آئے ہیں۔ اگر تو خلاف وعدہ کرے گا تو ہم اسی وقت تجھ سے لڑیں گے۔" یہ سُن کر حر خاموش ہو گئے۔ اور پھر ان لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ (ترجمہ ابصار العین صفحہ ۱۰۶ طبع حیدر آباد دکن)

سرفروشانِ اسلام کا سرزمین کربلا پر ورُود

۲ محرم الحرام سنہ ۶۱ھ یوم پنجشنبہ

علامہ ابو اسحق اسفرائنی لکھتے ہیں:-

فانہ لم یزل سائرًا ھو ومن معہ حتی اتی بارض وفیھا قوم کثیر فسالھم عن اسم ذالک البلد فقالوا لہ شط الفرات فقال ھل لھا اسم غیر ھذا فقالوا لہ سر یا ابا عبد اللہ ولا تسال فقال سالتکم باللہ وبجدی رسول اللہ صلعم ان تخبرونی عن اسمھا الثانی فقالوا اسمھا کربلا فعند ذلک بکی وقال ھی واللہ ارض کرب وبلا ثم قال یا قوم ناولونی قبضۃ من تراب ھذہ الارض فاعطوہ قبضۃ من تراب ھذہ الارض منہ فشمہ ثم استخرج طینۃ من جیبہ وقال لہ ھذا لطینۃ جاء بھا جبریل من عند اللہ لجدی رسول اللہ وقال لہ ھذہ موضع تربۃ الحسین ثم دساھا من یدہ وقال ھما رائحۃ واحدۃ ثم قال یا قوم انزلوا ولا تبرحوا فھا ھنا واللہ مناخ رکبنا وھا ھنا واللہ یسفک الدماءنا وھا ھنا واللہ تسبی حریمنا وھا ھنا

حضرت امام حسینؑ اور آپ کے ہمراہی چلتے چلتے ایک ایسے شہر میں جا پہنچے جہاں آبادی تھی۔ آپ نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ اس شہر کا کیا نام ہے انہوں نے کہا اسے شط الفرات کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس کا کوئی دوسرا نام بھی ہے ان لوگوں نے کہا حضرت اس کا دوسرا نام پوچھے بغیر یہاں سے گزر جایئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم کو خدا اور رسول کی قسم ہے۔ اس کا دوسرا نام بتاؤ لوگوں نے کہا مولا! اسے کربلا بھی کہتے ہیں یہ سن کر آپ آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا خدا کی قسم یہ سرزمین میرے لیے کرب وبلے چینی والی ثابت ہوگی۔ پھر آپ نے فرمایا۔ لوگو! مجھے ایک مٹھی خاک تو اٹھا دو انہوں نے اٹھا دی۔ آپ نے اپنی جیب سے ایک مٹھی خاک نکالی اور دونوں کو ملا کر سونگھا۔ اور فرمایا یہی وہ زمین ہے جس کی مٹی جبرئیل میرے نانا کے پاس لائے تھے۔ اور کہا تھا کہ اسی مٹی میں میری قبر بنے گی۔ پھر ہاتھ سے مٹی پھینک کر فرمایا۔ دونوں مٹیوں کی ایک ہی خوشبو ہے اس

واللہ تقتل رجالنا وھاھنا واللہ یذبح اطفالنا
وھاھنا واللہ تبور قبورنا وھاھنا واللہ محشرنا
ومنشرنا وھاھنا واللہ تقطع اوداجی و
تخضب لحیتی بدمی ویعزی جدی وابی
وامی من ملٰئکۃ السماء وھاھنا واللہ وعد
ربی لجدی ولاخلف لوعدہ ثم نزل و نزلت
اصحابہ جمیعا۔۔۔ الخ (نور العین فی مشھد
الحسین ص۴۶ طبع بمبئی ۱۲۹۲ھ حیوۃ الحیوان جلد ۱
ص۵۱ طبع مصر ۱۳۱۹ھ واخبار الاول و آثار الاول
ص۱۰۷ طبع تبریز ۱۲۸۲ھ)

کے بعد اپنے جاں نثاروں کو مخاطب کر کے کہا اتر پڑو
اور ایک اِنچ بھی آگے نہ بڑھو۔ خدا کی قسم یہیں پر
ہماری سواریاں اتریں گی۔ یہیں پر ہمارے خون بہیں
گے۔ عورتیں اسیر ہوں گی، مرد قتل ہوں گے اور
بچے ذبح کئے جائیں گے۔ یہیں ہماری قبریں بنیں
گی۔ یہیں سے ہمارا حشر و نشر ہوگا۔ یہیں عزت دار
ذلیل ہوں گے۔ اور میری رگِ جان کاٹی جائے گی۔
میری داڑھی کا میرے خون سے خضاب ہوگا۔ اور
میرے نانا باپ اور ماں کو یہیں تعزیت ادا کرنے
کے لیے آسمان سے فرشتے آئیں گے۔ یہیں میرا وعدہ
پورا ہوگا۔ یہ سب کچھ فرما کر کہا سب اتر پڑے۔

ابو مخنف کا بیان ہے کہ حسینی قافلہ روانہ ہو کر کربلا پہنچا وقف فرس الحسین من تحتہ فنزل عنھا ورکب اخری فلم ینبعث من تحتہ خطوۃ واحدۃ ولم یزل یرکب فرسا بعد فرس حتی رکب سبعۃ افراس وھن علی ھذا الحال۔ فلما رأی الامام ذالک الامر الغریب۔ قال یاقوم

۱؎ ملا جامی لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ ایک دن رسول اللہ اور جبریل میں باتیں ہو رہی تھیں اتنے میں حسین آگئے۔ جبریل نے کہا کہ یہ فرزند عنقریب کربلا کے میدان میں قتل کیا جائے گا۔ اور اے رسولؐ اس کو آپ کی اُمت ہی قتل کرے گی۔ آپ نے پوچھا کس زمین پر قتل ہوگا۔ عرض کی میں ابھی ابھی اس سرزمین کی مٹی لاکے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر جبریل نے اشارہ کیا۔ اور ایک مٹھی سُرخ رنگ کی رسول اللہ کو دے دی۔ یہ مٹی جناب ام سلمٰی کے پاس ایک شیشی میں رہی (شواہد النبوۃ ص۲۷۴) امام حسین علیہ السلام نے بوقت سفر کربلا اس میں سے کچھ اجزا لے لیے تھے جسے کربلا میں نکالا گیا۔ (نور العین ص۴۶)

۲؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور قبر امام کو پہچانتے ہیں اور نشان قبر بتا دیتے ہیں۔ واقعہ کربلا کے علاوہ اس کا ثبوت اور دیگر واقعات سے بھی ملتا ہے۔ حضرت علیؑ کی قبر کا نشان ایک گھوڑے نے اسی طرح قدم روک کر بتایا تھا۔ علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ حضرت کی قبر بنی امیہ کے خوف سے پوشیدہ کر دی گئی تھی۔ ۱۷۵ھ میں ہارون الرشید کا اس زمین پر سے گزر ہوا۔ اس کا گھوڑا چلتے چلتے رک گیا۔ بڑی کوشش کی مگر گھوڑا آگے نہ بڑھا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام کی یہاں پہ قبر ہے۔ (نزہت القلوب ص۱۳۴ طبع بمبئی ۱۳۱۱ھ)

مایقال لھذ الارض چلتے چلتے حضرت کا گھوڑا رک گیا اور ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا ؎
چلتے چلتے رک گیا گھوڑا تو حضرت نے کہا
کیا زمین کربلا ہے تیری پہچانی ہوئی

جب گھوڑا کسی طرح نہ چلا تو آپ اُتر پڑے اور متواتر سات گھوڑے بدلے۔ کسی نے بھی آگے قدم نہ بڑھایا تو آپ نے اس امر عجیب کو دیکھ کر لوگوں سے فرمایا بھائی اس زمین کو کیا کہتے ہیں۔ لوگوں نے غاضریہ۔ نینوا۔ شطِ فرات جیسے نام لیے۔ آپ نے فرمایا ھل اسم لھا غیر ھذا کہ اس کا کوئی اور نام بھی ہے۔ (دمعہ ساکبہ صہ ۳۲۱ طبع ایران)

فقالوا تسمی کربلا قال انزلوا ۔۔۔ وحطوا رحالی ان فیہ منیتی

لوگوں نے کہا، مولا! اسے کربلا بھی کہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ نے اپنے جاں نثاروں سے فرمایا، کاٹھیاں اتارو یہیں میرا وعدۂ موت۔

وفی ھذہ یاقوم قتلی ومصرعی ۔۔۔ وفی ھذہ یاقوم تھتك حرمتی

اے لوگو! یہیں میرا مقتل ہے اور میرے پچھاڑے جانے کی جگہ ہے۔ اور اسی جگہ میری ہتکِ حرمت ہوگی۔

وفی ھذہ العباس یقتل ظامیًا ۔۔۔ ولم یحظ من ماء الزلال بقطرۃ

یہیں پر میرا عباس جیسا قوت بازو پیاسا قتل کر دیا جائے گا۔ اور اسے خوشگوار پانی کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوگا۔ (تحفہ حسینیہ صہ ۱۰۱ طبع ایران)

الغرض امام حسین علیہ السلام اور آپ کے اہل بیتؑ و جاں نثار اُتر پڑے۔ امام چونکہ نورِ خدا ہیں لہٰذا آپ کے اُترتے ہی زمین کربلا بقعۂ نور بن گئی۔ جناب مفتی محمد عباس صاحب فرماتے ہیں ؎

فلما تبدی فی ذویہ ومنھم ۔۔۔ علی وعباس وعون وقاسم

وفی عصبتہ من صحبہ کان منھم ۔۔۔ کان ھنا بدر احوالیہ انجم

اضاءت عراض الطف منہ ومنھم ۔۔۔ کان ھنا بدر احوالیہ انجم

جب آپ اپنے خاندان جن میں علی، عباس، عون، قاسم وغیرہ بھی تھے اور اپنے اصحاب جن میں زہیر بن قین۔ حبیب ابن مظاہر، مسلم بن عوسجہ بھی تھے سمیت زمین کربلا پر رونق افروز اور جلوہ فرما ہوئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ماہ کامل ستاروں کے جھرمٹ میں ہو۔ (شمع المجالس صہ ۳۶ طبع لکھنؤ)

علامہ اربلی لکھتے ہیں :۔

چوں قدم آنحضرت بر زمین رسید رنگ خاک زرد شد۔ جب حضرت امام حسینؑ کے قدم زمین پر پہنچے چہرہ زمین (خجالت سے) زرد ہوگیا۔ (سیر الائمہ ترجمہ کشف الغمہ ص۶۹)

علامہ شیخ جعفر شوستری رقمطراز ہیں کہ (امام حسینؑ کے کربلا پہنچنے اور) کرایہ کشتوں کے رخصت کرنے کے بعد سیدہ ام کلثوم نے عرض کی۔ بھائی جان یہ زمین ہولناک ہے۔ میرا دل بے چین ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ ہاں ایک دفعہ میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ صفین جا رہا تھا۔ ہمارا گذر اس سرزمین سے ہوا۔ والد بزرگوار اس سرزمین پر وارد ہونے کے بعد میرے برادر بزرگوار کی گود میں سر رکھ کر کسی قدر سو گئے جب بیدار ہوئے تو رونے لگے۔ میرے برادر بزرگوار نے رونے کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے ابھی ابھی خواب دیکھا ہے۔ کہ یہ صحرا خون کا سمندر بن گیا ہے اور میرا لخت جگر حسینؑ، اس دریائے خون میں ہاتھ مار رہا ہے۔ اور کوئی اس کی فریاد کو نہیں پہنچتا۔ پھر مجھ سے فرمایا: کیف تکون یا ابا عبد اللہ اذا وقعت ھھنا الواقعہ۔ بیٹا! تیرا کیا حال ہوگا۔ جب یہ واقعہ ظہور پذیر ہوگا۔ میں نے عرض کی بابا جان! میں صبر کروں گا۔ (الارشاد والعزاء ص۴۷)

نصب خیام اور حضرت عباسؑ حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباس اور دیگر جانبازوں کو نصب خیام کا حکم دیا۔ پس امام حسین علیہ السلام بفرمود تا خیمہ ہا برزدند۔ (کشف الغمہ ص۶۹) چنانچہ لب فرات خیمے نصب کرا دیے گئے۔ (شہید اعظم ص۱۱۱) حُر جسے پہلے سے حکم تھا کہ حسینؑ کو ایسی جگہ اتارے جہاں پانی کا نام و نشان تک نہ ہو۔ اس نے مزاحمت کی وحال بین بحر الفرات و بین الحسین ومن معہ اور نہر فرات اور امام حسینؑ کے درمیان حائل ہوگیا۔ (نور العین ص۴۶) اسد اللہ کے پسر حضرت عباسؑ نے جب یہ بے ادبی اور گستاخی دیکھی۔ جوش شجاعت میں آپے سے باہر ہوگئے

لہ واضح ہو کہ یہ اس حکم کی تعمیل ہے جو حُر کو حضرت امام حسینؑ کے اتارنے کے متعلق دیا گیا تھا جو قمر مقاتل میں حر کو بلا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ امام حسین کو ایسی جگہ اتار جہاں پانی نہ ہو۔ اسی بنا پر حسینؑ کو گھیر کر کربلا پہنچایا اور جب امام حسینؑ نے لب آب قیام کیا تو حُر نے مزاحمت کی۔ اور پانی سے دور آپ کو تین میل کے فاصلے پر ٹھہرایا تاکہ تعمیل حکم ہو جائے۔ اور ابن زیاد کی طرف عتاب نازل نہ ہو۔ حُر کے لیے ابن زیاد کے حکم میں یہ کہیں نہیں ہے کہ امام حسین اور ان کے اہل بیت پر پانی بند کر دے اور نہ یہ حکم ہے کہ وہ امام حسینؑ سے جنگ کرے۔ حُر کو پہلا حکم تھا کہ حسینؑ کو گھیر کر کوفہ لائے۔ مگر جب اس نے حالات سے باخبر کیا تو یہ حکم آیا کہ انہیں ایسی جگہ اتارو جہاں پانی نہ ہو۔ چنانچہ حکم نامہ میں یہ جملہ فلاتنزلہ الا بالعراء موجود ہے۔ صاحب اظہار حقیقت نے ص۱۰۱ پر جو یہ لکھا ہے ظاہر ہے کہ حکومت نے اپنے اس حکم میں حسینؑ پر بندش آب کا حکم دے دیا تھا جس کی

امام حسینؑ نے آپ کے غصہ کو فرو کیا۔ فاضل محترم جناب مولانا ریاض علی صاحب بنارسی مصنف "الکرار" لکھتے ہیں: "حضرت حسینؑ حضرت عباسؑ کی سرگرمیاں دیکھتے ہیں، پیار سے مسکراتے ہیں اور صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ (شہید اعظم جلد ۲ صفحہ ۳۱)

غرضکہ خیمے لب فرات سے اٹھا دیئے گئے۔ اور بقول اسفرائنی تین میل یا پانچ میل یا ایک فرسخ کے فاصلے پر نصب کر دیئے گئے۔ ثم ان الحسین امر بنصب الخیام للحریم والاولاد وجعل یصلح سیفه والة حربه دهو یبکی پھر امام حسینؑ نے اپنے اہل بیت اور اولاد کے لئے خیموں کے نصب کرنے کا حکم دیا اور اپنی تلوار وغیرہ کو صاف کرتے ہوئے رونے لگے (نور العین صفحہ ۴۶)

خیام میں داخلہ سے پہلے خیام نصب کئے جا چکے ہیں۔ ابھی اہل حرم داخل خیمہ نہیں ہوئے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے بیوفائی دنیا سے متعلق کچھ اشعار پڑھے۔ جس کا پہلا شعر یہ تھا ؎

یا دهر اف لک من خلیل

کم لک بالاشرق والاصیل!

اے دنیا تجھ پر تف ہے کہ تو نے صبح و شام کیسے کیسے دوست تباہ کر دیئے ...... الخ

(ناسخ التواریخ جلد ۶۔ شہید اعظم۔ عبد الحمید ایڈیٹر مولوی دہلی صفحہ ۱۱۴)

امام حسینؑ کا اشعار پڑھنا تھا کہ بی بیوں میں کہرام برپا ہو گیا اور حضرت زینبؑ پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ آپ بے ہوش ہو گئیں۔ امام حسینؑ نے بہن کے رخسار پر پانی چھڑکا۔ تب حضرت زینبؑ کو ہوش آیا۔ (سوانح لکھنوی صفحہ ۱۹۱)

تعمیل کرنا لشکر حر کے لئے ضروری تھا۔ چنانچہ موجود لشکر یزید نے سختی کے ساتھ اس حکم تعمیل کی اور حسینؑ پر پانی روک دیا اور صفحہ ۴۹ پر نور العین کی عبارت کے ترجمہ میں لکھا ہے اولاً حسین اور اصحاب حسینؑ کے لیے پانی روک دیا۔ حقیقت سے دور معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ نہ حر کو بندش آب کا حکم تھا نہ اس نے اس کی تعمیل کی۔ اس کو تو اس موقع پر صرف اس امر کا حکم تھا کہ حسین کو لب آب نہ اترنے دو تا کہ جنگ چھڑے تو وہ (حسینؑ) پانی سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ (نجم الحسن)

۱ ابو الکلام آزاد اپنے رسالہ (انسانیت موت کے دروازہ پر) میں ان اشعار کو پڑھنا امام حسین کا شب عاشور میں دکھلایا ہے جو پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ مورخ زمانہ حضرت ریاض بنارسی لکھتے ہیں کہ جس روز امام حسین وارد نینوا ہوئے روز پنجشنبہ تھا اور محرم ۶۱ھ کی بقول ابن خلدون دوسری تاریخ تھی۔ نہر فرات پر خیمے نصب ہوئے۔ اصحاب و انصار خیموں میں تھے۔ اور حسین ان اشعار کی تلاوت فرما رہے تھے۔ یا دھر اف لک من خلیل ان اشعار کو سن کر جناب زینب پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ آپ غش کر گئیں جس پر امام حسین نے کھڑے ہو کر منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے (شہید اعظم صفحہ ۱۱۷) و مقتل ابی مخنف صفحہ ۴۳ طبع بمبئی ۱۳۱۱ھ منتخب شہر آشوب جلد ۲ صفحہ ۹۳ و لہوف صفحہ ۳۴ طبع بمبئی ۱۳۰۸ھ ینابیع المودۃ صفحہ ۴۳۹ طبع بمبئی ۱۳۰۳ھ بعض حضرات نے اس واقعہ کو شب

طبع لاہور) (لہوف ص۱۰۲ طبع ایران ۔ الآثارہ الاحزان قلمی ص۳۶)

ثم دخلن الخیام فتسایحن وعلت اصواتھن من کلامہ بالبکا والنحیب مدخل الیھن الخیام وقال لھن صبراً یا اھل البیت فقالت زینب لاصبر لنا علی فقدک ولا تطیب لنا الحیوٰۃ من بعدک کیف لا نبکی وانت تقول ھذ الکلام ونداک قتیلاو مالک نھبا بین العدی وخریمک سبایا وجیثک الطیبۃ توزی علیھا الریاح کیف لا نبکی (نور العین ص۴۷)

ترجمہ: پھر بیبیاں داخل خیمہ ہوئیں۔ ان کے رونے کی آوازیں، چیخ وپکار کی صدائیں بلند تھیں۔ یہ سن کر امام حسینؑ نے خیمہ میں داخل ہو کر فرمایا اے اہل حرم! صبر کرو۔ زینب نے کہا بھیا! تمہاری شہادت پر کیسے صبر کروں۔ اب مجھے زندگی کیسے اچھی لگے گی۔ بھائی! تمہارے اس قول سے تو میں تمہیں مقتول۔ تمہارے مال کو لٹتا ہوا۔ تمہاری حرم کو قیدی اور جسم کو ریزہ ریزہ دیکھ رہی ہوں۔ تو پھر کیسے نہ روؤں۔

علامہ سپہر کاشانی لسان الملک لکھتے ہیں: حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسی موقع پر حضرت زینب کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا: لوترک انقطا لنام اگر قطا طائر چھوڑ دیا جاتا تو سو جاتا۔ یعنی اب اگر میری کسی طرح، بیعت کے بغیر رہائی ممکن ہوتی تو میں مدینہ واپس چلا جاتا۔ (ناسخ التواریخ جلد۶ ص۲۲۵)

زمین کربلا کی خریداری | امام حسین مخدرات عصمت وطہارت کو سمجھا بجھا کر خیمہ زینب سے باہر آئے اور نینوا و غاضریہ کے زمینداروں کو طلب کیا۔ جب وہ آئے تو اُن سے اپنے حالات بیان فرمائے اور ان کو اپنے قتل وغارت کا یقین دلا کر ان سے کربلا کی زمین کی خریداری کا سوال کیا اور ساٹھ ہزار درہم پر چار مربع میل زمین خریدی اور شرطوں کے ساتھ انہیں کے لیے ہبہ کر دی۔

علامہ شیخ بہائی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

ان الحسین اشتری النواحی التی فیھا قبرہ من اھل نینوا والغاضریہ والعاضریہ بستین ۶۰ الف درھم وتصدق علیھم بھا وشرطان یرشد والی قبرہ ویضیفوا من زارہ ثلاثہ ایام (کشکول بہائی طبع مصر و شاہ یترب ص۲۴۰ طبع لاہور)۔

عاشورہ کے سلسلے میں ذکر کیا ہے لیکن یہ پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ ان لوگوں کے ذکر کا ماخذ سنی تاریخ طبری ہے۔ علمائے اہلسنت اس روایت کو ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں۔ اس لیے کہ سلسلہ رواۃ میں ابوضحاک ہے جو مجہول ہے۔ (میزان الاعتدال جلد ۳ ص۲۳۶ طبع مصر ۱۳۲۵ھ

۵ سید ابن طاوس فرماتے ہیں کہ اہل نینوا اور غاضریہ نے چونکہ شرطیں پوری نہ کیں۔ اس لیے یہ وقف ٹوٹ گیا، اور حضرت کی اولاد اور دوستوں کے لیے اس کا استعمال حلال ہو گیا۔ (کشکول ص۹۱ ۔ مجالس منجعہ ص۳۳۴ طبع لکھنؤ)

ترجمہ: امام حسین علیہ السلام نے ان اطراف سمیت زمین کربلا و نینوا اور غاضریہ والوں سے ساٹھ ہزار درہم میں خریدی جس میں آپ کی قبر مبارک ہے پھر اس زمین کو ان دو شرطوں کے ساتھ انہی کے لیے ہبہ کردی۔

۱؎ جو زائر آئے اُسے قبر کا نشان بتائیں۔

۲؎ اس آنے والے کو تین روز تک مہمان رکھیں۔

حرم کربلا کے حدود | حضرت صادق آل محمد علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

حرم حسین الذی اشتراہ اربعۃ امیال فی اربعۃ امیال فھو حلال باولادہ و موالیہ وحرام علی غیرھم من خالفھم وفیہ البرکۃ (کشکول ص۹۱)

ترجمہ: حرمِ حسین وہی ہے جسے امام حسینؑ نے چار مربع میل خریدا ہے جو ان کی اولاد اور دوستوں کے لیے حلال اور دشمنوں کے لئے حرام ہے اور اس میں بڑی برکت ہے۔

زمین کربلا کی فضیلت | حضرت محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ خلاق عالم نے خلق زمین کعبہ سے ۲۴ ہزار سال قبل زمین کربلا کو پیدا کیا ہے اور اس میں برکتیں بھر دی ہیں فلا زالت الارض کربلائے مقدسۃ طاھرۃ اور یہ زمین ہمیشہ سے مقدس مبارک طاہر ہے۔ وانھا اذا زلزل اللہ الارض وسیرھا رفعت کما ھی[۳] اور جب قیامت کا منظر ہوگا۔ زمینوں کو زلزلے آئیں گے اس وقت یہ زمین

لہ تحفۃ العوام مصدقہ جناب مفتی سید احمد علی صاحب قبلہ مجتہد العصر کے ص۱۹۴ پر ایک زیارت ہے جس میں حضرت عباس علیہ السلام حضرت قاسم حضرت حبیب ابن مظاہر اور حضرت حُر وغیرہ کی قبروں کو حائر سے علیحدہ فرمایا گیا ہے۔ اگر روائتی حیثیت نصی اعتبار سے یہ زیارت درست ہے تو جائے مزدن نہیں اس لیے کہ یہ زیارت حضرت صادق آل محمدؑ کی طرف منسوب ہے۔ لیکن پھر بھی بعض حضرات نے جو حائر کے حدود بتائے ہیں اُن سے حضرت ابو الفضل العباسؑ وغیرہ کی قبر کے داخل حائر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ صاحب لغات کشوری ص۱۴۷ پر لکھتے ہیں کہ حائر وہ موضع ہے جہاں امام حسینؑ کا مشہد واقع ہے (مجمع البحرین ورق ۵۲۹) علامہ محمد بن مرتضیٰ ملقب بہ محسن اپنی کتاب مفاتیح الشرائع قلمی ص۱۲۲ میں خاک شفا کھانے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قبر حسینؑ کے گرد اگرد ستر ہاتھ یا چار فرسخ تک حائر ہے۔ علامہ ابو الفضل شرح زیارت کے سلسلہ میں زیر جملہ "حلت بفنائک وانافت برحلک" تحریر کیا ہے (ص۹) اگرچہ حضرت ابو الفضل العباسؑ کی قبر امام حسینؑ کی قبر سے دور ہے۔ لیکن داخل رحل و فناء ساحت ہے۔ ملاحظہ ہو شفاء الصدور ص۱۰۸ طبع بمبئی

۲ہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ خلقت زمین کعبہ سے چوبیس ہزار سال قبل زمین کربلا کی تخلیق ہوئی علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ یہ زمین متبرک زمین ہے علاج کے لیے اس کی خاک کھانے کی اجازت ہے اس لیے کہ یہ خاک شفا ہے اس زمین کے علاوہ کسی نبی یا امام کی تربت کی خاک تبرکاً بھی کھانا جائز نہیں۔ (تحفۃ الزائرین طبع ایران)

۳ہ فضیلت کربلا میں علامہ سید حسین صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ خاک کربلا کی ایک عجیب صفت بیان فرماتے ہیں و باید کہ با تو باشد اندکے از

پوری کی پوری مجسم اُٹھا کر جنت میں پہنچا دی جائے گی اور جنت کا بہترین طبقہ قرار دی جائے گی۔ اور اس میں انبیائے مرسلین اور اولوالعزم پیغمبران فروکش ہوں گے۔ اور وہ پورا طبقہ کوکب دُرّی کی مانند چمکتا ہوگا۔ اور وہ زمین فخر و مباہات کرتی ہوگی اور کہتی ہوگی۔ کہ میں وہ مقدس، پاک اور مبارک زمین ہوں جس کی آغوش میں سید الشہداء سید الشباب اہل الجنۃ ابو عبداللہ الحسین کا جسد مبارک جلوہ افروز ہے۔ مجھے زمین کعبہ پر فخر حاصل ہے۔ .... الخ (معالم الزلفی ص۳۰ طبع ایران)

زمین کربلا کی خریداری کے بعد بنی اسد سے وصیت

جناب حکیم محمد حسن صاحب میرٹھی لکھتے ہیں کہ حضرت نے دوسری ہی محرم ۶۱ھ ہجری کو چار میل زمین، ساٹھ ہزار درہم میں خرید لی۔ اس کے بعد اس زمین کو انہیں کے نام ہبہ کر کے ذیل کی وصیتیں فرمائیں:

۱۔ جہاں ہماری قبریں ہیں وہاں پر کاشت نہ کرنا۔

خاک حریم امام حسینؑ از برائے حفظ جان ومال تو در وقت برداشتن آں بگو۔ اللھم انی اخذ تھا من تبر دیتک تخذ تھا حرزاً لما اخاف ولما لا اخاف" جب سفر کا ارادہ کرو تو حفظ جان و مال کے لئے خاک شفا ہمراہ رکھو۔ اور خاک شفا ہمراہ رکھتے وقت یہ دُعا پڑھو۔ اللّٰھم انی اخذ تھا من تبر ولیک اتخذ تھا حرزاً۔ ... الخ (وسیلۃ النجات ص۲۵۶ طبع لکھنو) میرے استاد محترم جناب مولانا سید عدیل اختر صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جس مال میں خاک تربت ہو وہ چوری نہیں جاتا۔ مجھے اس کا تجربہ ۱۹۴۰ء میں ہوا۔ ماہ مبارک کا زمانہ تھا اور میں کواتھ ضلع آرا صوبہ بہار میں مقیم تھا۔ میرا سارا سامان سید عابد حسین صاحب وکیل سیوان ضلع سارن کے ہاں رکھا ہوا تھا۔ تقضاراً ان کے گھر میں چوری ہوگئی اور ان کا سارا اثاث البیت چور اٹھا کر لے گئے۔ جس کمرہ میں ان کے برتن رکھے تھے اسی کمرہ میں میرا بکس اور میرا ناشتہ دان بھی تھا۔ انہوں نے مجھے لکھا کہ سخت حیرت ہے کہ جس جگہ آپ کا سامان تھا وہیں میرا سامان تھا میری چیزیں چوری چلی گئیں اور آپ کا سامان بچ گیا۔ مجھے خود تعجب تھا جب سیوان پہنچ کر سامان دیکھا تو معلوم ہوا کہ دونوں سامانوں میں سجدہ گاہ رکھی ہوئی ہے میں سمجھ گیا کہ اسی خاک تربت نے میرے مال کی حفاظت کی ہے۔ میں ایک شب حاجی غلام حسین صاحب مرحوم رئیس پشاور کے ہاں مجلس پڑھنے جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک سُنّی دوست نے شیعوں پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ خانہ کعبہ پر بھی زمین کربلا کو فضیلت دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے مردوں کو کعبہ کے بجائے کربلا میں دفن کرنا متبرک اور اچھا جانتے ہیں یہ کیسے درست ہو سکتا ہے۔ اگر اس کی کوئی خاص وجہ بتائیں تو بہتر ہے۔ میں نے کہا مجلس میں چلو۔ میں نے مجلس میں تقریر کرتے ہوئے ان کے موضوع کا بھی جواب دیا اور جوابوں کے علاوہ ایک جواب یہ بھی تھا کہ ہم اپنے مردوں کو زمین کربلا میں اس لیے دفن کرتے ہیں کہ ایک دن یہ زمین اپنے تمام مدفون مردوں سمیت جنت میں اٹھالی جائے گی۔ جیسا کہ روایات میں موجود ہے۔ تو ہمارے مُردے بلا حساب و کتاب اپنے مسکن سمیت جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ زمین کعبہ کے لیے اس قسم کی کوئی

۲۔ ہمارے زائروں کو ہمارے قبروں کے نشانات بتاتے رہنا۔

۳۔ ہمارے ہر زائر کو تین شبانہ روز مہمان رکھنا۔

۴۔ جب ہم قتل کر دیئے جائیں گے تو ہماری لاشوں کے دفن کی فکر کرنا اگر ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ دفن نہ کرسکو۔ تو ایک گڑھا کھود کر سب کو دفن کر دینا۔

مردوں سے اس وصیت کے بعد عورتوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اگر تمہارے مرد خوف حاکم سے ہمیں دفن نہ کریں تو انہیں غیرت دلا کر ہمارے لاشوں کو تہ خاک چھپا دینا۔

پھر بچوں کی طرف متوجہ ہوئے اور آبدیدہ ہو کر فرمایا "اے بچو! اگر تمہارے ماں باپ ہمارے دفن اغماض کریں تو سب ایک ایک مٹھی خاک لے کر ہمارے اجساد بے سر پر اس قدر ڈالنا کہ ہم غریب الدیار لوگوں کی لاشیں چھپ جائیں۔" (مجالس عزا صفحہ ۶۲ و ۶۳ طبع میرٹھ ۱۹۱۴ء)

امام حسینؑ کے نام ابن زیاد کا پیام محرم کی دوسری تاریخ ہے اور دن کا بڑا حصہ خرید و فروخت زمین کربلا اور دیگر انتظامات میں گزر چکا ہے کہ ناگاہ کوفہ سے ابن زیاد ملعون کا خط امام حسینؑ کے نام پہنچا جس میں مرقوم تھا:

"امابعد یا حسین فقد بلغنی نزولك بكربلا وقد كتب الی امیر المومنین یزید ان لا اتوسد الوثیر ولا اشبع من الخمیر الا الحقك باللطیف الخبیر او ترجع الی حكمی وحكم یزید بن معاویه۔"

روایت میری نظر سے نہیں گزری۔۔۔۔۔ الخ واضح ہو کہ بعض حضرات مطلقاً نقل نعش کے مخالف ہیں اور اسے برا جانتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ فعل ممنوع نہیں۔ بلکہ سنت نبوی ہے۔ حضرت آدمؑ کی نعش زمانہ طوفانِ نوحؑ میں منتقل کی گئی۔ حضرت یوسفؑ نے حضرت یعقوب کی نعش فلسطین سے شام کی طرف منتقل کی۔۔۔۔۔ شریعت ابراہیمی میں نعش کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا بلا اختلاف جائز تھا۔ شریعت محمدیہ میں اگرچہ بعض علما نے اس کی ممانعت کی ہے۔ مگر کسی حدیث یا قرآن کی آیت میں اس کی صراحت نہیں کی گئی۔ (اعظم التفاسیر سنی جلد ۲ سنہ ۱۲۷۰ھ) کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں ہے کہ زمین کربلا روضة من ریاض الجنة جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔۔۔۔۔ الخ اس کی تصدیق کے سلسلہ میں علامہ شیخ بہاء الدین عاملی فرماتے ہیں کہ مجھے علم رمل سے عقیدت نہ تھی۔ ایک دن ایک یہودی رمال سے ملاقات ہوئی میں نے خاک شفا کی تسبیح کو مٹھی میں دبا کر پوچھا۔ بتائیے میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ اس نے بڑی سوچ بچار کر کے کہا کہ تمہارے ہاتھ میں جنت کی مٹی معلوم ہوتی ہے۔ اس دن سے مجھے علم رمل سے شغف پیدا ہو گیا۔

لہ صاحب خلاصۃ المصائب کی اس تحریر سے جو انہوں نے بروایت عبد اللہ ابن اسود ۱۲ محرم کو ایک قافلہ کا زمین کربلا پر آنا لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۲ محرم الحرام کا ہے ۱۲ منہ صفحہ ۲۶۱

ترجمہ: اے حسین! تمہارے کربلا پہنچنے کی خبر ملی اور یزید کا خط بھی ملا۔ وہ مجھے لکھتا ہے کہ میں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں اور پیٹ بھر کر نہ کھاؤں۔ جب تک تم سے بیعت نہ لے لوں یا تمہیں قتل نہ کر ڈالوں۔

ابن زیاد بدنہاد کا نامہ بر خط لیے ہوئے حضرت سید الشہداء کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے خط پڑھا اور زمین پر پھینک کر فرمایا لا افلح قوم اشتروا مرضاۃ المخلوق بسخط الخالق وہ قوم نہیں نجات پا سکتی جو رضائے مخلوق کے لیے خالق کو ناراض کرتی ہے۔

نامہ بر نے جواب مانگا۔ تو آپ نے فرمایا: مالہ عندی جواب لانہ قد حقت علیہ کلمۃ العذاب میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ اس لیے کہ اس کے واسطے عذاب معین ہو چکا ہے۔ (ناسخ جلد ۶ صفحہ ۲۳)

نامہ بر نے کل واقعہ ابن زیاد تک پہنچایا۔ حضرت کا عذاب آسا جواب پاتے ہی ابن زیاد آگ بگولا ہو گیا اور ابن سعد کو طلب کیا جو ملک عجم میں قبیلہ دیلم کے مقام "دستبیٰ" پر باغیانہ قبضہ کو روکنے کے لیے چار ہزار فوج لیے ہوئے مقام "حمام اعین" پر ٹھہرا ہوا تھا۔ اور اس سے کہا کہ قتل حسین کی زبردست مہم درپیش ہے۔ پہلے اسے سر کرے پھر ایران کی طرف رخ کرنا۔ عمر سعد نے کچھ تکلف کیا اور ہچکچاہٹ ظاہر کی بقول صاحب ناسخ ابن زیاد نے ابن سعد کو دس سالہ "رے" کی گورنری دینے کا وعدہ کیا اور بقول دیگر مورخین ابن زیاد نے کہا کہ اگر تو اس مہم کو سر کرنے کا بیڑا نہ اٹھائے گا تو پروانہ حکومت "رے" جو دس سال کے لیے تجھے دیا گیا ہے واپس لے لیا جائے گا۔ (جلاء العیون صفحہ ۱۹۶۔ نور الابصار صفحہ ۱۱۷) عمر بن سعد نے سوچ بچار کے لیے ایک شب کی مہلت مانگی۔ مہلت ملی۔ گھر آیا۔ رات بھر بعض اصحاب رسول اور انصار چھپ چھپ کر اس کے مکان پر آئے اور اسے سمجھاتے بجھاتے رہے لیکن جب صبح ہوئی تو اس ملعون کی زبان پر چند شعر تھے جن میں سے ابتدا کے تین شعر یہ ہیں ؎

فواللہ ما ادری وانی لحائرٌ !! افکر فی امری علی خطرین !

خدا کی قسم سخت حیران ہوں اور دو اہم امروں کے بارے میں سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کو اختیار کروں اور کس کو چھوڑ دوں۔

أأترک ملک الرے والرے بغیتی ام اصبح ماثوماً بقتل حسین

آیا ملک رے کو چھوڑ دوں درآنحالیکہ وہ میری اہم تمنا کا مرکز ہے یا قتل حسینؑ سے گنہگار بن جاؤں۔

حسین بن عمی والحوادث جمۃ لعمری ولی فی الرے قرۃ العین

حسینؑ میرا چچازاد بھائی ہے اور بڑے حوادث میں گھرا ہے لیکن اپنی قسم ملک رے کی گورنری میں بھی آنکھوں کے لیے ٹھنڈک موجود ہے۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ عمر بن سعد نے جب ان اشعار کو سپرد نوک زبان کیا۔ ہاتف غیبی نے آواز دی۔

اِلاّ ایھا النسل الذی خاب سعیہ ۔۔۔ وراح من الدنیا بخسۃ عین

"اے وہ فاسد النسب جس کی کوشش برباد ہو کر رہے گی اور جو دُنیا سے بُری طرح اُٹھے گا۔"

ستصلی جحیما لیس لطیفی لھیبھا ۔۔۔ وسعیک من دون الرجال بشین

عنقریب تو ایسے جہنم میں جھونک دیا جائیگا جس کے شعلے بھڑکتے ہی رہیں گے اور تیری سعی بدترین ثابت ہوگی۔

اذا کنت قاتلت الحسین بن فاطمہ ۔۔۔ وانت تراہ اشرف الثقلین

اور جب کہ تو حسین بن فاطمہ کو اشرف کائنات جانتے ہوئے، ان سے مقابلہ پر آمادہ ہو رہا ہے۔

فلا تحسبنی الرے یا اخسر الوری ۔۔۔ تموز بہ من بعد قتل حسین

تو یہ بھی جان لے اے بدترین خلائق کہ تو قتل حسینؑ کے بعد حکومت رَے پر فائز نہ رہے گا۔

الغرض صبح ہوتے ہی ابن سعد ابن زیاد کے دربار میں حاضر ہوا۔ ابن زیاد نے مسجد جامع میں خطبہ دیتے ہوئے کہا۔ وہ کون بہادر ہے جو حسینؑ کو قتل کرکے دس سال کے واسطے مجھ سے حکومت رَے کی گورنری لے کر آرام و چین کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ عمر بن سعد بن ابی وقاص صحابی رسول نے بڑھ کر کہا۔ میں حاضر ہوں۔ میں حسینؑ کو قتل کرکے امیر اور یزید کی رضامندی حاصل کروں گا۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۳ تا صفحہ ۲۳ و کتاب المیلان ابن فقیہ صفحہ ۲)

۲ محرم کو امام حسینؑ کا خطبہ اور اصحاب کی طرف سے اس کا جواب

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ابن زیاد کے نامہ بر کو سخت جواب دینے کے بعد اپنے اصحاب کو جمع فرمایا۔ ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"اب میں اس منزل میں ہوں کہ اسے میں ہی جانتا ہوں۔ اور دُنیا نے مجھ سے منہ پھیر لیا ہے۔ اور دم لبوں پر ہے اور لوگوں نے حق سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ اور وہ باطل کو حق جان رہے ہیں۔ جو شخص کہ خدا اور روز جزا پر ایمان رکھتا ہے، اُسے چاہیئے کہ دنیا سے منہ پھیر لے اور خدا کا مشتاق ہو بیٹھے۔ کیونکہ شہادت ایک شرف ابدی ہے۔ (لیکن) ان دشمنوں کے ساتھ لڑ بھڑ کر اپنی زندگی ختم کرنی اور اُن کی غلبگی سوا محنت و مشقت اور تکلیف کے اور کوئی فائدہ نہیں رکھتی۔"

یہ سُن کر زہیر بن قین کھڑے ہوگئے۔ کہ مولا! اگر دُنیا ہمیشہ رہنے والی ہے تو البتہ آپ کا زمانا درست ہو سکتا تھا لیکن ایسی صورت میں جب زندگی صرف چند روزہ ہے۔ پھر آپ کی نصرت سے ہاتھ اُٹھانے میں کیا فائدہ ہے۔ ان کے بعد ہلال بن نافع بھی کھڑے ہوگئے اور عرض کرنے لگے۔ مولا، ہم لوگوں نے دل سے

عہد کیا ہے اور آپ پر قربان ہونے کو سعادت ابدی جانتے ہیں۔ مولا! ہم اُن منافقین میں سے نہیں ہیں جو عہد رسول میں لمبے لمبے وعدے کرتے اور موقع پر دھوکا دیتے رہتے تھے۔ اور امیر المومنین و امام حسنؑ کے ساتھ برا سلوک کرتے رہے۔ مولا! آج آپ بھی اسی قسم کی مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہمارے ارادے بڑے مستحکم اور عزم بہت مضبوط ہیں۔ ہم انشاء اللہ آپ پر کمال دلیری کے ساتھ قربان ہوں گے۔ مولا! ہم آپ کے دوستوں کے دوست اور دشمنوں کو دشمن سمجھتے ہیں جو آپ کا حکم ہو گا بسر و چشم بجا لائیں گے۔

پھر بریر بن خفیر کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی اسی طرح جانبازی جاں نثاری کے جذبات کا اظہار کیا امام حسین علیہ السلام نے اپنے ان جاں بازوں کو دعائیں دیں۔ اور اپنے اہلبیت کی طرف متوجہ ہو کر بارگاہ خداوندی میں کلمات دعا عرض کئے۔ (جلاء العیون صـ۱۹۷ طبع ایران ۱۳۰۱ھ)

امام حسین علیہ السلام کا خط محمد بن حنفیہ کے نام

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اسی دوسری محرم کو حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت محمد حنفیہ کو ایک خط لکھا تھا جس میں لکھا تھا

اما بعد پس بدانید کہ ترکِ زندگانی کردیم و دل بر شہادت گزاشتیم و دنیا را چنیں قرار دادیم کہ ہرگز نبودہ آخرت را باقی و دائم می دانیم۔ و آخرت را بر دنیا اختیار کردیم۔ والسلام۔

ترجمہ۔ بھائی میں کربلا پہنچ گیا ہوں۔ اور اب زندگی سے ہاتھ دھو چکا ہوں اور شہادت کی ٹھان لی ہے دنیا کو فانی اور آخرت کو باقی جانتا ہوں (اسی لیے) دنیا پر آخرت کو ترجیح دے دی والسلام (جلاء العیون صـ۱۹۶)

علامہ شیخ جعفر شوستری کتاب المواعظ والبکاء کی دوسری مجلس میں ارشاد فرماتے ہیں۔ آج دوسری محرم ہے دیکھئے ابن زیاد نے کثرت سوار و پیادہ سے کوفہ سے قادسیہ یا قطقطانیہ تک تمام راستے بند مسدود کر دیئے ہیں تاکہ کوئی شخص آنجناب کی مدد کو نہ پہنچ سکے۔ ہم روحانی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آنجناب اموی لشکر میں محصور ہو چکے ہیں۔ اور یزیدی فوجوں کے گھیرے میں آ گئے ہیں۔ آنحضرت کے گھیرے کو حر بن یزید ریاحی نے جن الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ہم اس کا مخلص کتاب بحار الانوار سے پیش کرتے ہیں۔

حضرت حُر لشکر یزید کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں۔ "ارے تم نے اللہ کے اس عبد صالح کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی اس نے قبول کیا تو اس پر تم نے انہیں تمام اطراف و جوانب سے گھیر لیا اور سانس لینے کا راستہ بھی تنگ کر دیا۔ ان لوگوں نے امام حسینؑ کو ان کے جد پاک کے حرم سے علیحدہ کیا پھر انہوں نے بیت اللہ کا قصد کیا۔ اس دارالامان میں بھی امن سے نہ بیٹھنے دیا۔ یہاں تک کہ آپ منزلوں پہ منزلیں طے کرتے ہوئے وارد زمین کربلا ہوئے۔ ذرا امامت کی مصیبت اور مظلومیت کو دیکھئے جو شخص راستے میں ملتا ہے عرض کرتا ہے۔ یمن چلے جایئے۔ وہاں آپ کے شیعہ ہیں کبھی کوئی کہتا ہے کہ

فلاں پہاڑ میں پناہ لیجئے۔ آخر کار سید الشہداء نے فرمایا:۔

"اے فلاں! اگر میں چیونٹی کے سوراخ میں بھی چلا جاؤں اور وہاں منزل اختیار کروں اور پناہ گزیں ہو جاؤں تب بھی یہ دشمن مجھ سے دستکش نہ ہوں گے"۔

یہی خیال نہ کیجئے کہ آنحضرت کی مصیبت تیر۔ تلوار تیر و خنجر کی مصیبت تھی۔ آنحضرت کے مصائب میں سے ایک مصیبت یہ تھی کہ آپ جس راستے سے گذرتے تھے۔ ایام حج ہونے کی وجہ سے راستے انسانوں سے اٹے پڑے تھے لیکن ان قافلوں کے لوگ آنحضرت سے کنارہ اختیار کرتے تھے تاکہ حضور طلب اعانت نہ فرمائیں۔

(الارشاد والعزا۔ طبع لاہور)

۳ محرم الحرام ۶۱ھ یوم جمعہ

عمر ابن سعد کا کربلا پہنچنا

تیسری محرم الحرام کو عبید اللہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو قتل حسینؑ پر آمادہ کر کے پانچ یا چھ ہزار سوار اور بقول علامہ عیسیٰ اربلی ۲۲ ہزار سوار و پیادے دے کر کربلا روانہ کیا (ناسخ التواریخ جلد ۶ صہ ۲۳۲ تاریخ طبری جلد ۶ صہ ۲۳۳ ۔ اکسیر التواریخ صہ ۲۹)

علامہ سماوی لکھتے ہیں کہ ابن سعد کی روانگی کے بعد ابن زیاد نے عام منادی کر دی کہ جو کوئی سوار یا پیادہ کوفہ میں رہ جائے گا اور کربلا نہ جائے گا وہ قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس منادی کے بعد ایک مرد مسافر کوفہ میں دیکھا گیا۔ اس کو ابن زیاد کے پاس پکڑ کر لے گئے۔ ابن زیاد نے اس سے حال دریافت کیا۔ اس نے کہا میں شام کا رہنے والا ہوں یہاں ایک شخص کے ذمہ میرا قرض ہے قرض لینے آیا ہوں۔ یہ سن کر بھی ابن زیاد نے حکم دیا کہ اگرچہ یہ شخص کوفہ کا رہنے والا نہیں ہے۔ مگر اس کو بھی قتل کر دو تاکہ لوگوں کو کامل عبرت ہو اور کوئی مرد کوفہ میں باقی نہ رہے۔ (ترجمہ ابصار العین سماوی صہ ۱۸ طبع حیدرآباد ۱۳۵۰ھ الاخبار الطوال صہ ۲۵۲)

الغرض عمر بن سعد کربلا پہنچا اور اپنا خیمہ فرات کے اس پار مشرقی سمت میں نصب کیا (تاریخ کا خونی ورق صہ ۲۷ بحوالہ مقتل ابی مخنف)

اس کے بعد حضرت امام حسینؑ کے پاس کثیر بن عبد اللہ شعبی کو بھیجا کہ وہ جا کر امام حسینؑ سے دریافت کرے کہ وہ اتنی لمبی مسافت طے کر کے کیوں تشریف لائے ہیں۔ جب وہ قریب پہنچا حضرت ابوثمامہ

صیداوی نے فرمایا کہ سلاحِ جنگ اتار کر حضرت کی خدمت میں جا سکتے ہو۔ اس نے سلاحِ جنگ اتارنے سے انکار کیا۔ آپ نے اِسے واپس کر دیا۔ اس کے بعد عمر بن سعد نے قرۃ بن قیس حنظلی کو بھیجا حضرت زہیر بن قین آگے بڑھے اور اسلحہ اتروا دیا۔

قرۃ نے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عمر بن سعد کا پیغام بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا اہل کوفہ نے بارہ ہزار خطوط لکھ کر مجھے طلب کیا ہے۔ اسی بنا پر میں آیا ہوں۔ اور اگر میرا آنا تم لوگ ناپسند کرتے ہو تو میں واپس جانے کو تیار ہوں۔

قرۃ نے واپس جا کر حضرت کی ساری گفتگو ابن سعد کے سامنے دہرا دی۔ اس نے کہا، انشاء اللہ صلح ہو جائے گی۔ اسی امید صلح پر ابن سعد نے ابن زیاد کو لکھا:۔ میں نے کربلا پہنچ کر امام حسینؑ سے اس طرف آنے کا سبب دریافت کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے خطوط لکھ کر بلایا گیا ہے۔ لیکن بہر صورت اگر میرے آنے کو اہل کوفہ پسند نہیں کرتے تو میں واپس جانے کے لیے تیار ہوں۔

حسان بن قائد عبسی کہتا ہے کہ جب ابن سعد کا نامہ پہنچا تو میں دربار میں موجود تھا۔ خط پڑھ کر ابن زیاد نے کہا۔ آلان علقت مخالبنا بہ یرجو النجاۃ ولات حین مناص۔ امام حسین! اب جبکہ ہمارے چنگل میں آ گئے ہیں۔ جان بچانا چاہتے ہیں۔ اب بھلا چھٹکارا کہاں ممکن ہے" اس کے بعد عمر بن سعد کو لکھا۔

"فقد بلغنی کتابک وفہمت ماذکرت فاعرض علی الحسین ان یبایع یزید ہو جمیع اصحابہ فاذا فعل ذالک راینا فیہ راینا۔"

تیرا خط مجھے ملا۔ میں نے اسے سمجھا جو لکھا جاتا ہے کہ حسینؑ کے سامنے بیعت یزید پیش کر۔ اگر انہوں نے اپنے اصحاب سمیت بیعت کر لی تب میں ان کے بارے میں سوچوں گا۔

خط پڑھ کر ابن سعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ حسینؑ سے جنگ کئے بغیر چارہ نہیں۔ اس لیے کہ وہ کسی صورت بھی بیعت نہ کریں گے۔ (ناسخ جلد ۶ صفحہ ۲۲۵-۳۔ روضۃ الشہداء صفحہ ۳۰۴)

حبیب ابن مظاہر کا امداد طلبی کے لیے قبیلہ بنی اسد میں جانا تیسری تاریخ کی شام آگئی ہے حبیب ابن مظاہر اسدی حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں۔ مولا! بنی اسد ہمارے رشتہ دار ہیں۔ اگر اجازت ہو تو میں ان سے مدد طلب کروں۔ امامؑ نے فرمایا۔ تم جا سکتے ہو۔ حبیب رات کے تاریک پردہ میں ان لوگوں کے پاس جا پہنچے اور ان سے اپنی رشتہ داری کا حوالہ دیتے ہوئے فرزند رسولؐ کی امداد و اعانت طلب کی۔ نوے اسدی امداد کے لیے کمربستہ ہو گئے

امام حسین علیہ السلام نے بھیجے کے دوست "حبیب" ان لوگوں کو لیے آ رہے تھے کہ انہیں میں سے ایک شخص چپکے سے ابن سعد کے پاس جا پہنچا اور اس سے واقعہ کو بیان کر دیا۔ عمر بن سعد نے ازرق شامی کی سرکردگی میں چار سو سواروں کا لشکر اس کمک کو روکنے کے لیے بھیج دیا۔ اس لشکر نے اسدیوں سے مزاحمت کی اور باہم جنگ کرنے لگے۔ اسدی بہادر تھوڑے تھے۔ تاب مقاومت نہ لا سکے۔ اور مجبوراً واپس ہو گئے۔ حضرت حبیب سرکار حسینی میں حاضر ہوئے اور واقعہ نقل کیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اظہار تاسف کیا

ناسخ التواریخ جلد ۶ صہ ۲۳۵۔ دمعۃ الساکبہ صہ ۳۲۲

---

۴ محرم الحرام سنہ ۶۱ھ یوم شنبہ

عمر سعد کو خط کا جواب لکھنے کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں اجتماع کرایا اور منبر پر جا کر کہا:

ایہا الناس! اے لوگو! تم نے آل ابوسفیان کو اچھی طرح جانچا ہے۔ اور انہیں بڑا رحم و کرم والا پایا ہے ان کے نوازشات لوگوں پر کس قدر عام ہیں۔ اب تمہارے سامنے اس وقت حاکم یزید ہے۔ وہ کتنا لائق ہے۔ اپنی رعیت کو کس قدر چاہتا ہے۔ اور اس پر کس درجہ مہربان ہے۔ مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم پر مزید انعامات و اکرامات کو وافر کروں اور تمہارے لیے خزانوں کے منہ کھول دوں و اخرجکم الی حرب عدوہ الحسین فاسمعوا لہ واطیعوہ اور تمہیں یزید کے دشمن حضرت امام حسین علیہ السلام سے لڑنے کے لیے بھیج دوں۔ اب تمہارا فرض ہے کہ تم اس بارے میں اس کی بات کو کان دھر کے سنو۔ اور اطاعت گزاری میں سر سے گزر جاؤ۔

اس کے بعد منبر سے اترا۔ وامرھم ان یخرجوا الی حرب الحسین ویکونوا عوناً لابن سعد علی حربہ اور ان لوگوں کو حکم دیا کہ فوراً لڑنے کے لیے حسینؑ سے نکل کھڑے ہو۔ اور کربلا جا کر ابن سعد کے معین بنیں۔ فاول خرج شمر ذی الجوشن فی اربعۃ الاف۔ یہ سن کر کثیر افراد کربلا جانے کو تیار ہو گئے اور سب سے پہلے جو کربلا روانہ ہوا وہ شمر ذی الجوشن تھا۔ اس لشکر کی تعداد چار ہزار تھی۔ فسار ابن سعد فی تسعۃ الاف ثم اتبعہ یزید بن رکاب الکلبی فی الفین والحصین بن نمیر السکونی فی اربعۃ الابعۃ الاف و مصائر بن رھینۃ المازنی فی ثلاثۃ الالف ونضر بن خرشد فی الفین فذالک عشرون الفاً

علامہ محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ شمر کے لشکر کو ملا کر ابن سعد کا لشکر نو ہزار ہو گیا۔ پھر ابن زیاد

نے شمر کے بعد ابن رکاب کو دو ہزار اور حصین بن نمیر کو چار ہزار اور مضائر بن رھینیہ کو تین ہزار اور نصر ابن خرشہ کو دو ہزار سوار دے کر کربلا روانہ کر دیا۔ جس کا مجموعہ بیس ہزار ہوتا ہے۔ (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۲)

۵ محرم الحرام ۶۱ھ یک شنبہ

علامہ باقر لکھتے ہیں کہ ثم ارسل الی شبیث ابن ربعی ۔ ۔ ۔ الخ بیس ہزار پر مشتمل لشکر بھیجنے کے بعد ابن زیاد نے شیث بن ربعی کو طلب کیا۔ اس نے حاضری میں تامل سے کام لیا۔ تو اسے تہدیدی خط لکھ کر بلایا جس کا آخری جملہ یہ تھا۔ ان کنت فی طاعتنا فاقبل الینا مسرعاً اگر تیری گردن میں میری طاعت کا طوق ہے۔ تو فوراً حاضر خدمت ہو جا۔ ابن ربعی دربار میں حاضر ہوا۔ اسے چار ہزار سوار دے کر حضرت امام حسینؑ سے لڑنے کے لیے کربلا روانہ کر دیا۔

اس کے بعد عروہ بن قیس کو بلا کر چار ہزار لشکر کا سردار اور سنان بن انس کو دس ہزار لشکر کا سردار اور محمد بن اشعث کو ایک ہزار اور عبداللہ الحصین کو ایک ہزار پر مشتمل لشکر کا سردار بنا کر روانہ کیا۔ یہ سارا لشکر کوفہ سے روانہ ہو کر کربلا پہنچا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقابلے میں جا اترا۔ (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۲ ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۳۳)

۶ محرم الحرام ۶۱ھ یوم دوشنبہ۔

کوفہ سے لشکر کی آمد کا تانتا بندھا ہوا ہے اور ابن زیاد مسلسل عمر سعد کو ابھار رہا ہے کہ حسینؑ سے جنگ کرنے میں پوری دلیری سے کام لے۔ چنانچہ آج جو خط پہنچا ہے۔ اس میں مرقوم ہے۔ انی لم اجعل لک علۃ فی کثرۃ الخیل والرجال ۔ عمر سعد! دیکھ میں نے لشکر کی کثرت کے ذریعہ سے تیرے لیے نہیں چھوڑا کہ تو قتل حسین سے پہلوتہی کرے۔ ذرا ہوش کر۔ تیری خبر صبح و شام میرے پاس پہنچ رہی ہے۔ علامہ محمد باقر لکھتے ہیں۔ ” وکان ابن زیاد لعنہ اللہ یستحب عمر بن سعد لستۃ ایام مضین من المحرم۔ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو چھٹی محرم کو تحریر کیا کہ قتل حسینؑ میں بہانہ تلاش نہ کرنا۔ میرے پاس لشکر بہت ہے صرف کوفہ کے لشکری جو میں تیرے پاس بھیج چکا ہوں۔ ۸۰ ہزار ہیں جن میں ایک بھی شامی اور حجازی نہیں ہے۔ (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۲) اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابو مخنف لکھتا ہے کہ ابن زیاد کے لشکر میں کوفہ کے اسّی ہزار باشندے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات نے ابن زیاد کے لشکر والوں کی تعداد ایک لاکھ بائیس ہزار تحریر کی ہے اور بعض نے اس سے بھی زیادہ لکھی ہے۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۳۳)

علامہ محمد باقر بروایت ابی مخنف لکھتے ہیں۔ فتکامل العسکر ثمانون الف فارس من اھل

کوفہ لیس منھم شامی ولا حجازی وسار واحتی نزلوا قریباً من عسکر الحسین

لشکر برابر کربلا بھیجا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ اسی ہزار کوفی جن میں ایک بھی شامی و حجازی نہ تھا کربلا جا پہنچے اور امام حسین علیہ السلام کے قریب خیمہ زن ہوئے (دمعہ ساکبہ صہ ۳۲۲) جن میں خولی بن یزید اصبحی دس ہزار اور کعب بن طلحہ تین ہزار اور حجار ابن الحر ایک ہزار سواروں سمیت شامل تھے۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صہ ۲۳۳) اور بروایت امام زین العابدین علیہ السلام، ابن جنود نامسعود در روز ششم محرم در کربلا جمع شدند" یہ لشکر والے چھٹی محرم کو کربلا میں جمع ہو گئے (جلاء العیون صہ ۱۹۶)

خولی بن یزید اصبحی کا خط ابن زیاد کے نام | مورخین لکھتے ہیں کہ ابن سعد کو چونکہ یہ خیال تھا اگر امام حسینؑ سے جنگ نہ کرنی پڑی تو بہتر ہے۔ لہٰذا تخلیہ میں اس نے حضرت سے کئی مرتبہ گفتگو کی۔ خولی بن یزید اصبحی ملعون کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے ابن زیاد کو لکھ بھیجا۔

اما بعد ، ایھا الامیر ان عمر بن سعد یخرج کل لیلۃ ویبسط بساطاً ید عوا الحسین ویتحدثان حتی یمضی من اللیل شطرہ وقد ادرکتہ علی الحسین الرحمۃ والرافۃ قاصرہ ان ینزل عن حلمک ویصیر الحکم واتا الفیلک امرہ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صہ ۲۳۶ طبع ایران)

اے امیر! عمر بن سعد رات کے تاریک پردے میں ایک علیحدہ مقام پر جا کر امام حسین علیہ السلام کو بلاتا ہے اور چادر بچھا کر بیٹھتا ہے۔ اور کافی رات گئے تک دونوں بات چیت میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ تو اُسے حسین پر بڑا مہربان پاتا ہوں۔ میرے خیال میں تو عمر بن سعد کو حکم دے کہ وہ استعفیٰ دے کر مجھے ذمہ دار بنا دے۔ پھر دیکھ میں کیسا کام کرتا ہوں۔

اس خط کا پہنچنا تھا کہ عبید اللہ ابن زیاد آگ بگولہ ہو گیا۔ اور فوراً عمر بن سعد کو ایک خط لکھا۔

ابن زیاد کا خط عمر ابن سعد کے نام | ابن سعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو ہر شب اپنے خیمہ سے نکل کر امام حسینؑ کو بلاتا ہے اور اُن سے رات گئے تک باتیں کرتا رہتا ہے۔ سُن میرا خط پاتے ہی اُن سے کہہ دے کہ وہ میرے حکم پر آ جائیں اور اگر میرا حکم نہ مانیں تو ان کے لیے پانی روک دے۔ کیونکہ میں نے یہود اور نصاریٰ کے

اما بعد یا ابن سعد قد بلغنی انک تخرج فی کل لیلۃ وتبسط بساطاً تدعو الحسین وتتحدث معہ حتی یمضی من اللیل شطرہ فاذا قراۃ کتابی فاعرض علیہ ان ینزل علیٰ حکمی فان اطاع والا اصنعہ من شرب من الماء

فانی حللته علی الیهود والنصاری و
حرمته علیه وعلی اهلبیته فحل بین الحسین
واصحابه وبین الماء یذوقوا منه قطرة کما
فعل بالتقی النقی عثمان امیر المومنین المظلوم
(ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۳۶ ۔ اخبار الطوال دینوی
صفحہ ۲۵۴ ۔ طبری جلد ۱ صفحہ ۳۱۳ البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۵)

لیے پانی حلال اور آزاد کردیا ہے لیکن حسینؑ اور ان
کے اہل بیت کے لیے حرام اور بند کرچکا ہوں
دیکھ ان کے اور پانی کے درمیان حائل ہوجا
اور ایسا کر کہ وہ ایک قطرہ پانی کا نہ پاسکیں
جیسے کہ امیر المومنین عثمان غنی نہیں پاسکے
تھے۔

علامہ ہروی لکھتے ہیں کہ

چھٹی تاریخ دسویں شب سے خاص خاص محافظ لشکر، لشکر ابن زیاد لعین
کی طرف سے حفاظت نہر اور ممانعت آب کے لیے مقرر ہوئے۔ (مواعظ حسینیہ صفحہ ۲۳۵)

شب ہفتم میں پانی لانے کا واقعہ چھٹی کا دن گزر چکا ہے اور پانی خیمہ میں باقی
نہیں رہا۔ جاں نثاروں نے حسب دستور پانی لانے کی کوشش کی۔ چنانچہ تیس بہادر نہر فرات
کی طرف پانی لانے کے لیے روانہ ہوئے اور پانی لائے۔

۷ محرم الحرام ۶۱ھ یوم سہ شنبہ

ساقی کوثر کے پیاروں پر آب فرات کی بندش

سپہر کاشانی لکھتے ہیں کہ

چوں ابن سعد بر مضمون این نامہ مشرف
ومطلع شد۔ بیچارہ گشت و در زمان عمر بن حجاج
را طلب داشت و او را پانصد سوار بر شریعہ فرات
بگماشت و فرمان کرد کہ حسین واصحاب را از برداشتن
آب مانع ودافع باشند وراہ بشریعہ نگذارند و
این واقعہ روز سہ شنبہ ہفتم شہر محرم الحرام بود
(ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۳۷)

جب ابن زیاد کا خط ابن سعد کو ملا اسے
مطالعہ کرنے کے بعد ابن سعد بندش آب پر
متوجہ ہوا اور عمر بن حجاج کو بلا کر اسے پانچ
سو سوار حوالے کئے اور حکم دیا کہ نہر فرات
پر ایسا مستحکم پہرہ ڈالے کہ حسینؑ اور اس کے
اصحاب پانی نہ لے جانے پائیں۔ یہ واقعہ ۷ محرم
الحرام یوم سہ شنبہ کا ہے۔

مورخ طبری لکھتا ہے کہ

فبعث عمر بن سعد عمرو بن

عمر بن سعد نے عمر بن حجاج کو پانسو سواروں

حجاج علی خمسۃ ماۃ فارس، فنزلوا علی شریعۃ و حالوا بین حسین واصحابہ والماء ان یسقوا منہ قطرۃ و ذالک قبل قتل الحسین بثلاث۔

(تاریخ طبری جلد ۶ صہ ۳۱۲)

سمیت بندش آب کے لیے معین کر دیا۔ حکم پاتے ہی عمر بن حجاج امام حسینؑ وغیرہ اور پانی کے درمیان اس طرح حائل ہو گیا کہ یہ پیاسے ایک ایک قطرۂ آب کے لیے ترس جائیں۔ یہ واقعہ قتل حسینؑ سے تین دن پہلے کا ہے۔

غرضکہ عمر سعد نے عمرو بن حجاج کو پانچ سو سواروں سمیت نہر فرات پر بھیج دیا۔ اس کے بعد فوجی افسر حجر کو بلا کر چار ہزار سواروں کی سرکردگی میں غاضریہ کے گھاٹ پر متعین کر دیا۔ پھر شیث ابن ربعی کو بلایا اور ایک ہزار سواروں کا افسر بنا کر حکم دیا کہ تم یہ فوج لیکر گھاٹ پر جاؤ۔ اور پانی رو کو۔ یہ لوگ نہر فرات کے گھاٹ پر آ گئے اور پورے انہماک سے اس بات کی کوشش کی کہ پانی کا ایک قطرہ بھی حسینؑ اور ان کے بچے نہ لینے پائیں۔ (مقتل ابی مخنف صہ ۳۲)

الغرض یزید کے حکم سے ابن زیاد نے ابن سعد کو لکھا ؎

کافر تلک پئیں تو نہ تم منع کیجیو
پر فاطمہؑ کے لال کو پانی نہ دیجیو

عمر بن سعد نے عمر بن حجاج کو حکم دیا کہ نہر پر مضبوط پہرہ رکھا جائے۔ اور امام حسینؑ اور ان کے چھوٹے بچوں تک پانی کا قطرہ نہ پہنچنے پائے ؎

دوسری کو خامس آل عبا داخل ہوئے
ساتویں سے ظالموں نے بند پانی کر دیا

بندشِ آب پر طعنہ زنی | بندشِ آب ہی کیا امام حسینؑ کے لیے کچھ کم مصیبت تھی۔ کہ ان پر عبداللہ بن حصین نے ان لفظوں میں طعنہ زنی کی

یا حسین الا تنظرون الی الماء کانہ کبد السماء واللہ لا تذوقون منہ قطرۃ واحدۃ حتی تموتوا عطشاً۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ صہ ۲۴۳ ذخیرہ لمال ورق ۱۳۴۔ امالی صدوق صہ ۸۲۔ مقتل عوالم۔ اور صواعق محرقہ صہ ۱۱۸

اے حسینؑ! کیا تم پانی کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح سے کروٹیں لے رہا ہے۔ لیکن خدا کی قسم تم کو ایک قطرہ پانی کا نہ دیں گے۔ یہاں تک کہ تم پیاسے مر جاؤ۔

بروایت ابن جوزی، عمر بن حجاج نے پکار کر کہا،

یاحسین ھذا الماء تلغ فیہ الکلاب وتشرب منه خنازیر اھل السواد والحمر والذئاب ولا تذوق منه واللہ قطرۃ حتی تذوق الحمیم فی نار جہنم" (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۳۶ ۔ نور العین صفحہ ۳۷)

اے حسینؑ ! دیکھو اس نہر فرات سے کتے اور سوئر اور جنگلی جانور پیتے ہیں۔ لیکن تم اگر چاہو کہ پانی پی لو تو یہ ناممکن ہے۔ خدا کی قسم تم کو ایک قطرہ بھی پانی کا نہ دیں گے۔ یہاں تک کہ...... (معاذ اللہ) جہنم کے گرم پانی سے سیراب ہو۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کو بندش آب سے زیادہ اس طعنہ زنی کا صدمہ ہوا۔ فکان سماع ھذا الکلام علی الحسین اشد من منھم ایاہ الماء۔ آپ نے ابن حصین کے جواب میں فرمایا: اللھم اقتله عطشا ولا تغفرله ابداً۔ خدایا اسے پیاس سے مار دے اور کبھی نہ بخش۔ (تذکرہ خواص الامۃ صفحہ ۱۴۱ طبع ایران)

ابن حوشب کی طعنہ زنی پر حضرت عباس کا غصہ مورخ ابن قتیبہ لکھتا ہے کہ امام حسینؑ پر پانی بند کرنے کے بعد شمر ابن حوشب نے کہا: لاتشربوا منه حتیٰ تشربوا من الحمیم اے حسینؑ! تم پانی سے پہلے جہنم کے آب گرم سے سیراب ہو گے یہ سننا تھا کہ فقال العباس بن علی یا ابا عبد اللہ نحن علی الحق فنقاتل فقال نعم فرکب فرسه وحمل بعض اصحابه علی الخیول حضرت عباسؑ عرض پرداز ہوئے۔ حضور! کیا ہم حق پر نہیں ہیں کہ پانی پر نہ لڑیں۔ فرمایا حق پر ہیں۔ یہ سن کر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے ساتھیوں سمیت حملہ کر دیا۔ (الامامت والسیاست۔ جلد ۲ صفحہ ۸ طبع مصر)

اعجاز حسینی سے چشمہ کا جاری ہونا ساتویں کی صبح سے پانی بند ہے اور دن کا بڑا حصہ گزر چکا ہے۔ اب امام حسینؑ کے چھوٹے چھوٹے بچے بہت پیاسے ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک تیر یا بیلچہ دست مبارک میں لے لیا۔ خیمہ سے انیس قدم کے فاصلے پر جانب قبلہ تشریف لے جاتے ہیں۔ اور اسے زمین پر مارتے ہیں۔ خوش گوار پانی کا چشمہ جاری ہوتا ہے۔ جو تھوڑی ہی دیر بعد ہمیشہ کے لیے ناپید ہو گیا۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۳۷ ۔ مقتل عوالم صفحہ ۵ ۔ اعثم کوفی صفحہ ۲۶۶ ۔ جلاء العیون صفحہ ۱۹۵ ۔ دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۳ ۔ طبع ایران)

حضرت کے پانی کی دستیابی پر ابن زیاد کی برہمی چشمہ کے جاری ہونے کی اطلاع ابن زیاد بدنہاد کو دی گئی۔ وہ بہت برہم ہوا اور ابن سعد کو لکھا:

اما بعد بلغنی ان الحسین یحضر الآبار ویصب الماء فیشرب ھو واصحابه فانظر اذا

وقد علیک کتابی فامنعھم من حضر الآبار ما استطعت وضیق علیھم ولا تدعھم یذوقوا الماء وافعل بھم کما فعلوا بالذکی عثمان۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسینؑ کنواں وغیرہ کھود کر پانی نکال لیتے اور پیتے ہیں۔ دیکھ میرے اس خط کو پاتے ہی انہیں اپنی پوری طاقت بھر کنواں کھودنے سے روک اور اُن پر مکمل سختی کر اور بالکل پانی نہ پینے دے اُن کے ساتھ وہی کر جو عثمان کے ساتھ کیا گیا۔ (ناسخ جلد ۶۔ صہ ۲۳۷)

---

۸ محرم الحرام سنہ ۶۱ھ یوم چہار شنبہ

شب ہشتم محرم کو حضرت عباس علیہ السلام کی سقائی

ساتویں کا دن گزرتے گزرتے اہل حرم کے خیموں سے پانی بالکل ختم ہو گیا۔ اور اب وہ وقت آ گیا۔ کہ امام حسین علیہ السلام کو فراہمی آب کے لیے اپنے برادر عزیز حضرت عباسؑ کو نہر فرات پر بھیجنا پڑا۔ علامہ ہروی لکھتے ہیں کہ شب ہشتم حضرت بریر ہمدانی سمیت بائیس آدمیوں کو لے کر نہر فرات پر گئے۔ اور پانی لائے۔ (مواعظ حسنہ صہ ۲۸۳)

مورخ ابو حنیفہ دینوری متوفی سنہ ۲۸۲ھ لکھتا ہے:

ولما اشتد بالحسین واصحابہ العطش امر اخاہ العباس بن علی وکانت امہ من بنی عامر بن صعصعہ ان یمضی فی ثلاثین فارساً وعشرین راجلاً مع کل رجل قربۃ حتی یاتوا الماء ویحاربوا من حال بینھم وبینہ فمضی العباس نحو الماء وامامھم ھلال بن نافع حتی دنوا من الشریعۃ فمنعھم عمرو بن حجاج مجاد لھم العباس علی الشریعۃ بمن معہ حتی ازالوھم عنھا واقتحم رجالۃ الحسین الماء فملئوا قربھم ووقف العباس فی اصحابہ یذبون عنھم حتی اوصلوا الماء الی عسکر الحسین۔ (اخبار الطوال صہ ۲۵۵ و تاریخ طبری صہ ۳۱۳ جلد ۱/۲ و تاریخ ابن اثیر کامل جلد ۴ صہ ۲۳)

ترجمہ: جب امام حسینؑ اور ان کے اصحاب پر پیاس کا غلبہ ہوا تو آپ نے اپنے بھائی حضرت عباسؑ بن علیؑ کو حکم دیا کہ جن کی ماں بنی عامر سے تھیں کہ تیس اسوار اور بیس ایسے پیدل جن کے پاس مشکیں ہوں لے کر نہر فرات کی جانب چل کھڑے ہوں۔ اور جو بھی مزاحمت کرے۔ اس سے لڑیں۔ یہ سُن کر حضرت عباسؑ نہر فرات کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہلال بن نافع ان سب کے آگے آگے تھے۔ یہاں تک لب نہر فرات جا پہنچے۔

یہ دیکھ کر عمرو بن حجاج (جو ہلال کا عزیز تھا) مانع ہوا۔ حضرت عباسؑ نے حملہ کر کے ان سب کو لب فرات سے ہٹا دیا اور مشک برداروں نے فوراً مشکیں بھر لیں۔ حضرت عباسؑ دشمنوں کو روکے رہے اور مشکیں خیموں میں پہنچ گئے۔ ولذالک سمی العباس سقاء اسی زبردست سقائی کی وجہ سے حضرت عباس علیہ السلام کا لقب "سقا" قرار پایا۔ (دمعۃ الساکبہ صفحہ ۳۲۳۔ تاریخ اعثم کوفی صفحہ ۲۶۶۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۳۱ مقتل عوالم صفحہ ۷۵۔ تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۱۶، لہوف طبع ایران صفحہ ۲۶۹، جلاء العیون صفحہ ۱۹۵ طبع ایران)

جناب عبدالحمید خان صاحب ایڈیٹر رسالہ مولوی دہلی لکھتے ہیں:

بہرحال ظالموں اور کوفیوں نے پانی بالکل بند کر دیا۔ اور ایک ایک قطرہ کے لیے ترسانے لگے۔ یہ انتظام ان بے رحموں نے ساتویں محرم سے کیا تھا۔ جناب امام عالیمقام نے حضرت عباسؑ کو جو آپ کے برادر عالی قدر تھے حکم دیا کہ یا اخی امض۔ اے جان برادر جاؤ۔ اور فرات سے پانی لاؤ۔ پس حکم امام پاک جناب عباس علیہ السلام تیس سوار اور بیس پیدل لے کر اور بیس مشکیں کاندھوں پر ڈال کر پانی لانے کے لیے فرات پر تشریف لے گئے۔ یہ آدھی رات کا وقت تھا۔ جب کنارِ فرات پر پہنچے تو عمرو بن الحجاج نے آواز دی۔ "تم کون لوگ ہو" یہ ظالم و شقی وہی ناپاک و نجس تھا جس نے امامؑ سے دریدہ دہنی کی تھی اور کہا تھا کہ اس پانی کا ایک قطرہ تم کو نہ ملے گا۔ یہاں تک کہ دوزخ میں جا کر حمیم پیو۔ یہ دریا کی حفاظت پر مامور تھا۔ اس نجس و ناپاک کتے کے بھونکنے پر ہلال بن نافع نے جواب دیا کہ میں ہوں تیرا چچازاد بھائی اس نے کہا خوب اچھی طرح پیو۔ اور تم کو یہ پانی گوارہ ہو۔ جناب ہلال بن نافع نے جواب دیا۔ تجھ پر لعنت ہو کہ مجھے تو پانی کی اجازت دیتا ہے۔ مگر فرزند رسول اللہ پیاس کی شدت سے بے قرار ہیں۔ ان کو پانی نہیں پینے دیتا۔ اس پر یہ شقی بولا۔ سچ ہے مگر مجھ کو تو جو حکم ہوا ہے۔ اس کی تعمیل کروں گا ہلال بن نافع نے اپنے ساتھیوں سے کہا اس خبیث کی باتوں کی پرواہ نہ کرو۔ اور اپنا کام کرو۔ جس کام کے لیے تم آئے ہو۔ یزیدی بھی بڑھے اور جنگ شروع ہوئی۔ انصار امام دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ پانی سے مشکیں بھر رہا تھا۔ اور دوسرا گروہ یزیدی اشقیا سے لڑ رہا تھا۔ اور لڑنے والوں کو پانی بھرنے تک پہنچنے سے روک رہا تھا۔ اس طرح لڑتے بھڑتے حضرت عباس علیہ السلام اور ان کے رفقا اس ناپاک ہجوم سے بخیر و عافیت نکل آئے۔ اس معرکہ میں امام حسین علیہ السلام کے اعوان

---

* عطش حسینی کی سبکی ہوتی ہے اور نہ تاریخ کی مخالفت؛ اس لیے کہ ساتویں محرم سے پانی کا بند ہونا مسلم ہے اور تین دن کی پیاس بھی مانی ہوئی ہے۔ اب اگر ساتویں ہی سے پیاسا مانا جائے۔ تو عاشور تک تین دن کے بجائے چار دن ہوتے ہیں یعنی ۷، ۸، ۹ و ۱۰ رجو تاریخی نقطہ نظر سے ناقابل تسلیم ہے۔ اب ایسی صورت میں لامحالہ ماننا پڑتا ہے۔

وانصار میں سے کوئی شہید نہیں ہوا۔ اور ساقی کوثر کے فرزند دلبند کے حضور میں پانی لانے۔ میں پوری طرح کامیاب ہوئے۔ جناب امام حسین علیہ السلام نے بھی پانی نوش فرمایا۔ اور سب اہل بیت اوران کے ساتھیوں نے اپنی پیاس بجھائی۔ اسی وقت سے حضرت عباس علیہ السلام سقائے اہل بیت کے معزز خطاب سے مفتخر ہوئے۔" (شہید اعظم عرف برا شہادت نامہ ص۱۲۵ طبع دہلی)

حضرت عباس علیہ السلام کا سقا ہونا منصب سقایت چونکہ جلیل القدر منصب ہے۔ لہٰذا امام حسین علیہ السلام نے اس منصب کا حامل حضرت عباسؑ کو قرار دیا تھا۔ مورخ بسطامی لکھتے ہیں۔ "وقد د لاخیہ العباس سقایتہ العطشان" کہ حسینؑ نے اپنے بھائی عباس کو پیاسوں کی سقائی کا منصب عطا فرمایا۔ (تحفہ حسینیہ ص۸) اور چونکہ آپ نے اپنے وظیفہ منصبی کی ادائیگی میں پوری جانبازی سے کام لیا۔ یہاں تک کہ آپ کے دستِ مبارک بھی کاٹے گئے۔ اسی لیے آپ کا لقب "سقا" قرار پایا۔

مورخین لکھتے ہیں: "ویلقب السقاء لانہ استسقی الماء لاخیہ الحسین علیہ السلام یوم الطف" آپ کا لقب سقا اس لیے قرار پایا کہ آپ نے معرکہ کربلا میں پانی کے حصول میں بے حد کوشش کی (عمدۃ الطالب، مقتل عوالم ص۹۴، مناقب جلد ۳ ص۹۰، منتہی المقال قلمی)

عبدالرزاق موسوی "قمر بنی ہاشم" صفحہ ۳۵ پر لکھتے ہیں کہ محرم کے عشرہ بھر چونکہ حضرت عباسؑ امام حسینؑ اور اُن کے اہل بیت کے لیے پانی کا انتظام کرتے رہے۔ اس لیے آپ کو سقا کے لقب سے یاد کیا گیا۔ جیسا کہ ابوالحسن نے مجدی میں، داؤدی نے عمدۃ المطالب میں، ابن ادریس نے مزار السرائر میں، دیار بکری نے تاریخ خمیس میں نویری نے نہایت الارب میں شبلنجی نے نورالابصار میں قاضی نے کبریت احمر میں بیان کیا ہے۔

ابن حصین ہمدانی کا ابن سعد کی فہمائش کو جانا آٹھویں کی رات گذری، صبح ہوگئی اور پیاس کا غلبہ حد سے بڑھ گیا۔ تو یزید ابن حصین ہمدانی نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے اجازت چاہی کہ جا کر ابن سعد کی فہمائش کریں۔

کہ ساتویں سے پانی بند ہوا۔ لیکن تاشب ہشتم تھوڑا بہت پانی دستیاب ہوتا رہا۔ پھر صبح ہشتم سے پانی کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوا اس طرح تین دن ۸، ۹، ۱۰ محرم سے حسین اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچے۔ مخدرات عصمت اصحاب وانصار کا پیاسا ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ "آپ اور آپ کے ساتھیوں پر پانی بند ہو گیا اس پر آپ نے اپنے بھائی عباس بن علی کو حکم دیا کہ ۳۰ سوار اور ۲۰ پیادے لے کر جائیں اور پانی بھر کر لائیں پہنچے تو محافظ دستے کے افسر عمر بن الحجاج نے روکا۔ باہم مقابلہ ہوا۔ لیکن آپ دو مشکیں بھر لائے دانسانیت کے دروازہ پر)

سپہر کاشانی لکھتے ہیں کہ " بامداداں کہ بعد از سقایت عباس اصحاب محتاج آب شدند بروایت شرح شافیہ و مطالب السئول یزید بن حصین ہمدانی بحضرت حسین آمد و عرض کرد یا بن رسول اللہ اگر اجازت رود عمر سعد را دیدار کنم ۔ باشد کہ از غوایت باز آید ۔ الخ

حضرت عباسؑ کی سیرابی کے بعد صبح ہوئی اور اصحاب بیحد پیاسے ہوگئے تو بروایت شرح شافیہ و مصائب السئول یزید بن حصین ہمدانی حضرت امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی مولا اگر اجازت ہو تو میں ابن سعد کے پاس جاکر اُسے سمجھاؤں بجھاؤں ۔ شاید وہ گمراہی سے باز آجائے ۔ حضرت نے اجازت دی ، ابن حصین درانہ خیمہ ابن سعد میں گھس گئے اور سلام کئے بغیر گفتگو شروع کردی ۔ ابن سعد نے کہا کہ اے ہمدانی! تم نے سلام نہیں کیا ۔ کیا میں مسلمان نہیں ہوں ۔ ابن حصین نے فرمایا ۔ تو مسلمان ہوتا تو فرزند رسولؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کیوں کرتا ۔ اور اُن کے چھوٹے چھوٹے بچوں پر بندش آب کا ارتکاب کیسے کرتا ۔ اے ابن سعد وہ پانی جسے کتے اور سور تک پیتے ہیں حسینؑ اور ان کے بچوں کے لیے حرام ہے ۔ تو نے پانی بند کر رکھا ہے ۔ اس کے بعد بھی اپنے کو مسلمان کہتا ہے ۔ یہ سن کر عمر بن سعد شرمندہ ہوا " فقال یا اخی همدان ما اجد نفسی تجیبنی الیٰ ترک الرای نعیری " ۔ اور کہنے لگا کہ میں تو اپنے نفس کو اس بات پر راضی نہیں پایا کہ ملک رے کی حکومت دوسرے کے سپرد کردے ۔ یہ سن کر ابن حصین واپس تشریف لائے ۔ اور خدمت امام میں حاضر ہوکر عرض پرداز ہوئے ۔ مولا! عمر بن سعد ملعون حکومت رے کے لالچ میں آپ کے قتل کو ضروری جانتا ہے ۔ اور کسی طرح اپنے ارادہ سے باز نہیں آتا ۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۳۵ ۔ طبع ایران)

خیموں کے گرد خندق کھودنے کا حکم

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ یزید بن حصینؒ نے عمر بن سعد کی گفتگو عرض کی تو آپ نے یقین جنگ پر خندق کھودنے کا حکم دیا ۔

فلما عرف الحسین ذالک منهم تیقن ان القوم مقاتلوه فامر اصحابه فاحتفروا حفیرةً شبیهة بالخندق وجعلوا جهته واحدة یکون القتال منها ۔ (نور الابصار ص۱۱۷ طبع مصر ۔ نور العینین ص۵۱ طبع بمبئی)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان کے خیالات معلوم کئے تو یقین کر لیا کہ یہ ضرور لڑیں گے تو آپ نے اصحاب کو حکم دیا کہ تمام خیموں کو یکجا کر کے اُن کے گرد ایک گڑھا خندق کی شکل کا کھود و ۔ اور ایک جانب مقابلہ کے لیے راستہ رہنے دو ۔ پھر ان لوگوں نے خندق کھودی ۔

مؤرخ شہیر مولوی سید علی حیدر صاحب لکھتے ہیں " پھر امام حسینؑ کی ہدایت کے مطابق آپ کے

اصحاب نے خیموں کو باہم ملا کر نصب کیا اور خیموں کے پیچھے ایک خندق کھود کر اس میں لکڑیاں بھر دیں تاکہ وہ لڑائی کے وقت جلا دی جائیں۔ اور اس تدبیر سے دشمن خیمہ گاہ تک نہ پہنچ سکیں جیسا کہ حضرت محمد مصطفٰےؐ رسول خدا نے جنگ احزاب کے موقع پر کیا تھا...... الخ

تاریخ ائمہ صفحہ ۳۵۰

حضرت عباس اور اُن کے اہلبیت کا کنواں کھودنا آٹھویں کا دن گذر رہا ہے۔ دھوپ کی حدت اور پیاس کی شدت نے جاں نثارانِ اسلام کے جگر کو کباب کر دیا ہے۔ امام حسین علیہ السلام اپنی اپنے بال بچوں اور اصحاب وانصار کی پیاس محسوس کر رہے ہیں۔ پانی کے حصول کے لیے سبیلیں سوچتے ہیں۔ لیکن دستیابی آب کی کوئی شکل نظر نہ آتی تھی۔ اب آخری صورت جو حسینؑ کے سامنے ہے۔ وہ چاہ کنی ہے۔ یعنی آپ اس کے علاوہ اور کوئی تدبیر مناسب تصور نہیں فرماتے کہ سقائے سکینہ کو حکم دیں۔ اور وہ کنواں کھود کر پیاسوں کی سیرابی کی سبیل پیدا کریں۔

مؤرخ ابو مخنف اور علامہ ابن طاؤس لکھتے ہیں،

واشتد العطش بالحسين واصحابه واولاده فشكو ذلك الى الحسين فدعى باخيه العباس وقال يا اخي اجمع اهل بيتك واحضروا بيرا فافعلوا ذلك فلم يجدوا فيها ماءً فطمرها (مقتل ابی مخنف صفحہ ۲ طبع بمبئی۔ لہوف صفحہ ۳۹۹۔ طبع ایران)

امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب واولاد پر پیاس کی شدت ہوئی تو ان لوگوں نے امام حسینؑ کی خدمت میں شکایت کی تو حضرت عباس کو بلا کر کہا کہ بھائی اپنے اعزاء کو جمع کر کے کنواں کھودو۔ حضرت عباسؑ نے سب کو جمع کیا اور کنواں کھودا لیکن پانی برآمد نہ ہوا۔ تو اسے آپؑ نے بند کر دیا۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے حکم سے حضرت نے دیگر اہلبیت کی مدد سے ایک کنواں کھودا۔ لیکن مشیت خداوندی پانی برآمد نہ ہوا۔ لیکن علامہ بسطامی نے جو افادہ فرمایا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عمر بن سعد نے یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ کنواں کھودا جا رہا ہے۔ تعمیل حکم ابن زیاد میں لشکر بھیج کر آیا اور کنوئیں کی کھدائی کو اس منزل تک پہنچنے سے پہلے کہ جہاں تک کھودنے کے بعد پانی برآمد ہوتا ہے اس نے کنوئیں کو بند کرا دیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب شدت عطش حد سے بڑھ گئی۔ اور چھوٹے چھوٹے بچے پیاس سے بے حال ہونے لگے۔ تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

برادر خود را طلبید فرمود۔ اہلبیت خود را جمع

اپنے بھائی حضرت عباس کو طلب فرما کر حکم دیا

نماد چاہے بکن۔ حضرت عباس چاہے کند۔ عمر سعد چاہ را پُر کرد۔ (تحفہ حسینیہ ص۱۳۲ طبع ایران)

کہ اہل بیت کو جمع کر کے ایک کنواں کھود و حضرت عباس نے کنواں کھودا لیکن عمر سعد نے اُسے بند کرادیا۔

واضح ہو کہ حضرت عباس علیہ السلام کو دو دفعہ کنواں کھودنے کا حکم دیا۔ پہلی دفعہ کے حکم میں یہ موجود تھا کہ اپنے ہمراہ اہلبیت کو لے کر کنواں کھود و اور دوسرے حکم میں اصحاب کی ہمراہی ہے۔ پہلا حکم آٹھویں تاریخ کو چاہ کنی کا ملا تھا۔ جس کی طرف علامہ شیخ جعفر شوستری نے بھی اپنی کتاب مجالس المواعظ والبکا موعظہ ہشتم محرم الحرام میں اشارہ فرمایا ہے۔ اور دوسرا حکم نویں محرم الحرام کی صبح سے متعلق ہے۔ جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے کثیر اصحاب اور غلاموں کی موجودگی کے باوجود شہزادوں کو کنواں کھودنے کا حکم کیوں دیا۔ اس کے جواب میں بعض مورخین فرماتے ہیں۔ ان الحسین کان مامورا فی ذٰلک الیوم بان یامر اخوتہ وابنائہ واھلبیتہ خاصتہ لحفر البئر۔ امام حسین علیہ السلام کو حکم خداوندی تھا کہ آج کے دن اپنے بھائی بیٹوں اور اہلبیت کو خصوصیت کے ساتھ کنواں کھودنے کا حکم دیں۔ اور اس کی بھی افسری حضرت عباس علیہ السلام کو عطا کریں۔ "وھی الکرامتہ العظمی" جو ایک بہت بڑی کرامت ہے۔ (مائتین ص۲۲۷)

علامہ کنتوری تحریر فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک، حضرت امام حسین علیہ السلام کا اعزا و اقربا کو کنواں کھودنے کا حکم دینا اور اتنی بڑی مشقت میں مبتلا کرنا بظاہر چار وجوہات پر مشتمل تھا۔

الاول اختیارھم فی اطاعۃ الامام وکسو سورۃ نفوسھم وتذللھم وتسو یتھم باصحابہ فی درجاتھم ومراتبھم کی لایکونون مغرورین۔ بالقرابۃ التی لھم بالحسین فان اللہ یقول، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم فان حفر البئر من ھولاء الکرام مع وجود الاصحاب والعبید وھن ظاھر لاھلبیتہ ولما لم یستنکفر بل فعلو لما امر بہ فقد صدق علیھم

(پہلی وجہ) یہ تھی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اہلبیت کو جانچنا چاہا ہے کہ میری اطاعت میں وہ کس درجہ سرگرم ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے نفوس کی تیزی کو توڑنا اور انہیں اصحاب کے برابر دیکھنا چاہتے تھے۔ تاکہ ان میں امام کے قریب رشتہ دار ہونے کی وجہ سے غرور نہ پیدا ہو جائے۔ اس لیے کہ خدا فرماتا ہے کہ قرابت نہیں بلکہ تقویٰ انسان کو باعزت بناتا ہے۔ بیشک اصحاب اور خدام کی موجودگی میں اہل بیت کرام کا کنواں کھودنا کھلی ہوئی توہین ہے بہرصورت جب اُن

انهم كانوا برداد في من كل اهلبيته
وثانيها، اختيار نسائه الطاهرات في
تحمل مرضاته فان امهات هولاء الكرام
واخواتهم وعماتهم وازواجهم تد
كن يرون باعينهن وهم يحضرون
البرو في يد كل واحد منهم فاس
وابدانهم ملطحة بالتراب كانهم
اجرام وعمال في تعمير العمارات ومع ذالك
لم ينزجون ولم يتكلمن بكلمة تشعر بعدم
رضا من بذلك بل لم يرو من احد من الانكار
من ذلك ولا استنكاف والانفد تعلم مالهن
من الخرا و الشرف وقد كان يقضي عدم
رضاهن به ذلك هذا ولكن تدبر
يا اخي وارجع الى فطرتك السليمة
فانها تشهد على انه وان كن الطاهرين
من النساء تابعات لمرضات امام
هن ولكن اذا قام اهل المجد والفخار
تولية امر متهجن على الظاهر فما
يصيبهم من الحزن والتحر كيف يرضون
بفعله ثم كيف ترضى المعظمات
المخدرات من النساء ان يرون اعز قربا
لهن في تلك الذلة والهن ولا يبكيهن
عاليات ويحظرن ببالهن انهن في مثل
ذلك والمشهد قد اصابهن من الالم
والهموم ما اصابهن فضى ان اصواتهن

شہزادوں نے حکم امام پر عذر نہ کیا۔ اور کنواں کھودنے میں مشغول ہوگئے۔ تو یہ بات ظاہر ہوگئی۔ کہ یہ حضرات تمام اہلبیت میں وفا شعار اور خوش کردار ہیں۔

(دوسری وجہ) یہ تھی کہ امام حسین علیہ السلام ان بیبیوں کا بھی امتحان کررہے تھے۔ جو آپ کے ہمراہ تھیں اور ان شہزادوں کی ماں بہنیں پھپھیاں اور بیویاں تھیں جو اپنی آنکھوں سے دیکھتی تھیں کہ یہ لوگ کنواں کھود رہے ہیں۔ اور ہر ایک کے ہاتھ میں بیلچہ ہے اور ان کے جسم خاک میں اَٹے ہوئے ہیں۔ گویا وہ مزدور اور معمار کی صورت میں ہیں۔ لیکن دم نہیں مارتی تھیں۔ اور کوئی جملہ ایسا منہ سے نہ کہتی تھیں۔ جس سے اس فعل پر عدم رضا ظاہر ہوتی ہو۔ اور کسی راوی نے اس امر کی روایت نہیں کی کہ ان عورتوں نے اس فعل کو ناپسند کیا ہو۔
یہ تو ظاہر ہے کہ ان کی بلند عزت اور خاندانی شرافت اس بات کی مقتضی تھی کہ وہ اس سخت کام پر رضامند نہ ہوتیں۔ لیکن برادرم! بات تو یہ ہے کہ جب تم عقل سلیم پر زور دے کر سوچو گے تو معلوم ہوگا کہ ان لوگوں نے بڑے حوصلے سے کام لیا۔ لیکن پھر بھی۔ اگرچہ یہ پاک عورتیں تھیں اور امام کی رضا پر راضی رہیں۔ مگر اصول یہ ہے کہ جب صاحبان مجد و فخر کسی ذلیل کام کے ذمہ دار بن جائیں اور انہیں ذلت کا کام کرنا پڑے تو نہ زور رنج والم اور غم و افسوس ہوتا ہے۔ سمجھنے کی بات ہے کہ یہ شاہزادے کیونکر اس فعل پر راضی رہے

قد كانت عاليات بالبكاء رشالثها ان الحسين اراد ان يجعل اخاه العباس فى ذالك المشهد سقاء كما جعل النبى عمه حمزه سقاء وقد راد الحسين لاخيه فى شرفه ان امره باتيان مقدمات السقى اولاً ومنها حفر البئر ايضا (رالعبها) ان حضرتلك البراظن انه كان قريباً من خيام النرة الطاهرات واذا كان حفر البر فى مبتل المقام فلا بد ان يحضرها اهلبيته الذين هم المحارم الطاهرات من النساء... الخ

صفحہ ۴۳ تا ۴۵ مائتین۔

اوران کی عورتیں اپنی آنکھوں سے اپنے اعز کو ذلیل کام کرتے دیکھ کر روئیں چلائیں نہیں اور رنجیدہ نہیں ہوئیں۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ ضرور رو پڑی ہوں گی۔ ان کی صدائے گریہ ضرور بلند ہوئی ہوگی۔ (تیسری وجہ) یہ تھی کہ امام حسینؑ یہ چاہتے تھے کہ اپنے برادر عزیز کو اس وقت اسی طرح ساقی قرار دیں جس طرح حضرت پیغمبر اسلام علیہ السلام نے اپنے چچا حمزہ کو ساقی بنایا تھا اور یہ بھی خیال تھا کہ عباس کو سقایت میں حمزہ سے بڑھادیں اور اُس کی صورت یہی تھی کہ مقدمات سقایت کو بھی عباس ہی سے ادا کرائیں جن میں کنواں کھودنا بھی داخل تھا اسی لیے کنواں کھودنے کا حکم عباس کو دیا گیا۔

(چوتھی وجہ) یہ تھی۔ میرے خیال میں وہ جگہ جہاں کنواں کھودا جارہا تھا۔ خیام اہلبیت علیہم السلام سے متصل تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ ایسے لوگ کنواں کھودتے جو اہل حرم کے محرم اور قریبی رشتہ دار ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ان شہزادوں کو کھودنے کا حکم ملا تھا۔

---

۹ محرم الحرام ۶۱ھ یوم پنجشنبہ

حضرت امام حسین علیہ السلام اور عمر بن سعد میں آخری گفتگو

حضرت عباس اور علی اکبر بھی ساتھ تھے

آٹھویں کا دن کنواں کھودنے کھدانے میں گزر گیا۔ اور نویں کی رات آگئی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ابن سعد سے، تمام حجت کے لیے آخری گفتگو کر لینی مناسب سمجھی۔

مورخین لکھتے ہیں:

ثم ارسل الحسين الى عمر بن سعد لعنه الله انى اريد ان اكلمك فالتقى

پھر امام حسین علیہ السلام نے عمر بن سعد کے پاس کہلا بھیجا کہ میں تجھ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا

الليلة بين عسكري وعسكرك فخرج
اليه ابن سعد في عشرين وخرج اليه
الحسينؑ في مثل ذلك فلما التقيا امر
الحسين واصحابه فتنحوا عنه وبقي معه
اخوه العباس وابنه علي الاكبر وامر ابن
سعد اصحابه فتنحوا عنه وبقي معه
ابنه حفص وغلام له فقال له الحسين عليه
السلام ويلك يا ابن سعد ما تتقي الله
الذي اليه معادك اتقاتلني وانا ابن
من علمت ذر هؤلاء القوم وكن معي
فانه اقرب لك الى الله فقال عمر بن سعد
اخاف ان يهدم داري فقال الحسين عليه
السلام انا ابنيها لك فقال اخاف ان تؤخذ
ضيعتي فقال الحسين انا اخلف عليك
خيرا منها من مالي بالحجاز فقال لي عيال
واخاف عليهم ثم سكت ولم يجبه الى
شئ فانصرف عنه الحسين وهو يقول
مالك ذبحك الله على فراشك عاجلاً و
لا غفر لك يوم حشرك فوالله اني لارجو ان
لا تاكل من بر العراق الا يسيرا۔ فقال ابن
سعد في الشعير كفاية عن البر مستهزءً
بذالك القول (دمعة ساكبه ص ٣٢٣ ۔ جلاء العيون
ص ١٩٨)

تورات کو دونوں لشکروں کے درمیان مجھ سے
مل چنانچہ رات کے وقت دونوں اپنے اپنے خیموں
سے ۲۰-۲۰ افراد کو لیے ہوئے نکلے جب ان
دونوں کی ملاقات ہوئی تو امام حسین علیہ السلام نے
حضرت عباسؑ اور علی اکبر کے علاوہ تمام اصحاب کو
اپنے سے ہٹا دیا۔ اور عمر بن سعد نے بھی اپنے لڑکے
اور غلام کو ہمراہ رکھا۔ اس کے بعد امام حسینؑ نے
فرمایا۔ اے عمر! خدا سے ڈرو۔ تم مجھے قتل کرتے
ہو حالانکہ میں تمہارے ہی نبی کا نواسہ ہوں۔ خدا
اسی میں خوش ہوگا۔ کہ تم میرے ساتھ نیکی کرو۔ عمر
بن سعد نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا گھر گرا دیا
نہ جائے آپ نے فرمایا اگر ایسا ہوا تو میں اس کو بنوا دوں
گا۔ اس نے کہا میرا مال و متاع لوٹ لیا جائے
گا۔ آپ نے فرمایا اگر ایسا ہوا تو میں اس سے بہتر
تجھے دے دوں گا۔ پھر اس نے کہا میرے بال
بچے ہیں۔ میں ان کی تباہی سے ڈرتا ہوں پھر
اس کے بعد بالکل خاموش ہوگیا۔ اور کوئی
جواب نہ دیا بعدہ امام حسین علیہ السلام واپس
تشریف لے آئے۔ اور آپ نے کہا جلد
تجھے خدا غارت کرے۔
تجھے حشر کے دن نہ بخشے۔ الخ

تواریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور عمر سعد میں اب تک جتنے بھی
تخلیئے ہوئے تنہائی میں ہوئے لیکن اس دفعہ کی ملاقات میں ۲۰-۲۰ آدمیوں کا ہونا واضح کرتا ہے کہ

اب عمر بن سعد کے خیالات بدل چکے ہیں اور وہ قتل پر آمادہ ہو چکا ہے اور موقع گفتگو پر حضرت عباسؑ اور حضرت علی اکبر کا اس طرف سے اور عمر بن سعد کے بیٹے اور غلام کا اس طرف سے ہونا بتاتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے مطمئن نہیں ہیں۔

ابن سنجر اور ابن حضیر میں گفتگو مورخ شہیر سپہر کاشانی لکھتے ہیں کہ:

درشب پنجشنبہ نہم محرم۔ حسین علیہ السلام در سرا پردہ خویش جائے داشت واصحاب آں حضرت ہرکس در خیمہ خویش میزلیست، لشکر ابن سعد درگرد معکر حسین برہ داشتند

ترجمہ: نہم محرم پنجشنبہ کی رات کو حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے خیمہ میں اور اصحاب حسینؑ اپنے اپنے خیمہ میں فروکش تھے کہ ناگاہ عمر بن سعد کے لشکر نے ان حضرات کے خیموں کا دُور اور قریب سے محاصرہ کرلیا۔ اور ایک شخص عبداللہ بن سنجر نامی خیمۂ امام حسین کے قریب جاکر سننے لگا کہ امام کیا بات چیت کرتے ہیں۔ اس نے حضرت کو ولا تحسبن الذین کفروا کی تلاوت کرتے پایا۔ جس کے آخر میں ماکان اللہ لیذر المومنین علی ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب " تھا۔ یہ سن کر اس نے آواز دی کہ ہم ہی وہ لوگ ہیں جو پاک اور طیب ہیں حضرت بریر ہمدانی کے کانوں تک یہ آواز پہنچی۔ فوراً خیمہ سے برآمد ہو کر کہا: "اے ملعون! تو طیب ہے کہ نجس محض"۔ اس پر تادیر گفتگو جاری رہی۔ شمر نے پکار کر کہا:

"جتنی باتیں چاہے بنالو۔ کل تو تم ہمارے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترو گے"

بریر نے فرمایا:

ہمیں موت سے ڈراتے ہو۔ حالانکہ ہم موت سے ڈرنے والے نہیں۔

جب گفتگو نے طول پکڑا تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت بریر کو آواز دی اور فرمایا کہ ان لوگوں پر کسی اچھائی کا اثر نہیں ہو سکتا۔ واپس چلے جاؤ"۔ وہ حکم امام سے خیمہ میں واپس تشریف لے گئے۔" (ناسخ التواریخ جلد ۲ صفحہ ۲۴۲)

ماہِ محرم کی نویں تاریخ حضرت عباسؑ اور اصحاب کا کنواں کھودنا

صبح نہم محرم نویں کی رات جوں توں گذر گئی۔ اور صبح ہوئی۔ اہلبیت حسین علیہ السلام اور اصحاب پر پیاس کا غلبہ ہے۔ اور پانی کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے قوت بازو ساقی اہلبیت کو طلب فرما کر ارشاد کیا۔ بھائی چند اصحاب کو ہمراہ لے کر کنواں کھودو شاید پانی برآمد ہو اور چھوٹے چھوٹے بچے سیراب ہو جائیں۔

مورخین لکھتے ہیں کہ

چوں شب محرم بپایاں رسید و سفیدہ صبح بردمید۔ در معسکر حسین آب تنگیاب بود۔ اہلبیت و اصحاب سخت تشنہ لب شدند و شکایت بحضرت حسین آوردند۔ ابو عبداللہ برادر خود را طلب کرد و فرمود۔ با چندتن اصحاب چاہے حفر کنید۔ باشد کہ آبے برآوردند۔ دریں کرت برفتند و چندگز کاوش کردند آب نیافتند (ناسخ التواریخ جلد ۱ صفحہ ۲۴۵)

جب نویں محرم کی رات تمام ہوئی اور سپیدہ صبح نمودار ہوا۔ تو اس وقت حضرت امام حسینؑ کے لشکر میں پانی مطلق نہ تھا۔ اہلبیت حسینؑ اور اصحاب سخت پیاسے تھے۔ اور فرزند ساقی کوثر کی خدمت میں حاضر ہو کر پیاس کی شکایت کرنے لگے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ چند اصحاب کو ہمراہ لے کر کنواں کھودو شاید پانی کی سبیل پیدا ہو جائے۔ حضرت عباسؑ آلات کندنی لے کر ایک طرف تشریف لے گئے اور کئی جگہ کوشش کی مگر پانی برآمد نہ ہو سکا۔

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ صبح نہم حضرت سکینہ پر پیاس کا بیحد غلبہ ہوا۔ آپ حضرت زینبؑ کے پاس آئیں۔ اور کہنے لگیں پھوپھی اماں اب پیاس مارے ڈالتی ہے۔ پانی بالکل ختم ہوگیا ہے سب برتن خالی ہیں۔ مشکیزوں کی تری جاتی رہی ہے۔ اور وہ بھی بالکل سوکھ گئے ہیں۔ حضرت زینبؑ نے جناب سکینہ کا یہ حال دیکھا۔ حضرت زینبؑ، علی اصغر کو گود میں لیے اضطراب کی وجہ سے کبھی اٹھتی تھیں اور کبھی بیٹھ جاتی تھیں۔ اور حضرت علی اصغر کی یہ حالت ہے کہ مچھلی کی طرح تڑپ رہے ہیں۔ حضرت زینب فرماتی ہیں صبراً صبراً بیٹا صبر کرو۔ حضرت سکینہ سے رہا نہیں جاتا رو پڑتی ہیں۔ حضرت زینب فرماتی ہیں، بیٹی کیوں روتی ہو۔ عرض کرتی ہیں۔ "حال اخی الوضیع" علی اصغر کی حالت رلا رہی ہے۔ پھر سکینہ عرض کرتی ہیں پھوپھی اماں اصحاب و انصار کے خیموں میں پانی تلاش کرائیے۔ شائد کہیں سے تھوڑا بہت مل جائے جناب زینبؑ، ان کی تسلی کے لیے ام کلثوم وغیرھم کے خیموں میں تشریف لے گئیں۔ حضرت عباسؑ اور حضرت قاسم و دیگر قرابت داران کے خیموں میں گئیں لیکن کہیں سے ایک قطرہ بھی میسر نہ ہو سکا۔ تو آپ مایوس ہو کر ان چھوٹے چھوٹے بچوں کو لیے ہوئے جن کی تعداد بیس تھی۔ واپس اپنے خیمے میں تشریف لائیں۔ (ماتین صہ ۳۱۶ مواعظ حسنہ صہ ۲۸۳)

ثم طلب العباس وقال فاجمع اصحابك واحضر بئراً پھر حضرت عباسؑ کو بلایا۔ اور حکم دیا۔ بھائی اصحاب کو جمع کر کے کنواں کھودو۔ اس لیے کہ بچے شدت تشنگی سے جاں بلب ہیں حضرت عباسؑ اٹھے اور کنواں کھدنے لگا۔ قال فعند ذلك اجمعت الاطفال على تلك البئر و بيد كل

واحد منهم ركوة قالوا يا عماه العطش" راوی کہتا ہے کہ جب بچوں کو کنواں کھودے جانے کی خبر ملی تو ہاتھوں میں کوزے لیے ہوئے اور العطش کہتے ہوئے لب بیر آگئے ۔ اور جھک جھک کر اسے دیکھنے لگے ۔ واذا جاء القوم فطمرها فهربت الاطفال الخيام۔ ادھر کنواں کھد رہا ہے ۔ ادھر کسی نے عمر بن سعد کو خبر دی وہ لشکر لیے ہوئے آپہنچا ۔ پیاس کے مارے ہوئے بچے ہاتھوں میں خالی کوزے لیے ہوئے خیموں کی طرف بھاگے ۔ ان ظالموں نے اس کنوئیں کو بند کر دیا ۔ ثم حضر بئراً فطلموها حتى حضر اربعاً۔ ان دشمنوں کے چلے جانے کے بعد عباسؑ نے دوسرا کنواں کھودوا اب کی مرتبہ پیاسے بچے خوف و ہراس کے مارے لب چاہ تک نہ آئے اور در خیمہ سے العطش کا نعرہ لگاتے رہے ۔ پھر ان دشمنوں نے آکر اُسے بھی بند کر دیا ۔ الغرض حضرت عباسؑ نے پے در پے چار کنوئیں کھود ے اور سب بند کر دیئے گئے ۔ پھر جب پانچواں کنواں کھودا تو اتفاقاً پانی کی برآمدگی کا موقع مل گیا ۔ فاذ ابلغ الماء جاءت سكينة ومعها الركوة" یہ دیکھ کر حضرت سکینہ کوزہ لیے ہوئے دوڑ پڑیں ۔ اور کہا چچا جان مجھے ایک جام بھر دیجئے میرا جگر پیاس کے مارے کباب ہو رہا ہے ۔ "فبكى العباس بكاءً شديداً وملاء الركوة" یہ سُن کر حضرت عباسؑ بیساختہ رو پڑے ۔ اور کوزہ بھر کے سکینہ کو دیا ۔ سکینہ ابھی پانی پینے بھی نہ پائی تھی کہ دشمن کا لشکر پھر آگیا ۔ یہ بیچاری ہاتھ میں کوزہ لیے ہوئے خیمہ کی جانب دوڑیں فضل رجلها في الطناب فانكبت وقالت يا عمتاه ترى هذا الحال" ناگاہ آپ کا پاؤں طناب خیمہ سے الجھ گیا ۔ اور زمین پر منہ کے بل گر گئیں ۔ اور بڑی مایوسی کے ساتھ اپنی پھوپھی حضرت زینبؑ کو پکار کر کہا ۔ اے پھوپھی جان پانی ہاتھ میں آکر جاتا رہا ۔ فعند ذلك اغتم الحسين غماً شديداً یہ حال دیکھ کر امام حسین علیہ السلام بے انتہا رنجیدہ ہوئے ۔ (خلاصۃ المصائب ص ۱۱۲ طبع نولکشور ۱۸۷۶ء)

امام حسین علیہ السلام خود نکل پڑے جب پانی کی کوئی سبیل نظر نہ آئی اور حضرت امام حسینؑ نے اپنی آنکھوں سے بچوں کی مایوسی اور بے چینی اس موقع پر بھی ملاحظہ کی تو برداشت نہ ہو سکا ۔ اور اتمام حجت کے لیے ناقہ پر سوار ہو کر قوم اشقیا کے سامنے جا نکلے ۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں :

روز نہم امام حسین علیہ السلام برائے اتمام حجت بر شتر سوار شدہ بر نزدیک لشکر خصم رفت و فرمود اگر بہ عقاد شما من گنہگارم ۔ این زنان و اطفال صغیر از اہل رسول خدا اند بے گناہ ہستند ۔ آنہا را تہمت آبے دہید کہ بہ ہلاکت نزدیک رسیدہ

نویں تاریخ کو حضرت امام حسینؑ اتمام حجت کے لیے ناقہ پر سوار ہو کر لشکر مخالف کی طرف تشریف لائے اور فرمایا اے قوم! اگر تمہارے خیال ناقص میں گنہگار ہوں تو ان عورتوں اور بچوں نے تو کوئی گناہ نہیں کیا ۔ یہ رسول خدا کے اہلبیت ہیں اور بے گناہ ہیں

اند۔ عمر گفت اے حسینؑ اگر تمام عالم را آب گیرد و در تصرف ما باشد یک قطرہ بتو و اتباع تو ندہیم مگر بر یزید بیعت کن...... الخ

تھوڑا پانی دے دو کہ جاں بلب ہیں۔ عمر نے کہا کہ اے حسین اگر ساری دنیا پانی پانی ہو جائے اور ہمارے قبضہ اقتدار میں ہو تو ہم اس وقت تک ایک قطرہ بھی نہ دیں گے جب تک تم یزید کی بیعت نہ کر لو گے۔"

پس حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنا تعارف کرایا اور رسولؐ خدا سے اپنا رشتہ واضح کیا لیکن ے باسیہ دل پہ سود گفتن وعظ

نہ رود میخ آہنی در سنگ (اکسیر التواریخ صفحہ ۱۰)

الغرض ادھر اہل بیت کرام پانی کی فکر میں کنوئیں کھود رہے ہیں اور امام حسین علیہ السلام سرگرداں ہیں۔ ادھر شمر ملعون اپنی ترکیبوں میں لگا ہوا ہے اور پوری فکر کے ساتھ یہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح امام حسینؑ کے خشک گلے پر خنجر پھیر جائے۔

شمر کا کوفہ جانا شب نہم جو گفت گو امام حسینؑ اور عمر بن سعد میں ہوئی تھی شمر کو اس کی خبر تھی لیکن جب اس نے سنا کہ:

عمر بن سعد در شب رفتہ با حسینؑ سخن گفتہ فی الحال بکوفہ رفت با پسر زیاد گفت کہ میان حسینؑ و عمر بن سعد رسل و مراسلہ واقع است و شب نیز با یکدیگر ملاقات نمودہ تدبیر ہا می کنند و حقیقت ایں حال معلوم نیست (روضۃ الشہداء صفحہ ۳۰۶ طبع بمبئی)

کہ عمر بن سعد رات کے وقت امام حسین کے پاس جاکر بات چیت کرتا ہے فوراً کوفہ روانہ ہو گیا اور ابن زیاد سے کہا کہ امام حسین اور عمر بن سعد میں مراسلہ جاری ہے اور بات چیت ہوتی رہتی ہے چنانچہ آج شب کو بھی تخلیہ میں باتیں ہوتی رہیں۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ گفتگو کا کیا رخ تھا۔"

عبید اللہ بن زیاد نے جب شمر کی زبانی ان دونوں کی گفتگو کا حال سنا تو آگ بگولہ ہو گیا اور فوراً عمر بن سعد کو لکھا۔

ابن زیادہ کا خط عمر و سعد کے نام

امابعد۔ انی لم ابعثک الی الحسین لتکف عنہ ولا لتطاولہ ولا لیمینہ السلامۃ والبقا ولا لتعتذر عنہ ولا لتکون عندی شفیعا انظر فان نزل حسین واصحابہ علی حکمی

میں نے تجھے امام حسینؑ کی طرف اس لیے نہیں بھیجا کہ تو انہیں باز رکھ اور ان کی حفاظت کر۔ نہ اس لیے بھیجا ہے کہ تو ان سے ٹال مٹول کر اور بقا و سلامتی کے لیے دعائیں کر اور دیکھو

واستنسلحوا فابعث بهم الی سلجاً فان ابوا نازخف . الیهم حتی تقتلهم و تمثل بهم فانهم لذالک مستحقون فان قتلت حسیناً فاوطی الخیل صدرہٗ وظہرہٗ فانہٗ عات ظلوماً ولست اری ان هذا یضر بعد الموت شیئاً ولکن علی اقول قد قتلہ نفعلت ھذا بہ فان انت مفیت لامرنا حضرنیاک جزاء الشامع المطیع وان انت ابیت فاعتزل عملنا وجند نا دخل بن شمر بن ذولجوشن وبین العسکر فانا قد امرناہ بامرنا والسلام (دمعہ ساکبہ ص۳۲۳ و ناسخ جلد ۶ ص۲۳۹)

تو مجھ سے اُن کی شفاعت نہ کر۔ اچھا سُن! اگر حسینؑ اور ان کے اصحاب میرے حکم کو مان لیں تو ٹھیک ہے ورنہ پھر انہیں قتل کر دے کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں۔ اور جب حسینؑ کو قتل کرے۔ تو ان کی لاش پر گھوڑے دوڑا دے تاکہ پیٹھ اور پیٹ سب پس جائیں۔ میرا تو عقیدہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد ان چیزوں سے تکلیف نہیں ہوتی۔ اگر تو نے انہیں قتل کر ڈالا تو میں تجھ کو بڑی جزا دوں گا۔ اور تجھے بہت ہی سراہوں گا۔ اور اگر تجھ سے یہ نہیں ہو سکتا تو شمر کو اپنا قائم مقام کر دے۔

حضرت عباسؑ کے امن نامہ کی حصولی

ابن زیاد نے بھرے دربار میں مذکورہ بالا خط لکھ کر شمر ذی الجوشن کے حوالے کر دیا۔ شمر ابھی روانہ ہونے نہ پایا تھا کہ جریر بن عبداللہ بن مخلد کلابی کھڑے ہو گئے اور ابن زیاد کو مخاطب کر کے کہا۔

ایہا الامیر مرا سخنے است اگر قبول روو بعرض رسانم۔ ابن زیاد گفت بگوئی تا چہ داری گفت علیؑ ابو طالب گاہے کہ در کوفہ سکون اختیار فرمود دختر عم مرا کہ ام البنین نام داشت بحبالہ نکاح خویش در آورد و از روے چہار پسر متولد گشت نخستین

اے امیر میری ایک خواہش ہے اگر قبول کرنے کا وعدہ کرے تو عرض کروں۔ ابن زیاد نے کہا کہو تو سہی کیا بات ہے۔ جریر نے کہا جب حضرت علیؑ کوفہ میں قیام پذیر تھے تو انہوں نے میری چچا زاد بہن ام البنین کے ساتھ عقد کیا تھا اور اس

ا؎ علامہ طلحہ بن شافعی لکھتے ہیں کہ خط میں یہ بھی لکھا فان ابی ذٰلک فلیوذن بقتال یقطع الوتین جل الورید ویصعد الارواح الی المحل الاعلی ویصرع الی شباح علی الصعید وتبعث نفسہ الابیۃ جدھا وآباھا (مطالب السئول ص۲۴۰) یعنی اگر حسینؑ بیعت سے انکار کریں تو ان سے جنگ کا حکم لشکر کو دے اور لڑ کر ان کی رگ جان اور شہ رگ کاٹ دے اور ان کی روح کو اوپر بھیج دے۔ اور اُن کے چہروں کو بچھاڑ دے۔ اور ان کے سرکش نفس کو ان کے باپ دادا کے پاس۔

عبداللہ، دوم جعفر سہ دیگر عباس، چہارم عثمان وایں ہر چہار تن عم زادگان من باشند اگر اجازت فرمائی ایشاں را منشورے رقم کنم و خط امان نرستم و ایں بزرگ عطائی است کہ در حق ما کردہ باشی ابن زیاد گفت ایشاں را امان دادم صورت حال را رقم کن و بدیشاں فرست تا از حول و ہرب برآسانید (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۴۳)

سے چار فرزند پیدا ہوئے تھے۔ عبداللہ جعفر عباس عثمان یہ چاروں میرے چچا زاد بھائی ہیں اور کربلا آئے ہوئے ہیں۔ اگر اجازت ہو تو انہیں ایک تحریر کے ذریعہ سے خط امان لکھ دوں۔ اے امیر یہ مہربانی بڑی وزنی ہوگی۔ ابن زیاد نے کہا۔ اچھا میں نے انہیں اماں دے دی۔ تم صورت حالات انہیں لکھ بھیجو وہ لوگ ڈر کر گھبرا نہ جائیں

عبداللہ بن جریر نے جب امن نامہ حاصل کرنے کی کوشش کی تو شمر ابن ذی الجوشن جو عبداللہ کے خاندان سے تھا۔ اس نے بھی ہاں میں ہاں ملا دی۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۴۳ تہذیب قلمی)

الغرض عبداللہ بن جریر نے ابن زیاد سے امن نامہ حاصل کر لیا۔ اور اسے خط کی شکل دے کر اپنے غلام عرفان کے حوالے کر کے کہا:

بایدت بہ تعجیل و تقریب بکربلا رفت وایں نامہ را بدست عبداللہ و عباس، جعفر و عثمان دہ و نگراں باش کہ جز ازیں چہار تن کس ازیں نامہ آگاہ نہ شود (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۴۴)

سن جلد سے جلد منٹوں میں کربلا پہنچ اور اس نامہ کو عبداللہ، عباس، جعفر، عثمان کے حوالہ کر اور دیکھ خبردار ان چاروں کے علاوہ اس کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔

عرفان، فرمان نامہ لیے ہوئے بات کی بات میں کربلا جا پہنچا اور اس کو نامہ حضرت عباسؑ کے دست مبارک میں دیا۔

عبداللہ کے خط امان کا حضرت عباسؑ کی طرف سے جواب

حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں نے عبداللہ ابن جریر کے خط امان کو پڑھا اور لکھے ہوئے حالات سے آگاہی ہوئی۔ اس کے بعد نہایت دلیری کے ساتھ عرفان سے فرمایا کہ ہمارے مہربان عبداللہ بن جریر سے کہہ دو کہ

انحس نیستیم کہ دست در ذیل اماں پسر زیاد زنیم اماں خداوند قاہر غالب از بہر ما نیکو تراست ما آنرا خواہیم کہ خدا خواہد۔

ہم ایسے نہیں ہیں کہ ابن زیاد کے زیر سایہ امان کی چھاؤں میں بیٹھیں۔ خدائے غالب و قاہر کی امان ہمارے لیے کافی ہے۔ ہم وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔

عرفان جواب باصواب پاکر کوفہ واپس گیا اور عبداللہ سے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ عبداللہ چوں کہ کربلا والوں کے مآل کار سے واقف تھا۔ لہٰذا سخت آزردہ ہوا، اور کفِ افسوس ملتا ہوا خاموش ہو گیا۔

عرفان کے امن نامہ پیش کرنے پر خیمہ میں اضطراب | علامہ قزوینی تحریر فرماتے ہیں کہ جریر کا امن نامہ حضرت عباسؑ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اُسے ملاحظہ فرما کر جواب دے دیا۔

عرفان کی آمد اور حضرت کا ہاتھوں میں لے کر امان نامہ کو پڑھنا۔ خیمہ کی مخدرات نے دیکھا انسانی جذبہ کے ماتحت یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں عباس نے اُسے منظور کر لیا تو کیا ہوگا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں آئیں اور اظہار خیال کیا۔ مطمئن بہادر نے ان عورتوں کو اطمینان دلانے کے لیے حضرت عباس کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا بھی اسی جگہ تشریف فرما تھیں۔ آپ نے دست بستہ ہو کر طلبی کا سبب پوچھا۔ حضرت زینبؑ نے فرمایا:

برادر عباس می خواہی مارا بدست دشمن بگذاری و بہ لشکر شمر ملحق شوی

بھائی عباس کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم کو دشمن کے ہاتھوں میں دے دو اور خود لشکر شمر سے جا ملو۔

اس تعجب خیز سوال پر حضرت عباس رو پڑے۔ نزدیک بود کہ خود را ہلاک کند اور قریب تھا کہ اپنے کو ہلاک کر ڈالیں۔

عرض کی ہمشیرہ معظمہ! وہ پاؤں ٹوٹ جائیں جو آستانۂ حسینی سے سرکیں۔ اور وہ آنکھیں پھوٹ جائیں جو جمال حسینی کے علاوہ کسی بد مآل کی طرف دیکھیں۔ معظمہ آپ کیا فرماتی ہیں۔ میں نے تو یہ جواب دیا ہے کہ حسین جیسے اللہ والے مجاہد کے دامن کا سایہ تیرے امان سے بہتر ہے ہمارے لیے ظلِ وجود حسینی کافی ہے۔ (حدائق الانس جلد ۲ ص ۶۹)

زیادی فرمان لے کر شمر ذی الجوشن کا کربلا پہنچ کر ابن سعد کو دینا۔ مورخین کا بیان ہے کہ شمر بن ذی الجوشن ابن زیاد کا آخری حکم لیے ہوئے کربلا پہنچا اور اسے عمر بن سعد کے حوالے کیا۔ ابن سعد نے کہا خدا لعنت کرے تو نے صلح نہ ہونے دی۔ اور جنگ کی آگ بھڑکا ہی دی۔

علامہ محمد باقر لکھتے ہیں:

فاقبل شمر بن ذی الجوشن بکتاب عبید اللہ بن زیاد الی بن سعد. فلما قدم علیه وقراه قال له شمر لعنة الله مالك ویلك

پس شمر بن ذی الجوشن عبید اللہ ابن زیاد کا خط لے کر عمر و بن سعد کے پاس پہنچا۔ جب عمرو بن سعد ملعون نے یہ خط پڑھا تو اسے کہنے لگا۔ تجھ پر وا سے

لاقرب اللّٰہ دارک وقبح اللّٰہ ماقدمت بہ علی واللّٰہ انی لاضنت نھمیتلہ عماکتبت بہ الیہ وافدت علینا امراقد کنا رجونا ان یصلح لایستسلم واللہ حسین وان نفس ابیہ بین جنبیہ فقال لہ شمر اخبرنی ما انت صانع اتمضی لامر امیرک وتقال عدوہ والافخل لاد لاکرامۃ لک و لکن انا اتولی ذالک نذدنک فکن انت علی الرجالہ ردمعہ ساکبہ ص۲۲۳)

ہو۔ خدا تجھے برکت نصیب نہ کرے اور اس پیغام کا انجام بھی بُرا ہو۔ خدا کی قسم میرا گمان یہ ہے کہ میں نے اُسے جو کچھ لکھا تھا تو نے ہی اس سے اسے روکا ہے اور جس امر کے اصلاح کی ہمیں امید تھی اس پر پانی پھیر دیا ہے۔ خدا کی قسم امام حسینؑ کبھی یزید کی اطاعت قبول نہ کریں گے۔ اس لیے کہ ان کے باپ کا دل ان کے دونوں پہلوؤں میں موجود ہے شمر نے کہا اب یہ بتاؤ کہ کرنا کیا چاہتے ہو امیر کے حکم پر چل کر اس کے دشمن سے جنگ کرو گے۔ یا نہیں یہ معاملہ میرے سپرد کرو میں جانوں اور وہ جانے اور یہ فوج ولشکر جانے عمر بن سعد نے جواب دیا کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

علامہ بسطامی لکھتے ہیں کہ

شمر اس نامۂ ابن زیاد کو لیے نویں محرم الحرام یوم پنجشنبہ کو کربلا پہنچا اور عمر بن سعد کو دیا۔ (تحفہ حسینیہ ص۱۱۸، مقتل عوالم ص۶۹، جلاء العیون ص۱۹۸)

عمر بن سعد نے شمر کو بُرا بھلا کہنے کے باوجود جنگ سے باز آنے اور فرزند رسولؐ کے خون سے درگذر کرنے پر تیار نہیں ہوتا اور چاہتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو قتل کرکے حکومت رے کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ چنانچہ شمر کو پیادوں کا حاکم بناکر خود سواروں کی کمان کرتا ہے۔ اور پیاسوں پر حملہ کرنے کی اسکیم مرتب کرنے لگتا ہے۔

حضرت عباسؑ کی خدمت میں امان نامہ محرم الحرام کی نویں تاریخ کو دن ڈھل چکنے کے بعد شمر اپنے خیمہ سے برآمد ہوا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے قریب آکر آواز دی۔ این بنواختنا عبد اللہ وجعفر وعباس وعثمان کہاں ہیں۔ میرے سامنے آئیں۔ میں ان کے لیے حکم امان لایا ہوں۔ ان حضرات نے جب امن کا لفظ سنا خاموشی اختیار فرمائی۔ اور بظاہر جواب بھی دینے کا ارادہ نہ تھا۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام نے شمر کے کلمات سنتے ہی حضرت عباسؑ سے فرمایا،

اجیبوہ[۱] وان کان فاسقاً۔ فانہ بعض اخوالکم

تم لوگ دیکھو تو سہی یہ کہتا کیا ہے۔ اگرچہ یہ فاسق ہے۔ لیکن تمہارا ماموں ہوتا ہے۔

یہ سن کر حضرت اسد اللہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کے چاروں شیر خیمہ سے نکل پڑے۔ اور قریب جاکر پوچھا۔ کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا یابنی اختی انتم آمنون اے میرے بھانجو! تمہارے لیے دامنِ امن وسیع ہے۔ اور ابن زیاد سے میں نے تمہاری نجات کا حکم لے لیا ہے۔" با برادر خود حسین رزم مزید و خود را بیہودہ بکشتن مدہید۔ از معرکہ حسین کنارہ گیرید و سر در اطاعت امیر المومنین یزید در آورید۔ تم حسینؑ کے ساتھ رہ کر فضول اپنی جان نہ دو۔ اور حسینؑ کے لشکر سے کنارہ کش ہو کر یزید کی اطاعت میں آجاؤ۔

حضرت عباس کا شمر کو منہ توڑ جواب

فقال لہ الفتیۃ لعنک اللہ ولعن امانک اتومننا وابن رسول اللہ لا امان لہ۔ یہ سنتے ہی ان لوگوں نے بڑی دلیری کے ساتھ امان نامہ کو ٹھکراتے ہوئے کہا "خدا تجھ پر اور تیری امان پر لعنت کرے ہمیں تو امن دیتا ہے۔ اور فرزند رسول علیہ السلام کے لیے امان نہیں۔" سید ابن طاؤس فرماتے ہیں کہ

فناداہ العباس بن علی علیہما السلام تبت[۲] یداک ولعن ما جئت بہ من امانک یا عدو اللہ اتامرنا ان نترک اخانا وسیدنا الحسین علیہ السلام و ندخل فی طاعۃ اللعناء واولاد اللعناء۔ فرجع الشمر الی عسکرہ مغضبا۔

حضرت عباسؑ نے ڈانٹ کر فرمایا خدا تجھے داخل جہنم کرے۔ اور تیری امان پر لعنت کرے۔ اے دشمن خدا ہمیں مشورہ دیتا ہے۔ کہ ہم اپنے بھائی اور آقا حضرت امام حسین علیہ السلام کو چھوڑ کر ملعون کی طاعت میں داخل ہو جائیں۔

یہ سنتے ہی شمر ملعون آگ بگولہ ہو کر غیظ وغضب کے عالم میں اپنے لشکر کی طرف واپس چلا گیا

ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۴۳۔ جلاء العیون ص ۱۹۸۔ دمعہ ساکبہ ص ۳۲۴۔ مقتل عوالم ص ۷۹۔ تحفہ حسینیہ ص ۱۱۹ تاریخ اعثم کوفی ص ۳۶۷، مخزن البکاء ملا صالح برغانی م ۶ طبع ایران ۱۲۹۹ھ ماتیں فی مقتل الحسین ص ۲۵۱ تاریخ

---

۱ علامہ کنتوری لکھتے ہیں۔ کہ بعض روایات کی بنا پر حضرت امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ سے نہیں بلکہ ان کے بھائیوں سے فرمایا تھا کہ شمر کو جواب دو۔ ان کے عیون الفاظ یہ ہیں۔ فقال الحسین لا خوتہ اجیبوہ۔ اور آپ نے یہ اس لیے کہا تھا تاکہ حضرت عباسؑ کا احترام ہو سکے۔

۲ تبت یداہ دخولِ جہنم سے کنایہ ہے۔ حضرت رسول خدا صلعم کو ابولہب نے کہا "تبالک .... تو خداوند عالم نے سورہ تبت ید ابی لہب الخ نازل فرما کر اس کو واضح فرمایا کہ ابولہب جہنمی ہے تفسیر مجمع البیان جلد ۲ ص ۵۲۲ طبع ایران اور حضرت عباس نے شمر کو تبت یداک فرما کر اس کے جہنمی ہونے کی سند دے دی ہے۔

طبری جلد ۶ صفحہ ۲۲۳

حضرت عباس علیہ السلام اور شمر ملعون میں باہم قرابت داری کا انکشاف! مذکورہ بالا واقعہ کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شمر ملعون حضرت عباس علیہ السلام کا ماموں اور آپ کے بھانجے اور ابو الکلام آزاد کی تحریر مندرجہ ذیل سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔ ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں "شمر بن ذی الجوشن کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کی پھوپھی ام البنین بنت حزام

امیر المومنین علیہ السلام کی زوجیت میں تھیں۔ اور انہیں کے بطن سے ان کے چار صاحبزادے عباسؑ۔ عبداللہؑ۔ جعفرؑ اور عثمانؑ پیدا ہوئے تھے۔ جو اس معرکہ میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ اس طرح شمر ان چاروں کا اور ان کے واسطہ سے حضرت امام کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔

لیکن یہ درست نہیں ہے یعنی حضرت عباسؑ کو شمر کا بھانجا سمجھنا اور اس کو آپ کا ماموں قرار دینا کسی طرح تاریخ کی روشنی میں راست نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر مجازی طور پر اس رشتہ کو تسلیم کیا جائے تو ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان میں کوئی حقیقی رشتہ داری نہ تھی۔ نہ شمر ان حضرات کا ماموں تھا اور نہ پھوپھی زاد بھائی۔ صرف بات یہ تھی کہ یہ دونوں ایک ہی قبیلہ کلاب سے تھے۔ اور دستور عرب کے مطابق صرف قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے مجازی طور پر ماموں بھانجہ کا منہ بولا رشتہ قرار دیا جاتا تھا۔ ابو الکلام نے جو حضرت ام البنینؑ کو شمر ملعون کی پھوپھی تحریر کیا ہے اس کا تاریخ میں کوئی وجود نہیں۔

یہ دونوں ہم قبیلہ تھے علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ "بعضے از برادران آنحضرت از قبیلہ او بودند" شمر اس لئے امن نامہ لایا تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بہن بھائی اس کے قبیلہ سے تھے پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ شمر نے آ کر کہا کہ چوں مادر شما از قبیلۂ من است۔ شما را امان دادم چونکہ تمہاری ماں میرے قبیلہ سے ہے۔ اس لیے میں تمہارے لئے امان لایا ہوں۔ (جلاء العیون صفحہ ۱۹۸ طبع ایران ۱۲۸۲ھ)

اس سے صاف واضح ہے کہ ان لوگوں میں حقیقی قرابت داری نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب شمر نے آپ کے سامنے قرابت کا حوالہ دیا۔ تو آپ غصہ کے مارے آگ بگولہ ہو گئے۔ علامہ کنتوری لکھتے ہیں قد امتلا رحتفاً و غیظاً لانتساب المتمرله بالقرابت و ذالک الملعون ھو الشقی الاشقیاء یعنی حضرت عباسؑ شمر کے انتساب قرابت پر غصہ میں بھر گئے

اس لیے کہ وہ ملعون شقی مطلق تھا اور حضرت عباس سعید ازلی ان دونوں میں حقیقی رشتہ داری کہاں (ماتیتن ص۱۵۴)

اب ہم ذیل میں اخبار نظارہ سے اپنا وہ مضمون من وعن درج کرتے ہیں جو ۱۳۵۷ھ کے ابوالفضل العباس نمبر میں شائع ہوا تھا۔ جس سے آپ کی مجازی قرابت داری پر مکمل روشنی پڑ جائے گی۔

کیا شمر ملعون حضرت عباس علیہ السلام کا حقیقی ماموں تھا "تاریخ کربلا کے ماتمی اوراق پر سطحی اور سرسری نظر ڈالنے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذی الجوشن ملعون۔ حسینی ہیرو حضرت عباس ابن علی علیہ السلام کا حقیقی ماموں تھا۔ لیکن دراصل یہ خیال خام ہے وہ ملعون برائے نام یعنی مجازی ماموں تھا۔ اسی طرح سرکاری حسینی کے محافظ علمدار کربلا بھی مجازی بھانجے تھے۔ دستور عرب کے مطابق وہ اپنے کو ماموں اور ان کو اپنا بھانجا کہتا تھا۔ عرب کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کی ماں کسی قبیلہ کی لڑکی ہے تو قبیلہ والے اس عورت کو مجازی بہن بنا کر اس کی ساری اولاد کو "ابن اخت" بہن کے بیٹے سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس عورت کے بیٹے اس ماں والے قبیلے کے مردوں کو ماموں سے یاد کرتے ہیں۔ علامہ بسطامی تحریر فرماتے ہیں:

قاعدہ عرب ایں است کہ ہمیں مادر شخصے از طائفہ او باشد اطلاق اخت اہل طائفہ بر آں زن مے نمایند وہم چنیں بر فرزندش ابن اخت ونیز اطلاق خال مے نمایند۔ بر ذکور طائفہ کہ مادر شخصے ازاں طائفہ است۔ (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۰۸ طبع ایران)

عرب کا دیرینہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی کی ماں کسی طائفہ اور قبیلہ سے ہوتی ہے تو اس قبیلہ کی عورت پر بہن کا اطلاق (مجازاً) ہوتا ہے، اور اسی طرح ماموں کا اطلاق اس قبیلہ کے تمام مردوں پر ہوا کرتا ہے۔

حضرت عباس علیہ السلام کی مادر گرامی جناب اُم البنین حزام ابن خالد ابن ربیعہ۔ ابن لوی، ابن غالب ابن کعب ابن عامر ابن کلاب ابن ربیعہ ابن عامر ابن صعصعہ ابن معاویہ ابن ابی بکر ابن ہوازن سے تھیں۔ جیسا کہ ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۸۵ طبع بمبئی ۱۳۰۹ھ اور عمدۃ الطالب ص۳۲۴ طبع بمبئی ۱۳۰۹ھ اور عمدۃ المطالب ص۲۴ طبع بمبئی ۱۳۱۸ھ اور ابصار العین علامہ سماوی ص۲۶ طبع نجف اشرف اور منتہی المقال فی احوال الرجال طبع ایران ۱۲۹۷ھ اور منتج المقال قلمی وغیرہ میں ہے اور کتب تواریخ سے یہ بھی معلوم ہے کہ شمر ملعون اسی قبیلہ کا چشم و چراغ سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ ایک ہی قبیلہ سے تھا۔ لہٰذا اسی قاعدہ

ہے نحاس کہتے ہیں کہ عرب چچا کو باپ اور خالہ کو ماں بولا کرتے ہیں۔ اسی واسطے حدیث میں آیا ہے۔ الخ الۃ بمنزلۃ الام وعمّ الرجل صنو ابیہ یعنی خالہ بجائے ماں اور چچا باپ کے برابر ہوتا ہے۔ الخ۔ اعظم التفاسیر جلد ۲ صـ۲۸ حصہ اول طبع دہلی ۱۳۱۲ھ۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ خداوند عالم سورہ زخرف میں ارشاد فرماتا ہے: اذ قال ابراھیم لابیہ وقومہ اِنّنی براء مما تعبدون " اے رسول! اس وقت کو یاد کرو جب اپنے منہ بولے باپ آزر اور اپنی قوم سے کہا کہ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو میں یقیناً ان سے بیزار ہوں۔" اس آیت میں بھی خدا نے باپ کا لفظ فرمایا ہے۔ اور اس سے چچا مراد لیا ہے۔ اس لیے کہ یہ قصہ آزر کا ہے نہ کہ تارخ کا اور یہ معلوم ہے کہ آزر باپ نہ تھا بلکہ چچا تھا۔ جیسے اتقان سیوطی جلد ۲ صـ۱۲۶ طبع مصر) اور تفسیر در منثور جلد ۲ صـ۲۳ طبع مصر میں موجود ہے۔ عہد نامہ قدیم وجدید۔ (بائبل) باب کتاب پیدائش آیت ۲۷ طبع لودیانہ ۱۸۸۳ء میں ہے تارہ سے ابرام (ابراہیم) اور صاران پیدا ہوئے۔ الخ۔ علامہ فخرالدین رازی نے اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ان والد ابراھیم کان تارخ وآزر کان عماً لہ والعم قد یطلق علیہ اسم الاب کما حکی اللہ تعالیٰ عن اولاد یعقوب انھم قالوا نعبد الٰھک والٰہ ابائک ابراھیم واسمٰعیل واسحاق ومعلوم ان اسمٰعیل کان عماً لیعقوب وقد اطلقوا علیہ لفظ الاب فکذا ھھنا الخ (تفسیر کبیر پارہ ۷ سورۂ انعام جلد ۴ صـ۱۰۳ طبع مصر)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابراہیم کے باپ تارخ تھے۔ اور آزر جناب ابراہیمؑ کا چچا تھا۔ اور چچا پر باپ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ خدا اولاد یعقوب کی حکایت کرتا ہوا فرماتا ہے کہ وہ لوگ کہتے تھے کہ ہم تمہارے باپ ابراہیمؑ، اسماعیل اسحاق کے معبود کی پرستش کریں گے۔ اور یہ معلوم ہے کہ جناب اسمٰعیلؑ حضرت یعقوبؑ کے چچا تھے مگر اُن پر باپ کا لفظ بولا گیا۔ اسی طرح اس آیت مذکورہ میں بھی ہے۔

ہم یہاں تک لکھنے کے بعد عرض کرتے ہیں۔ کہ ایسے مجازات کا استعمال کوئی تازہ استعمال نہیں ہے۔ جناب ابراہیمؑ اور فرعون والے معاملہ میں بھی مجاز موجود ہے۔ آپ نے اپنی بیوی جناب سارہ کو بہن کہا ہے امام بخاری کو دھوکا ہو گیا۔ اور انہوں نے مجازات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ پر اس مسئلہ میں کذب کا الزام دیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری جلد ۲ صـ۱۴۵ باب اتخذ اللہ ابراہیم خلیلا کتاب بدء الخلق طبع مصر میں ہے۔ لم یکذب ابراھیم الا ثلٰث کذبات۔ نقال من

عرب کی بنا پر سرکار حسینی سے مملکت وفاداری کے بادشاہ کو جُدا کرنے کی فکر میں لعنت ایمز امن نامہ پیش کرنے کے لئے آکر نعرہ زن ہوا "این بنو اختنا" میری بہن ام البنین کے بیٹے عباس وغیرہ کہاں ہیں؟" کہا تھا۔ اور اسی قاعدہ عرب کی بنا پر امام حسینؑ نے فرمایا تھا کہ اے عباس اجیبوہ وان کان فاسقاً فانہ بعض اخوالکم ہاں ہاں۔ سنو تو سہی۔ یہ کیا کہتا ہے۔ عباس یہ ملعون فاسق تو ضرور ہے۔ مگر تمہارا ماموں ہوتا ہے۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۲۱ طبع بمبئی ۱۳۰۹ھ)

علامہ بخاری لکھتے ہیں:

عن انس قال دعا النبی الانصار فقال ھل فیکم احد من غیرکم قالوا الا ابن اخت لنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ (والہ) وسلم ابن اخت القوم منھم (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۶۴ باب ابن اخت القوم منہم کتاب بدء الخلق طبع مصر)

انس سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہؐ نے انصار کو بلاتے ہوئے فرمایا کہ تم میں تمہارے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔ عرض کہ سعد کے ایک بھانجے کے اور کوئی نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں کا ابن اخت ہو۔ انہیں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ جس قوم کا ابن اخت ہو۔ اسی قوم کا یہ بھانجا ہوتا ہے۔ اور وہ لوگ اس کے ماموں کہے جاتے ہیں۔ اب ہم آزادی کے ساتھ یہ کہنے کو تیار ہیں کہ حسینی ہیرو کا شمر ملعون مجازی ماموں تھا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ایک قبیلہ سے ہونے وجہ سے یہ بھانجے ہوئے اور وہ ماموں ہوا نا کہ باہم حقیقی تعلقات تھے۔

میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ یہ مجازی تعلقات صرف ماموں بھانجوں تک محدود اور منحصر نہیں ہیں بلکہ چچا کو باپ اور خالہ کو ماں کہنا مجاز متعارف ہے۔ علامہ قاضی بیضاوی اور علامہ کبیر رازی اور علامہ ابوالقاسم زمخشری جناب یوسفؑ کے قصہ میں اس آیت (آوی الیہ ابویہ) کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ضم الیہ وخالتہ باعتنقھا نزلھا منزلہ الام تنزیلاً للعم منزلہ الاب فی قولہ تعالی نعبد الھک والہ آبائک) ابراہیم واسمٰعیل واسحاق) الخ۔ تفسیر بیضاوی جلد ا ص ۴۰۰ طبع لکھنؤ ۱۲۸۲ھ۔ تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۱۶۱ طبع مصر اس عبارت کی شرح کے طور پر علامہ محمد رحیم بخش صاحب دہلوی لکھتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کا باپ فرمانا تغلیب کے طور پر ہے۔ کیونکہ حضرت اسمٰعیل حضرت یعقوب کے چچا تھے نہ کہ والد۔ اور چچا کو باپ کہنا مجاز متعارف

ھذہٖ قال اُختی ..... الخ۔ ابراہیم نے اپنی عمر میں تین جھوٹ بولے۔ تیسرا یہ کہ فرعون نے ابراہیمؑ کو پوچھا یہ کون ہیں تو جواب دیا کہ میری بہن ہیں۔ علامہ عماد الدین اسمٰعیل ابی الفداء لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں یہ فرمایا تھا: ھذہٖ اختی یعنی فی السلام۔ یعنی میری اسلامی بہن ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام پر کذب کا الزام مجازات سے ناواقفیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے "کان صدیقاً نبیاً" ابراہیمؑ تو بالکل سچے نبی تھے۔ بخاری کہتا ہے۔ جھوٹے تھے ناظرین خود فیصلہ کرلیں۔ "تاریخ ابوالفدا جلد ا صلا۱۳ طبع مصر اس کے علاوہ بائیبل کتاب استثناء کے باب آیت" میں اس موقع پر ہے۔ جہاں جناب اسحاق پر یہی الزام قائم کیا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو بہن سے تعبیر کیا۔ "انہا اختہٗ" اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ انہا اختہٗ من حیث القبیلۃ اسحاق کی بیوی قبیلہ کی حیثیت سے بہر حال بہن تھیں۔ اور اس پر کوئی الزام نہیں ہے اس لیے کہ:

سمی الادمی اخاً لاسرائیلی باعتبار اجتماعھما فی النسب بعیسو ویعقوب فی اسحاق .... الخ الہدیٰ جلد ا صد۸ طبع نجف اشرف ۱۳۳۱ھ۔ بحوالہ کتاب استثنا باب (؟)

اسحٰق کے سلسلہ میں ادومی کو اس اعتبار سے اسرائیلی کا بھائی کہنا درست ہے کیونکہ یہ دونوں نسب وقبیلہ میں ایک حیثیت رکھتے تھے۔

ان تمام نظائر سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا۔ کہ مجاز معارف کا استعمال ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ آج کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اب یہ کہنا بالکل درست ہے کہ حضرت عباس علیہ السلام نہ شمر کے حقیقی بھانجے تھے۔ نہ اس نے حقیقی سمجھ کر ان کو بھانجہ کہا تھا۔ بلکہ صرف قبیلہ کا ایک شخص تھا اور مجاز و دستور عرب کی بناء پر انہیں بھانجا کہا۔ ورنہ نور و نار کا اتحاد اور جنت و دوزخ کا ایک ہونا کہاں تک درست ہوسکتا ہے

اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ ان کی باہمی قرابت کو مجاز کی دستوری حد سے بڑھ کر حقیقت کے آئینہ میں دیکھنا چاہتے ہیں سراسر غلط ہیں اور انصاف کش ہیں۔

اسد اللہ کے شیر حضرت عباس علیہ السلام | یزیدی روباہوں کا جنگ کی پہل کے لیے آنا

کی زبان مبارک سے شمر ملعون اسی وہی کا دندان شکن جواب پاکر واپس گیا۔ اور ابن سعد سے کہنے لگا۔ کہ اب تاخیر جنگ حد برداشت سے باہر ہے فوراً لشکر کو حکم دے کہ رات ہونے سے پہلے ان مدینہ والوں کا قصہ پاک کردے۔ عمر بن سعد جو حکومت رے کے لالچ میں قتل امام حسینؑ

علیہ السلام کا عــزم بالجزم کر چکا تھا۔ فوراً لشکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ یا خیل اللہ ارکبی وا بشری بالجنۃ اے خدائی سوارو اپنی اپنی سواریوں کی پشتوں پر سوار ہو اور جنت کی بشارت لو۔ فرکب الناس ثم زحف نحوھم بعد العصر۔ یہ سنا تھا۔ کہ لشکر کے لشکر تیار ہو گئے اور بعد عصر قتل امام حسین علیہ السلام کے لیے چل کھڑے ہوئے۔

حضرت امام حسینؑ کا خواب

یہاں تک کہ خیام حسینؑ کے قریب جا پہنچے۔ حضرت امام حسینؑ سر اقدس اپنے گھٹنوں پر رکھے ہوئے تھے کہ غنودگی طاری ہو گئی حضرت زینبؑ نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سنیں۔ دل دہل گیا۔ بھائی کی خدمت میں آئیں۔ اور عرض کی یا اخی اما تسمع ھذہ الاصوات قد اقترب العدو بھائی آپ یہ لشکر کا شور و غل نہیں سن رہے ہیں مارے دشمن آ پہنچے۔ فرفع الحسین راسہ فقال انی رایت رسول اللہ الساعۃ فی المنام وھو یقول لی انک تروح الینا غداً یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام نے سر اقدس اٹھایا اور فرمایا بہن ابھی ابھی نانا رسول اللہؐ۔ اور بابا حضرت علیؑ اور مادر گرامی حضرت فاطمۃ الزہراؑ اور برادر محترم امام حسن مجتبیٰؑ خواب میں تشریف لائے تھے وہ فرما گئے ہیں کہ اے حسینؑ! تم کل تک ہمارے پاس آجاؤ گے۔ یہ سننا تھا کہ حضرت زینبؑ رو پڑیں۔ آپؑ نے سمجھا بجھا کر انہیں خاموش کیا۔

حضرت عباسؑ کی حاضری

العباس بن علی یا اخی اتاک القوم فنہض ثم قال ارکب انت یا اخی حتی تلقاھم وتقول مالکم وما بدالکم و تسئلھم عما جاء بھم فاتاھم العباس فی نحو عشرین فارساً فیھم زھیر ابن القین وحبیب ابن المظاھر فقال لھم العباس ما بدالکم وما تریدون قالوا

اتنے میں حضرت عباسؑ آ پہنچے اور عرض کی بھائی جان دشمن آ پہنچے۔ یہ سن کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا بھائی تم ذرا سوار ہو کر جاؤ۔ اور ان سے مل کر پوچھو کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے خیر تو ہے کیوں آئے ہو حضرت عباسؑ بیس بہادروں کو لئے ہوئے جن میں زہیر بن قین اور حبیب ابن مظاہر بھی تھے۔ جا پہنچے اور ان سے پوچھا کیا بات ہے کیا ارادہ رکھتے ہو۔ ان لوگوں نے

لہ یقول، ابن خلدون۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ چلو ہم تم مل کر چلیں اور ان سے پوچھیں کہ کیوں آئے ہو۔ حضرت عباسؑ نے عرض کی۔ بل نروح انا۔ مولا میں تنہا جاؤں گا۔ آپ زحمت نہ فرمائیں الخ کبریت احمر صا۹ مورخ ابن جریر کہتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے عباسؑ سے فرمایا یا عباس ارکب بنفسی انت اے عباس میری جان تم پہ فدا ہو۔ ذرا جا کر پتہ لگاؤ کہ کیوں آئے ہیں۔ (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۳۷)

قد جاء امر الامیر ان نعرض علیکم ان تنزلوا علی حکمه او ننا جزکم قال فلا تعجلوا حتی ارجع الی ابی عبد اللّٰہؑ فاعرض علیه ماذکرتم فرفقوا فقالوا القه واعلمه ثم القنا بما یقول لك فانصرف العباس راجعاً یرکض الی الحسین بخبره الخبر ووقع اصحابه یخاطبون القوم ویعظونهم ویکفونهم عن قتال الحسین فجاء العباس الی الحسین واخبره بما قال القوم (دمعه ساکبه ص۳۲۴۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۴۵۔ جلاء العیون ص۱۹۹)

کہا ابھی ابھی حکم امیر آیا ہے کہ ہم تمہارے سامنے یہ بات پیش کریں کہ تم اس کے حکم پر اُتر آؤ۔ یا پھر لڑو۔ حضرت عباس نے فرمایا جلدی نہ کرو، میں حضرت کی خدمت میں جاتا ہوں اور تمہارا مقصد واضح کرتا ہوں انھوں نے کہا ہاں جاؤ اور انہیں بتادو پھر جو وہ کہیں اس سے ہمیں باخبر کردو۔ حضرت عباس پلٹ کر چلے تاکہ حضرت کو واقع کی اطلاع دیں۔ اور ان کے ساتھی وعظ ونصیحت میں لگ گئے اور امام حسینؑ سے لڑنے سے باز رہنے پر زور دیتے رہے۔ اور حضرت عباس نے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کے قول کی ترجمانی فرمادی۔

حضرت عباس علیہ السلام تو پیغام رسانی کے لیے واپس تشریف لائے۔ لیکن زہیر بن قین اور حبیب ابن مظاہر وغیرہما ان لوگوں کو روکے رہنے کے لیے وہیں ٹھہرے رہے۔

ان دینداروں نے سوچا کہ ان لوگوں کو نصیحت کرنی چاہیئے شاید کچھ فائدہ بخش ہو سکے اسی بنا پر تادیر وعظ ونصیحت کرتے رہے۔ لیکن ؎

باسیہ دل چہ سودِ گفتنِ وعظ
نرود میخ آہنی در سنگ

حضرت عباسؑ کو حضرت امام حسینؑ کا حکم کہ ایک شب کے لئے لڑائی روک دو

اسد اللہ کے شیر حضرت عباسؑ نے جب آکر خبر دی کہ دشمن لڑنے کے لئے آئے ہیں۔ اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یا تو بیعت کرو یا لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا۔ کہ سوالِ بیعت تو غلط ہے اب اگر وہ لڑنا چاہتے ہیں اور قتل پر آمادہ ہی ہیں تو اے عباس! تم واپس جاؤ اور جاکر انہیں آج کی رات جنگ سے روک دو۔ تاکہ ہم مناجات وعبادات وغیرہ میں اسے بسر کریں۔ پھر کل دیکھا جائیگا۔

قال ارجع الیهم فان استطعت ان تؤخرهم الی غدٍ وتدفعهم عنا العشیة لعلنا نصلی لربنا اللیلة وندعوه ونستغفره

اے عباس واپس جاؤ اور اگر ہو سکے تو لڑائی کل تک کے لیے روک دو۔ ان لوگوں کو آج کی شب ہم سے دور کرو تاکہ ہم آج کی رات اور نمازیں پڑھ

فهو يعلم اني قد كنت احب الصلوة له وتلاوة
كتابه وكثرة الدعاء والاستغفار دمعه ساكبه
۳۲۴ تحفہ حسینیہ ص۱۲۱ مقتل عوالم ص۸۰۔
ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۴۲۔ اکسیر التواریخ ص۲۹۔
تاریخ کامل جلد ص۴۴

لیں۔ اور معاد استغفار کرلیں۔ خدا بہتر جانتا ہے
کہ میں نماز اور تلاوت کلام مجید اور کثرت دعا و
استغفار کو کس قدر دوست رکھتا ہوں

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام کو یہ فرمایا تھا کہ بھائی جاؤ اور جاکر آج ان لوگوں کو جنگ سے باز رکھو تاکہ

امشب وداع عبادت پروردگار خود بجا آورم
زیرا کہ پیوستہ خواہاں و مشتاق نماز و تلاوت و
استغفار و دعا و عبادات بودہ ام و یک شب
را برائے مناجات و تضرع بدرگاہ قاضی الحاجات غنیمت
می شمارم (جلاء العیون ص۱۹۹)

میں آج کی شب عبادات خداوندی کو رخصت
کروں۔ اب تک تو میں نماز تلاوت کلام مجید و
استغفار و دعا اور دیگر عبادات میں منہمک رہا۔
اب چاہتا ہوں کہ اس ایک رات کو بارگاہ خداوندی
میں تضرع اور مناجات کروں۔

حکم امام علیہ السلام پاتے ہی حضرت عباس علیہ السلام واپس تشریف لے گئے اور ان لوگوں سے کہا کہ حضرت فرماتے ہیں کہ آج جنگ نہ کرو۔ کل تمہارا جو جی چاہے کرلینا۔

عمر سعد با شمر گفت۔ رائے چیست۔ روا باشد
کہ ایشاں را ازیں ہنگام تا فردا بگاہ مہلت گذاریم
شمر گفت اگر من زمام کار داشتم۔ ساعتے۔ ایشاں
را مہلت نمے گذاشتیم۔ اکنوں کار بدست تست
و امیر جنگ توئی۔ من چہ گویم۔ عمر سعد گفت کاش
ہرگز بایں امیری تن در ندادم و بایں تہلکہ
(ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۴۶)

عمر بن سعد نے شمر سے کہا تیری کیا رائے ہے کیا کرنا
چاہیئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو کل
تک کی مہلت دے دی جائے۔ شمر نے کہا اگر
زمام امارت میرے ہاتھ میں ہوتی تو میں انہیں
پل بھر کے لیے بھی نہ چھوڑتا۔ اب جبکہ زمام جنگ
تیرے ہاتھ میں ہے تو مجھ سے کیا پوچھتا ہے میں
کیا کہوں عمر بن سعد نے کہا کاش میں نے اس امیری
کو قبول نہ کیا ہوتا اور اس مصیبت نہ پڑتا۔

حضرت سید ابن طاؤس تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباس کے اس کہنے پر کہ ایک شب جنگ نہ ہونی چاہیئے۔ عمر بن سعد نے توقف اختیار کیا۔

فقال له عمرو بن الحجاج الزبيدي

اس پر عمر بن حجاج بول پڑا۔ خدا کی قسم اگر یہ لوگ

واللہ لو انھم من الترک والدیلم و سالونا مثل ذلک لاجبناھم فکیف وھم ال محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاجابوھم الی ذلک (دمعہ ساکبہ ص ۳۲۴)

ترک اور دیلم والے ہوتے اور ہم سے اس قسم کا سوال کرتے تو ہم ضرور قبول کر لیتے۔ یہ لوگ تو آلِ رسول سلام علیہ السلام ہیں۔ اس کے بعد لوگوں نے حضرت عباس کے فرمانے کو تسلیم کر لیا اور جنگ ایک شب کے لیے رُک گئی

ایڈیٹر صاحب رسالہ "مولوی" دہلی لکھتے ہیں کہ

"دشمن کی فوج کو تیار دیکھ کر جناب امام عالی مقام کے جاں نثار بھی تیار ہو گئے تھے۔ اور جنگی لباس اور اسلحے پہن کر خیموں سے نکل آئے تھے۔ اور حضرت عباس کا انتظار کر رہے تھے۔ کہ آپ ملاعنہ کا کیا جواب لاتے ہیں۔ یہ انتظار کی گھڑیاں عجیب بے چینی سے گزر رہی ہوں گی عورتوں اور بچوں کا جو حال ہوا ہوگا۔ وہ ظاہر ہے لیکن فداکاروں اور جاں نثاروں کے گروہ میں شوقِ شہادت اپنا رنگ دکھا رہا تھا۔ نہ فکر تھی۔ نہ تشویش نہ اضطراب۔ نہ بے چینی اور بے قراری۔ ہاں صرف کاشانۂ نبوت کے شمع ضیا بار کی فکر ضرور سب کو لاحق تھی۔ اور اہل بیت اطہار کی مصیبت کو دیکھ کر مضطرب و بے چین تھے۔ حضرت عباس کے آنے کے بعد سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں گئے۔ اور ہتھیار وغیرہ کھول کر رکھے۔ الخ (شہید اعظم ص ۱۳۸)

حضرت عباس کی واپسی دشمنوں سے التوائے جنگ منوا کر حضرت عباس واپس تشریف لائے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں سارا واقعہ بیان فرمایا۔

ورجع العباس من عندھم ومعہ رسول من قبل عمر بن سعد یقول انا قد اجلنا کم الی غد فان استسلمتم سرحنا کم الی عبید اللہ ابن زیاد وان ابیتم فلسنا تبارکیکم فانصرف

حضرت عباس پلٹے اور آپ کے ساتھ عمر بن سعد کا ایک پیامبر بھی آیا۔ اور اس نے حضرت کی خدمت میں ابن سعد کا یہ پیغام پہنچایا کہ ہم نے تم کو ایک رات کی مہلت دے دی ہے۔ اگر تم نے بیعت قبول کر لی تو ہم تمہیں ابن زیاد کے پاس لے چلیں گے اور اگر تم نے انکار کر دیا تو پھر تمہیں قتل کئے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ پیغام بر یہ کہہ کر واپس گیا۔

التوائے جنگ کا اعلان ہو گیا حضرت عباس واپس تشریف لائے۔ اور بریدنے زبانی پیغام پہنچا دیا۔ اس کے بعد عمر بن سعد نے التوائے جنگ کا اعلان کر دیا۔

امر منادیا فنادی انا قد اجلنا حسینا واصحابہ یومھم ولیلتھم الخ (دمعہ

عمر بن سعد نے منادی کرنے والے کو حکم دیا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ امام حسین اور ان کے اصحاب کو

ساکبہ ص ۳۲۴ آج کے دن اور رات کی مہلت دی گئی

اس اعلان کے بعد ایک شب کے لیے جنگ ملتوی ہو گئی۔ علامہ ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی لکھتے ہیں کہ ۹ محرم کی لڑائی حسینؑ کی درخواست پر ملتوی رہی۔ (ملاحظہ ہو تاریخ اسلام ص ۲۰۲ طبع گورکھپور ۱۳۱۱ھ)

ایک شب کے لیے التوائے جنگ کی غرض | حضرت عباس علیہ السلام کی کوشش سے جنگ تو ملتوی ہو گئی۔ لیکن فطری طور پر یہ سوال پیدا ہو گیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک شب کے لیے کیوں جنگ کا التوا چاہا۔

اکثر مورخین تو یہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ نے التوائے جنگ صرف اس لیے چاہا تھا کہ عبادت۔ دعا۔ استغفار وغیرہ میں رات گزاریں۔ اور اپنے پروردگار عالم کی عبادت کریں۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا کون سا دن کون سی گھڑی۔ کون سا منٹ اور سکینڈ ایسا گزرتا تھا جس میں آپ عبادت نہ کرتے رہے ہوں۔ پھر عبادت کے لیے التوائے جنگ اور ایک شب کی مہلت طلبی اس کا کیا مطلب

مجھے التوائے جنگ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے امام حسین علیہ السلام کی اس سے کوئی خاص غرض رہی ہو، اب وہ خاص غرض کیا تھی۔ اسے تو حضرت ہی جانیں لیکن استنباطی جدوجہد سے حسبِ ذیل وجوہ سمجھ میں آتے ہیں۔ ممکن ہے انہیں مندرجہ ذیل وجوہ میں سے حضرت کی کوئی غرض رہی ہو۔

پہلی وجہ | یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ آپ کی شہادت کا دن یوم عاشورا ہی تھا۔ اس سے قبل شہادت ناممکن تھی۔ اگر جنگ ہو بھی جاتی تو آپ اس دن شہید نہ ہوتے اور رات بھی بے چینی میں گذرتی اس لیے آپ نے اس رات کو جنگ ملتوی کرا دی۔

دوسری وجہ | یہ ہو سکتی ہے۔ کہ جب عمر بن سعد جنگ کی پہل کے لیے آیا تھا۔ اور لاتعداد لشکر اس کے ساتھ تھا اور آپ پر غنودگی طاری ہوئی تھی تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خواب میں فرمایا تھا کہ اے حسین! انک رائح الینا غداً تم کل ہمارے پاس آجاؤ (دمعہ ساکبہ ص ۳۲۴) حسینؑ نے سوچا کہ نانا فرما رہے ہیں کہ تم کل ہمارے پاس پہنچو گے۔ یعنی میری شہادت کل واقع ہونے والی ہے۔ اور یہ لوگ آج ہی حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا چونکہ کل سے پہلے میری شہادت ناممکن ہے۔ اس لیے آپ نے التوا کا حکم دیا۔ اور التوا تسلیم بھی کر لیا گیا۔ ورنہ شمر کی رائے مانی جاتی اور جنگ شروع ہو جاتی۔

تیسری وجہ بقول علامہ مجلسی یہ ہوسکتی ہے کہ امام حسین یہ چاہتے تھے کہ اب تک میں نے عبادت کی۔ دعا کی۔ استغفار کیا اب یہ آخری رات اگر مل جائے تو میں مناجات کرکے طمانیت عبادات کو رخصت کرلوں۔ اس کے بعد جو عبادت کا موقع ملے گا۔ اس میں اطمینان اور سکون نصیب نہ ہوگا۔

چوتھی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو یہ خیال تھا کہ بپردہ شب میں چراغ گل کرکے اتمام حجت کریں۔ اور لوگوں سے کہہ دیں کہ جسے جانا ہو چلا جائے۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ حسینؑ کے ساتھ جو لوگ مارے گئے وہ مجبوراً پھنس کر مرے۔ یہی وجہ ہے کہ امام حسینؑ نے شب عاشورہ کے خطبہ میں اپنے اصحاب سے فرمایا "ایں مہلت برائے شما خواستم" (روضۃ الشہداء صہ ۳۰۹)

پانچویں وجہ یہ ہوسکتی ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ سوچا کہ آج کی رات مہلت لے کر اپنے اصحاب کی گردنوں سے طوق بیعت اتارنے کا کھل کر اعلان کر دوں۔ تاکہ وہ لوگ جو بھوک پیاس اور دیگر شدائد کو برداشت نہ کرسکتے ہوں۔ راتوں رات چپکے سے نکل جائیں۔ اور میدان جنگ میں نہ جائیں۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ رزمگاہ میں پہنچ کر اپنی جان بچانے کی فکر کرنے لگیں۔ تو ہماری سبکی ہو جائے اور لوگ کہنے لگیں کہ حسینؑ کے ساتھی بُزدل تھے

چھٹی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں وہ تمام حضرات اس وقت تک نہ پہنچے ہوں۔ جیسا کہ بقول مجلسیؒ تیس آدمی فوج مخالف کے اسی شب میں حضرت سے آملے لہٰذا آپ نے التوا کا حکم دیا۔

ساتویں وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ چونکہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہونے والوں میں حضرت علی اصغر بھی تھے۔ جن کی عمر چھ ماہ کہی جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ چھ ماہ پورے ہونے میں ایک رات کم رہی ہو۔ اور حسینؑ یہ چاہ رہے ہوں کہ اصول قربانی کے لحاظ سے پورے چھ ماہ ہوجائیں۔ تاکہ میری قربانی میں نقص واقع نہ ہوجائے۔ اسی لیے ایک رات جنگ ملتوی کرادی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شب عاشورہ جنگ کے التواء کا اعلان ہوچکا ہے۔ زرد رو آفتاب مائل بہ غروب ہے عاشورہ کی وہ تاریک رات جس کی قدرت نے قرآن مجید میں قسم کھائی ہے[1]۔ کالی بلا کی صورت ڈراونی شکل میں آرہی ہے۔ دونوں لشکر والے اپنی اپنی قیام گاہ میں پہنچ چکے ہیں[2]۔ التوائے جنگ کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کو جو سب سے پہلے فکر دامن گیر ہوئی۔ وہ یہ تھی کہ کسی طرح اپنے اصحاب کو اس آگ کے میدان میں سے اور تیر و تبر کی دنیا سے نکال دیں۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۸ صہ ۵۵۷ طبع مصر۔ تفسیر درمنثور جلد ۶ صہ ۳۴۶ طبع مصر
[2] ناسخ التواریخ جلد ۶ صہ ۲۴۶

فجمع الحسین علیہ السلام اصحابہ عند قرب المساء قال علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام فدنوت منہ لاسمع مایقول لھم وانا اذ ذاک مریض فسمعت ابی یقول لاصحابہ اثنی علی اللہ احسن الثناء واحمدہ علی السراء والضراء اللھم انی احمدک علی ان کرمتنا بالنبوۃ وعلمتنا القرآن وفھمتنا فی الدین وجعلت لنا اسماعاً وابصاراً وافئدۃ فاجعلنا من الشاکرین۔ **اما بعد** فانی لا اعلم اصحاباً اوفی او خیراً من اصحابی ولا اھل بیت ابر واوصل من اھل بیتی فجزاکم اللہ عنی خیراً الا وانی لاظن یوماً لنا من ھؤلاء الا وانی قد اذنت لکم فانطلقوا جمیعاً فی حل لیس علیکم حرج منی ولا ذمام ھذا اللیل قد غشاکم فاتخذوہ جملا وتفرقوا فی سوادہ فان القوم انما یطلبوننی ولو ظفروا بی لذھلوا عن طلب غیری

(دمعہ ساکبہ ص۳۲۴۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۴۶ نور العین ص۳۰۔ مقتل عوالم ص۸۰۔ تحفہ حسینیہ ص۱۲ ہے

اسی بنا پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے شام کے قریب اپنے اصحاب کو جمع فرمایا۔ حضرت زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اگرچہ مریض تھا لیکن یہ سننے کے لیے کہ بابا جان کیا فرماتے ہیں۔ میں بھی جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر میں نے سُنا کہ آپ اپنے اصحاب سے فرماتے ہیں کہ میں خداوند عالم کی بہترین ثنا کرتا ہوں اور ہر حالت میں اس کی حمد کو فریضہ جانتا ہوں۔ خدایا میں اس امر پر تیری حمد و ثنا کرتا ہوں کہ تو نے ہمیں شرف نبوت سے ممتاز فرمایا اور ہمیں قرآن مجید کی تعلیم دی اور دین کا انتہائی شعور کرامت فرمایا اور ہمارے لیے کان۔ آنکھ اور دل معین فرما کر ہمیں شاکرین میں شمار کیا۔ **اما بعد** اے میرے اصحاب میں سچ کہتا ہوں کہ میرے اصحاب سے زیادہ اور بہتر اصحاب ممکن نہیں۔ اور میرے اہل بیت سے عمدہ اور لائق اہل بیت کا امکان نہیں خدا تمہیں اے میرے اصحاب وافر جزائے خیر دے مگر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میں نے تمہیں اجازت دے دی ہے اور تم سب کے سب میری طرف سے آزاد ہو۔ اس وقت رات کا پردہ حائل ہے۔ تم کسی طرف چپکے سے نکل جاؤ۔ اور اپنی جان بچاؤ۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ قوم صرف میرا خون بہانا چاہتی ہے۔ جب یہ مجھے قتل کریں گے تو پھر کسی اور کی طرف رُخ بھی نہ کریں گے۔ رات کی ہلکی ہلکی تاریکی میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے مذکورہ بالا پہلا خطبہ دیا۔ اس خطبہ کا سُننا تھا۔ کہ حسینؑ کے فدائی بے چین ہوگئے۔ ان کے اضطراب کی کوئی حد نہ رہی۔

حضرت عباس کھڑے ہوگئے علمدار کربلا حضرت عباس علیہ السلام فوراً کھڑے ہوگئے اور دست بستہ عرض کی اے سرکار نے یہ کیا فرمایا۔ لم نفعل ذالک لنبقی بعدک لا ارانا اللہ ذالک

لنبقی بعدک حضرت عباسؑ نے عرض کی یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں۔ خدا ہمیں یہ دن کبھی نہ دکھائے (تاریخ ابن الوردی جلد ا صہ ۱۴۳ طبع مصر) علامہ شریف شیریزدانی لکھتے ہیں۔ فقال اخوہ العباس لم نفعل ذلک لنبقی بعدک حضرت عباسؑ نے عرض کی یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں۔ (کتاب الصف جلد ۲ صہ ۱۸۸ طبع ایران ۱۳۱۴ھ، وجلاء العیون صہ ۱۹۹)

مورخین لکھتے ہیں۔ بدا ھم بھذا القول العباس ابن علی واتبعہ الجماعۃ علیہ فتکلموا بعثلہ ونحوہ اس جانبازانہ اور دلیرانہ عرض داشت کی ابتداء حضرت عباس علمدار کربلا نے کی پھر دیگر حضرات بھی اپنے کمال جذبات کے ساتھ اسی قول کی تائید کرنے لگے۔ (ارشاد مفید جلد ۲ صہ ۲۹۷ مقتل عوالم صہ ۸۰)

فقال لہٗ اخوتہٗ وابنائہ وبنو اخیہ وابنا عبد اللہ ابن جعفر لم نفعل ذلک لنبقی بعدک لا ارانا اللہ ذلک (مقتل عوالم صہ ۸۰ تحفہ حسینیہ صہ ۱۲۰۔ کتاب الصدف ۲ صہ ۱۸۸ ابن الوردی جلد ۱ صہ ۱۴۳)

چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھائی بیٹے بھتیجے اور عبد اللہ بن جعفر طیار کے لڑکے بول اٹھے حضور ہم تو یہ کبھی نہ کریں گے کہ آپ کے بعد باقی رہیں۔ خداوند عالم وہ دن کبھی نہ دکھلائے جس میں ہم آپ کے بغیر زندہ رہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام خصوصیت سے حضرت مسلم بن عقیل کی اولاد کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں۔ اے میرے بچو! تمہارے لیے تمہارے باپ مسلم بن عقیل کی شہادت کافی ہے۔ فاذھبوا انتم فقد اذنت لکم "میں تمہیں اجازت دیتا ہوں تم جدھر چاہو چلے جاؤ" تاکہ تمہاری جان بچ جائے۔

مسلم ابن عقیل کے فرزند کھڑے ہو گئے

یہ سننا تھا کہ حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام کے جانباز فرزند اٹھ کھڑے ہوئے اور خدمت حضرت امام حسین علیہ السلام میں عرض کی۔ سبحان اللہ! اگر ہم چلے جائیں تو دنیا کیا کہے گی۔ اور ہمارا ضمیر کس درجہ ملامت کرے گا۔ کہ ہم اپنے سید و سردار کے ساتھ ہو کر دشمن سے نہ لڑے۔ نیزہ بازی نہ کی۔ تلوار نہ چلائی۔

لا واللہ ما نفعل ولکن نفدیک بانفسنا واموالنا واھلینا ونقاتل معک حتی نرو

آپ کے ساتھ ہو کر لڑیں گے جو آپ پر گزرے گی وہی ہم پر گزرے گی۔ خدا اس زندگی کو برباد کرے

لہ جناب جعفر بن نما تحریر فرماتے ہیں کہ اس وقت ان کلمات کے سننے سے ان کے چہروں پر انوار نبوت۔ آثار ہدایت چمک رہے تھے۔ اور ان کی حمیت وعقیدت بار بار اس پر آمادہ کر رہی تھی کہ لشکر کفار پر جا پڑیں۔ مال و اسباب کی پروا نہیں ان کی جانیں نثار کریں گویا جوش شجاعت و فصاحت میں وہ کام کر رہے تھے۔ جو امیر لشکر اور خطیب منبر کیا کرتے ہیں ۱۲ ترجمہ مقتل ابن نما صہ ۴۲ طبع دہلی۔

موتک قبح اللہ العیش بعدک۔ (دمعہ ساکبہ ص۳۲۴) جو آپ کے بعد ہو

غرضکہ اسی طرح تمام اعزہ نے دلیرانہ جواب دیا۔ اعزہ کے بعد اصحاب باوفا نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے خطبہ کا جاں نثارانہ جواب دے کر حضرت کے مطمئن دل کو مزید اطمینان دلا دیا۔

حضرت مسلم بن عوسجہ اٹھ کھڑے ہوئے

فقال انحن نخلی عنک وبما نعتذر الی اللہ فی اداء حقک۔ لا واللہ حتی اطعن فی صدورھم بومحی واضربھم بسیفی ما ثبت فی یدی ولو لم یکن معی سلاح اقاتلھم بہ لقذفتھم بالحجارۃ واللہ لا نخلیک حتی یعلم اللہ انا قد حفظنا غیبۃ رسول اللہ فیک۔ اما واللہ لو علمت انی اقتل ثم احیی ثم احرق حیاً ثم اذری یفعل ذالک سبعین مرۃ مافارقتک حتی القی حمامی دونک فکیف لا افعل ذالک وانما ھی قتلۃ واحدۃ ثم ھی الکرامۃ التی لا انقضالھا ابداً۔ (دمعہ ساکبہ ص۳۲۵)

حضرت مسلم بن عوسجہ کھڑے .... ہوگئے اور عرض کی حضور یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ اللہ اکبر۔ مولا ہم اگر ایسا کریں تو خدا کو کیا جواب دیں گے۔ خدا کی قسم ایسا کبھی نہیں ہوسکتا میں تو اس وقت کا انتظار کر رہا ہوں۔ جب کریں دشمنوں کے سینوں میں اپنا نیزہ چبھو دوں گا۔ اور ان کی گردنیں ماروں گا۔ اور اگر میرے پاس جنگ کے اسلحے نہ رہے تو پتھر سے دل کا بخار نکالوں گا۔ مولا! خدا کی قسم ہم اس وقت تک آپ کو نہیں چھوڑ سکتے جب تک خدا یہ نہ جان لے کہ ہم نے امانت رسولؐ کی حفاظت کی۔ اور اپنا فریضہ ادا کرلیا۔ حضور! خدا کی قسم اگر میں یہ جانتا ہوں کہ قتل کیے جانے کے بعد زندہ کیا جاؤں گا پھر زندہ جلا دیا جاؤں گا اور اسی طرح میرے ساتھ ستر مرتبہ کیا جائے گا تب بھی آپ کو نہیں چھوڑوں گا چہ جائیکہ اس وقت ایک بار قتل ہونا ہے۔ اور پھر یہ شہادت ایک ایسی کرامت ہے جس کا قیامت تک جواب ناممکن ہے۔

حضرت زہیر بن قین کھڑے ہوگئے اور عرض کی۔

مولا! بخدا سوگند کہ من راضیم کہ ہزار مرتبہ کشتہ شوم وزندہ شوم۔ باز کشتہ شوم و ہزار جان را فدائے تو واہل بیت تو کنم (جلاء العیون ص۱۹۹)

خدا کی قسم! میں اس بات پر راضی ہوں کہ آپ اور آپ کے اہل بیت پر فدا ہونے کے سلسلہ میں ہزار بار قتل ہوجاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔

سعد بن عبداللہ الحنفی کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے۔

واللہ! ہم آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑیں گے۔ جب تک خدا یہ نہ جان لے کہ ہم نے رسول اللہ

کا حق محفوظ رکھا۔ واللہ اگر مجھے معلوم ہو کہ میں قتل ہوں گا۔ جلایا جاؤں گا۔ آگ میں بھونا جاؤں گا۔ پھر میری خاک ہوا میں اڑادی جائے گی۔ اور ایک مرتبہ نہیں ستر مرتبہ مجھ سے یہی سلوک کیا جائے گا پھر بھی میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ کی حمایت میں فنا ہو جاؤں گا۔ (انسانیت موت کے دروازے پر صنہ)

اسی طرح تمام اصحاب باوفا نے عرض کی اور شوق شہادت اور جذبۂ وفاداری کا مظاہرہ کیا حضرت نے ہاتھ اٹھائے اور ان حضرات کے حق میں دعا فرمائی

حضرت عباسؑ اور اصحاب کو خندق کھودنے کا حکم

خطبہ کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام اور اصحاب باوفا کو حکم دیا کہ خیموں کو ایک جگہ جمع کر کے طنابوں کو ایک دوسرے سے پیوست کر دو۔ اس کے بعد خیموں کے گرداگرد خندق کھود کر اس میں لکڑیاں بھر دو۔ تاکہ ضرورت کے وقت اس میں آگ دے کر اپنے خیام کی حفاظت کر سکیں۔

تحفرت حول عسکرہ شبیہ الخندق جیسا گڑھا کھودا گیا اور اسے خس وخاشاک اور لکڑیوں سے بھر دیا گیا۔ (دمعۂ ساکبہ صنہ ۳۲۶۔ جلاء العیون صنہ ۲ روضۃ الصفا وکبریت احمر صنہ ۹۰)

مولوی سید حیدر علی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

"پھر امام حسینؑ کی ہدایت کے مطابق آپ کے اصحاب نے خیموں کو باہم ملا کر نصب کیا اور خیموں کے پیچھے ایک خندق کھود کر اس میں لکڑی بھر دی تاکہ لڑائی کے وقت وہ جلا دی جائے۔ اس تدبیر سے دشمن خیمہ گاہ تک نہ پہنچ سکیں۔ جیساکہ حضرت رسول اللہؐ نے جنگ احزاب کے موقع پر کیا تھا۔" (تاریخ ائمہ صنہ ۳)

حضرت عباسؑ کا پانی کے لیے جانا اور بے نیل مرام واپس آنا

عاشور کی بھیانک رات دم بدم گزر رہی ہے۔ حسینی بہادر خندق کھود کر زمین پر بیٹھے دم لے رہے ہیں۔ عباسؑ جنہیں عطش اہل بیت کی وجہ سے دم لینا نصیب نہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت

لے حضرت امام علیہ السلام کے خندق کھودنے کا حکم دینا۔ روایتوں میں دو طرح سے ملتا ہے۔ اور دونوں کے مواقع ایراد الگ الگ ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے۔ کہ آپ نے شب ہشتم خندق کھودنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ اسے خس وخاشاک سے پر کردو تاکہ بوقت ضرورت اس میں آگ سلگا کر اپنی حفاظت کر سکیں۔ اور بعض میں یہ ہے کہ آپ نے شب عاشورہ خندق کھودنے کا حکم دیا۔ اور خس وخاشاک سے پُر کرنے کو فرمایا۔ میں نے اس روایت کو دو مواقع پر مختصر الفاظ میں درج کیا ہے۔

میں حاضر ہیں اور عرض کرتے ہیں سرکار پانی کی کیا سبیل پیدا کروں۔ امام حسین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ میری جان تم پر نثار ہو دستیابی آب کی ایک صورت ہے شاید پانی مل جائے۔ وہ یہ کہ تم تیس سوار اور بیس پیادوں کو ہمراہ لے کر نہر فرات پر جاؤ۔ اور پانی کی کوشش کرو۔ ابھی رات کا زیادہ حصہ نہیں گزرا۔ نہر کے محافظین بیدار ہیں۔ حضرت عباس تیار ہوتے ہیں۔ اور ہمراہیوں سمیت روانۂ نہر فرات ہو جاتے ہیں۔ نہر پر پہنچے۔ مانعین آب نے ہزاروں کی تعداد میں دریا کی صورت اُمنڈ کر مزاحمت کی گھمسان کی جنگ ہوئی۔ حسینی بہادر نے ہر چند کوشش کی۔ مگر پانی نہ ملنا تھا نہ ملا۔

علامہ سبط ابن جوزی مؤرخ واقدی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

فلما اشتد بالحسین واصحابه العطش بعث بالعباس بن علی اخیه الی المشارع فی ثلاثین فارساً وعشرین راجلاً فاقتتلوا علیه ولم یمکنوا هم من الوصول الیه (تذکرۃ خواص الامۃ ص۱۴۱ طبع ایران)

جب حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب وغیرہ پر پیاس کا غلبہ ہوا۔ تو آپ نے اپنے بھائی عباس بن علیؑ کو تیس سواروں اور بیس پیادوں سمیت نہر فرات پر بھیجا۔ اور یہ لوگ بڑی جنگ کے بعد بھی پانی تک نہ پہنچ سکے۔

علامہ قائنی لکھتے ہیں کہ: حضرت عباسؑ کے ہمراہیوں میں جناب ہلال بن نافع بھی تھے۔ نہر پر پہنچنے کے بعد جب ان لوگوں نے پانی لینا چاہا تو عمرو بن حجاج نے پوچھا۔ تم کون ہو۔ حضرت ہلال نے جواب دیا۔ میں تمہارا چچازاد بھائی ہلال بن نافع ہوں۔ اس نے کہا تم بیشک پانی پی سکتے ہو۔ لیکن حسین کے لیے نہیں لے جا سکتے۔ ہلال بن نافع نے جواب دیا۔ میں پانی پینے کے لیے نہیں بلکہ لے جانے کے لیے آیا ہوں۔ الغرض دونوں لشکروں میں جنگ ہوئی اور پانی دستیاب نہ ہو سکا (کبریت احمر ص۳۴)

رات کے وقت حضرت امام حسین کا موقع جنگ کو دیکھنا ہلال بن نافع کی ہمراہی، واپسی پر حضرت زینب کا سوال اور اصحاب حسینی کا اطمینان بخش جواب

مورخین لکھتے ہیں کہ

جب عاشورا کی رات قدرے گزر چکی۔ تو حضرت امام حسین علیہ السلام تن تنہا موقع جنگ دیکھنے کے لیے نکلے۔ اور ایک سمت کو روانہ ہو گئے۔ جناب ہلال بن نافع جو بڑے سپاہی اور امور جنگ سے باخبر تھے۔ حضرت کو تنہا جاتے ہوئے دیکھ کر آگے بڑھے۔ اور حضرت سے جا ملے۔ آپ نے پوچھا ہلال کہاں آ رہے ہو۔ عرض کی مولا! پُرآشوب زمانہ اور وقت ہے۔ اس میں آپ تنہا تشریف لئے جا رہے ہیں۔ مجھ سے یہ برداشت نہ ہوا کہ آپ کو اکیلا جانے دوں۔ حضور فرمائیں تو سہی کہ کیا ارادہ ہے۔ ارشاد

ہوا۔ ہلال موقع جنگ دیکھنے نکلا ہوں۔

مواقع کو دیکھنے کے بعد آپ پلٹ پڑے۔ ہلال بن نافع کا بیان ہے کہ حضرت میرا بایاں ہاتھ پکڑے ہوئے واپس تشریف لا رہے تھے۔ دفعتہً آپ کی نظر ایک جانب کو اٹھی۔ ارشاد فرمایا: "ہلال! دشمن صرف میری جان چاہتے ہیں۔ تم انہی پہاڑیوں کے راستے سے نکل جاؤ۔ اور اپنی جان بچالو"

یہ سننا تھا کہ ہلال قدموں پر گر پڑے اور عرض کی۔" اذا ثکلت هلالا امه " مولا! اگر میں ایسا خیال بھی کروں، تو میری ماں میرے ماتم میں بیٹھے۔ میں تو آپ کے قدموں پر نثار ہونے کو زندگی سمجھتا ہوں۔

اس کے بعد حضرت داخل خیمہ ہو گئے۔ اور حضرت زینب علیہا السلام کے پاس تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ گئے۔ حضرت زینب نے سینے سے لگا کر کہا:

" اخی هل استعلمت من اصحابک نیاتهم فانی اخشی ان یسلموک عنه الوثبة واصطکاک الاسنة "

بھائی جان آپ نے اپنے اصحاب کی نیتوں کا اچھی طرح جائزہ لے لیا ہے یا نہیں۔ مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں آپ کو حملہ آوری اور نیزہ زنی کے موقع پر نہ چھوڑ دیں۔

یہ سننا تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام رو پڑے اور فرمایا بہن! غم نہ کرو۔ میرے ساتھ وہ بہادر ہیں جو موت سے اس طرح مانوس ہوتے ہیں۔ جس طرح بچے اپنی ماؤں کے پستانوں سے مانوس ہوتے ہیں۔

فلما سمع هلال بکی دقة الخ بھائی بہن کی باتوں سے ہلال نے اندازہ لگا لیا کہ شاید بنت فاطمہ کو ہمارے اوپر پورا اعتماد نہیں ہے۔ فوراً حبیب بن مظاہر کے خیمہ میں آئے دیکھا کہ تلوار پر صیقل کر رہے ہیں۔ کہا حبیب کیا کرتے ہو۔ ارے حضرت زینب کو ہم پر اعتماد نہیں معلوم ہوتا۔ چلو بنت فاطمہؑ کے نازک دل کو مطمئن کریں۔ تمام اصحاب جمع ہو کر حضرت زینب کے خیمہ کے قریب آتے ہیں۔ اور آواز دیتے ہیں۔ اے ہماری سردار! اے ہمارے امام کی پیاری بہن۔ کیا آپ کو ہم پر بھروسہ نہیں۔ مخدومہ ہم آپ پر جان نثار کرنے کی تمنا میں جی رہے ہیں۔ ہماری تلواریں نیام میں نہ جائیں گی۔ جب تک دشمنوں کے گلے نہ کاٹ لیں، اور ہمارے نیزے رکیں گے نہیں جب تک دشمنوں کے سینوں میں نہ ٹوٹیں۔" پھر حضرت نے مخدراتِ عصمت کی طرف ان بہادروں کو اطمینان دلایا۔ (دمعہ ساکبہ صـ ۳۲۵)

حضرت امام حسین کا ایک اور خطبہ

رات کا ایک حصہ گزر چکا ہے اور تاریکی چھا چکی ہے امام علیہ السلام خیمہ سے برآمد ہو کر اپنے اصحاب کے قریب جاتے ہیں۔ اور ان کے پھر مجتمع ہونے کا حکم صادر

فرماتے ہیں۔ آن واحد میں اصحاب باوفا موجود ہوتے ہیں (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۴۷) آپ ساج کی کرسی پر جلوہ افروز ہو کر اپنے اصحاب سے بادیدۂ پرنم فرماتے ہیں۔ (روضۃ الشہداء ص۳۰۹)

انتم فی حبل من بیعتی فالحقوا بعشائرکم ومواليکم وقال لاهل بيته قد جعلتكم فی حل من مفارقتی فانکم لاتطیقونهم لتضاعف اعدادهم وقواهم وما المقصود غيری فدعونی والقوم فان الله عزوجل يعيننی ولايخلينی من حسن نظره كعاداته فی اسلافنا الطيبين (دمعہ ساکبہ ص۳۲۵ وناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۴۷) تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام

میرے وفادار اصحاب میں نے تم سے بار بیعت اٹھا لیا تم اپنے قبیلوں اور عزیزودستوں میں جا ملو۔ پھر اپنے اہل بیت کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔ میں تمہیں اپنی جدائی کے متعلق مشورہ دیتا ہوں۔ اس لیے کہ تم دشمنوں کی کثرت اور طاقت کی تاب نہ لاسکو گے۔ اور دیکھو۔ دشمن صرف مجھی کو چاہتے ہیں تم مجھے دشمنوں میں چھوڑ کر چلے جاؤ بےشک خدا میری مدد کرے گا۔ اور ہمارے آباؤ اجداد کی طرح ہم پر نظر رحمت رکھے گا۔

اس خطبہ کے بعد بھی جانبازوں نے دلیرانہ جواب دیا لیکن بقول حضرت سکینہ کچھ لوگ ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔

امام حسینؑ نے جنت دکھلادی

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اصحاب باوفا کا جائزہ لینے اور پورا پورا اطمینان کر لینے کے بعد اپنے قریب بلاتے ہیں اور ایک دفعہ پھر فرماتے ہیں کہ تمہاری باتوں سے طوق بیعت اتارے لیتا ہوں۔ یہ رات کا پردہ حائل ہے اسے سپر کے کام میں لاؤ اور اپنی جان بچالو۔ یہ دشمن تو صرف میرا خون چاہتے ہیں۔ جب مجھے قتل کریں گے تو تمہاری طرف رُخ بھی نہ کریں گے۔ قالوا والله لايكون هذا ابداً وہ بولے۔ خدا کی قسم یہ تو کبھی نہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا۔ جو کہتا ہوں۔ اس پر غور کرو۔ کل تم سب کے سب ضرور قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اور ایک بھی نہ بچے گا۔ قالوا الحمد لله الذی شرفنا بالقتل معك عرض کی الحمدللہ کہ ہم آپ کے ساتھ شہید ہونے سے مشرف ہوں گے۔

ثم دعی نقال لهم ارفعوا رؤسكم وانظروا فجعلوا ينظرون الی مواضعهم ومنازلهم من الجنة وهو يقول لهم يا منزلك يا فلان فكان الرجل يستقبل

پھر امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو قریب بلایا اور فرمایا ذرا سر تو اٹھاؤ اور دیکھو۔ انہوں نے سر اٹھایا اور جنت میں اپنی منزل اور جگہ دیکھی آپ فرماتے جاتے تھے کہ اے حبیب، اے زہیر

الرماح والسیوف بصدرہ ووجھہ لیصل الی منزلہ من الجنۃ (وسائل مظفری ص۳۹۲ طبع طہران سنہ ۱۳۲۰ھ) وغیرہ یہ تمہاری جگہ ہے یہ تمہاری جگہ ہے۔ اسی طرح سب کو دکھلا دیا۔ اُسے دیکھنے کے بعد ہر شخص نیزوں اور تلواروں کا اپنے سینہ اور چہرہ سے استقبال کرنے لگا۔ تاکہ جلد سے جلد جنت میں داخل ہوکر اپنی جگہ پائے۔

حسینی بہادروں میں جوشِ شجاعت پہلے ہی کیا کم تھا۔ کہ جنت بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ مرنے کے پہلے ہی مشتاق تھے۔ اب تو اشتیاق حد سے بڑھ گیا۔ دنیا کی تمام کلفتیں۔ مرنے کی موہوم تکلیفیں کافور ہوگئیں۔ اب وہ عالم ہے کہ ایک دوسرے پر سبقت کر رہا ہے۔ اور مسرت قتل سے پھولے نہیں سماتا۔ سچ ہے ؎

شب عاشور شہ نے خطبۂ آخر جو فرمایا
نہ نیند آئی کسی کو رات بھر شوقِ شہادت میں

نایابی آب کی وجہ سے شب عاشور خیام اہلبیت میں اضطراب عظیم

؎ عباس کی شجاعت رہ جاتی تھی تڑپ کر
بچے بلک بلک کر جب مانگتے تھے پانی

اہل بیت رسولؐ اسلام پہ ساتویں محرم سے پانی بند ہے سعی آب کی ہر سبیل غیر مفید ثابت ہوچکی ہے۔ تگ و دو کی گئی۔ کنوئیں کھودے گئے۔ مگر پانی دستیاب نہ ہوسکا۔ عاشور کی رات آگئی ہے۔ پیاسوں کی آنکھوں میں موت کا نقشہ نظر آرہا ہے۔ اضطراب اہل بیت کی کوئی حد نہیں۔ حضرت سکینہ بنت الحسین فرماتی ہیں کہ نویں محرم کا دن گزرنے کے بعد جب رات آئی تو پانی کی نایابی نے ہم لوگوں کو قریب بہ ہلاکت پہنچا دیا۔ خشک برتنوں اور مشکیزوں کی طرح ہماری زبان اور لب بھی خشک ہو گئے۔ اور ایسی حالت پیدا ہوگئی۔ جو برداشت نہ کی جاسکی۔ بالآخر "قمت الی عمتی زینب علیہا السلام اخبرھا بعطشنا لعلھا ادخرت لنا ماءً" میں اور بچوں سمیت اپنی پھوپھی زینبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ تاکہ انہیں اپنی حالت سے آگاہ کرکے پانی کی خواہش کروں۔ شاید وہ کوئی سبیل پیدا کرسکیں۔ "فوجدتھا فی خیمتھا وفی حجرھا اخی الرضیع" میں نے انہیں اپنے خیمہ میں پایا۔ وہ آغوشِ محبت میں میرے بھائی علی اصغر کو لیے ہوئے تھیں اور ان کی حالت یہ تھی۔ "تارۃ تقوم وتارۃ تقعد وھو یظطرب اضطراب السمکۃ فی الماء" کبھی کھڑی ہوتی تھیں اور کبھی بیٹھ جاتی تھیں۔ اور میرا بھائی ان کی آغوش میں اس طرح تڑپتا تھا۔ جس طرح چھوٹی مچھلی پانی میں

تڑپتی ہے۔" دیصرخ وھی تقول صبراً صبراً یابن اخی۔" وہ تڑپتے بھی ہیں اور چلاتے بھی ہیں۔ اور میری پھوپھی انہیں تسلی دیتی ہوئی فرماتی ہیں۔ میرے برادرزادے صبر کرو اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرماتی تھیں:

"وانی لک الصبر وانت علی ھذہ الحالۃ المشئومۃ"

اور تجھے کیونکر صبر آسکتا ہے جبکہ تیری یہ حالت ہے

یعز علی عمتک ان تسمعک ولا تنفعک

اے بیٹا کیا کروں۔ اس بات سے سخت تکلیف ہے کہ میں تیری حالت دیکھتی اور تیرا بیان سنتی ہوں اور کچھ نہیں کر سکتی۔

جناب سکینہ فرماتی ہیں کہ جب میں نے پھوپھی جان کا بیان سُنا اور علی اصغر کی حالت دیکھی تو میں بھی رو پڑی۔ نقالت سکینۃ قلت نعم پھوپھی اماں نے پوچھا کون سکینہ؟ میں نے عرض کی۔ ہاں پھوپھی جان میں ہی ہوں۔ انہوں نے پوچھا کیوں رو رہی ہو۔ میں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اگر اپنی پیاس کا ذکر کیا وہ اور پریشان ہوجائیں گی میں نے کہا اے پھوپھی جان میں ہی ہوں۔ انہوں نے پوچھا۔ کیوں رو رہی ہو۔ میں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اگر اپنی پیاس کا ذکر کیا تو وہ اور پریشان ہو جائیں گی۔ میں نے کہا اے پھوپھی جان لو ارسلتِ الی بعض عیالات الانصار فلعل بماان یکون عند ھم ماء اگر آپ انصار کی عیال کے پاس کسی کو بھیجیں تو شاید کچھ پانی کہیں سے دستیاب ہوجائے۔ یہ سُن کر حضرت زینبؑ نے میرے بھائی کو آغوش میں لیا۔ اور خود میری انگلی پکڑی، اور دیگر پھوپھیوں کے خیموں میں تشریف لے گئیں۔ لیکن کہیں پانی کی کوئی سبیل نظر نہ آئی۔ پھر جب وہ واپس ہو کر بعض فرزندان امام حسنؑ کے خیمہ میں پہنچیں تو آپ کے ساتھ بہت سے اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہو گئے تھے اور سب کو یہ اُمید تھی کہ زینب کہیں سے پانی کی سبیل نکال لیں گی۔ غرض کہ آخر میری پھوپھی زینب نے اصحاب کے خیموں میں پانی کا پتہ لگا لیا۔ مگر مایوسی ہی رہی۔ فلما استیئست رجعت الی خیمتھا ومعھا ما یقرب من عشرین صبیا وصبیۃ جب پانی ملنے سے نا اُمید ہوئی تو اپنے خیمے میں پلٹ آئیں۔ اب آپ کے پاس تقریباً بیس لڑکے لڑکیاں جمع ہو گئے جو سب کے سب حد سے زیادہ پیاسے تھے۔

حضرت سکینہ فرماتی ہیں کہ ہم سب اطفال حسینی خیموں میں رو پیٹ رہے تھے کہ ناگاہ ہمارے خیمہ کی طرف سے بریر ہمدانی گزرے۔ انہوں نے جب ہماری حالت کا مطالعہ کیا تو بے ساختہ رونے لگے

اور سر پر خاک ڈالتے ہوئے دیگر اصحاب سے ملے ۔ اور ان سے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ہاتھوں میں تلواریں ہونے کے باوجود خاندان رسالت کے بچے پیاس سے مر رہے ہیں ۔ میرے دوستو! اگر ہم انہیں سیراب نہ کر سکیں تو وہ پیاس سے مر جائیں تو اس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم لوگ موت سے ہم کنار ہو جائیں ۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم لوگ ان بچوں کے ہاتھ پکڑ لیں اور نہر پر لے چلیں اور انہیں سیراب کرنے کی سعی کریں ۔ یہ سُن کر یحییٰ مازنی بولے میرے خیال میں بچوں کا لے جانا درست نہیں ہے ۔ کیونکہ دشمن حملہ ضرور کریں گے ۔ اگر اس حملہ میں خدانخواستہ کوئی بچہ نذر ہو گیا تو ہم اس کا سبب قرار پائیں گے ۔ بہتر یہ ہے کہ مشکیزے لے لو اور نہر پر چل کر پانی حاصل کرو ۔ پانی دستیاب ہونے پر ان پیاسوں کو سیراب کرو ۔ جناب یحییٰ مازنی کی رائے سب نے پسند کی ۔ اور چار اصحاب مشکیزے لے کر نہر فرات کی طرف روانہ ہو گئے ۔ جن کے قائد جناب بریر ہمدانی تھے ۔ (مائتین فی مقتل الحسین جلد ۱ ص ۲۱۸ طبع لکھنؤ)

شب عاشور جناب بریر ہمدانی پر دشمنوں کی یورش اور حضرت عباس علیہ السلام کا کمک میں پہنچنا

رات کا بہت بڑا حصہ گزر چکا ہے ۔ محافظین نہر سوتے جاگتے ہیں ۔ مجاہدین کرام خدمت حسینؑ سے اپنے خیموں کی جانب روانہ ہو رہے ہیں ۔

حضرت بریر ہمدانی جنہیں "سید القراء" کہا جاتا ہے ۔ خیام اہل بیت کی طرف سے گزرے کانوں میں حسینی پیاسوں کی صدائے "العطش" پہنچی ۔ دل بے چین ہو گیا ۔ بڑھتے ہوئے قدم تھم گئے رمٰی نفسہٗ علی الارض وحثی التراب ۔ اپنے آپ کو زمیں پر دے مارا ۔ اور خاک بر سر ہو گئے ۔ تھوڑی دیر کے بعد اُٹھے ۔ ساتھیوں کے پاس آئے اور آبدیدہ ہو کر بولے : بھائیو! اولادِ رسول کریمؐ اور فرزندانِ ساقی کوثرؑ پیاس سے مرا چاہتے ہیں ۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تلواروں کے قبضے ہمارے قبضوں میں ہوں اور ہم ایک چلّو بھی پانی نہ لا سکیں اور تشنہ لب بچے جان بحق تسلیم ہو جائیں ۔

مجاہدین اٹھ کھڑے ہوئے ۔ اور طے کیا کہ ان بچوں کو نہر فرات پر لے چلیں ۔ اور سیراب کرائیں معاً خیال آگیا ۔ کہ اگر خدانخواستہ کسی بچے کو کوئی گزند پہنچ گئی تو ہم خاتونِ جنت کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہیں گے ۔

بریر کی حسب مرضی قبیلہ ازد کے صرف چار بہادروں پر مشتمل ایک جماعت زیر قیادت ہمدانی نہر فرات کی جانب روانہ ہو جاتی ہے یہ لوگ فرات کے کنارے پہنچے ۔ محافظین نہر نے ان کی آمد محسوس کر

لی۔ پوچھا" من ھولاء القوم۔ یہ لوگ کون ہیں۔ یعنی تم لوگ کون ہو اور کیوں آئے ہو۔ بریر ہمدانی نے دلیرانہ جواب دیا۔ "انا بریر و ھولاء اصحابی" میں بریر ہوں اور یہ میرے ہمراہی اور صحابی ہیں۔ اس نے پوچھا: "کیوں آئے ہو کیا غرض ہے؟" فرمایا: "پانی پینے اور لے جانے آئے ہیں۔" اس نے کہا ٹھہرو ہم اپنے سردار سے دریافت کرلیں اگر اجازت ملے گی تو پانی لے جانے کی سبیل پیدا ہو جائے گی ورنہ ناممکن ہوگی۔ ایک شخص محافظین نہر کے سردار اسحاق بن حیشوہ کے پاس گیا جو بریر رحمۃ اللہ علیہ کا رشتہ دار تھا اور کہا بریر پانی پینے اور خیامِ حسینی تک لے جانے کے لیے آئے ہیں۔ اس نے کہا افرجوا لھم الشرعۃ پانی پینے کے لیے گھاٹ خالی کر دو۔ جتنا جی چاہے پی لیں۔ لیکن لے جانے نہ پائیں۔

اجازت ملی۔ پانی میں اُترے۔ پانی کی ٹھنڈک نے دل پگھلا دیئے۔ بریر نے پانی پیے بغیر اپنے ساتھیوں سے کہا مشکیزے جلدی بھرو۔ اور چل کھڑے ہو۔ فقد ذابت قلوب اطفال الحسین اس لیے کہ فرزندِ رسولؐ کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے دل پیاس سے پگھلے جارہے ہیں۔

بریر کی آواز ایک دشمن نے سُن لی۔ اور پکار کر کہا تمہیں پانی پینے کی اجازت دی گئی ہے۔ تم پانی لے جا نہیں سکتے۔ میں فوراً اسحاق کو باخبر کرتا ہوں۔ لیکن یہ بھی سُن لو کہ اگر اس نے بہ پاسِ قرابت پانی لے جانے کی اجازت بھی دے دی تو بھی نہ لے جانے دوں گا۔

حضرت بریر نے اپنا لہجہ کمال سیاست کی بنا پر نرم کر کے اسے گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن وہ گرفت میں نہ آیا۔ اور اس نے اسحاق کو خبر کردی۔ اسحاق نے حکم دیا پانی لے جانے سے روکو۔ اور اگر نہ مانیں تو میرے پاس گرفتار کر کے لاؤ۔ وہ آیا اور اس نے مشکیزے سے پانی بہا دینے کا مطالبہ کیا۔ حضرت بریر نے فرمایا: "اراقۃ الدماء اسھل من اراقۃ الماء" خدا کی قسم میں پانی بہانے سے اپنا خون بہانا بہتر سمجھتا ہوں میں نے ایک قطرہ بھی پانی نہیں پیا۔ ہماری پوری غرض خیامِ حسینی تک پانی پہنچانا ہے جب تک دم میں دم ہے۔ ہمارے مشکیزوں کو کوئی نظر بھر کر بھی دیکھ نہیں سکتا۔

ان لوگوں کے ارادے معلوم کرنے کے بعد دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان بہادروں نے اپنے مشکیزے زمین پر رکھ دیئے۔ اور اس کے گرداگرد گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہوگئے۔ تیر باراں کا حکم ہوا اور تیر برسنے لگے۔ ایک بہادر نے مشکیزہ اُٹھا کر کندھے پر رکھ لیا۔ اور چاہا کہ جلدی سے نکل کر تا بخیام پہنچ جاؤں۔ اتنے میں ایک تیر کندے پر آلگا۔ تسمہ کٹ گیا، اور خون جاری ہوگیا اور قدم تک پہنچا۔ اس نے بڑی خوشی کے ساتھ کہا۔ الحمد للہ الذی جعل رقبتی وقاء لقربتی۔ تمام تعریفیں اس خُدا کے لیے ہیں۔ جس نے میری گردن کو مشکیزہ کے لیے سپر بنا دیا۔ یعنی میری گردن چھدی تو

پھٹی مشکیزہ تو بچ گیا

ابھی تک اُن بہادروں کی تلواریں نیام میں ہیں۔ لیکن حضرت بریر اب سمجھ چکے ہیں۔ اور ان کے اطفال و عورات بھی پیاسے ہیں۔ ہمیں پانی تو لے جانے دو۔ ان لوگوں نے جواب دیا۔ حسینؑ اور ان کے بچوں کے لیے فرات کا پانی ہم نے حرام کر دیا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ تم پانی لے جا سکو۔ بریر نے کہا دیکھو ہماری تلواریں اب تک نیام میں سو رہی ہیں۔ انہیں بیداری کا موقع نہ دو۔ ورنہ بڑی خونریزی ہوگی۔

دشمن پانی روکنے میں مبالغہ کر رہے ہیں۔ اور یہ پانی لے جانے پر اصرار۔ بات بڑھی آواز بلند ہوئی حضرت امام حسین علیہ السلام کے گوش مبارک تک صدا پہنچی۔ آپ نے ارشاد فرمایا الحقوا۔ اے عباس کچھ لوگوں کو لے کر بریر کی کمک میں جلد پہنچو۔ وہ دشمنوں میں گھر گئے ہیں۔ حضرت عباس چند اصحاب کو لے کر بریر کی مدد کو چلے اور ان کے ہمراہ بعض محافظین خیمہ گاہ بھی ہوئے۔ عمر بن حجاج نے جب یہ دیکھا تو اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ اگرچہ رات ہے مگر تیر بارانی شروع کر دو۔ حکم پاتے ہی دشمنوں نے تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ بریر نے بڑھ کر ایک مشکیزہ اُٹھا لیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرے اردگرد جمع ہو جاؤ۔ تاکہ تیر مشکیزہ تک نہ پہنچ سکے۔ اور پانی بہنے سے بچ جائے

بریر مشک لیے ہوئے اپنے ساتھیوں کے درمیان میں ہیں۔ اور ساتھی آپ کے اردگرد ہیں۔ جس قدر تیر آتے ہیں۔ یہ بہادر اپنے سینوں پر لیتے ہیں۔ اور مشکیزہ تک کسی تیر کی رسائی نہیں ہونے دیتے۔ بریر ہمدانی کے سات تیر لگ چکے ہیں۔ لیکن مشکیزہ اب تک محفوظ ہے۔ قضا را ایک تیر بڑی تیزی کے ساتھ اڑتا ہوا ایک بہادر کے سینے پر لگا۔ اور سینے کو توڑ کر پار ہو گیا اور بریر کی گردن پر جا لگا۔ لوگ گھبرا گئے اور یہ سمجھے کہ تیر مشکیزہ پر لگ گیا ہے۔ حضرت بریر سے پوچھا۔ ذرا بتاؤ تو سہی کہ یہ تیر کہاں لگا۔ بریر نے کمال عقیدت سے جواب دیا کہ مشکیزہ بچ گیا۔ الحمدللہ یہ تیر میری گردن پر لگا ہے۔

الغرض کمک پہنچ گئی۔ دشمن کے دل چھوٹ گئے۔ ان حضرت نے دشمنوں کو ہٹا دیا۔ اور بریر وغیرہ کو ہمراہ لے آئے۔

حضرت بریر مشکیزہ لیے ہوئے خیمہ کے قریب پہنچے۔ "فجاء بریر بالماء حتی دنا بالخیمۃ فرمی القربۃ وقال اشربوا یا آل الرسول" اور پکار کر کہا اے رسول اکرم صلعم کے چھوٹے چھوٹے پیاسے بچو۔ آؤ۔ پانی آ گیا بخوشی پیو۔

بچوں میں شور مچ گیا۔ ایک دوسرے کو پکارنے لگے۔ ھذا بریر جاءنا بالماء آؤ آؤ۔ بریر

پانی لائے ہیں۔ تمام بچے دوڑ پڑے "ورمین انفسھن علی القربۃ۔ اور اپنے کو مشکیزہ پر گرادیا کوئی مشکیزہ کو آنکھوں سے۔ کوئی رخسار سے۔ کوئی پہلو سے لگانے لگا۔ مشکیزہ پر دباؤ پڑا۔ اور اس کا دہانہ بند "الٹ گیا۔ منہ کھل گیا۔ اور سارے کا سارا پانی پیاسوں کے سامنے زمین پر بہ گیا۔ بچے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ اور سب نے مل کر آواز دی۔" ارے بریر پانی بہ گیا"

بریر اس آواز کو سنتے ہی جعل یلطم وجھہ منہ پیٹنے لگے۔ اور بڑی مایوسی اور زبردست افسوس کے ساتھ رو کر کہا "واھفاہ علی اکباد بنات رسول اللہ ہائے کس عرق ریزی سے پانی دستیاب ہوا تھا۔ مگر افسوس کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی اولاد سیراب نہ ہو سکی۔

غرض کہ پانی زمین پر بہ گیا اور چھوٹے چھوٹے بچے کمال تشنگی کی وجہ سے اس تر زمین پر گرنے لگے۔ حضرت عباس علیہ السلام نے اس حشر آفرین واقعہ کو اپنی نظروں سے دیکھا۔ اور بے تاب ہو کر نہایت مایوسی کے عالم میں کف افسوس ملنے لگے۔ (مائتین ص۳۱۶ ص۳۲۳ و مواعظہ حسنہ ص۲۸۳ ۲۸۵ طبع جالندھر ۱۹۳۹ء۔ کبریت احمر ص۳۴۔ توضیح عزا ص۱۹۱)

عباس الاصغر کی شہادت غالباً شب عاشور کی اس آخری پانی کی جدوجہد میں عباس الاصغر نامی حضرت علی علیہ السلام کے ایک صاحبزادے کام آگئے ہیں۔ جن کو بعض لوگوں نے غلطی سے عباس الاکبر علیہ السلام سمجھ کر لکھ مارا۔ کہ حضرت عباس علمدار شب عاشور شہید ہوئے ہیں (نور العین) یہ سراسر غلط ہے۔ یہ دھوکا بظاہر نام کی وجہ سے ہو گیا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کے دو بیٹوں کا نام عباس تھا۔ علمدار کربلا کو عباس الاکبر اور دوسرے بیٹے کو عباس الاصغر کہتے تھے۔ (المشرع الروی ص۲۷ طبع مصر ۱۳۲۳ھ و ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۸۹ طبع بمبئی)

حضرت زینبؑ کا اضطراب حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے خیمہ میں تشریف فرما ہیں اور آپ کے پاس ابو ذر غفاری کے غلام جناب جونؑ[1] بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے بقول بعض مورخین کچھ اشعار پڑھے جن کے الفاظ کی بندش سے موت کا نقشہ نظر آرہا تھا۔ حضرت زینبؑ نے جو حضرت زین العابدین علیہ السلام کی تیمارداری میں مشغول تھیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اشعار سن لیے اور بے انتہا مضطرب ہو کر بھائی کے پاس آئیں "بھیا آپ تو اپنی شہادت کی خبر دے رہے ہیں امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔

اے بہن! موت ہر ایک کے لیے ہے اور مجھے بھی بہر صورت مرنا ہے۔ اور لاریب یہ میری آخری رات ہے حضرت زینب بے انتہا رنجیدہ ہوئیں اور رونے لگیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے

---

[1] جون کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الغفاری مصنف حقیر مطبوعہ لاہور

علامہ محمد باقر بحوالہ مفید لکھتے ہیں:

فقام لیلته کلها یصلی ویستغفر و یدعو ویتضرع وقام اصحابه کذالك یصلون ویدعون ویستغفرون (دمعہ ساکبہ ص۲۳۶۔ ناسخ التواریخ جلد ۲ ص۲۴۸)

پھر آپ ساری رات نماز پڑھتے۔ استغفار اور دعا اور تضرع کرتے رہے اور آپ کے تمام اصحاب بھی نماز و دُعا اور استغفار میں مشغول رہے۔

علامہ اربلی رقمطراز ہیں کہ:

حضرت امام حسین علیہ السلام نے تمام عورات و اہل بیت کو شکیبائی کی وصیت فرمائی۔ اور بیمار امام حضرت زین العابدین کو باخبر کیا کہ میری نسل سے تم تنہا باقی رہ جاؤ گے۔" پس فرمایا اس کے بعد مشغول بہ عبادت ہو گئے۔ (سیر الائمہ ترجمہ کشف الغمہ ص۸۰)

مورخین لکھتے ہیں:

فبات الحسین واصحابه تلك اللیلة لهم دوی کدوی النحل مابین راکع وساجد وقاعد (دمعہ ساکبہ ص۳۲۵۔ تاریخ کامل جلد ۴ ص۲۳۔ مقتل عوالم ص۸۰۔ طبری۔ صلاح النشتین۔ ابی مخنف صواعق محرقہ۔ ینابیع المودۃ۔ اعثم کوفی۔ روضۃ الصفا۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۴۳ وغیرہ)

حضرت امام حسین علیہ السلام اور اُن کے اصحاب بقیہ ساری رات عبادت کرتے رہے۔ کبھی رکوع، کبھی سجود۔ کبھی قیام کبھی قعود میں مشغول رہے۔ اور ان کی عبادت کی آواز ایسی معلوم ہوتی تھی۔ جیسی شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ۔

شبِ عاشور حضرت عباس علیہ السلام کی چہارگانہ عبادت غرضکہ اب رات کا جو حصہ بھی باقی ہے وہ عبادت میں گزر رہا ہے۔ یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اہل بیت اور اصحاب سب بہ نیت عبادت کو رخصت کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام بھی سر بسجود عبادتِ خداوندی میں مشغول ہیں۔ لیکن آپ نماز۔ دُعا کے علاوہ فریضہ عبادت گزاری کو دوسرے طریقوں سے بھی ادا فرما رہے ہیں۔ علامہ محمد باقر قاینی کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ نے شبِ عاشور چار قسم کی عبادت میں گزاری۔

پہلی قسم تو یہ ہے کہ آپ اپنے برادر محترم حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرح محوِ عبادت ہوتے ہیں کبھی رکوع، کبھی سجود۔ کبھی قیام کبھی قعود فرماتے ہیں کبھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں کبھی تضرع وزاری کرتے ہیں۔

دوسری قسم یہ ہے کہ آپ مصلّے سے اُٹھ کر فوراً خیام اہلبیت کا طلایہ پھرتے ہیں اور حفاظت خیام میں سارا انہماک صرف کر دیتے ہیں۔
حضرت عباس علیہ السلام کو چونکہ سرکار حسینی سے تمام اختیارات اور ذمہ داریاں حاصل تھیں لہٰذا آپ مجبوراً اپنے رُخ عبادت کو حفاظتِ عترتِ رسولؐ کی طرف موڑ دیتے ہیں۔
تیسری قسم یہ ہے کہ آپ خندق میں لکڑیوں کو مرتب طور پر جمع کرتے ہیں اور بروقت جمع شدہ لکڑوں میں اس خیال سے آگ دیتے ہیں کہ دشمن شب خون نہ ماریں۔
چوتھی قسم یہ ہے کہ آپ اپنے بھائیوں نیز دیگر بنی ہاشم کو جمع کرکے فرماتے ہیں کہ دیکھو کل امتحان کا دن ہے۔ تم اس طرح دلیری سے کام لینا کہ دُنیا انگشت بدندان ہو جائے۔ اور اس کی پوری کوشش کرنا کہ سب سے پہلے شہادت نصیب ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اصحاب سبقت لے جائیں۔ اور دُنیا کہے کہ حسینؑ نے اصحاب کو پہلے کٹوا دیا۔ (کبریت احمر صد ۹۱)
حضرت زینبؑ جناب عباسؑ کے خیمہ میں اس میں کوئی شک نہیں کہ جس طرح حضرت عباس کو سکون اور چین نصیب نہ تھا۔ اسی طرح حضرت زینب صلوٰت اللہ و سلامہ علیہا بھی بے چین تھیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ نصب شب گزرنے کے بعد میں اپنے خیمہ سے کمال اضطراب میں نکل کھڑی ہوئی۔ اور اپنے برادر بجان برابر حضرت عباسؑ کے خیمہ میں گئی۔ دیکھا کہ آپ شیرانِ بنی ہاشم کے ایسے حلقہ میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ لا یعرف طرفھا جس کا کنارہ معلوم نہیں ہوتا اور فرما رہے ہیں۔ یا اخوانی دبنی اعمامی اسمعوا کلامی اے میرے بھائیو! اور اے چچا کے بیٹو! میری بات کان دھر کے سنو، چوں فردا شود وبنائے محاربہ و قتال شود۔ اول کسے کہ قدم در عرصہ رزم گزارد۔ شما بنی ہاشم باشید۔ تا آنکہ مردم نہ گویند کہ جمعے را خواستند بیارے خود واز برائے ایشاں مرگ و برائے خود حیات را خواستند" دیکھو کل جب محاربہ اور قتال چھڑ جائے یا جائے۔ تو اے بنی ہاشم تم لوگ سب سے پہلے رزم گاہ میں اپنے کو پہنچا کر جان دے دینا۔ تاکہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ لوگوں کو مدد کے لیے بلا کر ان کے لیے موت اور اپنے لیے زندگی کی فکر کی۔ پس فتیاں ہمہ گفتند مطیع امرِ تو مے باشیم۔ سب لوگ بیک زبان بول اٹھے۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم آپ کی پوری پوری اطاعت کریں گے۔ (کبریت احمر صد ۱۱)
ملا مشہدی لکھتے ہیں کہ :
ایک خیمہ میں حضرت عباس بن علی جوانانِ بنی ہاشم کو حق کی حمایت کے لیے جان دینے

باطل کی مخالفت میں کمر باندھنے۔ واجباتِ دین کو تلواروں کے سایہ میں بجالانے۔ مصیبت میں صبر غصہ میں حلم۔ کلام میں سچائی۔ افعال میں دیانتداری اور ادائے فرائض میں مستعدی ظاہر کرنے تلوار کی دھار کے نیچے بھی امام زمانہ کی متابعت میں ثابت قدم رہنے کی تلقین فرما رہے تھے۔ الخ
(منظومہ کربلا صہ ۲۷ طبع لاہور)

حضرت زینب فرماتی ہیں کہ پھر میں نے اصحاب کے خیمہ کی طرف نظر کی۔ تو دیکھا کہ حبیب بن مظاہر نے تمام اصحاب کو اپنے خیمہ میں جمع کر دیا ہے اور کہہ رہے ہیں کہ "اے اصحاب حسینؑ اور اے میرے بھائیو۔ دیکھو۔ کل جب جنگ و جدال۔ حرب و قتال کی نوبت آ پہنچے تو تم لوگ دین اسلام پر نثار ہونے میں جلدی کرنا۔ ایسا نہ ہو کر بنی ہاشم میں سے کوئی بھی تم پر سبقت لے جائے۔" زیرا کہ ایشاں سادات و بزرگانِ ما باشد "فاذا قتلنا قضینا ما علینا۔" اس لئے کہ یہ لوگ سادات اور ہمارے بزرگ ہیں۔ جب ہم کام آجائیں گے تو اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ پھر جو بھی ہو۔ اس پر ہماری ذمہ داری نہ ہو گی۔ ان اصحاب نے بہ یک زبان کہا: القول قولک جو آپ فرماتے ہیں بالکل درست ہے اور یہی ہو کے رہے گا۔ چنانچہ یہی ہوا اصحاب نے کسی طرح اہل بیت میں سے کسی ایک کو بھی اپنے سے پہلے رزمگاہ میں جانے نہ دیا۔

(کبریت احمر صہ ۱۱۱)

خیمہ گاہ حسینی کی عورتوں کا انداز عبادت اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعات کربلا کے فروغ میں عورتوں کا بھی ہاتھ ہے۔ بڑی بے انصافی ہو گی۔ اگر اس مقام پر عورتوں کی عبادت کا ذکر نہ کیا گیا۔

عورتیں نماز و دعا میں مشغول ہیں۔ جب اس قسم کی عبادت سے فرصت پاتی ہیں۔ تو ایک دوسرے انداز کی عبادت شروع کر دیتی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

"خیام اہل بیت میں اسلام کی کامل الایمان بیبیاں محبت رسولؐ کی راسخ الاعتقاد ہستیاں۔ دین الٰہی پر مر مٹنے والیاں۔ خاتونِ جنت کی محبت کی متوالیاں۔ قربان گاہ اسلام پر قربانی چڑھانے۔ جانِ رسولؐ کا فدیہ پیش کرنے۔ اپنی پیاری بی بی فاطمہ زہرا کی جان پر سے صدقہ اتارنے کے لیے اپنے جگر کے ٹکڑوں پیارے لاڈلوں کو تیار کر رہی ہیں۔ بال سنوارتی ہیں۔ زلفوں کو کنگھی کرتی ہیں۔ چاند سے مکھڑوں کو چومتی ہیں۔ پیاسے ہونٹوں کو بوسہ دیتی ہیں۔ اور کہتی ہیں کہ اے پیارے بچو۔ جگر کے ٹکڑو۔ ماں کی آنکھ کے تارو۔ راج دلارو۔ کل قربانی کا دن ہے۔ جان رسول پر فدا ہونے کا روز ہے بس یہی تمنا

ہے اور یہی آرزو ہے کہ تم دولہا بنو۔ زخموں کے پھول تمہارے جسم پر ہوں۔ شربت شہادت پیو۔ تلواروں سے کھیلو۔ نیزے کھاؤ۔ خون میں نہاؤ۔ دین الٰہی اسلام محمدیؐ کی قربانی بنو۔ اور جان رسولؐ۔ فرزند بتول آقا حسین پر فدا ہو جاؤ اور ہم کو ہماری بی بی خاتونِ جنت۔ بنت رسولؐ حضرت فاطمہ زہرا سے سرخرو کر جاؤ۔ حسینؑ کے فدیہ بن جاؤ گے تو ہمارا دودھ تم کو حلال ہوگا۔ اور تمہاری لاشوں پر ہم آئیں اور تمہاری خون بھری تصویروں کو دیکھ کر خون کے آنسو بہا کر خدائے جلیل کی بارگاہ میں اس فدیہ قربانی کی قبولیت کا سجدہ شکر ادا کریں اور اپنا دودھ تم کو بخشیں ۔

خیمہ میں بچوں کو یہ سمجھا رہی ہیں بیبیاں ۔۔۔ اے ہمارے نونہالو کل ہے روزِ امتحاں
ظلم و عدل اور باطل و حق کفر و دیں میں ہے جنگ ۔۔۔ وہ پڑے گا رن کہ مٹ جائیں گی اکثر بستیاں
راہ حق میں جو مرا سمجھو کہ زندہ ہو گیا ۔۔۔ مٹ نہیں سکتا زمانہ سے کبھی نام و نشاں

ہیں وہی سردار قوم و محسن دین مبین ۔۔۔ جن کے لاشے کل نظر آئیں گے ریتی پر تپاں
تم پہ جو بیتا پڑی تھی کٹ گئی صد شکر حق ۔۔۔ اب ہے سیر باغ جنت اور عیش جاوداں
پیاس کیسی بھوک کیا ہو تم ہو ہاشم کے سپوت ۔۔۔ کاٹ ہی ڈالو اگر ہونٹوں پہ پھر جائے زباں

کر دیا ہے حاکم گمراہ نے اعلان جنگ ۔۔۔ شام تک تم واقعی بچے تھے پر اب ہو جواں
گر نہیں آتا لڑائی کا ہنر تو سن رکھو ۔۔۔ تیغ ہیں یوں باندھتے اور اس طرح تیر و کماں
زین پر یوں بیٹھو جیسے ہو انگوٹھی پر نگیں ۔۔۔ باگ ہو بائیں میں دائیں سے دو نیزے کو تکاں

ماشاء اللہ تم مجاہد۔ تم سپاہی ۔ تم جری ۔۔۔ تم جیلے منچلے جانباز۔ غازی پہلوان
اے جگر کے ٹکڑو اے معصوم رو حو۔ دلبرو ۔۔۔ تم امید بن ہو ہماری قوم کی قربانیاں

موت ہے جینا فقط لذات فانی کے لیئے
آدمی مرجائے عیش جاودانی کے لیے

(فاران سلام ص ۱۲۰) (ہلال محرم)

مجاہدین کربلا کی آخری سحر شب عاشور گزر رہی ہے سفیدہ سحری نمودار ہو رہا ہے۔ شہدائے کربلا کی زندگی کی آخری سحر طالع ہوا چاہتی ہے۔ کہ ناگاہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر غنودگی طاری ہوگئی۔ آپ نے ایک حیرت ناک خواب دیکھا جس میں آپ کے قاتل کی پہچان بتائی گئی تھی۔ مورخین لکھتے ہیں،

فلما كان وقت السحر خفق الحسين عليه السلام خفقة ثم استيقظ وقال اتعلمون ما رايت فی منامی الساعة فقالوا ما الذی رايت يا ابن رسول الله فقال عليه السلام رايت كان كلاباً قد اشتدت علی لتنهشنی وفيها كلب ابقع رايته اشدها علی واظن الذی يتولی قتلی رجل ابرص من بين هؤلاء القوم ثم انی رايت بعد ذلك جدی رسول الله صلی الله عليه

جب سحر کا وقت آیا۔ امام حسین علیہ السلام پر غنودگی طاری ہوئی۔ پھر آپ بیدار ہوگئے اور فرمایا تم لوگ جانتے ہو کہ اس وقت میں نے خواب میں دیکھا ہے لوگوں نے عرض کی حضور آپ ہی فرمائیں۔ ارشاد ہوا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ بہت سے کتے شدت کے ساتھ مجھ پر حملے کر رہے ہیں اور ان کتوں میں ایک ابلق رنگ کا مبروص کتا ہے جو انتہائی سختی کے ساتھ مجھ پر حملہ آور ہے میں گمان کرتا ہوں کہ میرا قاتل مبروص ہوگا اس کے

لہ علامہ دمیری لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا۔ کہ خواب کی تعبیر کے ظہور کی مدت کتنے سال ہے فرمایا پچاس سال۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلعم نے خواب میں دیکھا تھا۔ کہ ان پر ایک کلب ابقع نے حملہ کیا ہے اور خون میں لتھڑا ہوا ہے۔ فاوله بان رجلا يقتل الحسين ابن بنته۔ تو آپ نے اس کی تاویل کرکے یہ تعبیر دی تھی کہ میری لخت جگر فاطمہ کے فرزند حسین کو جو قتل کرے گا وہ مبروص ہوگا۔ چنانچہ آپ کو شمر ملعون نے قتل کیا جو مبروص تھا (حیوۃ الحیوان جلد ۱ ص۱۵ طبع مصر ۱۳۱۹ھ)

علامہ اسفرائنی لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے سینہ اقدس پر شمر ملعون سوار ہوا۔ تو آپ نے آنکھیں کھول دیں اور پوچھا کیا ارادہ ہے۔ اس نے کہا قتل کروں گا۔

فقال له الحسين اكشف لی عن لثامك فكشفه فاذا هو ابرص اعور ابقع له بوز كبوز الكلب وشعر كشعر الخنزير فقال الحسين الله اكبر لقد صدق جدی (نور العين ص ۱ طبع بمبئی ۱۲۹۲ھ)

حضرت نے فرمایا ذرا اپنے کپڑے تو ہٹا۔ اس نے ہٹایا تو معلوم ہوا کہ وہ مبروص اور کانا ہے۔ اس کی شکل کتے کی جیسی اور بال سور کے جیسے ہیں۔ حضرت نے فرمایا اللہ اکبر۔ میرے نانا نے درست فرمایا تھا۔

والہ وسلم ومعہ جماعۃ من اصحابہ وھو یقول لی یابنی انت شھید آل محمد وقد استبشر بک اھل السموٰت واھل الصفیح الاعلیٰ فلیکن افطارک عندی اللیلۃ عجل ولا تؤخر فھذا ملک قد نزل من السماء لیاخذ دمک فی قارورۃ خضراء فھذا ما رایت وقد ازف الامر واقترب الرحیل من ھذہ الدنیا لاشک فی ذالک

(معدن کبہ ص۳۲۳ - بحوالہ بحار و مناقب وجلاء العیون ص۲۰ ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۴۳ طبع بمبئی)

بعد میں نے اپنے نانا جان کو خواب میں دیکھا وہ فرماتے ہیں کہ اے بیٹا تو عنقریب شہید ہو جائے گا اور اے بیٹے! اہل سماوات تیرے انتظار میں ہیں لہٰذا تمہیں چاہیئے کہ جلد سے جلد یہاں پہنچنے کی کوشش کرو۔ اور آج شام کا افطار میرے پاس آکر کرنا۔ اور یہ ملک ہے جو آسمان سے اس لیے اترا ہے کہ تمہارا خون اس سبز شیشی میں لے لے۔ میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ جس سے سمجھتا ہوں کہ عنقریب اس دنیا سے میرا کوچ ہونے والا ہے۔

علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ

حضرت امام حسین علیہ السلام نے حکم نافذ کرتے ہوئے فرمایا کہ اب جبکہ اصحاب کی مہم اس حد تک پہنچ چکی ہے تو بروند وبقیۂ کہ از شب ماندہ بطاعت وعبادت گزرانید و صباح حاضر گردند :۔ اب اپنے اپنے خیموں میں واپس جاکر یہ بچی ہوئی رات بھی عبادت واطاعت میں گزاریں پھر صبح کے وقت آجائیں۔ تاکہ آخری نماز باجماعت ادا کرلیں۔ اس لیئے کہ آج صبح والی نماز باجماعت آخری ہوگی۔

الغرض سب کے سب اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ اور عبادت گزاری میں مشغول ہوئے آج کی رات عبادت خداوندی میں بنالہ وآہ گزاری۔

جب صبح کا ابتدائی حصہ ظاہر ہوا۔ تو آسمان سے یہ آواز آئی یاخیل اللہ ارکبی اے سواران خداوندی اپنے گھوڑوں کی زینیں لے لو۔ مرنے کا وقت بالکل قریب آپہنچا ہے۔ "ام کلثوم ہمچو ہوشاں جوشاں وخروشاں خود را در خیمہ حسین انداخت" یہ سن کر ام کلثوم افتاں وخیزاں از خود رفتہ امام حسین کے خیمہ میں جا پہنچی۔ اور کمال پریشانی کی حالت میں بھائی سے عرض کی بھائی جو صدا اب آسمان سے آئی۔ آپ نے سنی۔ حضرت نے فرمایا۔ ہاں میں نے بھی سن لی ہے اور اے بہن! اس سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ میں نے ابھی ابھی جب کہ میری آنکھ لگ گئی تھی۔ خواب میں دیکھا ہے کہ مجھ پر بہت سے کتے حملے کر رہے ہیں اور ان میں

ایک کُتا ایسا ہے جو سب سے زیادہ حملہ آور ہے۔ میرا دل بول رہا ہے کہ وہی مجھے ہلاک کرے گا۔ پھر اسی کے دوران میں سرکارِ دوعالم کو دیکھا۔ کہ وہ فرماتے ہیں اے شہید آلِ محمدؐ! تیرے استقبال کے لیے انبیاء مرسلین جمع ہیں۔ آج کی رات میرے پاس گذارنا۔ یہ سن کر حضرت اُم کلثوم کا گریہ گلوگیر ہوگیا۔ آپ نے فرمایا اے بہن! سب عورتوں اور بچوں کو جمع کرو کہ میں پھر ایک دفعہ انہیں وداع کر لوں۔

جب لوگ جمع ہوئے۔ حضرت نے ہر ایک کو رخصت کیا اور سب سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئے۔ تمام بیبیوں میں رونے کا کہرام برپا ہوگیا۔ اُم کلثوم نے عرض کی بھائی جان۔ نانا کے بعد بابا اور بابا کے بعد بھائی حسن اور آپ کی ہستی۔ پھر بھائی حسن کے بعد آپ کا وجود ذی جود رہا جو ہم لوگوں کے درد کی دوا تھا۔ اب ہم لوگ کیا کریں گے ؎

فریاد ازاں روز کہ بابے تو بمانیم
دراں زوبیت عمر بہ حسرت گزرانیم

یہ باتیں غم و حسرت سے بھری ہوئی ہو ہی رہی تھیں کہ صبح ہوگئی۔ (روضۃ الشہداء صد۳۱۳ طبع بمبئی ۱۲۸۵ھ۔ مہیج الاحزان صد۱۱۲)

---

۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ یوم جمعہ

صبح عاشور

ع طلوعِ صبح محشر تھی طلوعِ صبحِ عاشورا

عاشور کی تیرہ بخت رات تم کناں رخصت ہوئی۔ گریبانِ صبح چاک ہوا حضرت امام حسین علیہ السلام اور لبتولے حضرت علی اکبر نے اذان کہی۔ اصحاب و اعزا جمع ہوگئے۔ اقامت کہی گئی اور نماز جماعت شروع ہوگئی۔ (روضۃ الشہداء و مہیج الاحزان) ؎

صبح عاشورا نمازِ عشق پڑھنے شہ چلے
جتنے تھے اکبر کی وہ شانِ اذاں دیکھا کیے

لشکرِ مخالف کی ترتیب ادھر اللہ والے نماز میں مشغول ہیں۔ ادھر لاتعداد انسان امر من یزید کے پجاری نمازیوں کے خون بہانے کی خاطر فریضۂ ترتیب لشکر میں سرتاپا لگے ہوئے ہیں ؎

دشمناں چوں ریگِ صحرا لاتعد
دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد (اقبال)

مورخ لکھتے ہیں کہ عمر بن سعد نے اپنے اسّی ہزار لشکر (مقتل ابی مخنف ص۲۶۸) کو یکجا کرنے کے بعد یوں ترتیبی تقسیم کی میمنہ بیس ہزار۔ میسرہ بیس ہزار اور بقیہ قلب لشکر اور میمنہ کا سردار شمر بن ذی الجوشن۔ میسرہ کا خولی بن یزید اصبحی کو قرار دیا۔ پھر ان میں بھی یہ انتظام کیا۔ کہ سواروں اور پیادوں کے الگ الگ افسران مقرر کئے سواروں کا سردار عروہ بن قیس اور پیادوں کا شیث بن ربعی کو قرار دیا۔ اور علم فوج اپنے غلام دوید کو دیا۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۴۹ دمعہ ساکبہ ص۳۲۶) ترتیب لشکر کے بعد جنگ کا بگل بجنے لگا۔

نماز کے بعد امام علیہ السلام نماز سے فارغ ہوئے۔ بعد سے کوس ”کا آواز“ میں پہنچی۔ علامہ اربلی وکاشفی لکھتے ہیں کہ ہنوز تعقیب نہ خواندہ بود۔ کہ آواز کوسِ حرب ارتشکر دشمن برخواست ختم نماز کے بعد دعا اور تعقیب بھی شروع نہ کرنے پائے تھے کہ بگل کی آواز کانوں میں آنے لگی۔ (اسیرلاکمہ ص۔ روضۃ الشہداء ص۳۱۳) امام علیہ السلام فوراً مصلّے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اپنے اصحاب و عزا سے فرمایا۔ میرے بہادرو۔ سنو۔ آج کے دن زین العابدین کے علاوہ ہم تم سب شہید ہو جائیں گے کمر ہمت باندھو اور نکل پڑو۔ (جلاء العیون ص۲۰۱)

خندق میں آگ دے دی گئی حسینی بہادر آلاتِ حرب سے آراستہ ہو کر باہر نکل پڑے۔ امام علیہ السلام نے حکم دیا کہ سب سے پہلے خندق میں آگ دے دو۔ آگ دے دی گئی اور شعلے بھڑکنے لگے (دمعہ ساکبہ ص۳۲۶)

حسینی لشکر کی ترتیب پھر امام علیہ السلام نے اپنے تین دن کے پیاسے چھوٹے سے لشکر (جو صرف بہتر بہادروں پر مشتمل تھا) کی ترتیب یوں فرمائی۔ میمنہ بیس بہادر۔ میسرہ بیس بہادر بقیہ قلب لشکر۔ اور میمنہ کے سردار جناب زہیر بن قین اور میسرہ کے حضرت حبیب ابن مظاہر کو قرار دیا اور عہدہ علمبرداری پر حضرت عباس علیہ السلام کو ممتاز فرمایا۔ مورخین لکھتے ہیں۔ جعل المیمنۃ لزھیر والمیسرۃ لحبیب واعطی الرایۃ اخاہ العباس یعنی میمنہ حضرت زہیر علیہ السلام کے سپرد فرمایا۔ اور میسرہ حضرت حبیب کے حوالہ کیا۔ اور رایت فوج اور علم لشکر حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کو دیا ؎

بے ساختہ شہ بولے کہ لو بھائی مبارک ۔ پیاسی ہے سکینہ تمہیں سقائی مبارک

(ابصار العین ص۲۹ طبع نجف اشرف ۱۳۴۱ھ تحفہ حسینیہ ص۱۲۸۔ دمعۂ ساکبہ ص۳۲۷۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۴۹
العیون ص۲۰ الاخبار الطوال ص۲۰۳)

منشی اسیر لکھنوی فرماتے ہیں ؎

بہ ترتیب سپہ آں شاہ پرداخت   بہ تزئین کواکب ماہ پرداخت
مہ روئے زہیر از میمنہ یافت   حبیب ابن مظاہر میسرہ یافت
علم در دستِ عباس دلاور   بسانِ حمزہ در فوج پیمبر

(کربلا نامہ ص۲۶ طبع نولکشور ۱۲۹۶ھ)

علامہ شیخ جعفری شوشتری تحریر فرماتے ہیں:

جب صبح عاشورا نمایاں ہوئی تو سرکار سید الشہداء اپنے اصحاب کے ساتھ نماز کے لئے آمادہ ہوئے۔ پانی نہیں تھا تیمم کیا۔ آنحضرت ایک خاص مؤذن رکھتے تھے۔ جن کا نام حجاج ابن مسروق تھا جو ان شہداء میں سے ایک ہیں۔ ہمیشہ وہی اذان کہا کرتے تھے۔ لیکن آج حضرت نے اپنے فرزند ارجمند شبیہ پیغمبر حضرت علی اکبر سے فرمایا: بیٹا! آج تم اذان کہو۔ حضرت علی اکبر نے اذان کہی۔ حضرت نے نماز ادا کی۔ تمام اصحاب نے حضور کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ آنحضرت نے نماز کے بعد اصحاب اور اہل بیت کے مردوں سے خطاب فرمایا اشھد بان نقتل کلنا الا علی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے علی زین العابدین کے ہم سب شہید ہو جائیں گے۔ جونہی ان حضرات نے سرکار سید الشہداء سے اس خوشخبری کو سنا۔ تمام نے مسرت اور خوشی کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض اسی خوشی میں ایک دوسرے سے مذاق کرنے لگے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ یہ مذاق کا وقت نہیں۔ دوسرے نے جواب دیا۔ خدا کی قسم میں نے زندگی بھر کبھی مذاق نہیں کیا۔ اور نہ میں مذاق کو پسند کرتا ہوں۔ لیکن آج تو انتہائی خوشی کا دن ہے۔ ان کی رفعت پر غور کیجئے۔ دوسری طرف طلوع صبح سے پہلے عمر بن سعد علیہ اللعنۃ نے لشکر کی صف آرائی کی۔ ایک روایت کے مطابق لشکر کی تعداد ایک لاکھ دوسرے قول کے مطابق اسی ہزار اور چالیس ہزار پیادہ تھی۔ ان اختلاف روایات میں لشکر یزید کی کم از کم تعداد تیس ہزار تھی۔ سب صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ لشکر کا کمانڈر ان چیف خود عمر بن سعد تھا۔ ڈپٹی کمانڈر ان چیف اس کا بیٹا تھا۔ میمنہ کا سردار عمرو بن حجاج اور میسرہ کا سردار شمر ابن ذی الجوشن۔ تیر اندازوں کا سردار محمد ابن اشعث تھا۔ یہ جم غفیر امام مظلوم کے خلاف صف آرا ہوا۔

سرکار سید الشہداء نے بھی صف آرائی فرمائی۔ زیادہ سے زیادہ لشکر کی تعداد ۱۴۵ اور کم از کم ۷۲ بہتر تھی۔ بیالیس پیادے اور تیس سوار۔ میمنہ کے سردار حبیب ابن مظاہر اور میسرہ کے زہیر

ابن القین۔ ایک علم حضرت حبیب ابن مظاہر کے ہاتھوں میں تھا۔ اور رایت سب سے بڑا علم حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کے قبضے میں تھا۔ صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ (الارشاد العزا ترجمہ المواعظ والبکار ص۱۹۶)

علمدار لشکر مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس کو علمدار لشکر قرار دیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آپ میں علمداری کی پوری پوری صلاحیت موجود تھی۔ کیونکہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ تعطوھا الا بایدی شجعانکم علم لشکر صرف ان لوگوں کو دو۔ جن کی شجاعت مانی ہوئی ہو۔ "واسی اخاہ بنفسہ" اور جو اپنے بھائی پر اپنی جان قربان کرنے کی ہمت رکھتے ہوں۔ (نہج البلاغۃ ص۲۵۶ طبع مصر) اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ آپ کی شجاعت مانی ہوئی تھی۔ اور آپ میں وفاداری کا پورا پورا جذبہ تھا۔ اسی لیے پیغمبر اسلام نے آپ کی شجاعت کی بشارت دی تھی (ماتین)

انتخاب علمداری کے بعد علمداری کا انتخاب ہو چکا ہے۔ حضرت عباس اس عہدۂ جلیلہ پر فائز ہو چکے ہیں۔ اب حضرت زہیر بن القین۔ جناب عبداللہ بن جعفر بن عقیل کے پاس جاتے ہیں جن کے دستِ مبارک میں علم تھا۔ جا کر کہا، یا اخی ناولنی الموایتہ بھائی! ذرا علم مجھے تو دو۔ (کبریت احمر ص۲۷)

انہوں نے علم حسینی حضرت زہیر کے ہاتھوں میں دے دیا۔ وہ اسے لیے ہوئے حضرت عباس علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا اے میرے سرکار امام حسینؑ کے قوتِ بازو یہ علم لو۔" حضرت عباس علیہ السلام نے ہاتھ بڑھایا۔ اور حسینی عطیہ کو لے کر آنکھوں سے لگایا۔ بوسہ دیا ؎

منصب جو ملا حیدر و جعفر کو نبیؐ سے
ان کو وہ ملا آج حسین ابن علیؑ سے

زہیر بن قین نے کہا اگر آپ اجازت دیں، تو آج وہ بات کہہ ڈالوں جو عرصے سے تمنا کی صورت چھپائے ہوئے ہوں۔ عباس علیہ السلام نے فرمایا ؎

حدث ولاحرج علیک فانما
تروی لنا متواتر الاسناد

ہاں ہاں کہو کوئی حرج نہیں تم جو کچھ کہو گے وہ متواتر الاسناد روایت کی حیثیت رکھتا ہوگا۔

فقال له اعلم یا ابا الفضل ان اباك امیر المومنین علیه السلام لما اراد ان یتزوج بامك ام البنین بعث الی اخیه عقیل وکان عارفا بانساب العرب فقال علیه السلام یا اخی ارید منك ان تخطب لی امراة من ذوای بیوت والحسب والنسب والشجاعة لکی اصیب منها ولدا یکون شجاعا و عضدا ینصر ولدی هذا واشار الحسین علیه السلام لیواسیه فی طف کربلا و قد ادخرك ابوك مثل هذا الیوم فلا تقصر عن حلائل اخیك وعن اخواتك

زہیر نے کہا تمہیں معلوم ہو اے ابو الفضل کہ تمہارے باپ حضرت علی علیہ السلام نے جب ارادہ کیا کہ تمہاری ماں جناب اُم البنین سے عقد کریں تو اپنے بھائی۔ جناب عقیل سے جو انساب عرب سے واقف تھے۔ فرمایا۔ اے بھائی! میں تم سے یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے لیے کوئی ایسی عورت تجویز کرو۔ جو بڑے خاندان۔ اچھے حسب ونسب والی اور بہادر گھرانے کی ہو تاکہ اس سے کوئی ایسا لڑکا پیدا ہو۔ جو نہایت بہادر اور مضبوط اور میرے اس حسین کا قوت بازو بن کر کربلا کے میدان میں مددگار ہو اے عباس! تمہارے باپ نے تم کو آج ہی کے دن کے لیے ذخیرہ کیا تھا۔ دیکھو آج اپنے بھائی بہنوں کی مدد میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا۔

یہ سننا تھا کہ حضرت عباس علیہ السلام جوش شجاعت سے کانپنے لگے۔ راوی کہتا ہے :۔ "فارتعد العباس وتمطی فی رکابه حتی قطعه" کہ یہ سن کر عباس کانپ اُٹھے۔ اور ایک ایسی شجاعانہ انگڑائی لی کہ رکاب ٹوٹ گئی۔ اور فرمایا: یا زهیر اتشجعنی فی مثل هذا الیوم اے زہیر! تم آج جیسے دن مجھے شجاعت دلاتے ہو واللہ لاربنك مارأیته قط خدا کی قسم آج ایسا جوہر شجاعت دکھاؤں گا کہ تم نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ (اسرار الشہادت صفحہ ۳۱۹ طبع ایران ۱۲۷۹ھ)

بعض ارباب مقاتل کہتے ہیں کہ اس کے بعد گھوڑے کو ایڑ دی وہ ہوا ہوا۔ میدان میں گئے اور دس ہزار کے لشکر پر حملہ کیا۔ پہلے حملہ میں سو آدمیوں کو موت کی نیند سلا کر واپس آئے

(کبریت احمر ص ۲)

حضرت عباس کو کنواں کھودنے کا حکم

دشمن مخالف کی طرف سے جنگ کا بگل بج رہا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی نظروں کے سامنے اب جنگ کے نقشے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے یہ خیال فرمایا کہ بچوں پر پیاس کا سخت غلبہ ہے اب جنگ چھڑا چاہتی ہے۔ جنگ چھڑ جانے کے بعد ہم لوگوں کے تمام تر رجحانات دشمنوں سے حفاظت کی طرف ہوں گے۔ کہیں بچوں کی

پیاس بجھانے کی سبیل پیدا کرنے کی جانب سے غفلت نہ ہو جائے۔ لہٰذا پانی کی سبیل کے امکانات کی فکر کر لینی چاہیئے۔ یہی کچھ سوچ کر آپ نے پھر اپنے بہادر بھائی کو آواز دی۔ آپ حاضر خدمت ہوئے فرمایا بھائی پیاسوں کی پیاس بجھانے کی ایک دفعہ اور سبیل نکال لو۔ حضرت عباس نے عرض کی۔ جو حکم ہو۔ ارشاد ہوا۔ کنوآں کھودو۔ شاید پانی برآمد ہو۔ حضرت عباس نے اور نوجوانان بنی ہاشم کو ساتھ لے کر کنواں کھودنا شروع کیا۔ لیکن پانی برآمد نہ ہوا اس حکم حسینی کے متعلق مورخین کے عیون الفاظ یہ ہیں:

فدعا باخيه العباس عليه السلام فقال له اجمع اهل بيتك واحفر وابئراً ففعلوا ذلك فطمعوها ثم حفروا بئراً أخرى فطموها فتزايد العطش

(دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۹ حالات صبح عاشورہ)

پھر آپ نے بھائی حضرت عباس علیہ السلام کو بلایا اور فرمایا کہ اپنے عزیزوں کو جمع کر کے کنواں کھودو انہوں نے کنواں کھودا لیکن بند کر دیا پھر کئی کنوئیں کھودے لیکن سب بند کر دیئے گئے۔ اس محنت ومشقت سے پیاس کا غلبہ اور بڑھ گیا۔

بعض کتابوں میں ہے۔ حضرت عباس نے جب پانچواں کنواں کھودا۔ فاذا بلغ الماء جاءت سكينة ومعها الركوة پانی برآمد ہوا تو سکینہ کوزہ لیے ہوئے بیتاب کنوئیں پر آپہنچیں۔ فقالت يا عماه اسقني شربة من الماء فقد شفت كبدى من شدة الظماء۔ اور کہنے لگیں اے چچا جان مجھے ایک جام آب دے دیجیئے کیونکہ میرا دل پیاس سے جل گیا ہے۔ فبكى العباس بكاءً شديداً وملاء الركوة۔ یہ سن کر حضرت عباس بہت روئے اور کوزہ پانی سے بھر دیا۔ فلما همت ان تشربه جاء القوم ففرت وهي تبكي جونہی سکینہ نے چاہا کہ پانی پئیں کہ ناگاہ دشمن نیزہ و تلوار لیے ہوئے آپہنچے تاکہ پانی نہ پینے دیں اور کنوئیں کو بند کر دیں۔ سکینہ یہ حال دیکھ کر روتی ہوئی بھاگی۔ فنزل رجلها فى الطناب فانكبت وقالت يا عمتاه ترى هذ الحال اور طناب خیمہ میں الجھ کر منہ کے بل گر پڑیں اور مایوس ہو کر اپنی پھوپھی جناب زینبؑ سے کہا:

"پھوپھی اماں! آپ نے یہ ماجرا دیکھا کہ پانی ہاتھ میں آکر جاتا رہا۔ ان ظالموں نے وہ کنواں بھی بند کر دیا۔"

اس وقت امام حسینؑ پر نہایت ہی غم والم طاری ہو گیا۔ حضرت عباس امام حسین علیہ السلام کی خدمت

میں حاضر ہوکر اذن جہاد مانگنے لگے (توضیح عزا صفحہ ۲۳۴ طبع لکھنؤ)

لشکر عمر بن سعد کی حرکت طلوع آفتاب کے بعد دونوں طرف انتظامات درست کئے جا رہے ہیں کہ دن چڑھ گیا اور ناشتہ پانی سے فراغت کے بعد بقول عبدالحمید ایڈیٹر رسالہ "مولوی" رسالہ دہلی ٹھیک دس بجے لشکر والوں کو عمر بن سعد کا ارجنٹ حکم ملتا ہے کہ حسینؑ کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھو۔ ٹڈی دل فوج نے حرکت کی اور تین دن کے بھوکے پیاسے تھوڑے سے مسافروں کو قتل کرنے دشمنان اسلام آگے بڑھے۔ (کتاب شہید اعظم عبدالحمید صفحہ ۱۲۶ طبع دہلی)

حضرت امام حسین علیہ السلام اس وقت خیمہ میں تھے۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی۔ حضرت رسول اللہؐ کا سلاحِ جنگ طلب فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ زیب تن کی۔ عمامہ "سحاب" سر پر رکھا۔ تلوار حمائل فرمائی اور نیزہ بدست باہر نکل پڑے۔ اور اپنے اصحاب باوفا کو مخاطب کر کے فرمایا۔ میرے جانبازو۔ آج علی ابن حسین کے علاوہ ہم سب کو قتل ہو جانا ہے۔ لہٰذا بڑے صبر استقلال ہمت، بہادری سے جان دینی چاہیئے۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۴۵)

ابھی آپ اپنے اصحاب کو پوری جوانمردی سے مرنے کی تلقین فرما رہے تھے کہ دشمن آپہنچے اور خیموں کو اپنے حلقے میں لے لیا۔ خندق کے گرداگرد آگ کو بھڑکتے دیکھ کر شمر بولا: یاحسین اتعجلت بالنار قبل یوم القیامۃ حسین کیا تم نے قیامت سے پہلے ہی آگ میں اپنے کو پہنچا دیا۔ حضرت نے فرمایا۔ اے چرواہے کے بیٹے! آگ کا تو حقدار ہے۔ اور انشاء اللہ تو جہنم کا ایندھن بن کے رہے گا۔ اس کے بعد حضرت مسلم بن عوسجہ نے حضرت کی خدمت میں دست بستہ عرض کی مولا! اجازت دیجئے کہ اس دشمن خدا کو تیر سے ہلاک کر دوں۔ حضرت نے فرمایا اے میرے بہادر مسلم جانے بھی دو۔ میں ابتدائے جنگ نہیں کر سکتا۔

عمر بن سعد کا لشکر آپ کے خیموں کے قریب ہے آپ چند اصحاب کو لیے ہوئے آگے بڑھے جناب بریر بن خضیر سے فرمایا کہ ذرا ان بدبختوں کو پھر سمجھاؤ۔ شاید ان کی سمجھ میں آجائے اور اس جنگ سے باز آئیں۔ جناب بریر آگے بڑھے۔ اور اچھی طرح فہمائش کی۔ اور یہ بھی کہا کہ اے دشمنو! یہ بھی تو سوچو کہ تم ہی نے یہاں بلایا ہے۔ مگر کسی پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور جواب یہی ملا۔ کہ ہم کچھ نہیں جانتے۔ اگر حسین بیعت نہیں کرتے۔ تو ہم قتل کئے بغیر نہ چھوڑیں گے۔

بریر واپس آئے۔ اور حضرت سے واقعہ بیان کیا۔ حضرت خود آگے بڑھے اور فرمایا سنو۔ میں

پیغمبر اسلام کا نواسہ۔ علی وفاطمہ کا بیٹا ہوں۔ حضرت حمزہ۔ حضرت جعفر طیار میرے چچا تھے۔ میرے ہی لیے "سید الشباب اہل الجنۃ" کہا گیا ہے۔ اگر تمہیں یقین نہ آئے تو جابر۔ ابو سعید۔ سہل۔ زید بن ارقم انس جیسے اصحاب رسولؐ سے پوچھ لو۔ (دمعہ ساکبہ ص۳۲۶) ارے مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم مجھے کیوں قتل کر رہے ہو۔ کیا میں نے کوئی سنت بدل دی ہے۔ کوئی شریعت کا حکم بدل دیا۔ تمہارا کوئی حق غصب کر لیا ہے آخر میں نے کیا کیا ہے۔ اس کا جواب شمر نے یہ دیا۔ کہ خدا کی قسم ہم سنتے ہی نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو (دمعہ ساکبہ ص۳۲۶) فقالوا الله انا نقتلک بغضاً لابیک "اور ایک جماعت نے کہا ہم تو تمہیں تمہارے باپ علی کی دشمنی میں قتل کر رہے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے بدر و احد میں ہمارے عزیزوں کو قتل کیا تھا۔ (ینابیع المودۃ ص۲۴۶) آپ کو ایسے مہمل جواب ملے۔ مگر آپ نے سمجھانے بجھانے میں کمی نہیں کی۔ پھر آپ نے ایک بلند قد شتر طلب فرمایا اور اس پر سوار ہو کر مسلم نما کافروں کے سامنے تشریف لائے اور قرآن مجید کو کھول کر ان سے کہا کہ یہ قرآن مجید ہمارے تمہارے درمیان ہے۔ تم سوچو کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے غرضکہ حضرت نے بڑی کوشش کی۔ کہ خون نہ بہایا جائے۔ لیکن دشمنوں نے ایک نہ سنی۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۵۱) جب آپ کو قطعی طور پر معلوم ہو گیا کہ دشمنان اسلام اپنے ارادے سے باز نہیں آئیں گے۔ تو آپ نے بارگاہ خداوندی میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

"مالک" ہر مصیبت اور بلا اور ہر شدت و اضطراب میں تو ہی میرے دل کی تمام امیدوں کا مرکز ہے اور تو ہی ہر جانکاہی میں میرا ملجا اور ماویٰ ہے۔ بے شک تیری ہی دمسازی پر مجھے اعتماد اور کارسازی پر بھروسہ ہے۔ مالک۔ بہت سی ایسی مصیبتیں اور بے چینیاں ہیں جن سے دل ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور راہ چارہ بند ہو جاتی ہے۔ دوست کنارہ کش ہو جاتے ہیں دشمن طعنہ زنی کرنے لگتے ہیں۔ (مالک جب ایسی بلا مجھ پر آئی) تو میں نے اپنی حاجت صرف تیرے سامنے پیش کی اور تنہا تجھی سے راز دل کہا۔ اور اکیلے تجھ ہی سے شکایت کی تو تو نے اس آئی ہوئی بلا کو میرے سر سے ٹال دیا۔ اور مصیبت آفرین جال کے بند کو توڑ دیا۔ خدایا تو ہی ہر نعمت کا ولی اور ہر اچھائی کا مالک اور تمنا و رغبت اور مقصد کا ملجا ہے (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۴۸۔ ارشاد مفید۔ تاریخ کامل و تاریخ طبری)

بریر ابن خضیر آگے بڑھے اور عرض کی مولا مجھے اجازت ہو کہ میں اس قوم نابکار سے کچھ کہوں۔ حضرت نے اجازت دی۔ اور وہ آگے بڑھ کر نصیحت کرنے لگے۔ مگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کتاب دمعہ ساکبہ کے ص۳۲۸ میں ہے کہ جب دشمن کی فہمائش کارگر نہ ہوئی۔ تو حضرت امام

حسین علیہ السلام نے فرمایا: خدایا انہیں قحط میں مبتلا کر۔ اور ان کے لیے وہ ایام لا۔ جو عہد یوسف کا مزہ چکھا دیں۔ وسلط علیھم غلام ثقیف۔ میں ایک ایسے شخص کو مسلّط کر جو انہیں نہایت تلخ جام سے سیراب کرے اور کسی کو قتل کیے بغیر نہ چھوڑے اور ہر ایک سے پورا پورا بدلہ لے۔ الخ [1]

"تاریخ احمدی ص۲۶۶" میں بحوالہ "تاریخ طبری مرقوم ہے کہ جب عاشورہ محرم روز شنبہ یا جمعہ کو عمر بن سعد نماز صبح کے بعد مع اپنے لشکر کے سوار ہوا۔ تو امام حسین علیہ السلام بھی اپنے اصحاب کے ساتھ نماز ادا کر کے آمادہ جنگ ہوئے۔ امام حسین علیہ السلام کے لشکر میں صرف تبیس سوار اور چالیس پیادے تھے۔ آپ نے زہیر بن القین کو میمنہ فوج پر اور حبیب ابن مظاہر کو میسرہ لشکر پر مقرر کیا اور علم لشکر اپنے بھائی حضرت عباس علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ نیز حکم دیا کہ قیام گاہ کے پیچھے جو خندق پُر از چوب و نے تیار کی گئی ہے۔ اس میں آگ جلا دی جائے۔ "تاکہ دشمن خیمہ گاہ کی طرف حملہ نہ کر سکیں۔ بعد ازاں امام حسین علیہ السلام مرکب پر سوار ہوئے۔ اور قرآن مجید منگا کر انہوں نے اپنے سامنے رکھا۔ مورخین ابن اثیر "تاریخ کامل میں لکھتا ہے۔ کہ لشکر مخالف قریب آ گیا تو امام حسین علیہ السلام سوار ہو کر صف اعدا کے مقابل آئے۔ اولاً انہوں نے بآواز بلند بطور خطبہ ارشاد فرمایا کہ "ایہا الناس! میری بات سنو اور میرے قتل میں جلدی نہ کرو۔ "تاوقتیکہ جو حق نصیحت مجھ پر واجب ہے۔ اس کو ادا نہ کر دوں اور یہاں آنے کے وجوہ تم سے بیان کر لوں۔ اگر تم نے میرا عذر قبول کیا اور میرے قول کی تصدیق کر کے داد انصاف دی۔ تو سعادت اندوز ہو گے۔ اور مجھ پر ظلم کرنے کے مرتکب نہ ہو گے۔ اور اگر تم میری نصیحت قبول نہ کرو اور انصاف سے کام نہ لو۔ تو بقول خدائے بزرگ، اپنے شرکا کو جمع کر کے اپنے کام کو انجام دو" تاکہ تم پر تمہارے کام کی حقیقت پوشیدہ نہ رہ جائے۔ بعد ازاں جو برتاؤ میرے ساتھ کرنا ہو۔ کرو۔ مجھے مہلت نہ دو میرا ولی وہی خدا ہے۔ جس نے قرآن مجید کو نازل فرمایا اور جو صالحین کو دوست رکھتا ہے۔

خیمہ حرم میں کہرام اور حضرت عباس کا فہمائش کے لیے جانا ہنوز امام حسین علیہ السلام نے اسی قدر ارشاد کیا تھا کہ خیمہ اقدس میں کہرام مچ گیا۔ اور امام حسین علیہ السلام کے اس کلام کو سن کر ان کی بہنوں نے ایسا نوحہ جگر خراش کیا کہ امام حسینؑ نے بیتاب ہو کر عباس علمدار اور حضرت علی اکبر سے فرمایا کہ خیمہ میں جا کر عورتوں کو سمجھاؤ۔ اور رونے سے منع کرو۔ "تاریخ مذکور "تاریخ طبری میں

[1] اس بد دعا کے اثر کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ (کتاب مختار آل محمد مؤلفہ حقیر مطبوعہ لاہور

ہے کہ جب وہ مخدرات خاموش ہوئیں تو بار دگر امام حسین علیہ السلام نے تقریر شروع فرمائی اور حمد و ثنائے الٰہی اس طرح ادا کی جو اس کی شان عظیم کے شایاں ہے پھر حضرت خاتم النبیین اور ملائکہ مقربین اور انبیائے مرسلین کے محامد بیان کر کے ان پر درود نا محدود بھیجا۔ اور حمد و نعت کے ذکر میں وہ وہ معارف و نکات بیان فرمائے۔ جنہیں خدا ہی جانتا ہے اور جن کا انحصار خارج از امکان ہے۔ چنانچہ راوی حدیث کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں نے حسینؑ سے پہلے یا ان کے بعد کسی خطیب اور متکلم کو ایسی تقریر کرتے ہوئے نہیں سُنا جو حسینؑ کی تقریر سے زیادہ فصیح و بلیغ ہو الغرض امام حسین علیہ السلام نے بعد حمد و نعت فرمایا کہ اے گروہ مخالف تم لوگ میرے نسب پر لحاظ کرو۔ اور دیکھو کہ میں کون ہوں، پھر دل میں غور کر کے اپنے نفوس کو ملامت کرو۔ اور سوچو کہ مجھے قتل کرنا اور میری ہتک و حرمت تمہارے لیے حلال ہے، کیا میں تمہارے نبی کی دختر کا فرزند نہیں ہوں۔ یا میں تمہارے نبی کے وصی اور برادر کا پسر نہیں ہوں۔ جو سب سے پہلے تمہارے نبی پر ایمان لایا۔ اور جس نے سب سے پہلے دعوت رسالت اور احکام خداوندی کی تصدیق کی۔ کیا حمزہ سید الشہدا میرے باپ کا چچا نہیں کیا جعفر طیار میرے چچا نہیں ہیں۔ اور کیا میرے اور میرے بھائی کے حق میں رسول اللہ نے ارشاد نہیں کیا کہ یہ دونوں جوانانِ اہل جنت کے سردار ہیں، سنو! اگر تم میری بات کی تصدیق کرتے ہو تو خیر ورنہ تم میں ایسے لوگ موجود ہیں، جن سے تم میرے قول کی تصدیق کر سکتے ہو۔ تو خیر ورنہ تم میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جن سے تم میرے قول کی تصدیق کر سکتے ہو۔ دیکھو تم میں جابر بن عبداللہ انصاری ابو سعید خدری سہیل ابن سعد۔ زید ابن ارقم۔ انس بن مالک موجود ہیں۔ ان سے پوچھو۔ وہ بیان کریں گے کہ انہوں نے اس حدیث کو میرے اور میرے بھائی کے حق میں رسول مقبول کی زبان سے سُنا ہے۔ یا نہیں اور تاریخ کامل میں ہے کہ پھر امام حسین علیہ السلام نے گروہ ابن سعد کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ایہا الناس اگر تم کو میرے قول کی صداقت میں نیز اس باب میں کہ میں تمہارے نبیؐ کی دختر کا فرزند ہوں شک ہو تو میں خدائے عزوجل کی قسم کھاتا ہوں کہ مشرق و مغرب تک میرے سوا کوئی دوسرا شخص تمہارے نبیؐ کی دختر کا فرزند نہیں ہے اے گروہ اشقیاء! تم کیوں میرے قتل کے درپے ہو۔ کیا میں نے تم میں سے کسی شخص کو قتل کیا ہے۔ یا تمہارا کوئی مال ضائع کیا ہے۔ یا کسی کو زخمی کیا ہے جس کا عوض مجھ سے لینا چاہتے ہو (راوی کہتا ہے کہ) امام حسینؑ کی اس تقریر کو سن کر سب خاموش رہے۔ کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور تاریخ طبری میں ہے۔ کہ جب امام حسین علیہ السلام نے گروہ اعدا کی انتہائی شقاوت و قساوت دیکھی، اور قرآن کی یہ آیت پڑھی: انی عذت بربی و ربکم من کل متکبر لا یومن

بیوم الحساب یعنی خدا کی پناہ ایسے متکبر سے جو روز قیامت پر ایمان نہیں رکھتا اور تاریخ کامل میں ہے کہ پھر زہیر بن قین اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ہتھیار لگائے ہوئے صف لشکر سے آگے بڑھے اور انہوں نے گروہ مخالف کی جانب مخاطب ہو کر کہا کہ اے اہل کوفہ! ہر مسلمان کو حق حاصل ہے کہ دوسرے مسلمان کو نصیحت کرے۔ ہم اور تم ایک دین پر ہونے کی وجہ سے اس وقت تک بھائی بھائی ہیں جب تک کہ ہم میں اور تم میں تلوار نہ چلے۔ ورنہ پھر ہمارا گروہ جدا ہے اور تمہارا جدا۔ سنو۔ خدا ہماری اور تمہاری آزمائش اپنے نبی کی ذریت کے ساتھ کرنا چاہتا ہے تاکہ اس بات پر نظر کرے کہ ہم اور تم کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔ پس میں تم کو ذریت نبیؐ کی نصرت پر آمادہ کرتا ہوں اور نیز اس بات پر عبید اللہ بن زیاد طاغی کو چھوڑ دو۔ کیونکہ تم کو اس سے اور ابن سعد سے برائی کے سوا بھلائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ دونوں ایسے ہیں کہ تمہارے دست و پا کاٹ ڈالیں گے تم کو مثلہ کریں گے۔ تمہیں سولی دیں گے۔ اور تم کو اسی طرح قتل کریں گے۔ جس طرح انہوں نے حجر بن عدی اور ہانی بن عروہ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا ہے۔ یہ سن کر ابن سعد کے لشکریوں نے زہیر ابن القین کو کلمات ناشائستہ کہے اور ابن زیاد کی مدح و ثنا کرکے کہا کہ "واللہ! جب تک ہم تمہارے آقا اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کریں گے۔ دم نہ لیں گے۔ زہیر ابن القین نے کہا کہ اے بندگان خدا! دیکھو فرزند فاطمہ بہ نسبت ابن سمیہ کے نصرت اور وفاداری کا زیادہ مستحق ہے لیکن اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے تو اس کے قتل ہی سے باز رہو۔ اور خدائے منتقم سے ڈرو۔ شمر نے جناب زہیر ابن القین کو تیر مار کر کہا کہ چپ رہو۔ تاریخ طبری میں ہے کہ زہیر ابن القین نے شمر کو جواب دیا کہ اے پسر بوال! تو نرا جانور معلوم ہوتا ہے۔ تجھے رسوائی روز قیامت اور عذاب الیم کی بشارت ہو۔ شمر بولا کہ گھڑی ساعت میں تو بھی قتل ہوا چاہتا ہے۔ اور تیرا آقا بھی۔ زہیر ابن القین نے کہا کہ اے احمق! تو مجھے موت سے ڈراتا ہے۔ خدا کی قسم! ہم کو حسینؑ کی رفاقت میں مرنا تم لوگوں کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہنے سے زیادہ محبوب ہے۔

جناب حُرؑ کی آمد مورخ ابن جریر طبری لکھتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے خطبے کا اثر حُر ابن یزید ریاحی کے دل سعادت منزل پر ایسا ہوا کہ وہ گھوڑا بڑھا کر عمر بن سعد کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ کہ خدا تجھ کو صلاحیت عطا کرے۔ کیا تو حسینؑ سے ضرور قتال کرے گا۔ عمر بن سعد نے کہا کہ ہاں خدا کی قسم ایسا قتال کروں گا۔ کہ ان کے تن بے سر و بے دست و پا ہو جائیں گے۔ حُر نے کہا کہ کیا جو باتیں حسینؑ نے اپنی تقریر میں تمہارے سامنے پیش کی ہیں۔ ان میں سے ایک بھی قابل قبول نہیں ہو

سکتی۔ ابن سعد بولا کہ اگر حکومت میرے ہاتھ میں ہوتی۔ تو میں ضرور ان باتوں پر نظر کرتا۔ لیکن ابن زیاد کے حکم کو کیا کروں۔ "تاریخ کامل میں ہے کہ ابن سعد کا جواب سن کر حُر آہستہ آہستہ امام حسین کی جانب بڑھا۔ مگر اس وقت اس کا بدن کانپ رہا تھا۔ حُر کے بدن میں رعشہ دیکھ کر ابن سعد کے لشکر کا ایک شخص مہاجر ابن اوس بولا: اے حُر! واللہ تیری موجودہ حالت مجھے شک میں ڈالتی ہے۔ کیونکہ جو کیفیت اس وقت تیری دیکھ رہا ہوں، وہ میں نے کسی معرکہ میں نہیں دیکھی۔ اگر مجھ سے پوچھا جاتا۔ کہ کوفہ میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے۔ تو میں تیرا نام لیتا۔ حُر نے کہا واللہ میں اس وقت اپنے نفس کو اس امر میں غیر پاتا ہوں کہ چاہوں جنت کو اختیار کروں چاہوں دوزخ کو۔ لیکن میں جنت کو ہی اختیار کروں گا۔ چاہے میرا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا دیا جائے۔ یہ کہہ کر حُر نے اپنے گھوڑے کو چابک لگایا۔ اور امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ کہ خدا مجھے آپ پر فدا کرے۔ اے ابن رسول اللہ! میں وہی شخص ہوں۔ جس نے آپ کو راہ سے واپس جانے نہ دیا۔ اور مجبور کر کے اپنے ساتھ یہاں لایا۔ خدا کی قسم میں نہ جانتا تھا۔ کہ یہ لوگ کسی طرح آپ کی نصیحت سے متاثر نہ ہوں گے۔ اور آپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں گے۔ اب میں تائب ہو کر آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ مرتے دم تک آپ کا ساتھ دوں۔ اور آپ کے قدموں پر اپنی جان نثار کروں۔ کیا میری توبہ قبول کی جائے گی؟ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا بے شک! خدا تیری توبہ قبول کرے گا۔ اور تیری مغفرت فرمائے گا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب حُر حضرت امام حسین علیہ السلام کی رکاب کو بوسہ دے کر عرض کرنے لگا۔ کہ اے فرزند رسولؐ مجھے گمان نہ تھا کہ یہ لوگ آپ کے قتل کے درپے ہو جائیں گے۔ بلکہ میں سمجھتا تھا۔ کہ بالآخر آپ سے مصالحت کر لیں گے۔ لیکن اب ان کا ظلم و تردد دیکھ کر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ کیا خدا میری توبہ قبول فرمائے گا؟ امام حسینؑ نے ہاتھ بڑھا کر حُر کے چہرہ پر پھیرا۔ کہ اے حُر بندہ ناچیز خدا کا کیسا ہی گناہ کر لے لیکن جب توبہ و استغفار کرتا ہے۔ تو خداوند کریم اس کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔ چنانچہ اس نے قرآن مجید میں ارشاد کیا ہے۔ کہ خدا ایسا کریم ہے۔ کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔" اے حُر اس سے پہلے جو فروگزاشت تجھ سے ہوئی میں نے اسے معاف کیا اب تو مردانہ وار جنگ کے لیے آمادہ ہو۔ اور اس دن کو روز سعادت اور اس میدان کو جلوہ گاہ اصل شہادت یقین کر۔ تاریخ طبری میں ہے۔ کہ امام حسین علیہ السلام نے حُر سے یہ بھی فرمایا۔ کہ اے حُر! تیری ماں نے تیرا نام بہت ٹھیک رکھا ہے۔ انشاء اللہ تو دنیا میں بھی حُر ہے اور آخرت میں بھی آزاد رہے گا۔ حمید ابن مسلم سے

روایت ہے۔ کہ اتنے میں عمر بن سعد نے لشکر امام حسین کے روبرو آکر اپنے نشانہ بردار کو آواز دی کہ نشانہ یہاں لا۔ جب وہ نشانہ لایا۔ تو عمر بن سعد نے ایک تیر اپنی کمان میں رکھ کر چلایا اور اپنی جماعت سے کہا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں پہلا وہ شخص ہوں۔ جس نے لشکر حسین پر تیر اندازی کی۔ تاریخ کامل میں ہے۔ کہ اس کے بعد عمر بن سعد کے لشکر والوں نے تیر چلانا شروع کیا۔ دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۳ میں ہے کہ امام حسین کی تقریر کے بعد حرؑ آہستہ آہستہ (قدم اٹھاتا) حضرت امام حسینؑ کی طرف چلا۔ اور چلتے وقت اس نے اپنے چچازاد بھائی قرہ اور اپنے بیٹے سے ذکر کیا قرہ نے کہا۔ مالی بذالک حاجۃ۔ میں نہیں جاتا۔ اور بیٹے نے کہا حبا وکرامۃ بابا جان میں ساتھ چلتا ہوں۔ حر امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ میں آپ سے پہلا خارج تھا۔ اب اجازت دیجیے۔ تاکہ پہلا قتیل قرار پاؤں علامہ مجلسی کا بیان ہے۔ کہ اول قتیل اس لیے کہا کہ مبارزت کے بعد پہلا قتیل ہونا مقصود تھا۔ ورنہ جنگ مغلوبہ میں کئی اصحاب ان سے پہلے شہید ہو چکے تھے۔ غرض کہ وہ جنگ کے لیے پھر آمادہ ہو گئے۔ روضۃ الاحباب میں ہے۔ کہ عمر بن سعد نے حر کو میدان جنگ میں دیکھ کر صفوان بن حنظلہ سے کہا کہ جا کر حر کو نصیحت کر اور میرے پاس واپس لا۔ اور اگر نہ آئے تو تلوار سے اس کا سر کاٹ لے۔ صفوان نے حر کے پاس آکر کہا کہ اے حر تو نے مرد عاقل ہو کر خلیفہ یزید سے کیوں روگردانی کی ہے؟ حر نے جواب دیا کہ اے صفوان! مجھے تعجب ہے کہ تو خود خلاف عقل یہ بات کہتا ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ یزید ناپاک اور فاسق ہے اور امام حسینؑ پاک اور پاکیزہ نژاد ہیں۔ رسول اللہ نے ان کو اپنا ریحان فرمایا ہے۔ صفوان بولا کہ اے حر میں سب جانتا ہوں۔ مگر جاہ و دولت تو یزید ہی کے ساتھ ہے اور میں مرد سپاہی ہوں مجھ کو جاہ منصب ہی چاہیے۔ حر نے کہا کہ اے صفوان کیا تو حق کو جان بوجھ کر چھپاتا ہے۔ صفوان نے غضب میں آکر حر کو نیزہ مارا۔ حر نے اس کے وار کو رد کر کے اسی گرمی میں ایسا نیزہ لگایا۔ کہ اس کی انی صفوان کی پیٹھ سے نکل گئی۔ بعدہ حر نے لشکر دشمن سے یہاں تک قتال کیا۔ کہ نیزہ ٹوٹ گیا۔ اور جب نیزہ ٹوٹ گیا تو تلوار میان سے نکال کر ایسی شمشیر زنی کی کہ کسی کو سر سے سینے تک کاٹا اور کسی کو کمر کے پاس سے دو ٹکڑے کیا۔ یہ دیکھ شمر نے لشکر کو آواز دی۔ کہ سب مل کر حر کو گھیر لیں۔ چنانچہ عمر بن سعد کے لشکر نے حر کو گھیر کر چاروں طرف سے تیر و نیزہ و شمشیر کا مینہ برسانا شروع کیا۔ ناگاہ قصور ابن کنانہ ملعون نے ایک نیزہ حر کے سینہ پر مارا۔ کہ وہ مہلک زخم کھا کے گھوڑے پر سے گر پڑے۔ اور پکارا کہ یا ابن رسول اللہ! اس جاں نثار کی خبر لیجیے۔ امام حسین علیہ السلام گھوڑے پر میدان جنگ میں جا کر حر کو

اٹھالائے اور اس کا سر اپنے زانو پر رکھ کر آستین سے اس کے چہرے کی گرد صاف کرنے لگے ۔ حُر میں تھوڑی سی جان باقی تھی ۔ اس نے اپنا سر امام حسین علیہ السلام کے زانو پر دیکھ کر تبسم کیا ۔ اور کہا یا بن رسول اللہ آپ مجھ سے راضی ہیں ۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا ۔ میں راضی ہوں ۔ اور میرا خدا بھی ۔ حُر یہ بشارت سُن کر خوش ہوگئے اور راہی خلد بریں ہوئے ۔

پھنو مل دہلوی لکھتے ہیں ؎

خطا بھی بخش دی جنت بھی آخر مل گئی حُـــر کو
مقدر کے دھنی اللہ اکبر ایسے ہوتے ہیں

جناب کامل کروڑی کہتے ہیں ؎

جون سے سیکھو نمک خواری مالک کے اصول
حُر سے بگڑی ہوئی قسمت کا بن نا سیکھو

علامہ شیخ مفید کتاب ارشاد میں فرماتے ہیں کہ جناب حُر کو ایوب ابن مسرح اور ایک کوفہ کے سپاہی نے مل کر شہید کیا ہے ۔

امام حسین کی آخری نماز ظہر مورخ ابن اثیر لکھتا ہے کہ اگر لشکر امام حسین علیہ السلام کے ایک دو آدمی قتل ہوتے تھے تو قلت اصحاب کی وجہ سے ان کی جماعت میں کمی نمایاں ہوتی تھی اور اگر لشکر عمر بن سعد کے چند آدمی مارے جاتے تھے ۔ تو بوجہ کثرت فوج اس کے گروہ کی تعداد میں کچھ فرق نظر نہ آتا تھا ۔ راوی کہتا ہے کہ دوران جنگ میں نماز ظہر کا وقت آگیا تو ابو ثمامہ صائدی یا صیداوی نے امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ میری جان آپ پر فدا ہو ۔ اگرچہ دشمن کی فوج گھیرے ہوئے ہے لیکن واللہ میں جب تک زندہ ہوں ۔ اشقیا آپ کو صدمہ جسمانی نہ پہنچا سکیں گے ۔ اب میری استدعا ہے کہ نماز ادا کر کے اپنے خدا سے ملاقات کروں مولا نماز جماعت ہونی چاہیئے ۔ یہ سُن کر امام حسین علیہ السلام نے سر اٹھایا ۔ اور فرمایا اے ابو ثمامہ اللہ تم کو مصلیین ذاکرین کا درجہ عطا کرے ۔ کہ تم نے نماز کا ذکر کیا بے شک یہ اول وقت نماز کا ہے ۔ مخالفین سے کہو ۔ کہ ہم کو نماز ادا کرنے کے لیے تھوڑی سی مہلت دے دیں ۔ حصین ابن نمیر بولا کہ تمہاری نماز قبول نہ ہوگی ۔ حبیب ابن مظاہر نے غضب میں آکر جواب دیا ۔ کہ اے گدھے تو گمان کرتا ہے کہ آل رسولؐ کی نماز قبول نہ ہوگی ، اور تیری نماز قبول ہوگی ۔ یہ دندان شکن جواب سُن کر حصین ابن نمیر نے حبیب ابن مظاہر پر حملہ کیا ۔ حبیب نے ابن نمیر کے گھوڑے کے منہ پر تلوار ماری ۔ گھوڑا بھڑکا اور ابن نمیر گر پڑا ۔ مگر اس کے ساتھیوں نے پہنچ کر اسے گر کر بچا لیا ۔ الغرض سعید اور زہیر بن قین امام حسین علیہ السلام کے

سامنے کھڑے ہو کر سینوں پر تیر لینے لگے اور امام حسین علیہ السلام نے نماز ادا کر لی۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۹۶) ایک روایت میں ہے کہ ان میں سے ایک کی شہادت کثیر تیر لگ جانے کی وجہ سے نماز ختم ہونے کے فوراً بعد ہو گئی تھی۔ نماز کے بعد مخدراتِ عصمت نے کمال رنج و غم کے ساتھ کہلا بھیجا کہ خدارا میرے بھائی کا ساتھ نہ چھوڑنا ان بہادروں نے کمال خلوص کے ساتھ پھر اقرار وفاداری کیا اور اس پر قائم رہے ؎

سر تن سے اور تن ہوئے شمشیر سے جُدا
پر دل ہوئے نہ حضرت شبیر سے جُدا
(روضۃ الکبریٰ صفحہ ۲۳۴)

وہب کلبی اور حضرت عباس کربلا کی ہولناک جنگ میں حسینی بہادر نہایت دلیری سے جان دے کر شرف شہادت حاصل کر رہے تھے یہاں تک کہ وہب ابن عبداللہ ابن حباب الکلبی کی باری آئی یہ حسینی بہادر پہلے نصرانی تھا۔ اور اپنی والدہ سمیت امام حسین کے ہاتھوں پر مسلمان ہوا تھا۔ آج جبکہ یہ امام حسین پر فدا ہونے کے لیے آمادہ ہو رہے ہیں۔ ان کی والدہ ہمراہ موجود ہیں۔ ماں نے دل بڑھانے کے لیے وہب سے کہا بیٹا آج فرزند رسول پر قربان ہو کر روح رسول مقبول کو خوش کر دو۔ بہادر بیٹے نے کہا مادر گرامی آپ گھرائیں نہیں انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ الغرض آپ روانہ ہوئے اور رجز پڑھتے ہوئے دشمنوں پر حملہ آور ہوئے۔ اور کمال جوش کے ساتھ جماعت کی جماعت کو قتل کر ڈالا اس کے بعد اپنی ماں اور بیوی کی طرف واپس ہو کر آئے۔ ماں سے پوچھا مادر گرامی! آپ خوش ہو گئیں ماں نے کہا میں تو اس وقت تک خوش نہیں ہو سکتی جب تک فرزند رسول کے سامنے تجھے خاک و خون میں غلطاں نہ دیکھوں۔ یہ سن کر بیوی بولی اے وہب مجھے کیوں اپنے بارے میں ستاتے ہو اور اب کیا کرنا چاہتے ہو۔ ماں پکاری یا بنی لا تقبل قولہا۔ وارجع فقاتل بین یدی ابن رسول اللہ بیوی کی بات نہ مانو اور میدان قتال میں واپس جا کر فرزند رسول پر اپنی جان قربان کر دو۔ وہب نے جواب دیا۔ مادر گرامی ایسا ہی ہوگا۔ میں موقع کی نزاکت کو سمجھتا ہوں۔ مجھے امام حسین کا اضطراب اور حضرت عباس جیسے بہادر کی پریشانی دکھائی دے رہی ہے۔ بھلا کیوں کر ممکن ہے کہ میں ایسی حالت میں ذرا بھی کوتاہی کروں۔ اس کے بعد وہب میدان جنگ کی طرف واپس گئے اور کچھ اشعار پڑھتے ہوئے حملہ آور ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ نے ۱۹ اور بقولے ۱۴ اور ۱۲ پیادے قتل کئے اسی دوران میں آپ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ ان کی حالت دیکھ کر ان کی بیوی کو جوش آیا۔ اور وہ بھی ایک چوب خیمہ لے کر میدان کی طرف دوڑی اور اپنے شوہر کو پکار کر کہا کہ خدا تیری مدد کرے۔ فرزند رسول کے لیے جان دے دے۔ اور اس کے لئے میں بھی آمادہ

---

۱ ان کے تفصیلی واقعات کے لیے ملاحظہ ہو کتاب بہتر تارے۔ مؤلف حقیر ۱۲

ہوں یہ دیکھ کر وہب اپنی بیوی کی طرف اس لیے آیا کہ اُسے خیمہ اہلِ حرم میں پہنچادے۔ اس مخدرہ نے اُس کا دامن تھام لیا اور کہا میں تیرے ساتھ موت کی آغوش میں سوؤں گی پھر امام حسین نے اسے حکم دیا کہ خیمہ میں واپس چلی جائے چنانچہ وہ چلی گئی۔ اس کے بعد وہب قتل کر دیا گیا اور اس کی بیوی آکر اس کے سر اور آنکھ سے خون صاف کرنے لگی اتنے میں شمر کے حکم سے اس کے غلام رستم نے اس کے سر پر گرز آہنی مارا۔ اور یہ بیچاری بھی شہید ہوگئی۔ وھی اول امراۃ قتلت فی عسکر الحسین" یہ پہلی عورت ہے جو لشکر حسین میں قتل کی گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ جب وہب زمین پر گرے۔ تو انہیں گرفتار کر لیا گیا اور ان کا سر کاٹ کر خیمہ حسین کی طرف پھینک گیا۔ ماں نے سر کو اٹھایا بوسے دیئے اور دشمن کے لشکر کی طرف پھینک دیا جس کی ضرب سے ایک شخص مر گیا۔ پھر ماں چوب خیمہ لے کر نکلی اور دو دشمنوں کو قتل کر کے بحکم حسینؑ واپس خیمہ میں چلی گئی۔ (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۳۱ طبع ایران۔ تاریخ کامل ابن اثیر۔ طوفان بکا شعلہ ۱۳ طبع ایران ۱۳۰۴ھ)

حضرت عباس جناب عمرو بن خالد صیداوی کی کمک میں روز عاشور جب شرف شہادت حاصل کرنے کے لیے عمرو بن خالد صیداوی امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا "تقدم فانا لاحقون بك عن ساعة" جاؤ ہم بھی آ رہے ہیں۔ عمرو بن خالد روانہ ہوئے۔ بروایتے آپ کے ہمراہ پانچ اور جانباز ہو گئے۔ میدان میں پہنچ کر ان لوگوں نے زبردست حملے کیے۔ بالآخر انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔ حضرت امام حسینؑ کو اطلاع ملی آپ نے اپنے بہادر بھائی علمدار حضرت عباسؑ کو حکم دیا۔ کہ وہ ابن خالد وغیرہ کی حمایت کے لیے پہنچیں۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے۔ اور زبردست حملے کر کے ان سب کو چھڑا لائے۔ دشمن جو ان حضرات کے قتل کی تاک میں میں تھے۔ پیچھے ہوئے۔ اور ایک مقام پر حملہ کیا۔ غرضیکہ پھر مقابلہ ہوا۔ اور اس مقابلہ میں دشمنوں کی یلغار نے ان بہادروں کو شہید کر دیا۔ حضرت عباس نے تمام واقعات حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں بیان کر دیئے۔ امام حسینؑ نے ان شہداء کو دعائیں دیں۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۶۴ دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۳۳ الدمع المتول ترجمہ جلاء العیون جلد ۲ صفحہ ۴۱۶ ابصار العین شیخ طاہر سماوی طبع حیدرآباد قمر بنی ہاشم صفحہ ۱۰۹۔ تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۵۵)

عاشور کی دوپہر کو دشمنوں کا ارادہ کہ خیموں میں آگ دے دیں اور حضرت عباس علیہ السلام کی جانبازی تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ عزرہ ابن قیس کی استدعا کے موافق عمر بن سعد نے حصین ابن نمیر کو مع پانچ سو تیر اندازوں کے بھیجا جنہوں نے پہنچتے ہی

لشکر امام حسین علیہ السلام پر تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا اور اس شدت سے تیر باری کی کہ تھوڑی دیر میں گھوڑوں کو بیکار کر دیا۔ اور حسینی لشکر کے کل سوار پیادہ ہوگئے اس موقع پر حرنے دشمنوں سے خوب جنگ کی۔ اور دیگر اصحاب نے بھی مخالفین سے دوپہر تک ایسا شدید مقابلہ کیا کہ جس سے زیادہ ممکن نہیں ہوسکتا۔ حتےٰ کہ دشمنوں کو یہ قدرت نہ ہوئی۔ کہ سوائے ایک سمت کے کسی اور طرف سے حملہ کرسکیں۔ اسی اثنا میں عبداللہ ابن عمیر کلبی کی بیوی عبداللہ کی لاش پر جاکر ان کے چہرے کی گرد پونچھنے لگی۔ اور کہتی جاتی تھی۔ کہ تم کو جنت مبارک ہو۔ شمر کے حکم سے اس کے ایک غلام رستم نام نے اس بیچاری کے سر پر ایسا گرز لگایا کہ وہ اسی جگہ مرکر رہ گئی۔ پھر شمر نے حملہ کیا۔ اور خیام کی جانب بڑھ کر آواز دی۔ کہ میرے پاس آگ لاؤ۔ تاکہ ان خیموں کو جلاؤں۔ یہ سُن کر مخدرات عصمت چلا اُٹھیں اور خیموں سے باہر نکل آئیں۔ امام حسین علیہ السلام نے شمر کو للکارا۔ کہ کیا تو میرے خیام اور اہل وعیال کو جلاتا ہے۔ خدا تجھے نارِ جہنم میں جلائے۔ ابو مخنف کہتے ہیں کہ تمام کی تمام عورتیں پردوں سے باہر نکل پڑیں۔ اور پکاریں اے مسلمانوں کے مجمع اور اے مومنین کے گروہ۔ خدا کے دین کی طرفداری کرو۔ حرم رسول اللہ کو بچالو۔ اپنے امام اور اپنے نبیؐ کی بیٹی کے فرزند سے دشمنوں کو ہٹا دو۔ خدا ہمارے ذریعے سے تمہارا امتحان لے رہا ہے تم ہمارے عزیز ہو۔ اور ہمارے نانا کے زیرِ سایہ ہمارے ہمسایہ ہو۔ ہم سے محبت کرنے والے ہو۔ ان کا مقابلہ کرو۔ ہماری حمایت میں خدا تم کو برکت عطا فرمائے۔ اصحاب نے جس وقت یہ سُنا تو چیخیں اور دھاڑیں مار کر رونے لگے اور عرض کی۔ ہماری جانیں آپ کی جانوں پر نثار۔ ہمارا خون آپ کے خون کے عوض اور ہماری روحیں آپ پر قربان ہوجائیں۔ خدا کی قسم جب تک ہماری جان میں جان ہے۔ کوئی آپ کو نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا ہم نے اپنی جانیں تلواروں کے سامنے کردیں۔ اپنے جسم پرندوں کے لیے چھوڑ دیئے ہیں۔ بسا ممکن ہے کہ جب ہم آپ سے پہلے اپنی جانیں جھونک دیں۔ تو آپ ان صفوں کے حملہ سے بچ جائیں گے۔ ہاں آج کے دن فقط وہ کامیاب ہوسکتا ہے۔ جو نیکی کمائے اور آپ کی جانوں کو موت سے بچائے (ترجمہ مقتل ابی مخنف ص۸۵ طبع دہلی ۱۹۲۱ء)

صاحب منظومہ کربلا لکھتے ہیں کہ عاشور محرم کی دوپہر کو عمر سعد نے ایک کثیر لشکر دے کر شمر کو خیام پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ جوانانِ بنی ہاشم نے راستے ہی میں اکثر کو فنا کر ڈالا۔ تب شمر پکار اُٹھا کہ آگ لاؤ۔ میں خیام کو جلا دوں۔ یہ سُن کر امام حسین علیہ السلام نے ڈانٹ کر کہا کہ اے دشمنانِ خدا و رسولؐ۔ تم لوگ مجھ سے لڑنے کے لیے آئے ہو تم کو عورتوں اور بچوں پر ظلم سے

لیا غرض اگر تمہیں خدائے قہار کا ڈر نہیں اور رسول مختار کا پاس و لحاظ نہیں تو حمیت عرب کو تو ضائع و برباد نہ کرو۔ اور میری زندگی میں خیموں کو تاراج کرنے سے باز آؤ۔ اور حضرت عباس اور زہیر بن قین نے بڑھ کر شمر اور اس کے لشکر پر حملہ کیا اور کمال جانبازی سے سب کو فنا کر ڈالا۔ شمر کے سوا کوئی بھی نہ بچ سکا۔ (تاریخ احمدی صفحہ ۲۸ طبع لکھنؤ و منظومہ کربلا صفحہ ۴۱ طبع لاہور)

الغرض دشمنانِ اسلام فرزند رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام سے بدر و اُحد کے مقتولین کا بدلہ لے رہے تھے۔ اور حسینؑ کے بہادر سپاہی آپ پر اپنی جانیں نثار کر کے شرف شہادت سے مشرف ہو کر اپنی عاقبت بنا رہے تھے۔ علامہ مجلسی بحار الانوار ...... میں لکھتے ہیں کہ جب کوئی مجاہد لڑنے کے لیے جاتا تھا، تو امام حسین علیہ السلام سے اجازت لیتا اور ان کو سلام کر کے جاتا تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام سب کو جواب سلام دے کر رخصت فرماتے تھے۔ اور یہ آیت پڑھتے تھے "فمنھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر۔ جو چلے گئے ہیں۔ شرف شہادت سے مشرف ہو گئے ہیں۔ اور جو منتظر ہیں وہ بھی عنقریب شہید ہوں گے۔ بہرحال کربلا کا ہر جانباز درجہ شہادت پر فائز ہونے میں سبقت کرتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اور جب تک اصحاب باوفا موجود رہے ہیں۔ بنی ہاشم کو میدان میں جانے کا موقع نہیں ملا۔ اصحاب کرام کی شہادت کے بعد بنی ہاشم کی باری آئی اور ہر بہادر مرنے کے لیے بے چین نظر آرہا تھا۔ حضرت عباسؑ چاہتے تھے کہ میں سب سے پہلے امام حسین پر قربان ہوں۔ علی اکبر کی خواہش تھی کہ میں سب سے پہلے شرف شہادت حاصل کروں۔ قاسم کی تمنا تھی کہ میں سب سے پہلے اپنے چچا پر نثار ہوں۔ عون و محمد بے چین تھے کہ ہماری قربانی پہلے پیش ہو۔ عبداللہ ابن مسلم مضطرب تھے کہ پہلے میری قربانی پیش ہو۔ غرضیکہ ہر مجاہد امام حسین پر قربان ہو کر سرخرو ہونے کے لیے بے چین تھا۔ چنانچہ یہ شرف سب سے پہلے عبداللہ ابن مسلم بن عقیل کو نصیب ہوا۔

جناب عبداللہ ابن مسلم بن عقیل کی شہادت | مورخین لکھتے ہیں کہ امام حسین پر قربان ہونے کے لئے جناب عبداللہ ابن مسلم بن عقیل آگے بڑھے۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے اجازت نبرد لینے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا بیٹا تمہارے باپ کی شہادت کو ابھی بہت تھوڑے دن گذرے ہیں۔ اب داغ پر داغ تم دینا چاہتے ہو۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنی والدہ اور بہنوں کو لے کر کسی طرف سے چلے

آؤ۔ اور جام شہادت پینے سے باز آؤ۔ جناب عبداللہ نے عرض کی مولا یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ ہم اپنی ناچیز قربانی پیش کرنے سے محروم رہیں۔ اور شرف شہادت نہ حاصل کریں۔ مولا اب تو دل بے چین ہوچکا ہے۔ خدا کے لیے اجازت دیجئے۔ عبداللہ بن مسلم کے اصرار شدید پر امام حسین علیہ السلام نے آبدیدہ ہوکر سر جھکا لیا۔ اور شیر بیشۂ شجاعت جناب عبداللہ ابن مسلم روانہ جنگ گاہ ہوئے۔ میدان میں پہنچ کر آپ نے یہ رجز پڑھا سہ

اليوم القى مسلماً وهو ابى　　وفتية بادوا على دين النبى

ليسوا بقوم عرفوا بالكذب　　لكن خيار وكرام النسب

من هاشم السادات اهل الحسب

ترجمہ: آج میں اپنے باپ مسلم بن عقیل اور ان جوانوں سے ضرور جا ملوں گا۔ جنہوں نے اپنی جانیں دین محمدی پر قربان کی ہیں۔ وہ سادات بنی ہاشم کے عمدہ اور کریم النسب شریف الحسب بہادر ہیں۔ اور جو جھوٹ جانتے تک نہیں تھے۔ اور نہ کسی حیثیت سے جھوٹ ان کی طرف منسوب ہو سکتا تھا۔

رجز پڑھنے کے بعد آپ شیر غضبناک کی طرح لشکر مخالف پر حملہ آور ہوئے۔ اور ان کی ٹڈی دل فوج میں انتشار عظیم پیدا کر دیا۔ آپ نے تین حملوں میں ۹۸ دشمنوں کو فی النار کیا۔ بالآخر عمر بن صبیح الصیداوی اور اسد ابن مالک ملعون آپ کے شہید کرنے میں اس وجہ سے کامیاب ہوئے کہ آپ کا دست مبارک آپ کی پیشانی سے وصل ہوگیا تھا۔ صاحب دمعہ ساکبہ بحوالہ ارشاد شیخ مفیدؒ رقمطراز ہیں: ثم رماه عمرو بن صبيح الصيداوى بسهم فوضع عبد الله يده على جبهته يتقيه فاصاب السهم كفه ونفذ الى جبهته فسمرها به۔ پھر عمرو بن صبیح صیداوی نے آپ کو ایک تیر مارا۔ آپ نے اپنے سر کی حفاظت کے لیے ہاتھ اٹھایا وہ تیر اس طرح لگا۔ کہ آپ کا ہاتھ پیشانی سے وصل ہوگیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر آپ حرکت نہ کر سکے۔ اسی دوران میں ایک شخص نے آپ کے قلب مبارک پر نیزہ مارا۔ جس کے صدمہ سے آپ زمین پر آگرے۔ (ارشاد مفید جلد ۲ صفحہ ۲۲ طبع ایران۔ بحار الانوار جلد۔ طبع ایران۔ ذخیرۃ الدارین صفحہ ۱۵۸۔ جواہر الایقان صفحہ ۱۲۶۔ ناسخ التواریخ جلد ۶۔ اعلام الورٰی صفحہ ۱۴۶) امام خازن تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کا ارشاد ہے۔ من بلغ بسهم فلمه درجة فى الجنة جو تیر سے لیے شہید ہوا اسے جنت میں خاص درجہ دیا جائے گا۔ (لباب التاویل جلد ۳ صفحہ ۳۱

طبع مصر)

تاریخ ابن جریر طبری میں ہے کہ اثنائے جنگ میں عمر بن صبیح صیداوی نے عبداللہ بن مسلم بن عقیل کو متواتر دو تیر مار کر شہید کیا۔ پھر عبداللہ بن قطبہ کے ہاتھوں سے عون بن عبداللہ بن جعفر اور عامر بن نہشل کی ضرب سے محمد بن عبداللہ ابن جعفر اور عثمان بن خالد جہنی اور بشیر ابن سوط ہمدانی کے حملے سے عبدالرحمٰن بن عقیل شہید ہوئے۔ اور عبداللہ بن عروہ نے جعفر بن عقیل کو شہید کیا۔

عبداللہ بن مسلم پر امام معصوم کا سلام

شرح زیارت عاشور میں ہے السلام علی القتیل ابن القتیل عبد اللہ ابن مسلم بن عقیل و لعن اللہ قاتلہ عمر ابن الصبیح الصیداوی۔ شہید ابن شہید عبداللہ ابن مسلم بن عقیل پر سلام ہو۔ اور خدا لعنت کرے ان کے قاتل عمر بن صبیح صیداوی پر (شفاء الصدور صہ ۱۱۲ طبع بمبئی)

ضروری وضاحت جملہ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ بنی ہاشم میں سب سے پہلے عبداللہ ابن مسلم بن عقیل علیہ السلام نے جام شہادت نوش فرمایا ہے۔ لیکن علامہ ابن حسن صاحب جارچوی کتاب تذکرہ محمد و آل محمد حصہ دوم صہ ۱۲۹ میں لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے علی اکبر نے اذن جہاد طلب کیا۔ مرہ بن عبدی نے دھوکے سے ایک نیزہ مارا جو سینے سے پار ہو گیا۔ پھر دشمنوں نے تلوار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اسی طرح تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ جناب عبداللہ ابن مسلم بن عقیل کی والدہ رقیہ بنت علی ابن ابی طالب جناب ام حبیبہ ربیعہ تغلبیہ کے بطن سے تھیں۔ لیکن خان بہادر اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی ذبح عظیم صہ ۲۲۴ میں لکھتے ہیں۔ کہ ان کی والدہ مقدسہ کا نام رقیہ بنت امیرالمومنین تھا۔ یہ معظمہ حضرت ام البنین کے بطن سے تھیں۔ اور حضرت عباس کی حقیقی بہن تھیں۔ (کتاب شہید اعظم عبدالحمید ایڈیٹر رسالہ مولوی دہلی کے صہ ۲ میں بھی یہی مرقوم ہے۔

جناب عون و محمد اور حضرت عباس علیہ السلام

یہ دونوں بھانجے ہیں امام سعید کے
پوتے شہید کے ہیں نواسے شہید کے

عاشور کی گرم بازاری میں امام حسین پر قربانیاں پیش ہو رہی ہیں۔ حضرت زینب نے بھی اپنے دونوں نونہال پیش کر دیئے۔ صاحب چہل مجلس لکھتے ہیں کہ روایت میں ہے کہ

عہد رسالت مآب میں واقعہ کربلا کا ذکر آیا۔ اور فاطمہ زہرا گریاں تھرتھرانے لگیں۔ زینب نے پوچھا۔ مادر گرامی اس وقت میں ہوں گی یا نہ ہوں گی ارشاد ہوا ے

شہروں میں بیاں تیری شکیبائی کا ہو گا ‏ ‏ ‏ تو اوٹ پہ اور نیزے پہ سر بھائی کا ہو گا

الغرض وہ وقت آیا کہ خداوند عالم نے گلزار تمنا میں دو گلغدار یکے بعد دیگرے پیدا کئے۔ زینب نے درگاہ الہی میں عہد کیا کہ اگر یہ بچے صحیح و سالم رہے تو میں انہیں اپنے بھائی حسین پر سے نذر کروں گی۔ دن گزرے راتیں گزریں۔ بچے چلنے پھرنے لگے۔ زینب نے حضرت عباسؑ کے پاس فن سپہگری سکھانے کے لیے بھیج دیا۔ یہ روزانہ حضرت عباس کے پاس ہنر جنگ و جدل سیکھتے تھے۔ جب گھر واپس آتے تھے تو حضرت زینبؑ فرماتی تھیں ے

دنیا کی خوبیاں ہیں سب ان کے واسطے ‏ ‏ ‏ میں پالتی ہوں دونوں کو اک دن کے واسطے

غرض صبح عاشورا آگئی اور دشمن برسر پیکار ہوگئے۔ اصحاب نے قربانیاں پیش کیں۔ اصحاب کے بعد اقربا و اعزا کی باری آئی۔ جب مسلم بن عقیل کے فرزند مولا کے قدم پر نثار ہوگئے۔ تو عون و محمد بھی بجوش شجاعت سے بے بیتاب ہو کر حاضر خدمت ہوئے " مولا مرنے کی اجازت دیجئے"۔ امام حسین نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ زینب کو صدمہ عظیم ہو گا۔ اجازت دینے میں تامل فرمایا۔ پھر امام حسین داخل دولت سرا ہوئے۔ آپ کے ہمراہ حضرت علی اکبر اور آپ کے پیچھے عون و محمد بھی تھے۔ آپ زوجۂ جناب مسلم کے سامنے ادائے تعزیت فرما رہے تھے کہ ناگاہ جناب زینب بھی تشریف لائیں ے

ماں کی طرف جو عون و محمد نے کی نظر ‏ ‏ ‏ منہ پھیر کر جھکا لیا زینب نے اپنا سر
بھائی سے بھائی نے یہ کہا اب بہ چشم تر ‏ ‏ ‏ اماں خفا ہیں کچھ جو نہیں دیکھتیں ادھر
کیا جانیں وہ کہ دیر کا یاں کیا سبب ہوا
رخصت میں اور پیچ پڑا یہ غضب ہوا

یہ کہہ کے ماں کے پاس گئے دونوں مہ لقا ‏ ‏ ‏ ڈر ڈر کے کانپ کانپ کے منت سے یہ کہا
ہم مانگتے ہیں دیر سے میدان کی رضا ‏ ‏ ‏ دیتے نہیں مگر شہ دیں رخصت وغا
بے وجہ خادموں سے مکدر حضور ہیں
اماں خدا گواہ کہ ہم بے قصور ہیں

بولی یہ رو کے خواہر سلطان بحر و بر ‏ ‏ ‏ اب دھیان آیا مر گئے مسلم کے جب پسر
لاشے پہ لاشے آتے ہیں گزری ہے دوپہر ‏ ‏ ‏ کیا کر رہے تھے صبح سے حیران ہوں تھے کدھر

حضرت کے ساتھ آپ بھی آتے تو خوب تھا
اکبر کے بعد مرنے کو جاتے تو خوب تھا

دونوں بچے دست بستہ عرض پرداز ہوئے مادر گرامی ہماری کوئی خطا نہیں۔ ہمیں ماموں جان نے اب تک اجازت نہیں دی۔ یہ سُن کر حضرت زینب امام حسینؑ کی خدمت میں بچوں کو لائیں اور ان کے لیے اجازت طلب کی۔ امام حسینؑ اشک بہاتے ہوئے خیمہ سے باہر چلے گئے۔ حضرت زینب نے بیٹوں کو لباس پہنایا۔ اور امام حسین کو بلوا بھیجا۔ مگر حسین یہ سوچ کر نہ آئے کہ اگر جاؤں گا۔ زینب بچوں کے لیے اجازت مانگیں گی۔ صاحبزادوں نے کہا مادر گرامی! اگر ماموں نہیں آتے۔ عباس کو بلایئے ؎

تم حضرت عباس کو میدان سے بلالو ساتھ ان کے ہمیں کر دو جو کہنا ہو سو کہہ دو

حضرت زینب نے غصہ سے کہا کہ ایک بار اور جاؤ اور میرے بھائی عباس سے کہو کہ زینب بلاتی ہیں اور اگر وہ بھی آنے میں تامل کریں تو کہنا کہ

ع تم آؤ تو آؤ نہیں خود آتی ہے زینبؑ

الغرض حضرت عباس نے امام حسین کی طرف رُخ کیا۔ امام کو آبدیدہ دیکھ کر خیمہ کی طرف روانہ ہوئے در خیمہ پر زینب کھڑی ہوئی تھیں ؎

عباس نے کی عرض کہ تم سب سے بڑی ہو
وہ سامنے شبیر ہیں تم در پہ کھڑی ہو

حضرت عباس نے فرمایا۔ اے بہن! میں نے بار بار بھائی سے کہا کہ زینب بلاتی ہیں تشریف لے چلیے مگر وہ نہ آئے۔

اے زینب وہ کہتے ہیں کہ بہن سات آٹھ سال کے بچوں کا گلا کٹنا چاہتی ہیں اور مجھے یہ برداشت نہیں ہے کہ زینب کو داغ مفارقت نصیب ہو۔ حضرت زینب نے کہا: اچھا اے عباس میرے بچوں کو تم لے جاؤ۔ اور اجازت دلا دو۔ حضرت عباس بچوں کو لیے ہوئے آئے۔ امام حسینؑ نے بجبر و اکراہ اجازت دی اور دونوں نونہال میدان قتال میں تشریف لائے ؎

دیکھا جو جلال ان کا تو کہنے لگا لشکر لو آئے دو یوسف دو سلیمان دو سکندر
دو حمزہ و دو حیدر کرار دو جعفر! دو غازی و دو شیر دو عباس دو اکبر
گھبرا کے نظر بعضوں نے کی چرخ بریں پر

ہیں شمس و قمر آج فلک پر کہ زمیں پر

بس تو کم نہیں یہ شجاعت کے دھنی ہیں دونوں بھوکے پیاسے ہیں یہ ہیں غنی ہیں دونوں
سر و بستان امام مدنی ہیں دونوں کیسے آمادۂ شمشیر زنی ہیں دونوں
ڈھالیں شانوں پہ ہیں اور ہاتھ میں شمشیریں ہیں
حمزہ و جعفر طیار کی تصویریں ہیں!

(پیام زندگی جلد ۴ ص۱۵ طبع لاہور)

یہ دیکھ کر ایک شخص نے پوچھا کہ تم کون ہو اس کا جواب انہوں نے رجز پڑھ کر دیا۔
علامہ محمد باقر اور علامہ سپہر کاشانی لکھتے ہیں کہ جناب عون نے یہ رجز پڑھا ؎

ان تنکرونی فانا بن جعفر شہید صدق فی الجنان الازہر
یطیر فیہا بجناح اخضر کفی بہذا شرفا فی المحشر

اور جناب محمد نے یہ رجز پڑھا ؎

نشکوا الی اللہ من العدوان قتال قوم فی الردی عمیان
قد ترکوا معالم القرآن و محکم التنزیل و التبیان
و اظہروا الکفر مع الطغیان

ترجمہ۔ اگر تم مجھے جانتے پہچانتے نہیں ہو تو جان لو کہ جعفر طیار کا میں بیٹا ہوں جو بلا شبہ جنت میں نمایاں جگہ کے مالک ہیں۔ وہاں وہ سبز پروں سے اڑتے ہیں اور سنو میرے لئے ان کا بھی شرف کافی ہے۔ میں خدا سے اس قوم کی جنگ و عدوان۔ قتل و قتال کی شکایت کرتا ہوں۔ انہوں نے قرآنی نشانات کو چھوڑ دیا ہے۔ اور تنزیل و تبیان سے بے خبر ہو گئے ہیں۔ اور اس ظلم و ستم کے ساتھ کفر و فسق کا بھی مظاہرہ کرتے ہیں۔

پھر ان میں سے جناب محمد بن عبد اللہ نے دس افراد قتل کئے اور جناب عون نے تین سوار اور اٹھ پیادے قتل کئے۔ جناب محمد کو عبد اللہ بن بطہ طائی نے اور عون کو عامر بن نہشل تمیمی نے شہید کیا۔ دمعہ ساکبہ ص۳۳۵۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۸۲۔ تاریخ طبری۔ جواہر الایقان ص۱۲۸ چہل مجلس سید وزیر حسین سب رج از ص۲۸۵ تا ص۲۷۰ طبع لکھنؤ ۱۲۹۸ھ)

علامہ راشدی لکھتے ہیں " یہ زینب کے نونہالوں سے رخصت ہو کر جنگ گاہ کی طرف گئے جام شہادت پیا۔ حسین نے خبر دی۔ بہن زینب۔ تمہارے بچے رخصت ہو گئے۔ بی بی

زینب کی ٹھنڈی سانس کے ساتھ زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے۔ حسینؑ میرے واسطے رونے کا نہیں بلکہ شکر کا مقام ہے۔ پانی میسر نہیں۔ تیمم کر رہی ہوں۔ دو نفل شکریہ اُس خدا کا ادا کروں جس نے مجھے آج سرخرو کیا اور مجھے ایسے بچے دیئے جو میرے بھائی پر نثار ہو گئے امام حسین نے حضرت عباس سے کہا بھائی آؤ۔ بچوں کی لاشیں اٹھا لائیں۔ کہرام مچا ہوا تھا۔ امام حسین (اور حضرت عباس) بچوں کی لاشیں لینے گئے اور بی بی زینبؑ نے استقلال کے ساتھ دوگانہ ادا کیا۔ سجدوں میں گریں اور کہا "تو بخشنے نواز ہے۔ مجھ دکھیا کے دونوں بچے تیرے نام پر تیرے رسولؐ کی اُمت کے ہاتھوں بے دردی سے قتل کئے گئے ہیں۔ میں نے ان کو بھوکا پیاسا تیری راہ میں گھر سے نکالا۔ اُن کی لاشیں آ رہی ہیں۔ صبر کی توفیق دے۔۔۔ دُعا کر رہی تھیں کہ بچوں کی لاشیں خیمہ میں آئیں۔ اُنھیں تو بھائی نے کہا زینب تمہارا ارمان پورا ہوا۔ تمہارے بچے جن کی شادی کا تم کو ارمان تھا۔ دولہا بن کر تمہارے سامنے آ گئے۔ قربان اس منہ کے جس نے کہا: حسین کے بھانجے نہیں غلام ہیں۔ میرے بچو! تم کو سر پر رکھوں تمہاری لاشوں کو آنکھوں سے لگاؤں، تم حسینؑ کے غلام نہیں۔ کلیجے کے ٹکڑے تھے۔ ماموں حق مہمان نوازی ادا نہ کر سکا۔ مگر تم نے زینب کے دودھ کا حق ادا کر دیا۔۔۔ بی بی زینب خاموش کھڑی بھائی کی تقریر سُن رہی تھیں۔ جب امام عالی مقام خاموش ہوئے۔ تو کہا بھیا ان مہمانوں سے باتیں کر لوں۔ ان کو دودھ بخش دوں اور ان سے کہہ دوں کہ ماں کا کہنا سُننا معاف کرنا۔ اور جس سختی اور ترشی سے وداع کیا تھا۔ اس کی شکایت نانا اور نانی سے نہ کرنا۔۔۔ عونؑ و محمدؑ میں نے تم کو گھر سے اس اس وقت نکالا۔ جب بھوک اور پیاس نے جان پر بنا دی تھی۔ بچو۔ خطاوار کا قصور معاف کر دو۔۔۔۔ سلام کو جھکتے تھے تو درازیٔ عمر کی دعائیں دیتی تھی۔ آج ماں کے حکم پر جان نثار کر گئے اب کیا دعا دوں یہ کہہ کر پہلے چھوٹے کے منہ پر ہاتھ پھیر کر اس کا خون اپنے منہ سے ملا۔ اس کے بعد بڑے کی طرف مڑ کر کہا۔ میرا بچہ محمد کربلا کے میدان میں تمہارے سپرد ہے جب رات کے وقت سوتے میں ڈرتا تھا تو سینے سے لگا لیتی تھی۔ اب اگر یہ چونکے تو ماں کے بدلے گلے سے لگا لیجیو۔ ظلم و ستم سے شہید بچہ اس بیابان میں تمہارے سپرد ہے۔ اب ہچکی بندھ گئی تو اُٹھ کر چاروں طرف پھریں۔ اور چھوٹے کے ہاتھ آنکھوں سے لگا کر کہا۔ ماں ان ہاتھوں کے نثار۔۔۔ عمر سعد کو دکھا دیا کہ میدانِ جنگ میں بہادر کس طرح جان دیتے ہیں۔ دفعتہً کچھ خیال آیا اور بھائی کو بُلا کر کہا۔ کیوں بھائی بچوں سے کوئی خطا تو نہیں ہوئی۔ اگر کوئی لفظ خلاف مزاج ان کی زبان سے نکل گیا ہو۔ تو معاف فرما دیجیے

ہیں نے منع کر دیا تھا کہ ہرگز ہرگز نہ کہنا کہ ہم امام کے بھانجے ہیں۔ امام حسین بہن سے لپٹ کر رونے لگے۔ اور کہا زینبؑ تمہارے بچے تمہارے کلمے کی پوری تعمیل کر گئے۔ دشمنوں نے ہرچند پوچھا گر وہ یہ کہتے دنیا سے سدھارے۔ کہ ہم امام کے غلام ہیں۔ زینبؑ! تمہارے بچے کلیجہ پر ایسا داغ دے گئے کہ اپنی زندگی کا ہر لمحہ وبال ہے۔ یہ سُن کر زینب مسکرائیں۔ بچوں کے منہ چومے اور بھائی سے کہا لیجئے۔ لے جائیے۔ الخ (سیدہ کا لال صٓ۱۶۰ تا صٓ۱۶۵)

حضرت عباس علیہ السلام کا اپنے بھائیوں کو فہمائش کرنا اور حوصلہ افزائی فرمانا

بہتر کے سوا کوئی نہ پایا
جو آغوشِ اجل میں مُسکرا دیتے

قربانگاہِ کربلا پر اصحاب کے بعد بنی ہاشم اسلام پر بھینٹ چڑھنا شروع ہو گئے ہیں۔ اب اُن میں سے ہر ایک سبقت کرتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ اور جو موقع پا جاتا ہے اور اجازتِ نبرد آزمائی حاصل کر لیتا ہے۔ میدان کی طرف دوڑتا ہے اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بانی اسلام کی نظر میں سُرخروئی حاصل کرتا ہے۔ بہت سے بنی ہاشم کے نوجوان اپنی قربانیاں پیش کر چکے ہیں۔ حضرت عباس جن کے اوپر جنگ کربلا کے سر کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ وہ ہرچند کوشش کر رہے ہیں کہ مجھے میدانِ وغا کی اجازت ملے۔ تاکہ میں اپنے کو پیش کر کے بابا جان حضرت علی کی بارگاہ میں سرخرو ہو جاؤں اور اُن پر یہ ثابت کر دوں کہ آپ نے جس غرض کے واسطے میری ولادت کی تمنا کی تھی میں نے اُسے پورا کر دیا۔ لیکن علمبردار لشکر ہونے نیز حسینؑ کے ایسے قوتِ بازو ہونے کی صورت میں جن پر حسینؑ اپنے کو فدا کرنے کی تمنا رکھتے تھے۔ اور "بنفسی انت" اکثر فرمایا کرتے تھے کیوں کر میدان قتال کی اجازت پا سکتے تھے۔ بنا بریں حضرت عباس نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اگر میں اپنی ذاتی قربانی اس وقت جبکہ سب اپنی ہاشم کے نونہال جا رہے ہیں۔ نہیں پیش کر سکتا تو کم از کم یہ تو ضرور ہی کر سکتا ہوں کہ قاسم و علی اکبر سے پہلے اپنے حقیقی بھائیوں کی قربانگاہِ حسینی میں پیش کر دوں تاکہ بابا جان مجھ سے ناخوش نہ ہوں۔ اور ان کو گلہ و شکوہ نہ رہے اور وہ بانی اسلام کی بارگاہ میں اس بارے میں شرمندہ نہ ہوں۔ کہ ان کے دو بیٹے جو عباس کے سگے بھائی تھے۔ انہوں نے سر دینے میں تاخیر کی۔ حضرت عباس نے اپنے سگے بھائیوں کو مخاطب کر کے کہا یا بنی اُمّی تقدموا حتیٰ اراکم وقد نصحتم لله ولرسوله اے میرے حقیقی بھائیو! اب میدان قتال میں جا کر خدا اور رسولؐ کے لیے اپنی جانیں دے دو۔ اور مجھے دکھا دو کہ تم نے سرخروئی حاصل کر لی اور

سنو تمہیں یاد ہوگا کہ جب جنگ صفین ہو رہی تھی اور تیروں کا مینہ برس رہا تھا۔ اس موقع پر پدر بزرگوار نے محمد حنفیہ سے فرمایا تھا کہ آگے بڑھو اور فوج مخالف کے میمنہ پر حملہ کرو۔ اس وقت انہوں نے عرض کی بابا جان الاتری السھام کانھا شابیب المسطر کیا حضور ملاحظہ نہیں فرما رہے ہیں کہ تیروں کی بارش ہو رہی ہے اور میں زخموں سے چُور ہوں۔ حضور حسن اور حسین بھی تو ہیں" یہ سننا تھا کہ بابا جان کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی اور انہوں نے فرمایا:
ھذہ عرق من امك یہ تیری ماں کا اثر ہے۔ تُو میرا بیٹا ہے اور حسن و حسین رسولؐ مقبول کے فرزند ہیں نیز یہ کہ "تو بمنزلہ دست من و آنہا بمنزلہ چشم من اند تو تیرے ہاتھوں کی مانند ہے۔ اور حسنین آنکھوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہاتھ دفاع کیا کرتے ہیں آنکھوں کا کام رونا نہیں ہے۔ بغرضیکہ محمد بن حنفیہ کے ٹھکنے پر بابا جان کو غصہ آگیا اور انہوں نے اس کی رجز و توبیخ کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ بیٹا! میرے فرزندوں میں وہ زیادہ خوش نصیب ہوگا جو دشت کربلا میں فرزند رسول حسین کی مدد کرے گا۔ میرے بھائیو مجھے حنفیہ کی طرح ماں کا نام بھی بدنام نہیں کرنا ہے کیوں کہ وہ بھی بہت بہادر خاندان کی خاتون ہیں۔ اور ہمارے کارنامہ کربلا کی نوید حمایت سننے کے لیے مدینہ میں موجود ہیں۔ آج جنگ کرو قربانیاں پیش کرو اور ماں باپ کا نام روشن کردو۔ یہ سن کر ان کے بھائیوں نے کمال دلیری سے جواب دیا۔ کہ ہم اسی لیے آئے ہیں۔ اور انشاءاللہ اپنی قربانیوں سے جس قدر جلدی ممکن ہو سکے گا۔ اپنے پدر بزرگوار اور مادر گرامی نیز آپ کو خوش کردیں گے۔ (تحفہ حسینیہ جلد ا صـ۱۶۲ ۔ مجالس المتقین صـ۲۴ ۔ روضۃ الحسینیہ طبع ایران۔ مجمع النورین صـ۲۵۱ طبع ایران)

حضرت عباس کے حقیقی بھائیوں کی تعداد تمام مورخین کا اتفاق ہے۔ کہ حضرت عباس چار حقیقی بھائی تھے۔ (۱) خود حضرت (عباس) (۲) جناب عبداللہ (۳) جناب عثمان (۴) جناب جعفر۔ ان کی والدہ جناب ام البنین اور والد ماجد حضرت علی علیہ السلام تھے۔ اور انہیں سے حضرت عباس نے یوم عاشورہ خصوصی طور پر مخاطبہ فرمایا تھا۔ اور انہی کو شمر امان نامہ کے حوالہ سے اپنی طرف بلا رہا تھا جس کا انہوں نے کمال دلیری سے یہ جواب دیا تھا کہ تیرے ہاتھ ٹوٹیں۔ تیری امان پر لعنت ہے۔ لیکن امام ابو اسحاق اسفرائنی شہدائے بنی ہاشم کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ منھم العباس و عبد اللہ و جعفر و عمرو و عثمان ھؤلاء الخمسۃ اخوۃ الحسین من علی و ام البنین کہ عباس، عبداللہ، جعفر، عمر، عثمان۔ یہ پانچوں امام حسین

کے علاتی بھائی تھے۔ اور اُن کی ماں جناب اُم البنین تھیں۔ (نور العین صہ ۹۴ طبع بمبئی ۱۲۹۲ھ)
میرے نزدیک یہ درست نہیں ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ عمر بن علی، ام حبیبہ کے بطن سے تھے۔

غرضیکہ حضرت عباسؑ نے اپنے بھائیوں کی حوصلہ افزائی کی اور وہ سب مرنے کے لیے جلد سے جلد نکلنے پر خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ ناموس اسلام صہ ۱۹۳ میں ہے۔ باغ مرتضوی کے پھول اُم البنین کی آنکھ کے تارے دریائے فنا میں ڈوبنا شروع ہوئے حسینؑ کے بازو ٹوٹنے لگے۔ باپ کی نشانیاں۔ علی کی یادگاریں خاک میں ملنے لگیں۔ حضرت عباس نے بھائیوں کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ پیارو۔ تم مجھے جان سے زیادہ عزیز اور پیارے ہو۔ مگر آج میری خواہش یہی ہے۔ کہ تم سب مجھ سے پہلے بابا علی مرتضیٰ کی خدمت میں دربارِ رسولؐ سرخرو کوثر کے کنارے پہنچ جاؤ۔ تمہارے داغ ہم سینے پر اٹھائیں اور تمہارے غم میں صبر و رضائے الٰہی کے درجات بھی حاصل کریں۔ یہ بہادر بھائی کے فدائی۔ حسینؑ کے عاشق پہلے سے ہی شوقِ شہادت میں بے چین تھے۔ خوش ہو کر عرض کرتے ہیں۔ ہماری یہی تمنا اور یہی آرزو ہے کہ آپ سے پہلے خون میں ڈوبیں۔ اور اپنے پیارے بزرگ بھائی آقا حسین پر نثار و قربان ہو جائیں۔ ہتھیار سجتے ہیں۔ تلواریں اُٹھاتے ہیں۔ سلام و داع عرض کر کے رخصت ہوتے ہیں حسینؑ ایک ایک کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھتے ہیں اور رخصت فرماتے ہیں۔ بیشۂ حیدری کے شیر میدان میں جاتے ہیں۔ شجاعت علوی کے جوہر دکھلاتے ہیں۔ شیرانہ حملے فرماتے ہیں۔ تیر لگتے ہیں برچھیاں پڑتی ہیں زخمی ہو کر گرتے ہیں۔ اور بھائی پر قربان ہو جاتے ہیں۔ حسینؑ لاشوں کو اُٹھاتے ہیں اشکبار ہوتے ہیں اور خون بھری لاشوں کو خیمہ میں لے آتے ہیں۔ الخ

اب آپ ان بہادروں کے مختصر الفاظ میں تفصیلی واقعات تاریخ کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں

حضرت عباسؑ کے بھائی عبداللہ بن علی | عبداللہ بن علی حضرت عباس کے حقیقی بھائی تھے۔ آپ حضرت عباس سے تقریباً آٹھ سال چھوٹے تھے۔ آپ کی کنیت ناسخ التواریخ کے مطابق ابو محمد تھی۔ آپ کی عمر ۲۵ سال تھی۔ آپ کو جوہر شجاعت ورثہ میں ملا تھا۔ بڑے بہادر۔ نہایت جری تھے یہی وجہ ہے۔ کہ جب آپ حضرت عباس کے ارشاد کے مطابق میدان میں تشریف لے گئے تھے تو جوہر شجاعت دکھا کر لوگوں کو حیران کر دیا تھا۔ آپ کی عمر کے متعلق مورخین لکھتے ہیں:

ولد بعد اخیہ ثمان سنین وامہ فاطمہ ام البنین وبقی مع ابیہ ست

آپ اپنے بھائی حضرت عباس کے (تقریباً) آٹھ سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ کی مادر گرامی بھی ام البنین

سنین ومع اخیہ الحسن ست عشر سنۃ ومع اخیہ الحسین خمساً وعشرین سنتہ وذالک مدۃ عمرہٖ (ابصار العین ص ۳۴ بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۲۲۳۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۲۸۔ دمعہ ساکبہ ص ۳۳۶۔ انوار الحسینیہ ص ۶۸ بیج الاحزان ص ۱۱۲ اور تحفہ حسینیہ جلد ۱ ص ۱۲۳ میں ہے

فاطمہ کلابیہ تھیں۔ آپ نے پدر بزرگوار کے ساتھ ۴ سال اور امام حسن کے ساتھ ۱۶ سال اور امام حسین کے ساتھ پچیس سال زندگی بسر کی اور یہی (۲۵ سال) آپ کی مدتِ عمر ہے۔

کہ جناب عبداللہ ابن علی کے کوئی اولاد نہ تھی)

میدان جنگ کی طرف رہروی اور جانبازی آپ چونکہ فطرتاً شجاع تھے اور بڑے بھائی حضرت عباسؑ نے بھی حوصلہ افزائی کر دی تھی۔ لہٰذا جب آپ میدان میں تشریف لے گئے تو آپ نے کمال بے جگری سے جنگ فرمائی۔ آپ کی شجاعت کے متعلق صاحب ناسخ التواریخ لکھتے ہیں کہ عبداللہ مثل شیر یزداں مرد آزمودہ نبرد مرداں ومیدان بود" عبداللہ شیر یزداں حضرت علیؑ کے بہادر پسر تھے اور آپ لڑکوں سے نبرد آزمائی کے لیے بے چین تھے۔ تواریخ میں ہے کہ جب آپ میدان میں تشریف لے گئے۔ تو وہاں پہنچتے ہی ایک زبردست حملہ کیا۔ اور ان لفظوں میں رجز پڑھا:۔

انا ابن ذالنجدۃ والافضال ذاک علی الخیر فی الفعال

سیف رسول اللہ ذو النکال

فی کل قوم ظاھر الافعال

ترجمہ: میں ایک عظیم الشان بہادر اور صاحب جود و کرم کا فرزند ہوں اور یہی وجہ ہے کہ میرے افعال واعمال میں اچھائی نظر آتی ہے۔ اور تم سمجھے وہ کون ہے۔ وہ رسول اللہ کی شمشیر برہنہ ہیں ان کے افعال واعمال روز روشن کی طرح ساری دنیا پر روشن اور جلی ہیں۔

آپ کی شہادت رجز پڑھنے کے بعد آپ نے اس طرح حملہ کیا کہ سارا میدان کانپ اٹھا۔ مورخین لکھتے ہیں: وجعل یضرب بسیفہٖ قدماً یجول فیھم جولان الوحی۔ آپ نے بجلی کی طرح میدان میں چکر لگا کر تلوار سے کاٹنا شروع کیا اور مجمع میں چیخ وپکار کی آواز بلند ہو گئی۔ (تحفہ حسینیہ جلد ۱ ص ۱۶۳ وانوار الحسینیہ ص ۶۸) دشمنوں نے جب دیکھا۔ کہ اس بہادر پر قابو نہیں پایا جا رہا تو پانچ ہزار کی جمعیت سے حملہ کیا۔ حضرت عبداللہ نے جب ملاحظہ کیا کہ اب دشمن اپنی پوری طاقت سے حملہ کر رہے ہیں۔ تو بقول صاحب حقائق المصیبتہ حضرت عباس علیہ السلام کو آواز دی۔ آپ عون بن علی

کو ہمراہ لیے ہوئے میدان میں پہنچے۔ اور دشمنوں پر حملہ آور ہوئے۔ جناب عبداللہ جن کے مقابلہ میں ہانی ابن ثبیت حضرمی تھا، چونکہ کافی زخمی ہو چکے تھے۔ لہٰذا دشمن آپ پر غالب آگیا۔ فشد علیہ ھانی ابن ثبیت الحضرمی فضربہ علی راسہ فقتلہ اور آپ کے سر مبارک پر اس نے تلوار لگائی۔ جس سے آپ شہید ہو گئے (ابصار العین، صہ ۳۴ بحار الانوار جلد ۱ صہ ۲۲۳۔ ناسخ التواریخ جلد ۲ صہ ۲۲۵۔ تحفہ حسینیہ جلد ۱ صہ ۱۴۱۔ مجالس المتقین صہ ۲۷۔ تاریخ طبری جلد ۶ صہ ۲۵۷۔ دمعہ ساکبہ صہ ۳۳۶۔ خصائص المصیبت صہ ۲۳۸ طبع بمبئی ۱۲۹۲ھ)

جناب عبداللہ پر امام معصوم کا سلام

السلام علی عبد اللہ بن امیر المومنین مبلی البلاء والمنادی بالولاء فی عرصۃ کربلا المضروب مقبلاً و مدبراً لعن اللہ قاتلہ ھادی ابن ثبیت الحضرمی۔

عبداللہ ابن علی علیہ السلام پر سلام ہو۔ جنہوں نے بلا پر بلا جھیل کر موقع امتحان میں کامیابی حاصل کی اور جو میدان کربلا میں اپنی محبت کا علی الاعلان ثبوت دے گئے۔ جنہیں دشمنوں نے ہر جانب سے زخمی کیا۔ خدا اُن کے قاتل ہادی بن ثبیت حضرمی پر لعنت کرے۔ (شفاء الصدور صہ ۱۱۱ طبع بمبئی)

حضرت عباسؑ کے دوسرے بھائی عثمان ابن علیؑ

جناب عثمان بن علی حضرت عباس علمدار کے دوسرے بھائی تھے آپ جناب عبداللہ سے دو سال چھوٹے تھے۔ آپ کی عمر ۲۳ سال اور کنیت بقول صاحب ناسخ التواریخ ابو عمر تھی۔ آپ کا اسم گرامی "عثمان" صرف اس لیے رکھا گیا تھا کہ حضرت علی کے ایک بھائی عثمان بن مظعون تھے۔ جنہیں حضرت علی بہت زیادہ دوست رکھتے تھے ناسخ التواریخ اور بحار الانوار میں ہے کہ جب اس فرزند کی ولادت ہوئی۔ تو حضرت علی علیہ السلام نے ان کا نام عثمان ابن مظعون کے نام پر رکھا۔ آپ کی عمر کے متعلق مورخین لکھتے ہیں۔

ولد بعد اخیہ عبد اللہ بنحو سنتین وامہ ام البنین وبقی مع ابیہ نحو اربع سنین ومع اخیہ الحسن نحو اربع عشر سنۃ ومع اخیہ الحسین ثلاثاً وعشرین سنۃ و ذالک مدۃ عمرہ (ابصار العین صہ ۳۴۔ انوار الحسینیہ صہ ۶۸)

آپ اپنے بھائی عبداللہ سے دو برس بعد پیدا ہوئے۔ آپ کی مادر گرامی بھی جناب اُم البنین تھیں آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ چار سال اور اپنے بھائی امام حسن کے ساتھ چودہ برس اور امام حسین کے ساتھ تیئیس سال زندگی بسر کی اور یہی آپ کی مدت عمر ہے۔

طبع نجف اشرف

میدان جنگ کی طرف رہروی اور جانبازی میدان جنگ میں جانے کے لیے حضرت عباس علیہ السلام ہمت افزائی فرما ہی چکے تھے۔ اب عبداللہ کی شہادت نے جناب عثمان کے دل میں نبرد آزمائی کا زور پیدا کر دیا تھا۔ آپ میدان کی طرف کمال شجاعت اور جوش میں تشریف لے گئے۔ اور آپ نے یہ رجز پڑھا۔

انی انا العثمان ذو المفاخر
شیخی علیٌ ذو الفعال الطاھر
وابن عم الرسول الطاھر
اخی حسین خیرۃ الاخائر!

ترجمہ: اے دشمنانِ اسلام! میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں صاحبِ مفاخر عثمان بن علی ہوں میرے بزرگ اور آقا میرے پدر نامدار حضرت علیؑ ہیں۔ جن کے کارنامے ناصیۂ روزگار پر روشن ہیں۔ وہ رسول مقبول علیہ السلام کے ابن عم یعنی چچا زاد بھائی ہیں۔ اور میرا بھائی حسینؑ ہے جو تمام منتخب لوگوں میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

وسید الکبار والاصاغر
بعد الرسول والولی الناصر

وہ حسینؑ جو رسول اللہ اور ولی اللہ کے بعد کائنات کے تمام چھوٹے اور بڑے سب کے سردار ہیں۔ (ناسخ التواریخ جلد ۲ صفحہ ۲۸۶۔ تحفہ حسینیہ صفحہ ۱۶۳۔ بحار الانوار جلد ۱ صفحہ ۲۲۳۔ دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۳۶)

آپ کی شہادت آپ کمال دلیری کے ساتھ مشغول جنگ تھے۔ فرماہ خولی ابن یزید الاصبحی بسھم فاوھطہٗ حتی سقط لجنبہ فجاءہ رجل من بنی ابان بن دارم فقتلہٗ واجتز راسہ کہ ناگاہ خولی ابن یزید اصبحی نے ایک ایسا تیر مارا جس نے انہیں بالکل کمزور کر دیا۔ اور آپ پہلو کے بل زمین پر گر گئے۔ اتنے میں ایک شخص بنی ابان ابن دارم کا آیا اور اس نے آپ کا سر کاٹ لیا (ابصار العین صفحہ ۳۴۔ مجالس المتقین صفحہ ۲۰۴۔ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۵۷۔ بحار الانوار جلد صفحہ ۲۳۳۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۲۸۔ صاحب مسیح الاحزان صفحہ ۱۲۰ میں لکھتے ہیں کہ چلۂ کمان سے چھوٹتا ہوا تیر جبین مبارک پر لگا اور آپ زمین پر تشریف لائے۔

جناب عثمان پر امام معصوم کا سلام

السلام علی عثمان ابن امیر المومنین سمی عثمان ابن مظعون لعن اللہ رامیہ بالسھم خولی ابن الیزید الاصبحی الایادی الدارمی۔ جناب عثمان بن مظعون کے ہمنام عثمان بن امیر المومنین پر سلام ہو اور خدا تیرے شہید کرنے والے خولی ابن یزید اصبحی ایادی داری پر لعنت کرے۔ شفاء الصدور شرح زیارت عاشورہ ص۱۱ طبع بمبئی

حضرت عباس کے تیسرے بھائی جعفر بن علی علیہ السلام

جناب جعفر بن علی حضرت عباس علمدار کے تیسرے بھائی تھے۔ آپ جناب عثمان سے تقریباً دو سال چھوٹے تھے۔ آپ کی عمر ۲۱ سال تھی۔ آپ کی کنیت بقول صاحب ناسخ التواریخ ابو عبد اللہ تھی۔ آپ کی عمر کے متعلق مورخین لکھتے ہیں:

ولد بعد اخیہ عثمان بنحو سنتین وامہ فاطمۃ ام البنین وبقی مع ابیہ نحو سنتین ومع اخیہ الحسن نحو احدی وعشرین سنۃ وذالک مدۃ عمرہ (ابصار العین ص۳۵ انوار الحسینیہ ص۶۵)

آپ اپنے بھائی عثمان کے دو سال بعد پیدا ہوئے آپ کی مادر گرامی جناب ام البنین تھیں۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ دو سال اور بھائی حسن کے ساتھ بارہ سال اور امام حسینؑ کے ساتھ اکیس سال زندگی بسر کی اور یہی آپ کی مدت عمر ہے۔

علامہ شیخ محمد بن کمال الدین شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے بھائی جناب جعفر طیار تھے جنہیں حضرت علی علیہ السلام بے حد چاہتے تھے۔ آپ کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی شخص جناب جعفر طیار کے نام سے آپ کو واسطہ دیتا تھا تو آپ کا غصہ فرو ہو جاتا تھا "اذا سئل بحق جعفر سکن (ملاحظہ ہو مطالب السئول ص۲۱) علامہ یزدی لکھتے ہیں کہ جب جنگ موتہ میں جعفر طیار شہید ہوئے تھے تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا تھا الآن انکسر ظھری بھیا اب میری کمر ٹوٹ گئی ہے۔ (انوار الشہادت ص۴۹) صاحب ابصار العین علامہ سماوی لکھتے ہیں۔ روی ان امیر المومنین سماہ اخیہ جعفر لحبہ ایاہ ص۳۵ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے فرزند جعفر کا نام اس لیے جعفر رکھا تھا تاکہ جعفر طیار کی یاد تازہ رہے۔

آپ کی میدان کی طرف رہروی اور جانبازی آپ اپنے دیگر بھائیوں کی طرح نہایت شجاع اور بہادر تھے۔ آپ کو یونہی حوصلہ جنگ تھا پھر حضرت عباس نے باپ کی وصیت یاد دلا

کرہمت افزائی کرکے سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا۔ مورخین کا بیان ہے "فتقدم فشد ما علی الاعداء یضرب فیھم بسیفہ" کہ آپ نے میدانِ جنگ میں جاکر دشمن پر حملہ آوری کی اور تلوار سے انہیں فنا کے گھاٹ اتارنے لگے۔ اور یہ رجز پڑھا ؎

انی انا الجعفر ذو المعالی ابن علی خیرۃ النوالی

حسبی بعمی شرفاً و خالی

احمی حسیناً ذی الندا لمفضالی

ترجمہ: میں بلندی کا بادشاہ جعفر ہوں اور حضرت علی علیہ السلام کا فرزند ہوں۔ جو بڑے جودوکرم والے تھے۔ میرے چچا اور ماموں کی شرافت حسب ونسب میری شرافت کی شاہد اعظم ہیں۔ میں ایسے حسین کی مدد کر رہا ہوں۔ جو بڑے بخشش کرنے والے ہیں۔ (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۶۳۔ ابصار العین صفحہ ۳۵۔ بحار الانوار جلد ا صفحہ ۲۲۳۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۶۸۔ جواہر الایقان صفحہ ۲۱۰۔ دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۳۶)

آپ کی شہادت آپ کمال دلیری اور بہادری کے ساتھ جنگ آزما تھے۔ کہ ناگاہ "شد علیہ ھانی ابن ثبیت الحضرمی الذی قتل اخاہ فقتلہ آپ پر ہانی ابن ثبیت حضرمی نے وار کیا، اور آپ کو شہید کر ڈالا۔ (ابصار العین صفحہ ۳۵ مقتل ابی مخنف طبع ایران)

جناب جعفر پر امام معصوم کا سلام السلام علی جعفر بن امیر المومنین الصابر بنفسہ محتسباً والنائی عن الاوطان مغترباً المستسلم المستقدم للنزال المکثور بالرجال لعن اللہ قاتلہ ھانی بن ثبیت الحضرمی" جعفر ابن امیر المومنین علیہ السلام پر سلام ہو۔ جو اپنی جان کی قربانی پیش کرنے میں بڑے صابر تھے۔ اور غربت کی حالت میں وطن سے نکالے ہوئے تھے جو جنگ آزمائی کے لیے دل و جان سے تیار تھے۔ جو میدان کارزار میں بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والے تھے جنہیں لوگوں نے اپنی کثرت سے مغلوب کر دیا تھا خدا ان کے قاتل ہانی بن ثبیت حضرمی پر لعنت کرے (شفاء الصدور شرح زیارت عاشور طبع بمبئی)

مورخ طبری کی تنگ نظری حضرت عباس علیہ السلام کی وفاداری کے کارناموں میں سے ایک عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اسلام کی حمایت کے سلسلہ میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ نہ میں خود باقی رہوں گا اور نہ اپنے کسی بھائی اور بیٹے کو زندہ رہنے دوں گا۔ یہ انہوں نے کیوں کیا صرف اس لیے کہ وہ موقع آشنا تھے اور جانتے تھے۔ کہ آج اسی کا محل ہے۔ تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ آپ نے اپنے حقیقی بھائیوں کو جن کے نام عبد اللہ، عثمان، جعفر ہیں مخاطب کرکے اس وقت کہا

جبکہ امام حسینؑ پر تمام اصحاب اپنی جانیں قربان کر چکے تھے اور اہل بیت میں سے بھی اکثر ہستیاں قربان گاہ اسلام پر بھینٹ چڑھ چکی تھیں۔ "پیش بیائید۔ وقدم بمیدان جدال و مقاتلہ بگذارید تا اینکہ مشاہدہ کنم و ببینم شما را کہ یاری کردہ باشید در راہِ خدا و رسول آں پس دریغ نہ کنید در جان دادن۔ بہ تحقیق برائے شما اولاد و عقب نیست۔ تا غمِ آنہارا بخورید" اے میرے حقیقی بھائیو۔ میرے قریب آؤ۔ اور میری بات سنو۔ وہ یہ ہے کہ اب وہ وقت ہے کہ تم بھی اب میدان قتال میں قدم جدال رکھ دو اور اس طرح جنگ کرو۔ کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں کہ تم نے خدا اور رسولؐ کی راہ میں اپنی جانِ عزیز قربان کر دی ہے۔ دیکھو آج کے دن جان دینے سے دریغ۔ کرنے کا محل نہیں ہے۔ دلیری سے جان دل دے دو۔ اے میرے بھائیو! میری طرح تمہارے تو اولاد بھی نہیں ہے۔ جس کا تمہیں غم ہو سکے۔ لہٰذا عجلت کرو۔ اور شرف شہادت حاصل کر کے بارگاہِ رسولؐ میں سرخرو ہو جاؤ۔ (جواہر الایقان در بندی ص۲۰۲ بحار الانوار جلد ۱ ص۲۲۳ وغیرہ)

آپ کے بہادر بھائی جو پہلے ہی سے جنگ کے لیے تیار تھے۔ میدان قتال کی طرف چل پڑے اور سب سے پہلے جس نے قدم اٹھایا وہ آپ کے بھائی عبداللہ تھے۔ آپ نے اپنے ہر بھائی کو میدان قتال میں بھیجتے وقت فرداً فرداً یہی فرمایا تھا کہ تقدم یا اخی حتی لا لک قتیلا واحتسبک فانہ لا ولد لک میرے عزیز بھائی! میدان میں جا کر اس طرح لڑو۔ کہ میں تمہیں خاک و خون میں تڑپتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں (انوار الحسینیہ ص۶۸) چنانچہ آپ کے برادرانِ خوش اعتقاد میدان میں جا کر اسلام پر قربان ہو گئے۔ (ابصار العین ص۲۹)

علماء اور مورخین نے اس امر کی وضاحت میں کہ حضرت عباس نے اپنے سے پہلے اپنے بھائیوں کو جنگ گاہ میں بھیجنے پر مقدم کیوں کیا۔ ایسی چیزیں پیش فرمائی ہیں جن سے حضرت عباس کے کمال تدبر کا پتہ چلتا ہے صاحب مناقب الابرار ص۳۳ میں لکھتے ہیں کہ کارِ خیر میں عجلت کرنی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان بہکا کر اس کی طرف سے رُخ موڑ دے۔ علامہ برغانی مجالس المتقین کے ص۴۲ پر لکھتے ہیں

حضرت عباس تاکید تمامی نے نمود کہ آں برادرانِ کوچک تر خود را پیش از خود شہید راہ حسین نمایند مبادا آنکہ بعد از او شیطان وسوسہ نماید و از فیض شہادت باز مانند۔ الخ

حضرت عباس نے بتاکید تمام اس بات کی کوشش کی کہ اُن کے بھائی ان سے پہلے حسینؑ پر

قربان ہو جائیں۔ اس لیے فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان دل میں کسی قسم کا وسوسہ پیدا کر کے انہیں شرف شہادت سے باز رکھے اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت عباس نے اپنے سے اس لئے مقدم رکھا تاکہ میری شہادت ان کی نظروں کے سامنے نہ واقع ہو۔ کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے مرنے سے ان کی ہمت ٹوٹ جائے اور وہ شرف شہادت سے محروم رہ جائیں۔ اور امام حسین علیہ السلام کی بدنامی ہو کہ ان کے لشکر میں ایسے لوگ بھی تھے جو میدان کارزار میں نہ آئے۔ اور اپنی جان بچالی۔"

راجہ سرکشن پرشاد صدر اعظم حکومت حیدر آباد اپنے رسالہ شہید کربلا طبع لکھنؤ ۱۳۵۸ھ کے صفہ ۸ میں لکھتے ہیں: حضرت عباس اپنی شہادت کے لیے راستہ بنا رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ علمداری کا عہدہ جہاد کی اس وقت تک اجازت دینے پر مجبور نہ کرے گا۔ جب تک کوئی تلوار اٹھانے والا باقی رہے گا۔ الخ۔ یعنی حضرت عباس نے اپنے بھائیوں کو جنگ کے لیے ابھار کر اس لیے جلد سے جلد شہید کرا دیا۔ تاکہ انہیں حوصلہ شہادت پورا کرنے کا موقع مل جائے۔ کیونکہ جب تک کوئی بھی باقی رہے گا۔ علمدار لشکر کو درجہ شہادت پر فائز ہونے کا موقع نہ ملے گا۔

بہر حال حضرت عباس نے کمال وفاداری کے جذبے سے مجبور ہو کر اس امر کی کوشش فرمائی کہ تمام لوگ جلد سے جلد شہید ہو کر میرے لیے راستہ صاف کر دیں تاکہ میں امام حسین پر قربان ہو کر اپنے والد بزرگوار حضرت علیؑ کی تمنا پوری کر دوں۔ میں کہتا ہوں کہ دنیا کا کون انسان ایسا ہو گا جو حضرت عباسؑ کے اس جذبۂ وفاداری کی قدر نہ کرے گا لیکن ہمیں نہایت افسوس ہے کہ دنیائے اسلام کا ایک مورخ علامہ ابو جعفر محمد ابن جریر طبری اپنی کج فہمی اور تعصب کی وجہ سے لکھتا ہے کہ حضرت عباس نے اپنے بھائیوں سے فرمایا۔ تقدموا حتی ارثکم فانہ لا ولد لکم الخ۔ اے میرے بھائیو! عبداللہ، عثمان، جعفر۔ تم جلد سے جلد میدان جنگ میں جاکر شہید ہو جاؤ۔ تاکہ میں تمہاری میراث کا مالک بن جاؤں کیونکہ تمہارے کوئی اولاد نہیں ہے۔ (تاریخ طبری جلد جلد ۶ صفہ ۲۵۷ طبع مصر)

اسی کی پیروی ابو الفرج نے مقاتل الطالبین میں کی ہے۔ وہ لکھتا ہے: تقدم اخاہ جعفر بین یدیہ لانہ لم یکن لہ ولد لیجوز میراثہ العباس۔ جعفر کو شہادت کے لیے حضرت عباس نے بھیج دیا تاکہ ان کی میراث کے مالک بن جائیں۔ علامہ عبد الرزاق موسوی کتاب "قمر بنی ہاشم" طبع نجف اشرف کے صفہ ۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ ان دونوں مورخین نے عجیب و غریب بات کہی ہے۔ کجا حضرت عباسؑ کی شخصیت اور کجا بھائیوں کی میراث میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ ان دونوں مورخوں نے یہ کیونکر کہہ دیا کہ حضرت عباس اپنے بھائیوں کی میراث لینے کا خیال رکھتے تھے۔ کیوں کہ یہ تو معمولی

آدمی بھی جانتا ہے۔ کہ ماں کی موجودگی میں بھائی کو بھائی کی میراث میں سے کچھ نہیں ملا کرتا کیا وہ حضرت عباسؑ جو آغوشِ امامت میں پرورش پا چکے تھے اور جن کا علمی پایہ بے انتہا بلند ہے انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ شرعاً مجھے ان کی میراث کا کوئی حق نہیں پہنچتا اور پھر ایسے موقع پر جب کہ وہ جانتے تھے۔ کہ اب چند منٹوں میں مَیں بھی درجہ شہادت پر فائز ہو جاؤں گا۔ اور یہ سوچنے کی بات ہے کہ بازاری شخص بھی کسی کو اس طرح مرنے کے لیے نہیں ابھارا کرتا کہ تم جاؤ قتل ہو جاؤ تاکہ میں تمہاری میراث کا وارث بن جاؤں۔ چہ جائیکہ حضرت عباسؑ جو جامعہ نبوت کے تعلیم یافتہ اور مدرسہ امامت میں پڑھے ہوئے تھے اور جنہوں نے باپ اور بھائی کی آغوش میں تربیت پائی تھی۔ اور ان سے معارف سیکھے تھے۔ یہ باور کرنا چاہیئے کہ حضرت عباسؑ نے اپنے بھائیوں کو میدان میں بھیجنے میں اس لیے جلدی کی تھی۔ تاکہ امام حسینؑ پر یہ ثابت کر دیں۔ کہ میرے بھائی آپ سے کس درجہ اُنس رکھتے ہیں اور کس طرح آپ پر قربان ہونے کو بے چین ہیں۔ اسی لئے آپ نے فرمایا تھا:

تقدموا حتی اراکم قد نصحتم اللہ و رسولہ الخ میدان میں میرے سامنے جاؤ۔ تاکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں کہ تم لوگ خدا اور رسول کی راہ میں قربان ہو گئے۔ یعنی آپ کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ جلد سے جلد اجرِ شہادت حاصل کر لیں۔ ابو حنیفہ دینوری لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؑ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا، تقدموا بنفسی انتم وحاموا عن سیدکم حتی تموتوا دونہ، فتقدموا جمیعا فقتلوا۔ میرے بھائیو! میں تم پر فدا ہوں۔ اپنے سردار امام حسینؑ کی حمایت کے لیے نکل پڑو۔ اور ان کے سامنے جان دیدو یہ سُن کر سب کے سب میدان میں گئے۔ اور اپنے کو قربان کر دیا۔

میرا خیال ہے کہ جن لوگوں نے میراث کا حوالہ دیا ہے انہیں لفظ (کا ولد لکم) سے دھوکا ہوا ہے۔ حالانکہ موقع گفتگو پر نظر کرنے کے بعد یہ دھوکا نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ اور اس سے سمجھنا چاہیئے تھا۔ کہ تمام مورخین نے جو یہ سمجھا ہے کہ "برائے شما عقب و اولاد نیست" تاغم آنہارا بخورید" یہ درست ہے اس کے علاوہ علامہ عبدالحسین علی نے یہ احتمال کیا ہے۔ کہ شاید ارثکم کے بجائے ادتکم غلطی سے لکھا گیا ہو اور علامہ شیخ آغا بزرگ نے یہ احتمال ظاہر فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ "تاریخ میں ارثکم کے بجائے ارثکم غلطی سے آگیا ہو یعنی احتمال اوّل کی بنا پر مقصد یہ ہے کہ حضرت عباسؑ نے فرمایا کہ تم مرنے کے لیے جاؤ تاکہ میں تمہارا غم برداشت کر کے ثواب کا مستحق بنوں اور احتمال ثانی کی بنا پر مقصد یہ ہے کہ حضرت عباسؑ

نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ تم مرنے کے لیے جاؤ تاکہ میں تم پر نوحہ ماتم کروں اور تمہارا مرثیہ کہوں یعنی تم پر رونے کا حق ادا کروں۔ کیونکہ تمہارے کوئی اولاد تو ہے نہیں جو تمہارا غم منائے گی۔ (النقد النزیہ جلد ا صـ۹۹ الذریعہ الی تصانیف الشیعہ)

فرزندانِ حضرت عباسؑ کی جانبازی اور شہادت

مشہور جہاں میں ہیں وفادار علمدار
فرزند وفادار کے ہوتے ہیں وفادار

حضرت عباس علیہ السلام جو وفاداری میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ رزمگاہ کربلا میں اپنے بھائیوں کو بھتیجے اور ان کے جام شہادت نوش کرنے کے بعد اپنے ان دونوں فرزندوں کی طرف متوجہ ہوئے جو کربلا میں موجود تھے اور ان سے کہا اے میرے نورِ چشمو آج سرخرو ہونے کا دن ہے تم دیکھ رہے ہو کہ آج بڑی بڑی ہستیاں حمایتِ اسلام میں آغوشِ موت سے ہمکنار ہو گئیں اور اب وہ وقت دور نہیں کہ میں بھی فرزند رسول پر قربان ہو کر حیاتِ ابدی حاصل کروں گا اور اپنے پدرِ بزرگوار کی بارگاہ میں نہایت ہی سرخرو پہنچوں گا۔ تمہارا فریضہ ہے کہ موت کی طرف بڑھنے میں عجلت سے کام لو۔ ارباب مقاتل لکھتے ہیں کہ آپ نے سمجھا بجھا کر اپنے ایک بیٹے جناب فضل[1] کو ضمّہ الی صدرہ وقبل ما بین عینیہ وقال: سینے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا اے میرے نورِ نظر! تیری جدائی میرے لیے انتہائی شاق ہے لیکن کیا کروں کہ حسینؑ کے مقابلہ میں تیری کوئی ہستی نہیں سمجھتا اور تیری قربانی ضروری سمجھ کر اپنے دل سے تجھے جدا کر رہا ہوں۔ بیٹا خدا حافظ۔ میدان میں جاؤ۔ اور فرزند رسولؐ پر اسلام کے نام پر قربان ہو جاؤ۔ یہ سن کر جناب فضل ابن عباس ماں سے رخصت ہونے کے لیے خیمے کے اندر گئے اور مل کر فوراً باہر آئے۔ اور حاضر خدمتِ حسینی ہو کر عرض کی۔ ائذن لی یا عماہ بالبراز فقال لہ ابوہ بارک اللہ فیک۔ چچا جان مجھے بھی جنگ کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ جواب ملا۔ بیٹا جاؤ خدا

---

[1] بعض ارباب مقاتل نے یوم عاشورا شہید ہونے والوں میں محمد بن عباس کی شہادت کا حوالہ دیا ہے لیکن میری نظر میں یہ ثابت نہیں ہے کیونکہ علامہ ابن شہر آشوب نے ابوالفضل کے ساتھ تذکرہ فرمایا ہے۔ علامہ شیخ مفید اور دیگران کے جیسے علما نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ زیارت ناحیہ نیز تواریخ وانساب میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ البتہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عباس کے فرزندوں میں سے کسی ایک کا دوسرا نام محمد رہا ہو اور اسی نام سے شہادت کا حوالہ دیا گیا ہو۔ ۱۲ منہ

حافظ اجازت پاتے ہی آپ روانۂ میدانِ کارزار ہو گئے ؎

تیغیں کھنچی ہوئی تھیں عدو کی سپاہ میں
غل اقتلوا الحسین کا تھا رزمگاہ میں

حضرت عباس کا یہ نورِ نظر میدان میں پہنچا اور کمال جانبازی اور جوشِ شجاعت سے اس نے یہ رجز پڑھا ؎

رجز

اقسمت لو کنتم لنا اعدادا
ومثلکم وکنتم فرادی

خدا کی قسم تم (میرے خون بہانے کے لیے) اتنے ہو یا اور زیادہ ہو یا اکیلے ہو (میرے لیے سب برابر ہی ہے)

یا اشر جیل سکنوا البلادا
وشر قوم اظہروا الفسادا

اے اس زمین پر بد ترین قیام کرنے والو اور اے فساد کی آگ بھڑکانے والی شریر قومو

سنترك جمعکم شرادا
ونرمی الرؤس عن الاجساد

(یاد رکھو) کہ میں عنقریب تمہاری ساری جمعیت کا شیرازہ بکھیر دوں گا اور سروں کو تن سے بے تکلف جدا کر دوں گا۔

رجز کے الفاظ ختم ہوتے ہی آپ نے دشمنوں پر دل ہلا دینے والے حملے شروع کر دیئے۔ ولم یزل یقاتل حتیٰ قتل منھم مائتین وخمسین فارساً اور تھوڑی دیر میں ۲۵۰ دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مسلم خزانی ناقل ہیں کہ فرزند عباس کمال جانفشانی سے اپنی جانبازی کے مظاہرے کر رہے تھے۔ اور دشمن کی ساری فوج تباہ ہوئی جا رہی تھی کہ ناگاہ ایک شخص عظیم الخلقت جو کنارے کھڑا ہوا تمام ماجرا دیکھ رہا تھا۔ عقاب شکستہ بازو کی طرح ابن عباس پر یہ کہتا ہوا حملہ آور ہوا کہ واللہ لاقتلن ھذا الغلام فانی اراہ شجاعاً خدا کی قسم اسے میں قتل کروں گا۔ یہ تو بڑا بہادر معلوم ہوتا ہے میں نے آگے بڑھ کر اس سے کہا: الم تعلم قرابتہ، من رسول اللہ ارے تو جسے قتل کرنے کے لیے بڑھ رہا ہے۔ اس کی رسولؐ اللہ سے قرابت بھی جانتا ہے؟ فلم یلتفت لیکن اس نے میری بات پر بالکل کان

نہ دھرا اور فرزند عباس بن علیؑ پر ایسی حالت میں جبکہ وہ مشغولِ جنگ تھے۔ "فضربۃ عظیمۃ" ایسی ضرب کاری لگائی کہ بجوہانی دمہ۔ آپ اپنے خون میں لوٹنے لگے اور آواز دی۔ یا عماہ ادرکنی۔ چچا جان خبر لیجئے۔ امام حسینؑ فوراً دوڑ کر میدان میں پہنچے اور دیکھا کہ آپ ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی روح راہی جنت ہوگئی۔ "فبکی الحسین" یہ دیکھ کر امام حسینؑ رو پڑے اور کہا۔ اے میرے بیٹے! تیری موت سے بے انتہا صدمہ پہنچا۔ ثم حملہ ووضعا بین القتلا۔ پھر ان کی لاش اٹھا کر لائے اور گنج شہیداں میں پہنچا کر واپس آ گئے۔

فلما نظر القاسم قال بعز علی فوانک جب آپ کے حقیقی بھائی قاسم ابن عباس علمدار نے بھائی کی شہادت اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ تو بے چین ہو گئے اور کہنے لگے کہ اب اے بھائی تمہاری موت کے بعد میری زندگی حرام ہے۔ یہ کہہ کر آپ میدان کارزار کی طرف چلے۔ امام ابو اسحاق اسفرائنی فرماتے ہیں۔ "ولعہ من العمر تسعۃ عشر سنۃ" کہ جبکہ آپ میدان کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ آپ کی عمر ۱۹ سال کی ہے۔ غرضیکہ آپ رزمگاہ کی طرف روانہ ہو کر میدان میں پہنچے۔ اور رجز کے یہ اشعار پڑھنے لگے

رجز

الیکم من نبی المختار ضربا　　یشیب لهوله الطفل الرضیع

میں تم پر نبیؐ مختار کے صدقہ میں ایسا حملہ کروں گا کہ تمہارا دودھ پیتا بچہ بھی خوف اور ہول کی وجہ سے بڈھا ہو جائے گا۔

الا یا معشر اکفار جمعا　　بکل منهم خضب قطیع

اے سارے کفار و! سنو! میں تم میں سے ہر ایک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔

رجز پڑھنے کے بعد آپ نے ایک زبردست حملہ کیا۔ اس کے بعد پیہم حملے کرتے رہے، حتیٰ قتل منهم ثمان مائۃ۔ یہاں تک کہ آٹھ سو دشمنوں کو قتل کیا بھوک اور پیاس بھی زخموں کی شدت نے دونی پیاس کی آگ کو اور بھڑکا دیا۔ آپ فوراً خدمت امام حسینؑ میں حاضر ہوئے اور عرض کی چچا جان میری آنکھیں پیاس سے دھنس گئی ہیں۔ ادرکنی بشربۃٍ مجھے تھوڑا سا پانی عنایت فرمایئے۔ تاکہ میں دشمنوں سے لڑنے کے پھر قابل ہو جاؤں۔ یہ سن کر مجبور امام نے فرمایا۔ بیٹا تھوڑی دیر اور صبر کرو۔ تمہیں تمہارے جد نامدار حضرت محمد مصطفیٰؐ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جام سے سیراب کریں گے کہ پھر تم کو کبھی پیاس نہ لگے گی۔ یہ سن کر قاسم ابن عباس پھر میدان ... کی طرف واپس گئے۔ اور دشمنوں پر حملہ کیا۔ اس حملے میں آپ نے قتل منهم عشرين فارساً ۲۰ سواروں کو قتل کیا۔ ثم استشهد اور شہید ہوئے امام حسین کو اطلاع ملی۔ آپ میدان کی طرف تشریف لے گئے۔ دشمنوں نے قریب پہنچنے سے مزاحمت کی آپ نے حملہ کیا اور چار سو دشمنوں کو قتل کر کے حمله ووضعه بين القتلا ان کی لاش اٹھا لائے اور گنج شہیداں میں داخل کر دیا۔ ملاحظہ ہو نور العین فی مشہد الحسین۔ امام اسفرائنی صفحہ ۶۲، ۶۱ طبع ۱۲۹۲ھ ماتین صفحہ ۴ خلاصۃ المصائب صفحہ ۱۰۲ طبع لکھنو ۱۲۹۳ھ چہل مجلس صفحہ ۱۶۳ طبع لکھنو ۱۲۹۰ھ توضیح عزا صفحہ ۲۲)

جناب قاسم ابن الحسن کی روانگی اور ارزق شامی کا حضرت عباس کے متعلق سوال

حضرت عباس کے بھائیوں اور بیٹوں کی شہادت کے بعد حضرت قاسم ابن الحسن چچا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئے۔ چچا جان مجھے مرنے کی اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا بیٹا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ عرض کی چچا جان پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ میں زندہ موجود ہوں۔ ارشاد ہوا یا ولدی اتمشی برجلك الى الموت کیا بیٹے اپنے پیروں سے موت کی طرف جانا چاہتا ہے عرض کی حضور بے شک جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا اچھا جاؤ خدا حافظ۔ پھر آپ نے انہیں سینے سے لگا لیا اور روانہ کر دیا۔ آپ نے کمسنی کے باوجود میدان میں جا کر شاندار نبرد آزمائی کی اور بڑے بڑے بہادروں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ آپ کے میدان میں پہنچنے کے بعد ارزق شامی سے کہا گیا جو ایک ہزار سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا کہ تو قاسم ابن الحسن کے مقابلہ میں جا کر جنگ کر۔ اس نے کہا کہ عباس ابن علی کہاں ہیں جب وہ آئیں۔ تو مجھے ان کے مقابلہ کے لیے بھیجا جائے یہ تو چند سالوں کا لڑکا ہے میں اس کے مقابلہ میں جانا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ الغرض جب آپ نے ۳۰/۳۵ پیادوں اور پچاس سواروں کو قتل کیا تو ارزق شامی مقابل میں آگیا۔ آپ نے فرمایا۔ او ارزق مجھے لڑکا نہ سمجھ میں اس کا پوتا ہوں کہ

جس نے گہوارہ میں چیرا اژدر
نام طفلی ہی میں پایا حیدر

الغرض ارزق شامی سے تھوڑی دیر جنگی جھڑپ ہوتی رہی اس کے بعد

بولے قاسم او اسلام کے ننگ
ختم کرتا ہوں اب دیکھ میں جنگ

تیرے گھوڑے کا ڈھیلا ہوا تنگ

دیکھنے جو لگا جھک کے غدار
بڑھ کے قاسم نے ایسا کیا وار

کٹ کے مرحب پڑا سوئے کفار

اس ملعون کے سر کا کٹنا تھا کہ لشکر میں ہلچل مچ گئی۔ دشمنوں کے دل چھوٹ گئے اور آپ کے طرف داروں نے ہمت افزائی کرنی شروع کی ہے

بولے عباس شاباش بیٹا

کفر کا نام دنیا سے میٹا

اس کے بعد قاسم پیاس سے بے چین ہو کر خیمہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی چچا جان ادرکنی بشربۃ من الماء مجھے تھوڑا پانی عنایت فرمایئے۔ فصبرہ الحسین واعطاہ خاتمہٗ۔ امام حسین علیہ السلام نے صبر کی تلقین فرمائی اور اپنی انگوٹھی ان کے منہ میں دے کر فرمایا۔ جاؤ بیٹا خدا حافظ! آپ میدان میں پھر تشریف لائے۔ دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ تیر برسائے نیزے لگائے۔ ہتیس تیر جسم میں چبھے۔ اور شیبہ ابن سعد شامی نے ایک ایسا نیزہ پشت کی جانب سے لگایا۔ جو سینے کے پار ہو گیا۔ اور آپ زمین پر تشریف لائے۔ اور خون میں تڑپنے لگے۔ امام حسین علیہ السلام کو آواز دی اور ان کے پہنچنے سے پہلے زندگی ہی میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر دیئے گئے۔ (دمعہ ساکبہ ص ۳۳۵۔ تاریخ احمدی ص ۲۸۶ بحوالہ تاریخ کامل۔ مقتل ابی مخنف ص ۱۰۲ شہید اعظم ص ۱۹۵ طبع دہلی۔ شاہ یثرب ص ۸ طبع لاہور۔

حضرت عباسؑ اور جناب علی اکبر میں سبقت شہادت کے لیے گفتگو

حضرت قاسم ابن الحسن کی شہادت کے بعد حضرت عباس امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اذن جہاد مانگنے لگے۔ بعض روایات میں ہے۔ انہ لما قتل قاسم علیہ السلام ورای العباس ذالک وان وحن دالی القادر بہ اشتاق کہ جب حضرت قاسم ابن الحسن درجہ شہادت پر فائز ہو چکے اور بدن نازنین اس ماہ جبین کا پامال سم اسپاں ہو چکا اور عباس بن علیؑ نے اس مصیبت عظیم کو بچشم خود ملاحظہ کیا بے انتہا روئے اور آہ سرد دل پر درد سے کھینچ کر آمادہ شہادت ہوئے۔ نحمل الرایۃ وقال لاخیہ الحسین یا بن رسول اللہ ھل من رخصۃ فبکی الحسین وقال لہ یا اخی کیف اذن لک وانت حامل لوائی وملائۃ من عسکری اور علم سعادت تھیم لے کر حاضر خدمت حسین ہوئے اور عرض کی مولا اب مجھے مرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں امام

حسینؑ نے جواب دیا۔ اے عباسؑ! میں تمہیں کیوں کر اجازت دوں تم تو میرے علمبردار اور میرے لشکر کی جان ہو۔ حضرت عباسؑ نے عرض کی میرے سردار۔ اب بہت دل تنگ ہو چکا ہوں۔ اب میں قربان ہی ہو جانا چاہتا ہوں۔ ابھی دونوں بھائیوں میں گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ حضرت علی اکبر علیہ السلام آگئے۔ روایت میں ہے۔ لما قتل اصحاب الحسین کلھم ولم یبق منھم غیر العباس وعلی ابن الحسین۔ کہ جب امام حسینؑ کے تمام اعزہ و اقربا شہید ہو چکے اور حضرت عباسؑ اور علی اکبرؑ کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔ تو حضرت عباسؑ اجازت جہاد لینے کے لیے حاضر ہوتے۔ جناب علی اکبرؑ نے عرض کی چچا جان یہ نہیں ہو سکتا آپ میرے پدر بزرگوار کے قوت بازو اور علمدار لشکر ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ آپ مجھ سے پہلے شہید ہو جائیں۔ حضرت عباسؑ نے فرمایا۔ آقازادے یہ درست ہے۔ لیکن اب مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ میں تمہارا داغ اٹھاؤں۔ اب تو یہی بہتر سمجھتا ہوں۔ کہ میں جام شہادت سے سیراب ہو کر بابا جان کی خدمت میں سرخرو پہنچوں۔ علمدار لشکر اور شبیہ پیغمبرؐ کی گفتگو حضرت امام حسینؑ سن رہے ہیں اور خاموش کھڑے آنکھوں سے آنسو بہا رہے ہیں کہ ناگاہ حضرت عباسؑ آگے بڑھے۔ اور کمال منت وسماجت سے رخصت چاہی۔ حضرت نے علی اکبرؑ سے کہا۔ بیٹا! اب چچا کو ناراض نہ کرو۔ اور حضرت عباسؑ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "یا اخی قد کظنی العطش بھیا پیاس مارے ڈالتی ہے اور بچوں کے جگر کباب ہو گئے ہیں۔ تم سب سے پہلے پانی لاؤ۔ فرکض العباس الی خیم النساء فتناول منھا القربہ حضرت عباسؑ خیمہ اہل حرم کی طرف روانہ ہوئے اور ایک مشکیزہ لے کر نہر فرات کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ مورخین کا بیان ہے۔ فرکب فرسہ واخذ رمحۃ وقصد نحو الفرات حضرت عباسؑ مشک وعلم لے کر گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اور فرات کی طرف روانہ ہو گئے (دمعہ ساکبہ ص۳۳۶ بحار الانوار جلد ۔ ناسخ التواریخ جلد ۶۔ مقتل ابی مخنف۔ ارشاد مفید۔ خلاصۃ المصائب ص۱۰۶)

حضرت عباسؑ کی جانبازی اور شہادت

پیاسے بچوں کے لیے بھی تھے بڑی آس عباس
خالی کوزے لیے کہتے تھے کہ عباس عباس (منظر بہاری)

الارشاد والعزا ترجمہ المواعظ والبکا ص۱۲۴ میں ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حال تھا کہ کبھی امام حسین علیہ السلام کے خاص خاص مقامات کو بوسہ دیا کرتے تھے

اور روتے تھے کبھی سرکار سید الشہداء کے سر کے مقام کو چومتے تھے۔ اور روتے تھے۔ کبھی آپ کے شکم اطہر کو برہنہ کر کے دل کے مقام کو بہت بہت چومتے تھے۔ اور روتے تھے ان چار اعضا پر خاص طور سے بوسہ دیتے تھے۔ بعض اوقات آپ کا چومنا کسی خاص اعضا سے مخصوص نہ تھا۔ امام مظلوم علیہ السلام بچے تھے۔ ابھی پاؤں پر کھڑے نہ ہو سکتے تھے جناب امیر علیہ السلام کو حکم دیا کہ حسینؑ کو پکڑ رکھیں۔ اس وقت آپ تمام جسم کو چوم رہے تھے، اور رو رہے تھے لوگوں نے عرض کی۔ آپ چومتے اور روتے کیوں ہیں؟ فرمایا اقبل مواضع السیوف میں تلوار کے ضربات کے مقامات کو چوم رہا ہوں۔ الخ کتاب قمر بنی ہاشم فارسی صہ۲ میں ہے کہ ایک دن جناب ام البنین نے حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا۔ کہ حضرت اپنے زانو پر حضرت عباس کو بٹھلائے ہوئے ان کے ہاتھ اور کلائیوں کو بوسہ دے رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ روتے جا رہے ہیں ام البنین نے یہ نرالی حالت دیکھ کر حضرت علی سے پوچھا کہ حضورؐ میں نے کسی باپ کو اپنے بیٹے سے اس طرح پیار کرتے نہیں دیکھا آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔ اور اس کا سبب کیا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے واقعہ کربلا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تدریے حالات پر روشنی ڈال دی۔ اور کہا اے ام البنینؑ نصرت حسین میں ان کے دونوں ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ یہ سُننا تھا کہ اُم البنین چیخ مار کر روئیں اور ان کے ساتھ وہ سب لوگ رونے لگے جو گھر میں موجود تھے۔ پھر حضرت علیؑ نے کہا اے ام البنین! تم کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ عباس کے اس عمل مواسات کی وجہ سے خدا انہیں بڑا درجہ دے گا۔ اے اُم البنین انہیں خدا دونوں ہاتھوں کے عوض ملائکہ کے ساتھ جنت میں پرواز کے لیے اسی طرح دو پر دے گا۔ جس طرح جعفر طیار شہید موتہ کے لیے عطا ہوئے ہیں۔

در اصل یہ دونوں بزرگوں کی عملی پیشین گوئیاں اپنے بیٹوں کے بارے میں سچے خواب کی تعبیریں بن کر کربلا کے چٹیل میدان میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ عاشورہ کا دن ہے۔ آج امام حسینؑ کا جسم بھی تیروں۔ تلواروں اور نیزوں کی نذر ہو گا اور حضرت عباس کا جسم بھی تیروں۔ تلواروں اور نیزوں کی مہمان نوازی کرے گا۔ اب دن ڈھلنے کے قریب ہے۔ حضرت عباس بن علی علمدار کربلا۔ اصحاب حسین۔ اعزہ و اقربا اور اپنے بھائیوں۔ بیٹوں وغیرہم کی شہادت سے حد درجہ متاثر ہو کر سید الشہداء کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں۔ لیجئے آپ آگئے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ میں دست بستہ عرض پرداز ہیں یا اخی ھل من رخصۃ ے میرے برادر بجان برابر انت صاحب لوائی واذا مضیت تفرق عسکری۔ تم میرے لشکر

کے علمبردار ہو۔ اگر تم ہم سے چلے گئے۔ تو ہمارا سارا لشکر ختم ہو جائے گا۔ حضرت عباس نے دست بستہ عرض کی۔ حضور یہ سب سچ ہے۔ لیکن کیا کروں۔ لقد ضاق صدری وسئمت من الحیوانۃ اب اس دُنیا اور زندگانی دنیا سے دل بہت ہی تنگ ہو گیا ہے۔ اب تو صرف یہی جی چاہتا ہے۔ کہ ان دشمنانِ خدا و رسول سے جوانانِ بنی ہاشم اور اصحاب باصفا کے خون کا بدلہ لے کر آپ پر سے قربان ہو جاؤں۔ صاحب ناسخ لکھتے ہیں کہ حصول اذن میں حضرت عباس نے امام حسین کی بڑی خوشامد کی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بھائی! اگر آپ تم ہم سے جُدا ہی ہونا چاہتے ہو تو فاطلب لھؤلاء الاطفال قلیلاً من الماءً ان دل جلے رسول اسلام کے بچوں کی خاطر ایک دفعہ پانی کی پھر سعی کرو۔ حضرت عباس مشک و علم لے کر سمعاً وطاعۃً کہتے ہوئے دشمنانِ اسلام کی طرف جا نکلے اور ان سے حصولِ آب کی ہر ممکن سعی کی۔ آپ نے بنظ بھی فرمایا اور انہیں ڈرایا بھی مگر دع ”زرد میخ آہنی در سنگ“ پتھر میں جونک نہ لگی۔ اور سنگدل نہ پسیجے۔ جب آپ وعظ و موعظہ فرما کر مایوس واپس آئے۔ تو حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ بھیا اب تمام حجت کے لیے میرا آخری پیغام اس لشکر بے ہنگام تک پہنچا دو۔ (دمعہ ساکبہ ۳۳۶۔ بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۲۲۳۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۹۔ ابصار العین ص ۲۴۔ مفتاح الدموع ص ۳۲۱ طبع قم)

حضرت عباس کے ذریعہ سے امام حسین کا آخری پیغام

امام حسین کے حسب الحکم حضرت عباس علیہ السلام پھر میدانِ قتال کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر بروایت زہیر فنادی باعلی صوتہ کانہ صوت امیرالمومنینؑ۔ آپ نے حضرت علی کی آواز سے دشمنوں کو پکار کر کہا۔ کہ فرزند رسول الثقلین حضرت امام حسین علیہ السلام نے میرے ذریعہ سے اتمامِ حجت کے لیے یہ آخری پیغام بھیجا ہے۔ اسے غور سے سنو اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔ تمہیں خدا اور رسولؐ کو منہ دکھانا ہے دیکھو وہ فرماتے ہیں۔ دعونی اخرج الی طرف الروم والھند داخلی لکم الحجاز والعراق مجھے چھوڑ دو۔ میں تمہارے حدود مملکت سے نکل کر روم یا ہندوستان کی طرف چلا جاؤں اور تمہارے پھیلنے کے لیے حجاز اور عراق کو ہمیشہ کے لیے خالی کر دوں۔ آقائے دربندی لکھتے ہیں کہ حضرت عباس نے یہ بھی فرمایا کہ عہد ے نمایم کہ در روز قیامت مخاصمہ نکنم نزد خدائے تعالیٰ“ میں اس کا وعدہ کرتا ہوں کہ قیامت کے دن خدا کی بارگاہ میں تم سے تعارض نہ کروں گا۔ (جواہر الایقان ص ۲۰۴ و مہیج الاحزان ص ۱۶۳ و مخزن البکاء

مجلس ۸ (تحفہ حسینیہ ص۱۷۱ ۔ معراج الشہادت ص۱۱)

روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب حضرت عباس علمدار میدانِ جنگ میں پہنچے تو انہوں نے گھوڑے کو روک لیا۔ اور دشمنوں سے مخاطبہ کر کے کہا کہ اے قوم! فرزندِ رسولِ خدا فرماتے ہیں کہ میرے بھائیوں اور ہوا خواہوں کو تم نے قتل کر ڈالا۔ اب کم از کم تم اتنا کرو کہ ہم کو تھوڑا پانی دے دو۔ تاکہ بچے اور عورتیں شدتِ تشنگی سے ہلاک نہ ہوں اور اگر پانی بھی نہ دو تو راستہ دے دو۔ کہ اپنے پسماندگان کو لے کر کربلا و روم یا ہند کی طرف چلا جاؤں۔ حضرت عباس کا یہ پُر درد کلام سن کر بعض تو خاموش رہے۔ اور اکثر زار زار رونے لگے۔ لیکن شمر ابن ذی الجوشن اور شیبث ابن ربعی نے سامنے آکر کہا کہ اے علیؑ کے بیٹے جاکر اپنے بھائی سے کہو کہ اگر تمام روئے زمین پانی ہو کر ہمارے تصرف میں آجائے تب بھی ہم اس میں سے ایک قطرہ تم کو اس وقت تک نہ دیں گے جب تک تم یزید کی بیعت نہ کرو گے۔ حضرت عباس دشمنوں پر نفرین کرتے ہوئے واپس آئے۔ اور جو کچھ شمر وغیرہ نے کہا تھا۔ اس کو انہوں نے امام حسینؑ کی خدمت میں عرض کیا۔ امام حسینؑ نے فرطِ غم سے اپنا سر جھکا لیا (تاریخ احمدی ص۲۸۴)

علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ اسی قسم کے اہم واقعات سے متاثر ہو کر امام حسینؑ نے فرمایا تھا اللھم سلط علیھم غلام ثقیف یسقیھم کاساً مصبرۃ۔ خدایا ان پر بنی ثقیف کے ایک شخص (مختار ابن ابی عبید ثقفی) کو مسلط کر کہ وہ ہمارا بدلہ لیتے ہوئے انہیں تلخ جام پلائے (الدمع الھتون ترجمہ جلاء العیون جلد ۲ ص۴۲۹ باب ۵ فصل ۱۴ طبع ایران و دمعہ ساکبہ ص۳۲۸ بحوالہ بحار الانوار)

علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ حضرت کی دعا خالی نہ گئی۔ اور مختار نے تھوڑے ہی عرصہ میں شہدائے کربلا کا اپنی بساط بھر بدلہ لیا اور آپ کے ساتھ ان لوگوں نے بھی فریضہ حمایت ادا کر لیا جو علالت کی وجہ سے حاضرِ کربلا نہ ہو سکے تھے۔ جیسے محمد حنفیہ۔ انہوں نے واقعہ شہادت کے بعد مدینہ کو خیرباد کہہ کر جنگل بسا لیا تھا۔ جب مختار نے خروج کیا تو یہ آن کے ساتھ نمودار ہوئے (مائتین ص۴۰۳)

حضرت عباس اور امام حسینؑ کا ایک ساتھ میدان میں جانا الغرض حضرت عباس علیہ السلام نے امام حسینؑ کے پیغام کا جواب سنایا اور آپ انتہائی رنج کی وجہ سے سر جھکا کر خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ اور حضرت عباس آپ کے سامنے تھے کہ ناگاہ خیمہ سے العطش العطش کی صدا بلند ہوئی۔ یہ ایسی آواز تھی جس نے امام حسینؑ اور حضرت عباس پر اتنا گہرا اثر

گیا کہ دونوں کے دونوں نہر فرات کی طرف دوڑ پڑے۔ مورخین لکھتے ہیں قوکب المسناۃ یرید الفرات و بین یدیہ اخوہ العباس امام حسین علیہ السلام مسنات یعنی اس ناقہ رسولؐ پر سوار ہو کر چلے۔ . . . . جو آپ کے پاس موجود تھا (شرح ارشاد مفید صد ۳۸۵ و ناسخ جلد ۲ صد ۲۶۹) اور آپ کی روانگی اس طرح ہوئی کہ آپ کا جاں نثار برادر آپ کے آگے آگے تھا غرضیکہ امام حسین نہایت تیزی سے نہر فرات کی طرف چلے۔ فاعترضۃ خیل ابن سعد وفیھم رجل من بنی دارم یہ دیکھ کر ابن سعد کا لشکر آپ کو روکنے کے لیے بڑھا۔ اس لشکر میں ایک شخص بنی دارم کا تھا جس نے پکار کر کہا۔ لوگو کیا دیکھتے ہو۔ پانی اور حسینؑ کے درمیان حائل ہو جاؤ ولا تمکنوہ من الماء۔ اور انہیں پانی نہ لینے دو۔ امام حسینؑ نے فرمایا اللھم اظماہ خدایا اسے پیاس کا مزہ چکھا۔ یہ سن کر اس نے ایک تیر آپ کی طرف رہا کیا جو آپ کے گلوئے مبارک پر لگا۔ آپ نے اسے نکال کر پھینک دیا۔ اور گلے کے نیچے چلو لگایا۔ جب وہ خون سے بھر گیا۔ تو خون کو بھی زمین پر پھینک دیا۔ اس کے بعد فرمایا۔ اور گلے کے نیچے چلو لگایا۔ جب وہ خون سے بھر گیا تو خون کو بھی زمین پر پھینک دیا۔ اس کے بعد فرمایا پالنے والے تو دیکھتا جا۔ میرے ساتھ کیا کیا ہو رہا ہے اس کے بعد آپ واپس آئے۔ اور اب آپ کی پیاس بہت بڑھ چکی تھی۔ (اعلام الوریٰ صد ۱۴۶ طبع ایران ولھوف صد ۳۴۵ طبع ایران۔ تاریخ ابو الفدا جلد ا صد ۱۹۱ طبع مصر)

علامہ محمد باقر قائنی خراسانی بحوالہ روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین جس طرف حملہ کرتے تھے۔ عباس آپ کے آگے آگے حملہ آور ہوتے تھے۔ (کبریت احمر صد ۹۴۔ طبع ایران ۱۳۴۳ھ)

حضرت عباس کی بار و ابن صدیف تغلبی سے جنگ تیر لگنے کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام خیمہ کو واپس تشریف لے گئے۔ اور حضرت عباس جو پانی لانے ہی کے قصد سے روانہ ہوئے تھے۔ آگے بڑھتے چلے گئے۔ دشمن اگرچہ آپ کو گھیرے ہوئے تھے۔ لیکن آپ کی پیش قدمی نہ رکی۔ آپ کشتوں کے پشتے لگاتے ہوئے کافی دور نکل گئے اور آگے بڑھ کر یہ رجز پڑھا ؂

نحن الفواضل نسل الھاشمیات   نسفک دمائکم لحد المشرفیات

ہم نسل ہاشمی کے وہ جلیل القدر لوگ ہیں جو چمکدار اور تیز تلواروں سے تمہارے خون بہانے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

یاال اللئام دابناء الراعیات یاجن نالوترمی هذی الزیات

اے کمینو اور رذیلو اور بکریاں چرانے والوں کی اولاد۔ خدا تمہیں غارت کرے۔ اے جدّ نامدار! کاش آپ ہم پر نازل ہونے والے مصائب کو ملاحظہ فرماتے۔

یاخیر عصبة قد جادت بانفسها حتی نموت فی ارض الغاضریات

اے بہترین گروہ جو مقام غاضریہ میں اپنی جان عزیز پر کھیل گئے۔

الموت تحت ذباب السیف مکرمة اذا کان من بعده ایقان جنات

تلواروں کے سایہ میں موت کا آنا بڑی کرامت ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ جنت میں جانے کا یقین کامل ہو۔

لاتاسفن علی الدنیا ولذتها وذاک جدی یغفر کل زلات

اے مرنے والو! دنیا اور لذات دنیا پر تاسف نہ کرنا کیونکہ گناہوں کا بخشا جانا یہ بڑی بات ہے اور ہمارے جد شفیع محشر ہیں۔

ان اشعار کے پڑھنے میں لشکر مخالف آپ پر ٹوٹ پڑا۔ آپ نے شجاعت علویہ کے جوہر دکھائے بڑے بڑے بہادر فنا کے گھاٹ اتر گئے۔ مارد ابن صدیف تغلبی نے جو بہادری کا یہ رنگ دیکھا تو جھنجلا کر کہنے لگا کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے اور تم لوگ کیا کر رہے ہو۔ ارے ایک بہادر سارے لشکر کو قتل کئے ڈالتا ہے۔ اگر تم اس کے اوپر ایک ایک مٹھی خاک ڈالو تو یہ اسی میں دب کر اسی وقت مر جائے۔ مگر افسوس تمہاری کچھ بنائے نہیں بنتی۔ اس کے بعد بآواز بلند چیخ کر بولا ایہاالناس میں کہتا ہوں۔ . . . . . . کہ جس کے گلے میں بیعت یزید کا طوق ہے۔ اور جو اس کے احاطہ بیعت میں موجود ہے۔ فوراً اس لشکر سے الگ ہو جائے کیونکہ میں تن تنہا اس نوجوان کے لیے کافی ہوں جس نے بڑے بڑے نامور ان لشکر کو فنا کر ڈالا ہے۔

جب یہ متکبرانہ آواز شمر بن ذالجوشن کے کانوں تک پہنچی تو اس نے فوراً کہا کہ اچھا تو ہی لڑ۔ ہم لوگ ہٹے جاتے ہیں۔ اور جنگاہ سے اپنا قدم سرکائے لیتے ہیں۔ اور یزید کو سارے واقعہ کی خبر کئے دیتے ہیں اس کے بعد شمر نے اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ وہ لوگ فوراً الگ ہو جائیں۔ یہ حکم پاتے ہی سارے لشکر والے پہلو تہی کر کے بیٹھ رہے اور دور سے تماشا دیکھنے لگے۔

مارد ابن صدیف فیل مست کی طرح جھومتا ہوا حضرت عباس علیہ السلام کی طرف تن تنہا چلا اس کے بدن نجس پر آہنی زرہ اور سر پر فولادی خود تھا اور ایک اسپ اشقر پر سوار تھا اور اس

کے ہاتھ میں ایک نہایت ہی لمبا نیزہ تھا۔ حضرت عباس علیہ السلام نے جب یہ ملاحظہ فرمایا کہ مارد تن تنہا آ رہا ہے۔ آپ فوراً اس کی طرف بڑھے اور اس سے بالکل متصل ہو گئے وہ غصے کا مارا فوراً چلا کر بولا کہ اے نوجوان خیریت اسی میں ہے کہ تو اپنے ہاتھ سے تلوار پھینک دے اور فنِ سپہگری کے رموز کو ظاہر کر۔ وہ لوگ جو پہلے لڑنے آئے تھے ۔وہ سب نہایت ہی سست اور تیرے اوپر رحم کرنے والے تھے لیکن میں ایسا شخص ہوں کہ خداوند عالم نے میری اصل خلقت سے نرمی اور خدا ترسی کو نکال ڈالا ہے۔ اور اس کے عوض میں شقاوت اور عداوت میرے اندر کوٹ کر بھری ہے۔ اے نوجوان (عباس) یاد رکھ کہ میں وہ ہوں کہ جس پر حملہ آور ہوا اس کو ذلیل کر چھوڑا۔ جس پر تلوار اٹھائی اس کو فنا کر ڈالا۔ اب تیری جوانی اور ملاحت پر جب نظر کرتا ہوں طبیعت میں نرمی دوڑ جاتی ہے میں نہیں چاہتا کہ تجھے تہہ تیغ کر ڈالوں۔ لہٰذا میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو رزم گاہ کی زمین کو دم بھر میں چھوڑ دے۔ اور یہاں سے چلا جا۔ اور اپنے اچھے خاصے نفس کو ضائع و برباد نہ کر۔ دیکھ (عقل منداں را اشارہ کافی است) عقل مندوں کے لیے اشارہ کافی ہے۔ یعنی ابھی کہہ رہا ہوں کہ چلا جا۔ اگر عقل سے کام سے کام لیا تو تو بچ جائے گا ورنہ تیرا بچنا بہت ہی دشوار ہے۔ اے نوجوان۔ آج سے قبل میں نے کبھی رحم استعمال نہیں کیا ہے

<u>حضرت عباس کے متعلق مارد کے اشعار</u> اس کے بعد مارد ابن صدیف نے حسب ذیل اشعار کو (اپنے زعم ناقص میں) حضرت عباس کے لیے نصیحتہً پڑھا؛

نصحتك ان تبلت نصیحتی　　خوفا علیك من الحسام القاطع

(اے عباس ابن علی) میں تم کو کاٹنے والی تلوار کی ضرب سے ڈرا کر نصیحت کرتا ہوں اگر تم میری نصیحت قبول کر لو گے (تو اچھے رہو گے)

مارق قلبی فی الزمان علی فتی　　الّا علیك فکن لقولی سامع

ابتدائے زمانہ سے آج تک تمہارے علاوہ کسی جوان پر میرا قلب نرم نہیں ہوا۔ (دیکھو) میرے اس قول کو کان دھر کے سنو۔

واعظ انقیاد او غد عیش　　الا اذو قلك من عذاب واقع

دیکھو میں تم کو اطاعت کی نصیحت کرتا ہوں۔ اگر طوق اطاعت گردن میں ڈال لو گے تو بڑے مزے کی زندگی بسر ہو گی نہیں تو میں تم کو سخت اور ضروری الوقوع عذا کا

مزہ چکھا دوں گا۔

حضرت عباس علیہ السلام نے ان اشعار کے سنتے ہی کہنا شروع کر دیا۔ کہ اے دشمن خدا۔ جو کچھ تو نے کہا ہے۔ میں نے گوشِ ظاہر سے سُنا۔ مگر تیری محبت بیکار ہے۔ میں تیری اطاعت کر لوں۔ یہ ناممکن ہے۔ ارے ملعون تو مجھے اپنے سے ڈراتا ہے۔ حالانکہ خدا سے ڈرنے والا کسی اور سے ہرگز نہیں ڈر سکتا۔ میں علی علیہ السلام کا فرزند اور حسینؑ کا بھائی اور غلام ہوں۔ ان کے قدموں پر اپنی جاں نثاری کو عین اطاعتِ خدا اور رسولؐ سمجھتا ہوں۔ اور یقیناً ان کی اطاعت عین خدا و رسولؐ کی اطاعت ہے پھر میں تجھ سے ڈروں (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) اے ملعون تو جانتا ہے کہ میں شجر رسالت کی ایک شاخ ہوں۔ اور جو ایسا ہو ظاہر ہے۔ اس کا توکل خدا پر کتنا ہوگا اے وہ شخص برائیوں سے کیسے متصف ہو سکتا ہے اور اطاعت غیر میں داخل ہو سکتا ہے۔ جو رسول اللہ کا خاص قرابت دار ہو۔ اور جبکہ میرے پدر علیؑ ابن ابی طالب ہیں۔ تو میں کیسے تلوار کی موت سے ڈر سکتا ہوں تجھے معلوم ہے کہ میں کسی کافر اور غادر سے خوف نہیں کھاتا اور نہ میں خدا کے حکم کے خلاف کچھ کر سکتا ہوں اے کافر میں خاندان رسالت کا ایک فرزند ہوں اگر تجھ کو یہ خیال ہے کہ میں تیری اطاعت کر لوں گا تو یہ بالکل غیر ممکن اور محال ہے۔ میں ہرگز ایسا شخص نہیں ہوں کہ موت سے خوف کروں۔ اور موت احمر سے ڈروں۔ اور میں خوب جانتا ہوں۔ کہ جنت دنیا سے بہت ہی بہتر ہے اور تجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ بعض کم سِن اکثر مسن سے بہتر ہوتے ہیں۔

علامہ دربندی لکھتے ہیں کہ حضرت عباس علیہ السلام نے اس وقت اسی کے ردیف و قافیہ میں یہ اشعار پڑھے ؎

صبراً علیٰ جور الزمان القاطع ومنیۃ ما ان لہا من دافع

ہم زمانہ مخالف کے ظلم پر صبر کر رہے ہیں۔ اور موت کو کوئی روک نہیں سکتا۔

لا تجزعن فکل شئ ھالک حاشا لمثلی ان یکون بجازع

تو موت گھبرا ہر چیز فنا ہونے والی ہے اور مجھ جیسا بہادر کبھی گھبراتا نہیں۔

فلئن رمانی الدھر منہ باسھم وتفرق من بعد شمل جامع

اگر زمانہ نے ہم پر تیر چلائے اور ہماری جماعت کو منتشر کر دیا

فکم لنا من وقعۃ شابت لنا قمم الاصاغر من ضراب قاطع

اور زمانہ میں ایسے واقعات بہت ہوتے ہیں کہ نوجوانوں نے تجربہ کاروں کو موت کے

گھاٹ اُتار دیا۔

جب مارد نے اس کلام بلاغت نظام کو سُنا تو مثل عقاب شکستہ بازو ابن حیدر علیہ السلام کی طرف اُن کے قتل کو آسان تصوّر کرتے ہوئے نہایت ہی تیزی سے جھپٹا حضرت عباس علیہ السلام نے اس کے آنے سے کوئی ہراس نہ کیا اور اس ملعون کو حملہ کی صورت میں اپنی طرف سے نہ روکا۔ وہ اپنی دلیری کے اثبات کے لیے اتنا بڑھا کہ حضرت عباس کی لمبی سنان کے بالکل قریب آگیا فن سپہ گری کے ماہر حضرت عباس علیہ السلام نے فوراً اپنے زور دار ہاتھ کو بڑھا کر نیزہ کی انی کو تھام کر اس زور سے جھٹکا دیا۔ کہ قریب تھا کہ مارد منہ کے بل گر پڑے۔ اس جھٹکے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مارد نے گھبرا کر نیزہ کو ہاتھ سے چھوڑ دیا اور حضرت عباس علیہ السلام نے اس پر قبضہ کر لیا ع

چھن گیا مارد مردہ کا بھالا دیکھو

یہ ایک ایسا واقعہ تھا۔ کہ مارد کو آب آب ہونا پڑا۔ اور تکبّر کا نہایت تلخ مزہ چکھنا پڑا۔ حضرت عباس علیہ السلام نے اُسی ملعون کے نیزہ کو اس کی طرف بڑھا کر نہایت شدت کے ساتھ حملہ کیا اور فرمایا کہ اے ملعون میں چاہتا ہوں کہ تجھ کو اس تیرے ہی نیزے سے دم بھر میں بیدم کر دوں۔ اور موت کے جام سے سیراب کر کے ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سلا دوں۔ مارد مارے خوف کے کانپنے لگا۔ حضرت عباس علیہ السلام نے اُس کی اضطراب آگیں کیفیت کا پتہ چلا کر گھوڑے کی ساق پر اسی کا ایک نیزہ مارا۔ گھوڑا فوراً الف ہوگیا۔ اور وہ ملعون جسم بے روح کی طرح زمین پر آگرا۔ چونکہ وہ ملعون نہایت ہی موٹا تھا۔ اس لیے وہ حضرت عباس علیہ السلام سے پیدل جنگ آزما نہ ہو سکا۔ سچ تو یہ ہے کہ زمین گرتے ہی اس کا سارا بدن خوف کے مارے پھول گیا۔ اور وہ اس لائق نہ رہا کہ آپ سے پیدل مقابلہ کرے۔

لشکر کے کسی زبردست بہادر کی شکست پر یوں ہی ایک اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر جب ایسا بہادر جو اپنی آپ نظیر سمجھا جاتا ہو اس کی شکست پر سارا لشکر کیونکر اضطراب پذیر نہ ہو۔ اس کے گرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ صفوفِ لشکر میں ہلچل مچ گئی۔ شمر ملعون نے بے تابانہ لشکر مارد کو پکارا کہ ارے غضب ہوگیا۔ مارد خود سر زمین پر گر پڑا ہے تم لوگ فوراً اس کی کمک میں پہنچو۔ اور ایک دوسرا گھوڑا فوراً اُس کی خدمت میں حاضر کر دو یہ سنتے ہی فوراً ایک حبشی غلام صارفہ نامی ایک گھوڑا لے کر حاضر ہوا۔ جس کا نام طاویہ تھا جو تیز روی میں ہوا سے چار قدم آگے ہی رہتا تھا۔ مارد کی نظر جب غلام حبشی پر پڑی اور اس نے دیکھا کہ صارفہ

طاویہ کو لیے ہوئے آرہا ہے۔ فوراً چیخا۔ کہ اے غلام موت آنے سے پہلے تو طاویہ کو مجھ تک پہنچا دے۔ غلام گھوڑا لے کر تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور چاہا کہ کسی نہ کسی طرح جلد سے جلد طاویہ کو مارد تک پہنچا دے تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر مقابلہ کر سکے۔

طاویہ پر حضرت عباسؑ کی سواری حضرت عباس علیہ السلام نے جب صارفہ کو دیکھا کہ وُہ طاویہ کو لیے ہوئے نہایت ہی تیزی سے آرہا ہے۔ تو فوراً اس کی طرف بڑھ کر غلام کی گردن پر ایک پُرزور نیزہ لگایا وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اور اپنے خون میں لوٹنے لگا آپ نے اپنے گھوڑے کو چھوڑ کر فوراً طاویہ پر سواری کی۔ اور تمام صفوف لشکر کو چیرتے ہوئے اپنے بھائی حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے جب مارد نے حضرت عباس علیہ السلام کی اس دلیری کا مطالعہ کیا۔ تو فوراً گھبرا کر بھرائی ہوا آواز سے لشکر والوں کو پکارتے ہوئے کہا کہ ہائے عباس میرے ہی گھوڑے پر سوار ہو گئے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ مجھ کو میرے ہی نیزہ سے فنا کریں گے۔ شمر ملعون نے جب یہ آواز سُنی۔ فوراً آپ کی طرف بڑھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سنان بن انس نخعی اور خولی بن یزید اصبحی اور جمیل بن مالک حجازی چلے۔ اور ان لوگوں کے عقب میں سارا لشکر چلا۔ سب نے اپنے گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں اور تلواریں برہنہ کر لیں۔ حضرت عباس علیہ السلام نے جب یہ ماجرا دیکھا۔ اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام سے فرمایا۔ کہ اے بھیّا! ان دشمنانِ خدا اور رسول کو دیکھتے ہیں۔ یہ آپ پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ ابھی حضرت عباسؑ کا کلام ختم بھی نہ ہوا تھا کہ لشکر نہایت ہی تیزی سے امام حسین علیہ السلام کے قریب آگیا۔

حضرت عباس نے یہ ماجرا دیکھتے ہی فوراً مارد کی طرف جانے کی ٹھان لی۔ اور اس کے پاس جا کر آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اس چیز کا مزہ کیوں نہ چکھا دوں۔ جو تجھے جہنم کی یاد دلا دے گی۔ یہ کہہ کر آپ نے اس کے ہاتھوں پر ایک زبردست وار کیا۔ اس کے دونوں ہاتھ بالکل بیکار ہو گئے۔ آپ نے اس کے دوسرے نیزے پر بھی قبضہ کر لیا۔

حضرت عباسؑ کی غلامی کا اقرار جب مارد نے اپنے قتل ہونے کا یقین کر لیا۔ تو فوراً حضرت عباس علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرنے لگا۔ کہ اے عباس علیہ السلام (خدا کے لیے مجھ کو چھوڑ دو) میں آج سے آپ کا غلام ہوں۔ حضرت عباس علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تجھ ایسے غلام کو لے کر کیا کروں گا۔ اس کے بعد آپ نے ایک نیزہ اس کے کان پر ایسا لگایا کہ وہ وادی پار ہو گیا۔ پھر آپ نے اور لشکر والوں نے شیرانہ حملہ کر کے طاویہ کو کاوا دیتے ہوئے ڈھائی سو سواروں کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا۔

اور اس سے قبل پانسو بیس دشمنوں کو قتل کر چکے تھے۔ لہذا سارا لشکر خوف سے درہم برہم ہو گیا۔ اور سب جی چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

کیا کہنا حضرت عباس علیہ السلام کی زبردست فتح ہوئی۔ اور کیوں نہ ہوتی۔ اگر اُدھر (مارد) شیطانی لباس میں تھا۔ تو اِدھر فخرِ آدم اور بنی آدم حضرت عباس علیہ السلام حفاظتِ ربانی میں تھے۔ دشمن اگر قویست نگہبان قوی تراست۔ وہ اُن کی حفاظت میں لگا ہوا تھا۔ حفظا من کل شیطان مارد۔ خدا کا قول آپ کے معین تھا۔

اسی دوران میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس علیہ السلام سے فرمایا کہ بھائی اب تم ٹھہر جاؤ۔ اب تمہارے عوض میں میں لڑوں۔ حضرت عباس نے فرمایا کہ بھیا حکم خدا سے مفر نہیں اور نہ گریز ہو سکتا ہے یہ کہہ کر آپ پھر لڑنے لگے اور سارے لشکر کو بہت دور کر کے اپنے برادر شفیق حضرت امام حسین علیہ السلام کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔

شمر کی زبانی طاویہ کی ہسٹری اتنے میں شمر پکار اٹھا کہ یابن علی ابن ابی طالب۔ آج تم نے مارد سے طاویہ کو واپس لے لیا۔ اے عباس یہ وہی گھوڑا ہے جو مدائن میں تمہارے بھائی امام حسن علیہ السلام سے چھین لیا گیا تھا۔

یہ سن کر حضرت عباس علیہ السلام اسی گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور شمر کے قول کو نقل کر دیا۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ ہاں یہ وہی طاویہ جو ملک (رے) کے حاکم کی سواری کا خاص گھوڑا تھا۔ جس کو تمہارے پدر بزرگوار نے تمہارے بڑے بھائی امام حسن علیہ السلام کو دیا تھا اور اس گھوڑے کو بزمانہ قیام مدائن دشمنوں نے لے لیا تھا۔

فلما وصل الی اخیہ الحسین ذکولہٗ مقالات الشمر فقال نعم ھذہ طاویۃ التی کانت لملک الری فلما قتلہ ابوک وھبھا لاخیک الحسن و رحل عنھا یوم ساباط المدائن فلما دنت الطاویۃ من الحسین جعلت تمسح راسھا بثیابہ کانھا مافارقتہ یوم واحد (نور العین)

حضرت عباس علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر شمر کے کلام کو دُہرایا تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں یہ طاویہ ملک رے کے بادشاہ کا تھا۔ جب تمہارے باپ نے اس کو قتل کیا۔ تو تمہارے بڑے بھائی امام حسنؑ کے حوالے کیا جو قیام مدائن کے زمانہ میں لے لیا گیا تھا۔ جب طاویہ امام حسین علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں پہنچا تو اپنے سر کو حضرت کے دامن مبارک سے اس طرح

ملتا ہے۔ جس طرح ہر وقت کا موجودہ جانور اپنے آقا کے دامن سے ملے یعنی طاویہ اپنے سرکو دامن امام حسین علیہ السلام سے مل کر اپنی دیرینہ محبت کا ثبوت دیتا تھا اور گویا زبان حال سے نہایت خوشی کے عالم میں کہہ رہا تھا کہ "حق بحقدار رسید"۔ (نور العین فی شہد الحسین از ص ۳۸ تا ص ۴۱ طبع مصر۔ اسرار الشہادت علامہ دربندی ص ۳۱۹ و ص ۳۲۰ طبع ایران، شہید اعظم جلد ۲ ص ۱۸۱ طبع بنارس ۱۹۱۴ء، ماتین ص ۴۶۹۔ جواہر الایقان ص ۴۰۶، مجمع النورین ص ۱۴۷، مجلسی ص ۲۴ طبع ایران کبریت احمر ص ۲)

ساباطِ مدائن کا واقعہ مقام ساباط! یہ مدینہ میں واقعہ ہے۔ یہیں حضرت امام حسنؑ سے طاویہ چھینا گیا تھا یا لوٹا گیا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۴۰ھ میں حضرت علیؑ کے انتقال کے بعد آپ خلیفۂ وقت ہوئے۔ عراق۔ ایران۔ خراسان۔ یمن وغیرہ نے آپ کی خلافت تسلیم کرلی۔ چالیس ہزار آدمیوں نے آپ کی ہر مہم میں ساتھ دینے کی بیعت کی۔ معاویہ جو حضرت علیؑ سے جنگ کرتا رہا۔ اور جس نے بقول خواجہ حسن نظامی دہلوی حضرت علیؑ کو ابن ملجم کے ہاتھوں شہید کروایا۔ اس سے یہ نہ دیکھا گیا۔ کہ حضرت امام حسنؑ خلیفہ رہیں۔ چنانچہ وہ چھ ہزار پر مشتمل فوج لے کر مقام مسکن میں اُترا جو بغداد سے ۱۰ فرسخ تکریت کی جانب ادانا کے قریب واقع ہے۔ امام حسنؑ دفاع کے لیے تیار ہوئے۔ اور اپنی فوج لے کر کوفہ سے ساباط مدائن میں آگئے۔ اور معاویہ کی پیش قدمی روکنے کے لیے قیس ابن سعد کی ماتحتی میں بارہ ہزار فوج روانہ کی۔ انتظامات مکمل تھے۔ معاویہ نے اس موقعہ پر ایک فریب کیا۔ کہ امام حسن کے لشکر میں یہ مشہور کرا دیا کہ سپہ سالار، قیس ابن سعد نے معاویہ سے صلح کرلی۔ اور قیس کے لشکر میں اس بات کی شہرت دے دی کہ امام حسنؑ نے صلح کر لی۔ معاویہ کا جادو چل گیا۔ امام حسنؑ کی فوج میں بغاوت ہوگئی۔ فوجی آپ کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے آپ کا کل مال واسباب لوٹ لیا۔ آپ کے نیچے سے مصلّٰی تک گھسیٹ لیا۔ دوش پر سے ردا بھی اُتار لی۔ بعض گمراہوں نے معاویہ سے سازش کرلی۔ اور رشوتیں لے کر قصد کیا کہ امام حسنؑ کو معاویہ کے سپرد کردیں۔ آپ وہاں سے مدائن کے گورنر سعد کی طرف چلے۔ راستے میں ایک خارجی نے زانوئے اقدس پر ایک خنجر مار دیا جو بقول شیخ مفیدؒ دو برس میں اچھا ہوا۔ امام علیہ السلام نے چھ یا سات ماہ خلافت ظاہریہ کرنے کے بعد مجبوراً معاویہ سے صلح کرلی (عمدۃ المطالب ص ۴۶ طبع لکھنؤ و تاریخ ائمہ ص ۳۳۳) غرضیکہ لوٹ مار میں حضرت کا گھوڑا طاویہ بھی نکل گیا تھا۔ جس کو پھر

حضرت عباسؑ نے مارو سے یوم عاشور چھین لیا ہے۔

حضرت عباس علیہ السلام کی رخصت آخری

مشک و علم لیے جب عباس جا رہے تھے
آنکھیں بچھا رہی تھی خود فتح و کامرانی!

ملزو ابن صدیف جیسے بہادر کو بچھاڑنے اور اُس کی سواری کے خاص جانور طاویہ پر قبضہ کی داستان حضرت عباس حضرت امام حسین علیہ السلام سے بیان کر رہے تھے۔ فسمع الاطفال ینادون العطش العطش ناگاہ خیمہ میں العطش العطش کی جگر سوز آواز بلند ہوئی (دمعہ ساکبہ صـ۳۳۶) اور بیس یا چھبیس چھوٹے چھوٹے بچے خیموں سے نکل کر حضرت امام حسین اور حضرت عباس کے گرد جمع ہو گئے اور کہنے لگے۔ چچا جان! پیاس مارے ڈالتی ہے۔ (مجالس علویہ صـ۵۴۲ و منظومہ کربلا صـ۶۲) یہ اضطرابی حال دیکھ کر حضرت امام حسین اور حضرت عباس سخت دل تنگ پریشان اور مضطرب ہو گئے حضرت عباس نے عرض کی۔ مولا اب تو لڑنے کی اجازت دے دیجئے۔ تاکہ جی کھول کر ان دشمنانِ اسلام کو بندش آب کا نتیجہ دکھا دوں۔ حضرت نے فرمایا۔ میرے قوت بازو۔ اجازت کیا مانگتے ہو۔ دیکھو ان بچوں کا پیاس سے کیا حال ہو رہا ہے۔ اے بھائی! یہ گلزار رسالت کے نونہال پانی کے بغیر مرجھائے جا رہے ہیں۔ امض الی الفرات واتنی شیئاً من الماء فرات کی طرف جاؤ اور کسی صورت سے پانی لے آؤ۔ (مجالس المتقین صـ۲۷ جلاء العیون صـ۴۰۹) حضرت عباس پھر میدان کی طرف واپس جانا ہی چاہتے تھے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ ادخل الی الحریم وودعهم ودا ع من لایعود فدخل بھیا! خیمہ میں جا کر اس طرح سب سے رخصت لو کہ جیسے پھر ملاقات نہ ہو گی۔ حضرت عباس خیمہ میں داخل ہوئے۔ سب کا حال پیاس سے بے حال پایا۔ فقال لهم مهلاً آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں ذرا اور ٹھہرو۔ تمہارے لیے پانی لانے جاتا ہوں۔ آپ ابھی بچوں کو سمجھا ہی رہے تھے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے خیمہ کے باہر سے آواز دی اے عباس! ادرکنی دوڑو یہ سُننا تھا کہ حضرت عباس خیمہ سے باہر نکل آئے اور اُن دشمنوں کو وہاں سے دور کیا جو امام حسینؑ پر حملہ کر رہے تھے۔ (نور العین صـ۴۱ ۔ اسرار الشہادت صـ۳۲۱ ماتین صـ۴۶۹) دشمنوں کے دفاع کے بعد حضرت عباس مشک و علم لے کر جنگاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ صـ الدمع الهتون جلد ۲ صـ۴۸۱ کتاب الصدف شیروانی جلد ۲ صـ۱۵۳ طبع ایران ۱۳۱۴ھ) حضرت امام حسین جو علم امامت سے جانتے تھے کہ عباس اب کی دفعہ واپس نہ آئیں گے۔

انہوں نے چاہا کہ اپنے بھائی کو رخصت کر دیں۔ لیکن یہ خیال فرمایا کہ اگر میں ان سے اُسی طرح ملا جس طرح تمام شہید ہونے والوں سے مل چکا ہوں تو اہل حرم یہ سمجھ کر کہ عباس اس دفعہ شہید ہو جائیں گے ابھی سے کہرام برپا کر دیں گے آپ نے حضرت عباس کے کچھ دُور نکل جانے کے بعد خیمہ سے دُور جا کر وداعی ملاقات فرمائی۔ علامہ یزدی تحریر فرماتے ہیں:

پس حضرت عباس روانہ شد باین اُمید کہ مراجعت میکنند۔ باین سبب با برادرِ خود مثل سائر شہداء وداع نہ کرد۔ و حضرت بعلم امامت مے دانستند کہ عباس شہید مے شود۔ ہمین کہ چند قدم راہ رفت دید۔ بعقب سرش صدائے گریہ مے آید و کسے او را صدا مے زند۔ چوں نگاہ کرد۔ کہ امام مظلوم گریہ کناں مے آید۔ و آہستہ آہستہ صدا مے زند۔ اے برادر عباس صبر کن تا ترا یک دفعہ دیگر سیر بہ بینم حضرت عباس چوں این را شنید گریست و عرض عرض کرد۔ اے برادر۔ کمر من شکستہ مے شود حضرت گریست۔ و آں دو برادر دستہا را بگردنِ یکدیگر در آوردند و آں قدر گریستند کہ نزدیک بود کہ مدہوش شوند۔ پس بعد از وداع حضرت عباس روانہ فرات شد (انوار الشہادت ص ۵۵ طبع لاہور ۱۲۷۸ھ)

حضرت عباس محض اس امید پر کہ مثلِ سابق ابھی واپسی ہوگی، حضرت امام حسین علیہ السلام سے بغیر رخصت ہوئے روانۂ فرات ہو گئے لیکن حضرت امام حسین بعلم امامت جانتے تھے کہ عباس اس مرتبہ شہید ہو کے رہیں گے۔ اس لیے ان کی روانگی کے بعد حضرت امام حسین بھی روانہ ہو گئے۔ حضرت عباس نے محسوس کیا کہ پشت کی جانب سے رونے کی آواز آتی ہے۔ اور کوئی پکارتا ہے۔ جونہی حضرت عباس نے نظر کی، دیکھا۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام باآہ سوزاں و چشم گریاں آہستہ آہستہ یہ کہتے ہوئے کہ عباس ذرا ٹھہرو۔ ہم تمہیں ایک نظر اور جی بھر کر دیکھ لیں، چلے آتے ہیں حضرت عباس یہ سُن کر بے اختیار رونے لگے اور عرض کی، بھیّا، میری کمر ٹوٹی جا رہی ہے اس وقت امام حسین نے بے پناہ گریہ کیا اور دونوں بھائی بغلگیر ہو کر اس قدر روتے کہ بیہوشی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ پھر حضرت عباس رخصت ہو کر طلب آب کے ارادے سے روانہ ہو گئے۔

علامہ قزوینی بطور تتمہ لکھتے ہیں کہ:

واشک از دیدگان مثل مروارید بریخت و بہ نسبتے کہ عنان تحمل از دستِ ملائکہ آسمانہا بدر رفت و زلزلہ در عالم ملکوت افتاد و ناظرینِ صوامع لاہوت

(دونوں بھائی بغلگیر ہونے کے بعد) آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی بہانے لگے۔ ان کے رونے کی کیفیت یہ تھی۔ کہ ملائکہ کے ہاتھوں سے ضبط و تحمل کی باگ

وگاہوارہ جنبانِ حسنین یعنی جبرائیل امین و سائر قدسیان عالم ملکوت را زیر و زبر کرد۔ و جنبان را خون در جگر نمود وحشیان صحرا و مرغانِ ہوا را کباب ساخت (ریاض الشہادت جلد ۱ ص۲۰۰ طبع ایران ۱۲۷۴ھ)

چھوٹ گئی عالم ملکوت کے ذرہ ذرہ میں زلزلہ آنے لگا۔ صوامع لاہوت کے باشندے جو اس واقعہ کو دیکھ رہے تھے اور گہوارۂ جنبان حسنین جناب جبرائیل بلکہ تمام قدسیانِ عالم ملکوت کو زیر و زبر کر دیا اور جنوں کے جگر خون کر دیئے اور صحرائی جانور اور فضائی طیور کو جلا کر خاک کر ڈالا۔

امام حسین اور حضرت عباس کی ملاقات کا اثر اہل بیت پر | ارباب مقاتل لکھتے ہیں:

چوں اہل حرم این ہر دو برادر را چناں دیدند ہمچناں نالہ و فغاں، واعباساہ واحسیناہ کشیدند کہ عرش بلرزہ در آمد۔ پس جناب عباس برادر را وداع کردہ سوار شدہ عزم کارزار نمود (مفتاح الجنۃ ص۱۵۳ طبع بمبئی)

کہ جب اہل حرم امام حسین علیہ السلام نے دونوں بھائیوں کو اس طرح ملتے ہوئے دیکھ لیا تو اے میرے عباس اور اے میرے حسین کہہ کر ایسے نعرے لگائے کہ فلک کج رفتار کانپ اٹھا۔ اس کے بعد حضرت عباس نے بھائی کو رخصت کیا اور روانہ رزمگاہ ہو گئے۔

پانی کے لیے حضرت عباس علیہ السلام کی دعا | حضرت امام حسینؑ سے رخصت ہونے کے بعد حضرت عباس آگے بڑھے۔ دشمنوں کی یلغار دیکھی۔ ومنی بطرفہ الی السماء آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کی۔ الھی وسیدی ارید اعتد بعدتی وا ملا لھولاء الاطفال قربۃ من الماء میرے پالنے والے میں تیرے نبی کے بچوں کی خاطر تھوڑا پانی لینے کے لیے آیا ہوں، خدایا تو ایسا انتظام کر دے کہ میں صرف ایک مشکیزہ خیمہ میں پہنچا دوں۔ (انوار الشہادت ص۵۴، مجالس المتقین ص۱۴۰) دعا کے بعد آپ نے ذات کی جانب اپنی رفتار اور تیز کر دی دشمنوں نے جب دیکھا کہ عباسؑ بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ تو روکنے کی سعی میں مشغول ہو گئے۔

حضرت عباسؑ کا آخری موعظہ | دشمن تیزی سے حضرت عباس کے قریب آگئے آپ نے فرمایا:

انتم کفرۃ ام مسلمون ھل یجوزنی دینکم ان تمنعوا الحسین و

ارے اے آدمیوں کی صورت رکھنے والو۔ تم کافر ہو یا مسلمان کیا تمہارے دین میں یہ جائز

اطفالہ من شرب الماءِ والکلاب والخنازیر یشربون منہ والحسین و اطفالہ یموتون عطشاء اما تذکرون عطش یقیامۃ (انوارالشہادت ص۵۵)

ہے کہ فرزند رسولؐ اور اس کے چھوٹے بچوں پر پانی بند کر دو۔ حالانکہ اس نہر سے جس پر تمہارا پہرہ ہے کتے اور سور پانی پی رہے ہیں۔ اور امام حسین اور ان کے بچے پیاس سے جاں بلب ہیں ارے کیا تم قیامت کی پیاس کو بھول گئے۔

آپ کے یہ نصیحت آمیز جملے تیر و نشتر بن کر چبھے۔ دشمنوں نے آن سے نصیحت حاصل کرنے کے بجائے آپ پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ پانسو تیر اندازوں نے ہوائے تیر سے حضرت عباسؑ کے چراغ حیات کو گل کر دینا چاہا۔ مگر اللہ رے سخت جانی عباسؑ کہ انہوں نے پروا بھی نہ کی۔ فحمل علیھم وتفرقوا عنہ اور ایسا شیرانہ حملہ کیا کہ سارے روباہ مثل گیا و کالمنتشر ہو کر رہ گئے علامہ یزدی لکھتے ہیں: ۸۰ پانی کا گھاٹ روکنے والے دشمن فنا کے گھاٹ اُتر گئے۔ (انوارالشہادت ص۵۶) علامہ بسطامی تحریر فرماتے ہیں کہ چار سو خونخوار موت کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو کر داخل دارِ بوار ہو گئے۔ (تحفہ حسینیہ جلد ا ص۱۶۹)

حضرت عباسؑ کو اذنِ جہاد کیوں نہ دیا گیا

گر کہیں دے دیتے شاہ کربلاؑ اذنِ جنگ
پھر زمانہ دیکھتا شانِ وفا عباسؑ کی

تاریخ بتا رہی ہے کہ حضرت عباسؑ جنگاہ میں بار بار آئے ہیں۔ کبھی بنی ہاشم کے کسی فرد کی کمک میں کبھی اصحاب کی مدد میں۔ کبھی پانی کے حصول کی سعی میں۔ اور تقریباً ہر مرتبہ لڑے بھی ہیں قتل بھی کیا ہے اور اب بھی امام حسینؑ سے رخصت ہو کر نہر فرات کی طرف روانہ ہیں۔ سینکڑوں کو فنا کے گھاٹ اتار چکے ہیں۔ اور اپنی شہادت سے پہلے ہزاروں کو فنا کریں گے۔ لیکن جب امام حسینؑ کے سامنے اذنِ جہاد کا سوال آتا ہے۔ لم یرض بہ ولم یاذنہ۔ آپ نے اس پر رضا نہیں ظاہر کی۔ اور اذنِ جہاد نہیں دیا۔ کبھی پانی کی طرف آپ کا رُخ موڑا۔ اور کبھی حمایت اصحاب کی طرف متوجہ ـــــ کر دیا۔ (شرح مطالع الانوار ص۱۰۲) تو ضیح عزا ص۲۲۵ فضائل الشہدا باب ۲۔ ف ۹۔ ص۱۰۹) آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ امام حسینؑ جنگ کے لیے آئے نہ تھے۔ اور اپنے نانا کے برائے نام بھی نام لیواؤں کو قتل نہ کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ

نے فرشتوں جنوں اور حضرت عباس کو اذن جہاد اور اجازتِ جنگ نہیں دی سے

نہ اذنِ جنگ پایا باوفا نے
محل کر رہ گئے دل کے ارادے

رخصت کے بعد آخری دن حضرت عباس حضرت امام حسین سے رخصت ہو کر نہر فرات کی طرف برابر بڑھ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اس ٹیلے یا پہاڑی کے نیچے پہنچے۔ جس پر چار ہزار مخالفین نہر فرات پر ڈیرے ڈالے ہوتے تھے۔ آپ اس پہاڑی کے نیچے اس حال میں پہنچے۔ کہ آپ کو بے شمار دشمن چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے اب آپ کے سامنے ایک ایسی پہاڑی نہر فرات تک پہنچنے میں حائل ہے جس پر چار ہزار خونخوار دشمن آلاتِ حرب سے مسلح موجود ہیں۔ حضرت عباس نے وہاں پہنچ کر یہ رجز پڑھا:

اقاتل القوم بقلب مهتد — اذب عن سبط النبی احمد
اضربکم بالصارم المهند — حتی تحیدوا عن قتال سیدی

انی انا العباس ذو التودد
نجل علی المرتضی المویید

(ترجمہ) میں ایک ہدایت یافتہ دل کے ساتھ ان لوگوں سے لڑتا ہوں اور نبی احمدؐ کے فرزند سے دشمنوں کو ہٹا رہا ہوں۔ (اجازت ملنے کے بعد) میں تم کو تیغ براں سے اس وقت تک مارتا رہوں گا۔ جب تک کہ تم میرے سردار کے ساتھ لڑائی سے باز نہ آؤ گے۔ میں محبت کرنے والا عباس اور علی المرتضیٰ کا فرزند ہوں۔ جس نے خدا کی جانب سے زور پایا تھا۔ (ترجمہ مقتل ابی مخنف صفحہ ۶۲، تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۷۵)

حضرت عباس علیہ السلام فرات کی پہاڑی پر رجز کے بعد آپ نے اپنے بھوکے پیاسے گھوڑے کو ایڑ دی۔ گھوڑا ہوا ہوا۔ بلندی کی طرف علی کا شیر جا رہا ہے اور چار ہزار وار اوپر سے ہو رہے ہیں۔ ابو مخنف لکھتے ہیں۔ کہ رجز پڑھنے کے بعد آپ نے اس گروہ نابکار پر دھاوا بول دیا۔ اور ان کو دائیں بائیں پراگندہ کر کے بہت سے آدمیوں کو قتل کیا اور بڑے بڑے سورماؤں کو مار گرایا اور نہر فرات کا کنارہ لے لیا۔ (مقتل ابی مخنف صفحہ ۶۲) مورخ ابن قتیبہ لکھتا ہے۔ کہ آپ بے جگری سے جنگ کرتے ہوئے پہاڑی پر چڑھ گئے۔ ثم حمل علیهم پھر ان پر حملہ کیا اور انہیں تباہ کر چھوڑا۔

پہاڑی کے ثبوت کے متعلق عرض یہ ہے کہ امام حسینؑ نے شب عاشور جو ہلال سے گفتگو کی ہے۔ اس میں اس کا اشارہ ہے۔ "واقعہ کربلا میں رکب المسناۃ اکثر مقام ہے جس کے متعلق محشی ارشاد مفید السد المتخذ دون الماء ورکبھا اے علاھا لکھا ہے رحاشیہ ارشاد مفید ص۱۲۲ طبع ایران ،، ۱۲۷۷ھ) بعض علماء نے مسنات سے رسول اکرمؐ کی سواری کا ناقہ مراد لیا ہے (ناسخ التواریخ) شہادت علی اصغرؑ کے متعلق بھی علما پڑھتے ہیں کہ امام حسینؑ انہیں ٹیلے پر لے گئے۔ علامہ ابن قتیبہ نے صاف صاف لکھا ہے۔ بینھم وبین الماء ربوۃ) پانی اور پیاسوں کے درمیان ایک ٹیلہ یا پہاڑی حائل تھی۔ (الامامت والسیاست جلد ۲ ص۵ وکبریت احمر ص۱۲۲) علامہ حسین واعظ کاشفی کا بیان ہے۔ کہ پہاڑی پر چار ہزار فوج تھی اس میں دو ہزار سوار اور دو ہزار پیادے تھے۔ (روضۃ الشہداء ص۳۶۲) غرضیکہ حضرت عباسؑ نے سب کو مار کر پہاڑی پر قبضہ کیا اور نہر فرات کی طرف چلے ؎

تھا یہ اندیشہ کہ آجائے نہ غازی کو جلال
فوج نے عباس کو گھبرا کے در بادے دیا

آپ نے پہاڑی سے اتر کر قوم نابکار کو پھر مخاطب کر کے کہا: خدا و رسول سے شرم کرو جس نہر سے کتے اور سور تک پیتے ہیں۔ تم اس کے پانی سے فرزند رسولؐ کو محروم کئے ہوتے ہو کیا تم قیامت کو بھول گئے ہو۔ یہ سُننا تھا کہ پانچ سو تیر اندازوں نے تیر باراں شروع کر دی۔ مگر علیؑ کے شیر نے تیروں کا مقابلہ نیزے سے کیا اور سب فرار کر گئے ؎

عباس لیے مشکیزہ جب آئے قریب ساحل
پیاسے کی قدم بوسی کو ہر موج تڑپ کر آئی!

حضرت عباسؑ پہلی دفعہ نہر فرات میں دشمنوں کو بھگانے کے بعد حضرت عباسؑ نے اپنا گھوڑا نہر فرات میں ڈال دیا اور کہا اے اسپ وفادار تو پانی پی لے۔ ابھی جانور نے پانی میں منہ بھی نہ ڈالا تھا کہ دشمنوں نے پھر حملہ کر دیا۔ حضرت عباسؑ نہر سے پھر برآمد ہوئے۔ اور ان دشمنوں کو قتل کے گھاٹ اتار کر نہر فرات میں پھر اترے۔ (روضۃ الشہداء ص۳۶۲)

حضرت عباسؑ دوسری دفعہ نہر فرات میں آپ نے فوراً "دیگر بار اسپ درآب راند" دوبارہ نہر فرات میں گھوڑے کو ڈال دیا۔ اور اس سے فرمایا پانی پی لو۔ ابھی وہ منہ نہ مارنے پایا تھا کہ ایک ہزار سواروں نے پھر حملہ کر دیا۔ آپ نہر سے پھر برآمد ہوئے اور ان پر زبردست

حملہ کرکے انہیں پھر مار بھگایا۔ (روضۃ الشہداء صہ ۳۶۲)

حضرت عباس تیسری مرتبہ نہر فرات میں

علامہ سید مرتضیٰ لکھتے ہیں کہ حضرت عباس ابھی پانی سے باہر ہی تھے کہ دس ہزار کا لشکر آپ پر ٹوٹ پڑا۔ اور اپنی پوری طاقت سے اس بات کی کوشش کرنے لگا۔ کہ عباس نہر فرات کا کنارہ چھوڑ دیں۔ لیکن شیر بیشۂ شجاعت سے دریا کا کنارہ کون لے سکتا تھا۔

اب کون ہٹا سکتا ہے دریا کی حدوں سے
عباسؑ تو پرچم کی طرح چھائے ہوئے ہیں

بالآخر زبردست مقابلہ ہوا اور اس پیاسے نے دشمن کے امڈے ہوئے لشکر کو نیزے کی انی سے ٹھنڈا کر دیا۔ فصاحت علیه الابطال من کل جانب ہر طرف سے چیخ پکار مچ گئی آپ نے کہا انا عباس بن علی۔ میں عباس بن علی ابن ابی طالب ہوں (تذکرۃ المعصومین صہ ۱۳۲ طبع دہلی ۱۳۰۰ھ) آپ کا مقصد یہ تھا۔ کہ بس خیر اسی میں ہے کہ خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ اور مجھے اطفال حسین کو پانی پہنچانے دو۔

مجھے مورخین کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ دشمنوں کا یہ حملہ بہت ہی عظیم و شدید تھا اور وہ اس ارادے سے آئے تھے۔ کہ جس صورت سے ہوسکے۔ نہر پر قبضہ کر لیا جائے۔ اور اندازے سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی پر قبضہ قریب قریب ہو ہی گیا تھا۔ لیکن اللہ رے علیؑ کے شیر فکشفھم عن الماء ان دشمنوں کو شکست دے کر لب فرات سے ہٹا دیا۔ (الامامۃ والسیاستہ جلد ۲ صہ ۵) ریاض السالکین صہ ۱۵۹ شرح بخاری فرار یوم احد) اور آپ "پس فرود آمد نہر فرات میں اترے۔ روضۃ الشہداء صہ ۳۶۲، کبریت احمر صہ ۲۶ طبع ایران ۱۳۴۳ھ)

تین دن کا پیاسا نہر فرات میں

لب تشنہ با آب اندر

حضرت عباسؑ کی قدر اس وقت اور بڑھ جاتی ہے۔ جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ جس وقت داخل نہر فرات ہوئے۔ اس وقت سے تین سے بالکل پیاسے تھے۔ یعنی پانی کا ایک قطرہ بھی تہ حلق نہ پہنچا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر وقت کہ تشنگی بر اطفال ابی عبد اللہ غلبہ مے کرد۔ نزد عمومے آمدند د اظہار عطش مے کردند۔ آنجناب ہر نحوے کہ بود۔ اطفال را ساکت مے کرد یا باب یا بوعدہ آب" جب حضرت امام حسینؑ کے بچوں پر پیاس کا غلبہ ہوتا تھا۔ اپنے چچا عباسؑ کے پاس آتے اور پانی

مانگتے تھے۔ آپ انہیں پانی پلاتے یا تسلی دیتے تھے۔" از روز ہفتم کہ آب را بر روئے حضرت بستند، ساتویں سے پانی بند ہونے کے بعد آٹھویں کی صبح تک جس قدر پانی دستیاب ہوتا تھا۔ وہ تمام لوگوں پر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عباسؑ اور حضرت زینبؑ اپنے حصہ کا پانی خود نوش نہ فرماتے تھے۔" صبر بر عطش مے کردند۔ از برائے اطفال کوچک ذخیرہ مے کردند۔ یعنی پیاس کو برداشت کرکے پانی چھوٹے بچوں کے لیے محفوظ رکھتے تھے۔ جب چھوٹے چھوٹے بچے پانی مانگتے تھے۔ تو "عباس" قمر بنی ہاشم آب کہ قسمت خودش بود با طفال تشنہ برادر مے داد" اپنے حصہ کا پانی اپنے بھائی کے چھوٹے بچوں کو دے دیا کرتے تھے۔ (حدائق الانس ص۵۔ واقعات مقبل قلمی ص۱۱۱ ۱۲۳۲ھ، محرق القلوب مجلس ۱۲ قلمی)

نہر فرات میں عباس کی حالت

ساتویں محرم سے بندش آب اور پھر آپ کے لبوں تک مطلقاً پانی کا نہ پہنچنا خود ظاہر کر رہا ہے۔ کہ اب جبکہ آپ نہر فرات میں کھڑے ہیں۔ آپ کی حالت کیا ہوگی۔ آنکھوں کے نیچے اندھیرے کا آنا، زبان کا خشک ہونا، دل کا نڈھال ہونا لازمی امر ہے حضرت چشمۂ وفا نے اپنے کف زلال کو پانی سے بھر کر لب تشنہ تک چلو کو پہنچایا ہی تھا۔ فذکر عطش الحسین واطفالہ وعیالہ کہ امام حسین اور ان کے بچوں کی پیاس کا نقشہ نظروں میں پھر گیا چشم پُرآب ہوگئی۔ کف آب دریا کے منہ پر مار دیا۔

ع اے آب خاک شو کہ ترا آبرو نہ ماند

فرمی الماء من یدہ وقال واللہ لاذقت الماء ولا اشربہ واخی الحسین وعیالہ واطفالہ عطاش۔ لاکان ذالک ابداً۔ اور کہا خدا کی قسم یہ نہیں ہوسکتا کہ میں پانی پینا تو درکنار چکھ بھی لوں۔ کیونکہ حسینؑ کے بچے پیاسے ہیں۔ پھر آپ نے اپنے نفس کی طرف مخاطب ہوکر کہا

۱؎ کہا جاتا ہے کہ شاہ عباس صفوی کو ایک شب میں بہت زیادہ پیاس محسوس ہوئی۔ اُس نے پانی پلانے والے خادم کو آواز دی۔ وہ اتفاقاً نہ جاگ سکا۔ کچھ دیر تشنگی کو ضبط کیا۔ جب پیاس حد تحمل سے بڑھ گئی تو خود اُٹھا آبدار خانہ میں گیا۔ اور اپنے ہاتھوں سے آب سرد کا جام بھرا۔ جام کو ہونٹوں سے لگایا۔ کربلا والوں کی پیاس یاد آگئی۔ نفس کو مخاطب کرکے کہنے لگا۔ کہ اے عباس! تو علمدار کربلا عباس ابن علی کے ہمنام ہے تجھ سے اتنا تحمل نہ ہوسکا۔ یہ کہہ کر کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا اور یہ کہتے ہوئے ع

اے آب خاک شو کہ ترا آبرو نہ ماند

پانی کا جام زمین پر پھینک دیا اور تشنہ لب حسین کہہ کر تادیر رو دیا۔

یانفس ہونی والحسین معطش وبنوہ والحرم المصھر اجمع
واللہ لا اشرب من الماء قطرۃ
واخی الحسین بالعراق مضیع

اے میرے پیاسے نفس! یہ بڑی بُری بات ہے۔ کہ حسینؑ اور ان کے بچے پیاسے ہوں اور تو پانی پی لے۔ خدا کی قسم! ایسی حالت میں جبکہ فرزند رسولؐ امام حسین اپنے بچوں سمیت عراق کی سرزمین میں سرگرداں حیران و پریشان اور پیاسے ہیں۔ میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں پی سکتا۔

ابی مخنف لکھتے ہیں کہ حضرت عباس نے اس وقت یہ فرمایا! ؎

یانفس من بعد الحسین ہونی فبعدہ لا کنت ان تکونی
ھذا الحسین شارب المنون وتشربین الماء البارد المعین
ھیہات ماھذا افعال دینی
ولا افعال صادق الیقین

اے نفس۔ حسینؑ کے بعد تیرے لیے ذلت ہے اگر تو رہنا چاہتا ہے تو حسینؑ کے بعد نہ رہنا۔ ارے یہ حسینؑ تو موت کے گھونٹ پئیں اور تو ٹھنڈا صاف پانی پیئے۔ تو یہ تو میرے مذہب کا شیوہ نہیں اور نہ سچا یقین رکھنے والوں کے یہ کام ہوتے ہیں۔

جناب راجہ صاحب محمود آباد، اسی مقصد کو یوں ادا فرماتے ہیں ؎

عباس آبرو یہ بڑا حرف آئے گا
پانی پیا تو نام وفا ڈوب جائے گا

علامہ بسطامی لکھتے ہیں کہ اس وقت آپ نے جو کچھ فرمایا اس کا مقصد یہ تھا ؎

بگریہ گفت کہ عباس خاک بر سر تو ستادہ است بمیداں کہیں برادرِ تو
مخدراتِ رسولِ کبار بے تاب اند دریں تفیہ ہمہ تشنہ لب دبے آب اند
تو آب میخوری لے بے ادب حیائے تو کر
بو عدۂ پدرِ مہرباں وفائے تو کر

علامہ شیخ علی ترنی کا بیان ہے کہ اس وقت حضرت عباس نے اپنے نفس کو مخاطب کرکے فرمایا ؎

مخور تو آب حسینت بخیمہ عطشان است — خزان نخل ولایت ز جور عدوان است
مخور تو آب کہ باشد سکینہ منتظرت — قدح گرفتہ بکف چشم سوئے میدان است
مخور تو آب کہ اندر حرم ز سوز عطش — صدائے نالہ اطفال تا بکیوان است
مخور تو آب کہ اصغر نمودہ غش ز عطش — رباب از غم او در خروش و افغان است
مخور تو آب کہ زینب ز بہر بیمارش
برائے جرعہ آبے ستارہ حیران است

منہاج الدموع صفحہ ۳۲۲ طبع نمبر ۱۳۳۲ھ

مورخ معاصر لکھتے ہیں کہ حضرت عباس نے چلو میں پانی لے کر دشمنوں کو دکھایا کہ دیکھو تمہارے اتنے سخت پہرے کے باوجود پانی ہماری مٹھی میں ہے گویا علیؑ کا شیر نہر کی ترائی پر اپنا قبضہ اور پانی پر اپنا قبضہ اور پانی پر اپنا قابو ثابت کر رہا ہے۔ اور کمال وفاداری کی وجہ سے اس کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ چونکہ امام حسین پیاسے ہیں۔ لہٰذا پانی نہ پیوں گا۔

فوجیں بھی ہٹیں دریا بھی ملا قبضہ بھی ہوا تربت بھی بنی
عباس یہ تیری منزل تھی پانی نہ پیا اور بات رہی

تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۸۱۔ ترجمہ مقتل ابی مخنف صفحہ ۷۲۔ دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۲۳، ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۹۰ اخبار ماتم صفحہ ۱۲۵۔ تاریخ ائمہ صفحہ ۲۹۵، محرق القلوب ملا مہدی قلمی مجلس ۱۲)

حضرت عباس علیہ السلام نے مشک سکینہ پانی سے بھری

مورخین لکھتے ہیں:

"فرمی الماء وملا القربة وحملها علی الکتفہ الایمن وتوجہ نحو الخیمة"

پھر آپ نے پانی چلو سے پھینکنے کے بعد سکینہ کی وہ مشک جو سوکھی ہوئی لائے تھے اسے پانی میں ڈالا۔ جب وہ سوکھی ہوئی مشک تر ہو گئی۔ تو مشک را پُر از آب نمود و بر دوش راست خود کشید" اسے پانی سے بھر کر اپنے داہنے کندھے پر لٹکایا بعض کتابوں میں ہے۔ کہ جب آپ نے مشکیزہ بھرا تھا تو آپ کے ہاتھ پانی سے تر ہو گئے تھے۔ آپ نے کمال وفاداری کے پیش نظر یہ خیال کرتے ہوئے کہ امام حسینؑ کے ہاتھ تر نہیں ہیں۔ اپنا ہاتھ بھی دامن عبا سے خشک کر ڈالا تھا۔ (اخبار

ؔ میرے نزدیک جملہ مورخین کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ حضرت عباس نے پینے کے لیے چلو میں پانی لیا اور امام حسین اور ان کے بچوں کی پیاس یاد کر کے پانی پھینک دیا کیونکہ ایسے وفادار کا پینے کے لیے پانی کا چلو لینا جو اپنے ہاتھ بھی تر ہونے کو پسند نہ کرے اور اسے دامن عبا سے پونچھ ڈالے وہ پینے کا ارادہ کیونکر کر سکتا ہے یہ بات یہی ہے کہ عباس نے چلو میں پانی لے کر یہی ثابت کیا تھا کہ گھاٹ پر ہمارا قبضہ ہو گیا اور مٹھی میں پانی آگیا۔ اور پہرہ دار کچھ نہ کر سکے ۱۲

ماتم صہ ۵۱۹ طبع رامپور ۱۳۸۵ھ دمعہ ساکبہ صہ ۳۲۶، بحار الانوار لہوف مقتل ابی مخنف صہ ۶۲ مجالس مصنجعہ صہ ۳۲۵ ناسخ التواریخ، تاریخ آئمہ صہ ۲۹۵)

حضرت عباس علیہ السلام کی خیمہ کی طرف روانگی

مشکیزہ بھرنے کے بعد آپ جس پیاسے داخل نہر ہوئے تھے۔ اسی طرح پیاسے برآمد ہو گئے ؎

پاس اکرام وفا را آں جناب
تشنہ لب برگشت از دریائے آب

آپ کا نہر فرات سے برآمد ہونا تھا کہ بھاگی ہوئی فوج واپس آگئی۔ اور راستہ میں حائل ہو کر آپ پر حملہ آور ہوئی۔ (ابصار العین صہ ۴۷، دمعہ ساکبہ صہ ۳۳۶ زبدۃ الاسرار صہ ۱۲۶ طبع طہران ۱۳۱۴ھ) اور تیر بارانی شروع کر دی۔ حضرت عباس تیروں کا جواب نیزے سے دیتے ہوئے آگے بڑھتے گئے آپ کی تمام تر سعی یہ تھی۔ کہ کسی نہ کسی طرح پانی خیام اہلبیت تک پہنچ جائے۔ جب آپ نے حملہ کو تیز تر پایا تو بارگاہِ احدیت کی طرف رجحان کامل کر کے دعا کی۔ الھی اوصلنی الیھم خدایا مجھے اہل بیت حسینؑ تک پہنچا دے۔ تاکہ میں پیاسے بچوں کی پیاس بجھا سکوں۔ (انوار الشہادت صہ ۵۱ طبع لاہور) کیا عجب کہ عباس کی دعا سے عرش فرش کے ملائکہ نے بارگاہ قدس میں عرض کی ہو ؎

پانی عباس لاتے ہیں یارب
پیاسے بچوں پہ تو نظر رکھنا

اس کے بعد حضرت عباس علیہ السلام نے یہ رجز پڑھنی شروع کی ؎

لا ارھب الموت اذا الموت رقا — حتی اداری فی المصالیت لقا
نفسی لنفس المصطفیٰ المطہر وقا — انی انا العباس اغدو بالسقا
ولا اخاف الشر یوم الملتقا

ترجمہ: موت جس وقت بلند ہو کر سروں پر آجائے۔ تو میں اس سے مطلقاً نہیں ڈرتا اور میں اتنا دلیر ہوں کہ جب تک جنگ کرتے کرتے تہ خاک نہ پہنچ جاؤں۔ لڑتا ہی رہتا ہوں۔ میرا نفس فرزند رسولؐ کے نفس کے لیئے ڈھال ہے میرا نام عباس ہے۔ اور میں سقائی اہل حرم میں نام پیدا کر چکا ہوں۔ (دمعہ ساکبہ صہ ۳۳۶)

ابو مخنف کا بیان ہے کہ رجز کے الفاظ یہ تھے ؎

لا ارھب الموت اذا الموت رقا — حتی اداری میتاً عند اللقا

انی صبور شاکر للملتقی ولا اخاف طارقاً ان طرقا
بل اضرب الھام وافری المفرقا
انی انا العباس صعب باللقا

(ترجمہ) جس وقت موت بلند ہو کر سروں پر آجائے۔ تو میں موت سے نہیں ڈرتا۔ جب تک نہ بوقت جنگ مردہ بن کر تہ خاک نہ پہنچ جاؤں۔ میں جنگ کے وقت بہت کچھ صبر اور شکر کرنے والا ہوں۔ اور کوئی مصیبت آجائے میں اس سے نہیں گھبراتا بلکہ سروں پر وار لگاتا اور مانگ کی جگہ چاک کرتا ہوں۔ میں ہی وہ عباس ہوں جو بوقت جنگ بہت سخت ہے۔ میری جان پاک و پاکیزہ فرزند رسول کے لیے سپر ہے۔ (ترجمہ مقتل ابی مخنف ص۳)

حضرت عباس علیہ السلام کا پہاڑی سے اتر کر خیمہ کی طرف بڑھنا ابو مخنف لکھتے ہیں کہ رجز پڑھ کر آپ گھاٹ سے نمودار ہوئے۔ تو آپ پر ہر سمت سے تیر برسنے لگے۔ لیکن آپ مشکیزہ کاندھے پر رکھے ہوئے برابر جنگ فرما رہے تھے۔ یہاں تک کہ زرہ ساہی کی طرح بن گئی (ترجمہ) مقتل ابی مخنف ص۴) مورخ معاصر لکھتے ہیں "جناب عباس پہاڑ سے نیچے اترے۔ نہر میں سما کر مشک بھگوئی جب وہ کئی دن کی سوکھی مشک بہت دیر میں تر ہوئی۔ تو پانی بھر کر خود اسی طرح پیاسے نہر سے نکل آتے۔ اور خیمہ گاہ کی طرف چلے۔ آپ نے نہر سے ایک چلو اٹھا کر دشمنوں کو دکھایا کہ دیکھو پانی قبضہ میں ہے مگر پیا نہیں، اور وہ پانی پھینک کر گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ اتنی دیر میں بھاگی ہوئی فوج پھر نہر کے کنارے جمع ہو گئی تھی۔ آپ نے پھر سب کو مار بھگایا۔ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ مشک لیے ہوئے نیچے اترے اور خیمہ گاہ کی راہ لی۔ الخ (تاریخ ائمہ ص۲۹۵)

پہاڑی سے اترنے کے بعد اور انتہائی تیزی اور پھرتی سے آگے بڑھ رہے تھے کہ دشمنوں نے چاروں طرف سے اچھی طرح گھیر لیا۔ اور وہ اپنی پوری طاقت سے حملہ کرنے لگے مگر اللہ اکبر علیؑ کے شیر نے ان روباہوں کو بھیڑ اور بکریوں کی طرح منتشر کر دیا۔ مورخین لکھتے ہیں، ففرقہم حضرت عباس نے کمال بے جگری سے حملہ کر کے دشمنوں کو تتر بتر کر دیا۔ (دمعہ ساکبہ ص۳۳۷) میں کہتا ہوں کہ جب حضرت عباس علیہ السلام دریا سے باہر برآمد ہوئے تو یہ خیال کرتے ہوئے کہ کسی نہ کسی طرح اہل حرم تک پانی پہنچ جائے۔ آپ خیمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر آپ کو اس بات کی کد کہ پانی خیمہ تک پہنچ جائے۔ کہ سوختہ دل بچوں کی پیاس بجھے ادھر قوم اشقیا کو یہ ضد کہ ایک قطرہ بھی حدود خیمہ تک نہ پہنچنے پائے۔ عجیب کشمکش کا عالم تھا آخر شیر دل بہادر نے گھوڑے کو مہمیز

گیا۔ اور خیمہ کی راہ لی۔ ابھی چند گام بھی نہ چلے تھے کہ قوم اشقیا نے پیاسے پر تیروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔ فجادبھم محاربۃ عظیمۃ پھر گیا تھا علی کا شیر پھر گیا۔ اور مشکیزہ کو دل سے لگا کر وہ گھمسان کی جنگ کی۔ کہ شقاوت اثر کے دل ہلنے لگے۔ چنانچہ آپ نے دم کے دم میں سینکڑوں ستمول کو ساحل زندگی سے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ سارا میدان صاف نظر آنے لگا۔ جب اشقیا نے یہ جرأت و ہمت دیکھی۔ سب جمع ہو کر یکبارگی حسین کے قوت بازو پر ٹوٹ پڑے اور حملہ کرنا شروع کر دیا۔ تیروں کی وہ کثرت تھی کہ میدان سیاہ نظر آ رہا تھا ؎

نمودند شش نشانِ تیر باراں ! ہجوم آوردہ از ہر سُو سواراں !
کہ مُرغ نالہ عاجز شد ز شبگیر سیہ شد آنچناں دشتِ پُر از تیر

حضرت عباسؑ کے بدن پر تیروں کی کثرت بروایت منتخب آپ پر تیروں کی اتنی بارش ہوئی کہ آپ کا سارا بدن ساہی کے مانند ہو گیا۔ فاخذہ النبال من کل مکان حتی صار جلدہ کالقنفذ من کثرۃ النبال۔ آپ پر چاروں طرف سے تیروں کی اتنی بارش ہوئی کہ آپ کا بدن تیروں کی کثرت کے سبب سے ساہی کی طرح ہو گیا تھا۔ یعنی آپ کے بدن پر اتنے تیر چبھے ہوئے تھے کہ جیسے ساہی کے بدن پر کانٹے۔ اب ذرا انصاف پر ور اپنے دھڑکتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں۔ کہ ایسے سخت اور عظیم وقت میں کوئی کسی کو یاد کر سکتا ہے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ ایسے وقت میں اپنے نفس کی حفاظت کے علاوہ کسی بشر کے ذہن میں کسی دوسرے کا خیال تک نہیں آسکتا۔ مگر صد آفرین ایسے وفادار کی جانبازی پر کہ جس کے بدن مطہر پر اس طرح تیر چبھے ہوئے تھے۔ جیسے ساہی کے بدن پر کانٹے۔ اس کے باوجود پھر وہ اپنے دل میں حسینؑ اور اطفال حسینؑ کا خیال کئے ہوئے صرف اس بات کی پے در پے کوشش کرتا ہو کہ چاہے قصرِ تن جوہر رُوح سے خالی ہو جائے اور عباس تنک کے گھاٹ اُتر جائے۔ مگر کسی نہ کسی صورت سے خیام اہل حرم تک پانی پہنچ جائے۔ یہی سبب تھا۔ کہ آپ گھبرا گھبرا کر گھوڑے کو ایڑ لگا رہے تھے اور مرکز نظر خیمہ کو قرار دے کر داہنے بائیں دیکھتے تھے ؎

نظر بر یمین دبا رِ سیاہ
دلش گرم نظارۂ خیمہ گاہ

سمجھ میں نہیں آتا کہ اس وقت جبکہ آتشِ حرب بھڑک رہی تھی۔ جسم تیروں سے چھلنی ہو چکا تھا اور بہادر سپاہی جنگ میں مشغول تھا آپ داہنے بائیں کیا دیکھتے تھے کیا کسی مددگار کو تلاش فرما رہے

تھے ، نہیں نہیں ، عباسؑ جیسے جری سے یہ امر کوسوں دور ہے کہ وہ کسی معین و مددگار کو تلاش کریں اور اس کے سہارے سے اپنی جان بچانے کی سعی فرمائیں ۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ کا شیر دشمنوں کے حصار میں گھر کر دائیں بائیں اس لیے نظر دوڑا رہا تھا کہ اگر کسی طرف سے ذرا سا راستہ مل جائے ۔ تو اس حصارِ عظیم سے نکل کر حسینؑ کے تشنہ لب بچوں تک پانی پہنچا دوں ؎

لوگ ایسے ہی جانبازوں کو روتے ہیں جہاں میں
شیروں کے پسر شیر ہی ہوتے ہیں جہاں میں

انوار الشہادت ص۲۵۶ طبع لاہور حسینیہ جلد اص۱۷۱ ۔ ذکر العباس طبع اول ص۱۳۴ ، مہیج الاحزان ص۱۷۴ المواعظ والبکاء ص۲۹۵ ،

آپ کا گھوڑے سے مخاطبہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ دشمنوں کی کثرت اور تیروں کی بارش نے حضرت عباسؑ کے سامنے موت کا نقشہ پیش کر دیا ہے ۔ اور یہ دھڑکن دل میں پیدا کر دی ہے کہ شاید میں خیمہ اہل حرم تک پانی نہ پہنچا سکوں گا ۔ اب آپ توسن با وفا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ، اور فرماتے ہیں ۔ اے اسپ وفادار کسی صورت سے مجھے لے کر اس حصار عظیم سے نکل چل تاکہ میں خیمۂ اہل حرم میں پانی پہنچا دوں اور حسینؑ کے چھوٹے چھوٹے بچے سیراب ہو جائیں ۔ (واقعات مقبل قلمی ۱۳۲۲ھ)

حضرت عباسؑ کا داہنا ہاتھ کٹ گیا ناسخ التواریخ میں ہے کہ تیر اندازوں نے آپ کو چاروں طرف سے اچھی طرح سے گھیر لیا اور کمانداروں کے علاوہ ابن سعد کے لشکر نے حلقہ میں لے لیا ۔ آپ نے شیر بیشۂ شجاعت کی حیثیت سے ان پر انتہائی دلیرانہ حملے کئے ۔ علامہ اسفرائنی لکھتے ہیں ، کہ ان حملوں میں آپ نے چار سو پچاس دشمنوں کو قتل کیا ۔ ناگاہ ایک کمینے نے جس کا نام زید ابن وقار تھا ۔ حکیم ابن طفیل کی مدد سے کھجور سے بنائی ہوئی کمین گاہ سے نکل کر آپ کے دست مبارک پر ایسا حملہ کیا کہ آپ کا داہنا ہاتھ کٹ کر زمین پر گر گیا ۔ حضرت عباسؑ نے جو شیر اور چیتے کا دل اور نہنگ کا جگر رکھتے تھے ۔ نہایت عجلت کے ساتھ مشکیزہ کو بائیں ہاتھ میں لے لیا ۔ اور دشمنوں پر اسی حالت میں حملہ کیا ۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس وقت آپ نے یہ رجز پڑھی ؎

واللہ ان قطعتم یمینی ۔۔۔ انی احامی ابداً عن دینی
وعن امام صادق الیقین ۔۔۔ نجل النبی الطاھر الامین

بنی صدق جاء نا بالدین

مصدقاً بالواحد الامین

(خدا کی قسم اے دشمنان دین! اگر تم نے میرا داہنا ہاتھ قلم کر دیا ہے۔ تو کچھ پروا نہیں۔ میں اسی حال میں اپنے سچے دین اور فرزند رسول الثقلین امام حسین کی مدد کرتا رہوں گا۔ جو نہایت صادق الیقین امام ہیں اور محمد مصطفےٰ جو بالکل سچے نبی تھے۔ اور ہمارے پاس دین لے کر آئے۔ جو یکتا اور (آمین) خلق کی تصدیق کرنے والے تھے۔

رجز پڑھنے کے بعد آپ نے ایک عظیم حملہ کیا اور بروایت امام اسفرائنی پچاس دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ صـ۲۹۱ ۔ دمعہ ساکبہ صـ۳۳ ۔ نور العین صـ۵۸ ۔ طبع ۱۲۹۲ھ وماتین صـ۴۵۸ م

حضرت عباس کا بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا داہنے ہاتھ کے کٹنے کے بعد مشک وعلم آپ نے بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ اور اسی حال میں کثیر دشمنوں کو قتل کر ڈالا۔ مورخین کا بیان ہے۔ کہ داہنے ہاتھ کے کٹنے سے کافی خون بہ گیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ پر ضعف شدید طاری ہوگیا۔ اتنے میں بروایت علامہ مجلسی حکیم بن طفیل ملعون نے جو درخت خرما میں چھپا ہوا بیٹھا تھا ایک ایسی ضرب لگائی "فقطع یدہ الیسریٰ من الزند" کہ آپ کا بایاں ہاتھ گٹے سے کٹ گیا۔ اور بروایت اسفرائنی آپ پر عبداللہ ابن شہاب کلبی نے حملہ کرکے آپ کا بایاں ہاتھ قطع کر دیا۔ ہاتھ کٹنے کے بعد آپ قوم جفا کار پر ٹوٹ پڑے بہت سے آدمیوں کو مار ڈالا۔ اور بہتوں کو مار گرایا۔ یہ دیکھ کر ابن سعد نے آواز دی۔ ارے تمہارا برا ہو۔ مشکیزے پر تیروں کی بوچھار کرو۔ ارشقوا القربۃ بالنبل فواللہ ان شرب الحسین الماء افناکم عن اخرکم اماھو الفارس بن الفارس والبطل المداعس اور مشکیزے کے ٹکڑے اڑا دو۔ خدا کی قسم اگر حسینؑ نے پانی پی لیا تو تم سب کو فنا کرکے چھوڑیں گے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ شاہسوار روزگار حضرت علیؑ کے بیٹے اور زبردست بہادر ہیں۔ (ترجمہ مقتل ابی مخنف صـ۴۲ و کبریت احمر صـ۲۹ و بحار الانوار و ناسخ التواریخ جلد ۶ صـ۲۹۱)

مورخین لکھتے ہیں کہ ابن سعد کے اس کہنے پر حضرت عباسؑ پر زبردست حملہ ہوا آپ نے بھی پورا زور دیا اور یہ رجز پڑھی:

یا نفس لا تخش من الکفار	والبشری برحمۃ الجبار
مع النبی سید الابرار	مع جملۃ السادات والاطہار

قد قطعوا ببغیهم یساری
فاصلهم یارب حر النار

ترجمہ اے نفس۔ کافروں سے مت جھجک اور خدائے جبار کی رحمت سے خوش ہو۔ جو تمام نیکوں کے سردار نبی مصطفےٰ کے ساتھ اور تمام پاک اور پاکیزہ نفوس اور سادات کے ساتھ ملے گی۔ انہوں نے اپنی بغاوت سے میرا بایاں ہاتھ قطع کیا۔ خدایا۔ ان کو آگ کی تپش سے جلانا (تحفہ حسینیہ جلد ا صفحہ ۱۹۱ مقتل ابی مخنف صفحہ ۵۵)

حضرت عباس علیہ السلام کے دونوں ہاتھوں کے کٹ جانے کے بعد

حضرت عباس علیہ السلام کے دونوں ہاتھ کٹ چکے ہیں۔ اب سقائے سکینہ کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ مشک سکینہ کو دانتوں سے تھام کر وفاداری کی آخری منزل پر فائز ہونے کا ثبوت دیں۔

فحمل علیہ السلام القربۃ باسنانہ وجعل یرکض لیوصل الماء الی عطاش اھل البیت۔ آپ نے مشکیزہ کو اپنے دانتوں سے سنبھال لیا اور گھوڑے کو بار بار ایڑ دینے لگے تاکہ کسی صورت سے حسینؑ کے پیاسے اہل بیت تک پانی پہنچ جائے۔ (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۳۲ و مقتل ابی مخنف ۵۵)

آپ کا کیا کہنا مشکیزے کو دانتوں سے سنبھالا اور علم اسلام کو کٹے ہوئے ہاتھوں کی مدد سے محفوظ کر لیا۔ ضمہ الی صدرہ "آپ نے علم اسلام کو اسی طرح سینے سے لگایا۔ جس طرح جنگ موتہ میں جناب جعفر طیار نے سینے سے لگا لیا تھا۔ آپ کا چونکہ تمامتر معاملہ جعفر طیار جیسا ہے۔ اس لئے انہی کی طرح جنت میں پرواز کے لیے پر بھی نصیب ہوئے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۴، طبع لندن ۱۳۲۱ھ و کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۶۲ و معالم الزلفی صفحہ ۱۲۶ و نزہتہ الانوار صفحہ ۳۹۴۔ تظلم الزہرا صفحہ ۱۲۰)

امام اسفرائنی لکھتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کے کٹ جانے کے بعد حضرت عباسؑ نے جفاکار کو مخاطب کر کے کہا کہ ھکذا الاقی جدی المصطفیٰ وابی علی المرتضیٰ میں اسی طرح جد نامدار محمد مصطفےٰ اور والد بزرگوار حضرت علی سے ملاقات کروں گا (نور العین صفحہ ۴۲) امام اسفرائنی کتاب مذکور کے صفحہ ۶ پر یہ تحریر کرتے ہیں۔ کہ جب حضرت عباسؑ کے دونوں ہاتھ کٹ چکے تو آپ نے کٹے ہوئے ہاتھوں سے دشمن پر حملہ کیا اور کمال شجاعت کی وجہ سے تین سو پانچ دشمنوں کو واصل جہنم کیا اور جانبازی اور شجاعت کا مکمل ثبوت دے دیا۔ جناب جعفری سرحدی کہتے ہیں ؎

ہاتھوں کو نثار کر دیا پر عباس دلاور کہتے تھے
جو تا بقیامت سبز رہے وہ بیج وفا کا بونا ہے

حضرت عباسؑ کی دُعا علامہ یزدی لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؑ کے جب دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ تو آپ نے اپنے چہرہ کو آسمان کی طرف کرکے دُعا کی "اللھم انّ اطفال الحسین عطشان" خدایا حسینؑ کے بچے پیاسے ہیں میرے پلنے والے۔ اتنا انتظام کردے کہ میں پیاسے بچوں تک پانی پہنچا دوں۔

ے حضرت عباسؑ کی کوشش کہ میں پہنچادوں آب
تیر کو یہ ضد کہ مشکیزہ میں پانی رہ نہ جائے

(انوار الشہادت ص۵۸ طبع لاہور)

حضرت عباسؑ کے دونوں ہاتھ کہاں دفن ہوئے؟ یہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت کے جب دونوں ہاتھ قطع ہوئے ہیں تو آخر وہ دفن کہاں ہوئے۔ اس کے متعلق علامہ عبدالرزاق مولوی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کا داہنا ہاتھ کربلا کے باب بغداد کے جہت شمال شرقی میں قریب باب صحن روضہ مطہر میں اور بایاں ہاتھ، روضہ کے چھوٹے دروازے کے جنوب شرقی میں دفن ہوئے" یہ مقام سوق عباس کے نام سے مشہور ہے۔ (قمر بنی ہاشم ص۱۱۱ طبع نجف اشرف ۱۳۶۹ھ)

مشکِ سکینہ پر تیرِ ستم حضرت عباس مشکِ سکینہ کو اپنے دل سے لگائے ہوئے لیے جا رہے تھے۔ اور آپ کی پوری سعی یہ تھی کہ کسی نہ کسی صورت سے خیمۂ الحرم تک پانی پہنچ جائے ناگاہ فجاءہ[لے]

لے اس مقام پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ تیر جس نے حضرت عباس کی تمناؤں کا خون کیا اور جناب سکینہ کو خیمہ میں ماہی بے آب کی طرح تڑپایا کس نے چلایا تھا۔ لیکن جب حضرت مختار علیہ الرحمۃ کے کارنامہ پر نظر کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس جرم عظیم کا ارتکاب کرنے والا کون تھا۔ صاحب سرور المومنین لکھتے ہیں کہ جب حرملہ کاہل اسدی کو گرفتار کرکے دربار مختار میں لائے تو ایک ساعت تک روتے رہے جس اوس شقی کا مختار دیکھا کئے اور بہت روئے اور پوچھا حرملہ بن کاہل سچ کہہ تو نے معرکۂ کربلا میں فرزند رسول سے کیا کیا سلوک کئے۔ سنتا ہوں تو فن تیر اندازی میں کامل ہے۔ اوس نے کہا اے امیر میرے ترکش میں دس تیر سہ پہلو زہر آلود تھے۔ اوس میں سے سات تیروں نے تو خطا کی۔ مگر تین تیر کارگر ہوئے۔ ایک تیر سینۂ اقدس مظلوم کربلا پر ایسا بیٹھا کہ پشت سے پار ہوگیا، دوسرے تیر نے گلوئے نازنین علی اصغر اور بازوئے حسینؑ کو زخمی کیا تیسرا تیر مشک علمدار پر ایسا لگا۔ جس سے تمام پانی بہہ گیا۔ یہ سنتے ہی مختار بے ساختہ دھاڑیں مار کر رونے لگا۔ اوس وقت حرملہ لعین بولا۔ اے امیر تو میری تیر افگنی پر تو اتنا رویا نوفل ازرق کی بے رحمی کا خیال کر۔ اوس حال میں کہ عباس زخموں سے چور اور دونوں ہاتھ بھی شانوں سے جدا ہو چکے تھے ایسا گرز ستم لگایا کہ سر اوس جری کا پاش پاش ہوگیا۔ اور اوسی صدمہ سے تیورا کر زین سے زمین پر آرہا۔ اور آواز دی یا اخا ادرک اخاک یہ فریاد سنتے ہی حسین بن علیؑ مثل شیر غضبناک صفیں

سھم فاصاب القربۃ واریق ماءھا ایک تیر ستم آیا اور مشکِ سکینہ میں لگ گیا۔ تیر کا لگنا تھا کہ پانی عباس کے خون کے ساتھ بہنے لگا۔ ؎

مشک پر ناوک لگا عباس کی ہمت گھٹی
مل گئیں یا یوسیاں بگڑی ہوئی تقدیر میں

علامہ شیخ جعفر شوشتری تحریر فرماتے ہیں۔ فعند ذالک وقف العباس تیر کے لگتے ہی حضرت عباسؑ کی ہمت پست ہوگئی۔ اور آپ نے خیمہ کی طرف رہبری روک دی (المواعظ والبکاء صفحہ ۱۱۲ طبع بمبئی و دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۳۷) علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ پانی کے بہتے ہی حضرت عباس نے قربوس زین پر سر رکھا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کی "یارب اب مجھے خیمہ میں جانا نصیب نہ ہو بہ چہ طریق جواب تشنہ کامانِ عورات واطفال را دہم" ہائے پیاسی عورتوں اور تشنہ لب بچوں کو کیا جواب دوں گا ؎

چوں آب ریخت جبہہ بہ قربوسِ زیں نہاد
از انفعالِ تشنہ لباں تن برگ داد!

(انوار الشہادت صفحہ ۵۷ وتحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۰)

علامہ شیخ علی قمی، تحریر فرماتے ہیں کہ مشکیزے سے پانی بہنے کے بعد حضرت عباس نے کمال یا یوسی اور حسرت کے ساتھ بزبان حال ارشاد فرمایا کہ ؎

مرغیکہ شد شکستہ پر و بال عاقبت
صیاد آردش بکف و سر جدا کند

در گردمن کہ صف زدہ صیاد بے شمار
بے بال و پر چو بنگر دم کے رہا کند

ضرب عمود آہنم از جان نمودہ سیر
عاشق براہ دوست سر وجان فدا کند

اطفال تشنہ منتظر آب در حرم
در گوشہ سکینہ ز بہرم دعا کند

کس نیست تا زمن بہ سکینہ دھد پیام
در گرد خویش تشنہ لباں را صدا کند

گوید دو دست از تن عباس شد جدا
ممکن نشد تا کہ بوعدہ وفا کند

منہاج الدموع صفحہ ۳۲۹ طبع قم ۱۳۴۱ھ

درہم برہم کرتے اپنے بھائی کے پاس پہنچے اور ان کی لاش سے پٹ کر زار زار رونے لگے (موسوعۃ النجوم صفحہ ۲۸۹ طبع لکھنؤ ۱۲۹۳ھ) ہم نے کتاب مذکور سے لفظ بہ لفظ عبارت نقل کر دی ہے۔ یہی چیز ہماری کتاب، مختار آل محمدؐ کے صفحہ ۳۱۱ پر ہے کارنامہ مختار سے واقفیت کے لیے مختار آل محمد پر نظر کرنی چاہیے ۱۲ منہ

سینۂ عباس پر سوفارِ غم | حضرت عباس علیہ السلام مشک سکینہ کے غم میں تھے ہی، کہ ناگاہ ثم جاء سھم اخر فاصاب صدرہ ایک دوسرا تیر آیا۔ اور سینۂ اقدس میں پیوست ہو گیا۔ تیر کا لگنا تھا کہ آپ گھوڑے پر ڈگمگانے لگے۔ (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۳۶) علامہ شیخ علی قرنی کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ کی داہنی آنکھ میں ایک تیر آکر لگ گیا تھا (منہاج الدموع صفحہ ۳۲۹ طبع قم ۱۳۴۱ھ)

حضرت عباس کے سرِ اطہر پر گرزِ آہنی | ابھی آپ زمین پر نہ تشریف لانے پائے تھے کہ

نض بہ ملعون بعمود من حدید علی ام راسہ ففلق ھامتہ توقع علی الارض

ناگاہ ایک ملعون نے آپ کے سرِ اقدس پر گرزِ گراں بار کا ایسا وار کیا کہ آپ کا سر شگافتہ ہو گیا علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ جب آپ گھوڑے سے ڈگمگا رہے تھے تو ایک ملعون آپ کے قریب آیا اور کہنے لگا عباس اتم تو بڑے بہادر تھے اب میں جانوں اگر اپنی شجاعت کا جوہر دکھاؤ۔ حضرت عباسؑ نے فرمایا اے ظالم وقتیکہ دست داشتم چرا نیامدی کہ شجاعتم را بہ بینی لے ظالم تو اس وقت کہاں تھا جب میرے دونوں بازو کٹے نہ تھے۔ موجود تھے اور تھوڑی دیر قبل آتا تو میں جوہرِ شجاعت تجھے دکھاتا یہ سُن کر اس ملعون نے بلاخوف خدا و رسول عمودے از آہن بالا بردو بر فرق نازین آن بزرگوار فرود آورد، ایک لوہے کا ستون بلند کیا۔ اور حضرت کے سرِ اقدس پر اس زور سے لگایا۔ کہ سرِ مبارک شگافتہ ہو گیا۔ (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۳۷۔ نور العین صفحہ ۴۲۔ کشف الانوار ترجمہ بحار القلوب جلد ۹ باب انقضا صفحہ ۱۷۱ طبع ایران۔ مقتل ابی مخنف صفحہ ۷۵۔ ابصار العین صفحہ ۴۷)

صاحب ناسخ التواریخ فرماتے ہیں :

حکیم ابن طفیل عمودے از آہن بر فرق شریفش فرود آورد۔ ایں وقت عباس از اسپ افتاد۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۲۹۰۔ و انوار الشہادت صفحہ ۵۵۔ اثارۃ الاحزان صفحہ ۳۵ و مصائب المعصومین صفحہ ۱۵۱۔ ترجمہ الحسین جلاول مصری جلد ۲ صفحہ ۱۲۱ طبع پٹنہ)

میدان کارزار میں حکیم ابن طفیل ملعون نے آپ کے سرِ مبارک پر ایک زبردست گرزِ آہنی کا وار کیا جس کے صدمے سے آپ گھوڑے سے گر پڑے۔

آپ کا دماغ کندھوں پر | ارباب مقاتل کا بیان ہے کہ جب حضرت عباسؑ کے سرِ اقدس پر گرزِ گراں بار لگا۔ تو آپ کا دماغ مبارک کندھوں پر آ گیا تھا۔ آقائے دربندی لکھتے ہیں، فضربہ حکیم ابن الطفیل من وراء نخلتہ بعمود من حدید علی راسہ الشریف فسقط مخ راسہ علی کتفیہ فھوی عن متن الجواد وھو

نیادی وا اخاہ واحسیناہ و ا ابتاہ واعلیاہ کہ آپ کے سر مبارک پر حکیم ابن طفیل ملعون نے کھجور کے ایک درخت کی آڑ سے لوہے کا ایسا گرز گراں بار لگایا کہ آپ کا سر مبارک شگافتہ ہوگیا۔ اور آپ کا دماغ دونوں کندھوں پر آ گرا۔ ضرب لگتے ہی آپ یہ فریاد کرتے ہوئے "اے بھائی حسینؑ اور اے ابا جان خبر لیجئے، گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے۔ (اسرار الشہادت صـ۳۲۷ جواہر الایقان صـ۲۱۳)

حضرت عباسؑ کا امام حسینؑ کو پکارنا زمین پر تشریف لاتے ہی حضرت عباسؑ علیہ السلام نے آخری سلام امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں اس طرح پہنچایا یا اباعبد اللہ علیک منی السلام (اے ابو عبد اللہ آپ پر میرا آخری سلام ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ آواز دی۔ یا اخاہ ادرک اخاک اے بھیا حسین مدد کو پہنچو ؎

عباس پکارے کہ خبر لیجئے آکر
مولا یہ غلام آپ کا گھوڑے سے گرا ہے

حضرت امام حسینؑ کے کانوں میں حضرت عباسؑ کی آواز کا پہنچنا تھا کہ "فصاح الحسین" آپ دھاڑیں مار کر روئے۔ (انوار الشہادت صـ۸۰، تحفہ حسینیہ جلد ۱ صـ۱۸۰، مقتل ابی مخنف صـ۸۵)

علامہ واعظ کاشفی لکھتے ہیں: "آہے از امام حسین برآمد کہ زمین کربلا از حقیقت آں بلرزہ درآمد" حضرت عباسؑ کی آواز سن کر امام حسینؑ نے ایسی آہ کھینچی کہ زمین کربلا تھرتھرا اٹھی۔ (روضۃ الشہداء صـ۳۶۴)

گھوڑے سے گرنے کے بعد حضرت عباسؑ کے جسم میں تیروں کی پیوستگی علامہ شیخ جعفر شوشتری تحریر فرماتے ہیں میں اس سقائے تشنہ کی مصیبت کو اس وقت بیان کرتا ہوں۔ جبکہ آپ کی جنگ اور کوششوں کے باوجود مشک پارہ پارہ ہوگئی۔ اس وقت آپ اس جگہ پہنچے۔ جہاں اب قبر مطہر ہے" فعند ذالک وقف العباس" اس جگہ عباس ٹھہر گئے پھر آپ نے حرکت نہیں کی۔ یہاں آپ کو ٹھیرنا پڑا۔ اگر نہ ٹھیریں تو کیا کریں۔ کہاں جائیں۔ بھاگنا بھی نہیں چاہیے ہاتھ بھی نہیں ہیں کہ مدافعت کریں۔ خیمہ گاہ کی طرف بھی نہیں آئے۔ اس حالت میں اہل حرم کے نالہ و فریاد کی آواز سنی۔ اس حالت میں جبکہ کھڑے ہوئے تھے تیر بارانی بھی ہوتی۔ اخبار میں وارد ہوئے۔ فصار جلدہ کالقنفذ آپ کا جسم مثل خار پشت ہوگیا تھا۔ گھوڑا اس حالت میں جولانی سے نہ رُکا۔ ناگاہ ایک تیر آیا۔ اور آپ کے سینے مبارک پر لگا، اور حضرت عباس زمین پر گر پڑے۔ بیں

چاہتا ہوں کہ یہ بیان کروں کہ حضورؑ کی مصیبت اسی قدر نہ تھی۔ جو تم سن چکے ہو۔ اصل مصیبت اس وقت تھی۔ جب آپ گھوڑے سے گرے۔ تصور کیجیے کہ آنجناب اس بلندی قامت کے باوجود ایسی حالت میں کہ جب گھوڑا جولان تھا۔ جب زمین پر گرے ہوں گے تو کیا قیامت ہوئی ہوگی وہ تمام تیر حضور کے جگر میں، رگ رگ میں، آنتوں میں اور جسم کے اندرونی حصوں میں در آئے ہوں گے۔
(الارشاد الغرا ترجمہ المواعظ والبکاء ص ۲۲۴ مجلس طبع لاہور)

حضرت عباس کی صدائے فریاد سے امام حسین کی کمر ٹوٹ گئی | حضرت عباس نے گھوڑے سے گرتے ہوئے امام حسین کو آواز دی۔ بھیا اپنے غلام کی خبر لیجیے۔ اس آواز کا امام حسین علیہ السلام کے کانوں تک پہنچنا تھا کہ آپ نے کمر تھام لی اور فرمایا الآن انکسر ظہری و قلت حیلتی ہائے میری کمر ٹوٹ گئی۔ اور راہ چارہ مسدود ہو گئی ؎

جہاں بدیدہ مظلوم کربلا شب شد
سپہر گفت اسیری نصیب زینب شد

(دمعہ ساکبہ ص ۳۲۳، اسرار الشہادت، بحار الانوار۔ ارشاد مفید اعلام الوریٰ۔ ناسخ التواریخ۔ مقتل ابی مخنف، مقتل عوالم۔ لہوف، انوار الشہادت۔ جواہر الایقان)

علامہ شیخ علی قرنی تحریر فرماتے ہیں کہ بھائی کے مرنے سے کمر ٹوٹ جانا قدیم الایام سے ثابت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت لقمان سفر میں تھے جب واپس آئے تو لوگوں نے کہا کہ آپ کے والد انتقال کر گئے۔ انہوں نے کوئی خاص تردد نہ کیا۔ پھر لوگوں نے کہا آپ کی والدہ بھی مر گئی ہیں۔ آپ نے کوئی اثر نہ لیا۔ پھر لوگوں نے کہا کہ برادرت از دنیا رفت فرمود پشتم شکست۔ آپ کے بھائی بھی انتقال کر چکے ہیں۔ فرمایا میری کمر ٹوٹ گئی اسی طرح جنگ موتہ جو کہ ۸ ہجری میں واقع ہوئی ہے میں حضرت جعفر طیار کی خبر شہادت سے حضرت علی نے فرمایا تھا کہ الآن انکسر ظہری اب میری کمر ٹوٹ گئی ہے۔ (منہاج الدموع ص ۳۲۳ طبع قم ۱۴۲۴)

حضرت عباس کی آواز پر امام حسین کی روانگی اور راستے میں ہاتھوں کا ملنا | حضرت عباس کی صدائے فریاد امام حسین کے کانوں میں پہنچی۔ آپ فوراً روانہ ہو گئے۔ علامہ بزدی بحوالہ محرق الفواد و مقتل ابن عربی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین تیزی کے ساتھ اپنے فرس تشنہ پر سوار حضرت

۱؎ کتاب معلومات الآفاق ص ۱۵۵ طبع نولکشور البتور ۱۸۷۳ء میں ہے کہ حضرت لقمان کی قبر بمقام طبریہ واقع ہے جو شخص چالیس دن تک مسلسل اس کی زیارت کرتا ہے حکیم ہو جاتا ہے۔ ۱۲

عباس کے گھوڑے سے گرنے کی جگہ تشریف لیے جا رہے تھے کہ راستے میں فرسِ تیز گام نے قدم روک لیے۔ حضرت نے ہر چند کوشش کی کہ قدمِ فرس آگے بڑھے مگر کامیابی نہ ہوئی اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے اسپ وفادار۔ اب زندگی کے چند لمحات باقی ہیں۔ آخر ایسے نازک وقت جبکہ میرا بھائی زمین پر آیا ہوا ہے میرا ساتھ کیوں چھوڑ رہا ہے۔ اس نے ناگاہ بقدرتِ کاملہ الٰہی قفل از زبان آں حیران برداشتہ شد۔ عرض کرد۔ یا سیدی اما تنظر الی الارض بقدرت کاملۂ الٰہی گویا ہو کر کہا مولا! ذرا میرے پیروں کی طرف دیکھئے۔ آپ نے کیا دیکھا دیکھا کہ حضرت عباس کا ہاتھ زمین پر پڑا اور خاک و خون میں لتھڑا ہے۔ حضرت فوراً گھوڑے سے اتر پڑے، اور اسے اٹھا کر آنکھوں سے لگایا۔ بوسے دیئے اور گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھ گئے پھر ایک مقام پر دوسرا ہاتھ نظر آیا۔ آپ نے اسے سینے سے لگایا۔ پھر آگے بڑھے تو مشکیزے کے ٹکڑے دکھائی دیئے امام حسین علیہ السلام نے ایک آہ سرد کھینچی اور فرمایا: اف لک یا دنیا قتلت اولادی عطاشاً اے دنیا دنی تف ہے تیرے اوپر۔ آہ! میرے پیارے بچے قتل کر دیئے گئے۔ (انوار الشہادت صـ طبع لاہور ۱۲۸۷ھ)

حمید بن مسلم کہتا ہے کہ جب معرکہ کربلا میں عباس بن علی کے دونوں ہاتھ قلم ہوئے اور ساتھ ہی اس کے ایک گرز ستم ایسا لگا کہ سر مبارک شگافتہ ہو گیا اور وہ تیورا کر گھوڑے سے زمین پر گر پڑے میں نے سنا کہ اس جری نے امام حسین کو آواز دی اور کہا السلام علیک یا اباعبد اللہ اے میرے آقا حسین آپ پر میرا سلام ہو یہ سنتے ہی حضرت اس جانب کو دوڑے اور نہایت بے تابانہ دوڑے۔ دیکھا میں نے کچھ دور جا کر وہ جناب جھکے انہوں نے کوئی چیز زمین سے اٹھا کر اپنے سینے سے لگائی اور زار زار رو کر فرمایا، واخاہ واعباساہ الان انکسر ظہری الخ اے بھائی، ہائے عباس تمہاری شہادت سے کمر حسینؑ کی ٹوٹ گئی اور راہ چارہ مسدود ہو گئی ہیں میں نے قریب جا کر پوچھا اے ابو عبد اللہ آپ نے کس چیز کو زمین سے اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا ہے حضرت نے اپنی آغوش مبارک کھول دی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت عباس کے ہاتھ ہیں پھر میں نے آگے نگاہ کی تو دیکھا کہ ایک جانب گرم ریتی پر عباس کی لاش افتادہ ہے اور ایک جانب مشک سکینہ چھدی ہوئی پڑی ہے۔ (کتاب موسع الغموم جلد ۲ صـ ۴۲ طبع لکھنؤ ۱۲۹۳ھ)

علامہ شیخ جعفر سوشتری نے راستے میں حضرت امام حسین علیہ السلام کو حضرت عباس کے ہاتھوں کے ملنے میں اختلاف فرمایا ہے (المواعظ والبکاء صـ ۱۱۲ طبع بمبئی ۱۳۳۹ھ فرماتے ہیں) کہ حضرت عباس نہر فرات

سے آ رہے تھے، ان کے ہاتھ اسی طرف گرے ہوں گے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام جو خیمہ سے تشریف لیے جا رہے تھے۔ انہیں یہ ہاتھ راستے میں کیونکر مل سکتے ہیں۔ الخ

میں کہتا ہوں کہ حضرت عباسؑ نہر فرات سے نکل کر جلد سے جلد خیمہ تک پہنچنا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے عجلت کے ساتھ خیمہ تک پہنچنے کی کوشش کی تھی۔ بہت ممکن ہے کہ دشمنوں کی یورش بلنے انہیں اس مقام سے جنگ کی صورت میں پھر واپس کر دیا ہو۔ جہاں تک وہ پہنچے تھے اور جس مقام پر آپ کے ہاتھ کٹے تھے اور چونکہ اس جولانگاہ جنگ میں حضرت عباس قطعی طور پر ایک جگہ نہ رہے ہوں گے بلکہ کبھی آگے کبھی پیچھے آپ کے حملے جاری رہے ہوں گے۔ بنا بریں عین ممکن ہے کہ خیام گاہ کے قریب پہنچ کر آپ پھر حملہ کرتے ہوئے نہر فرات کی طرف بڑھ آئے ہوں یا یوں سمجھا جائے کہ جب آپ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تو آپ کے دشمنوں کی یورش اور ریلے سے نہر فرات کی طرف کچھ دور پلٹ گئے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ شوشتری کے علاوہ کسی ایک صاحب مقتل نے اس میں اختلاف نہیں کیا۔ بہرحال میرے نزدیک راستہ میں امام حسین علیہ السلام کو حضرت عباس علیہ السلام کے ہاتھوں کے ملنے میں استبعاد نہیں ہے۔

حضرت عباس تک امام حسین علیہ السلام کی رسیدگی

حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت عباس علیہ السلام کے ہاتھوں کو لیے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں حضرت عباس زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ ایک روایت کی بنا پر حضرت امام حسین اس وقت پہنچے جب حضرت عباس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ اور دیگر روایات کی بنا پر آپ میں رمقِ جان باقی تھی۔ آپ نے وہاں پہنچ کر ے

افتادہ دید غرق بخوں ماہ پیکرے

یا رب نہ بیند ہیچو تنے را برادرے

دیکھا کہ آپ خاک و خون میں آغشتہ ہیں۔ آپ کے ہاتھ کٹے ہوئے ہیں۔ سینے میں تیر پیوست ہیں سر پر گرزِ گراں بار نے وہ اثر پیدا کر دیا ہے، کہ الامان والحفیظ آپ نے یہ کچھ دیکھ کر فریاد کی۔" وا اخاہ وا عباساہ وا مھجۃ قلبہ وا قرۃ عیناہ وا قلتہ ناصراہ یعز علی فراقک اے بھائی اے عباس اے دل کے سکون اے آنکھوں کی ٹھنڈک اے بے ناصر و مددگار۔ اے تیری جدائی میرے لیے سب کی جدائی سے زیادہ شاق ہے۔ کبثر روایات کی بنا پر آپ نے فرمایا:

الآن انکسر ظھری وقلت حیلتی ے

کسروا بقتلك ظهر سبط محمد
وبکسرہ انکسرت قوی الاسلام

اے عباسؑ دشمنوں نے تم کو قتل کر کے حسینؑ کی کمر توڑ دی اور حسینؑ کی کمر ٹوٹنے سے اسلام کی کمر شکستہ ہوئی۔

قطعوا بقطع یدیك ایدی السبط
والقطعت به اید النبی السامی

اے عباسؑ! تمہارے ہاتھ کاٹ کر حسینؑ کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے اور حسینؑ کے ہاتھ کٹنے سے محمد مصطفےٰ کے ہاتھ کٹ گئے۔

صاحب تلخیص المصیبت لکھتے ہیں کہ حضرت عباس علیہ السلام کے کانوں میں امام حسین علیہ السلام کی آواز کا پہنچنا تھا کہ آپ نے غش سے آنکھیں کھول دیں۔ اور تعظیم کے لیے اُٹھنے کی سعی کرنے لگے مگر اُٹھ نہ سکے۔ (روضۃ الشہداء صفحہ ۲۹۳۔ تحفہ حسینیہ جلد اصفحہ ۱۸۱ تلخیص المصیبت صفحہ ۲۵۹ طبع لکھنؤ)

حضرت عباسؑ کی آنکھوں میں تیر مشہور ہے کہ حضرت عباسؑ کے پاس جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام پہنچے تو آپ نے ان کو چشم ہائے مبارک میں سات تیر پیوست دیکھے۔ جنہیں آپ نے اپنے ہاتھوں سے نکالا۔ علامہ سماوی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؑ کے سر مبارک پر قبیلہ بنی تمیم کے ایک شخص نے گرز مارا۔ اور وہ جناب گھوڑے سے زمین پر گرگئے اور آپ نے باآواز بلند حضرت امام حسین علیہ السلام کو پکارا۔ اے میرے مولا و آقا تشریف لایئے آواز کے سنتے ہی حضرت مثل باز کے پہنچے۔ دیکھا کہ دونوں ہاتھ نہیں ہیں۔ پیشانی پارہ پارہ ہے آنکھوں میں تیر لگے ہوئے ہیں۔ حضرت جسم مبارک عباس کے قریب بیٹھ گئے اور رونے لگے تاآنکہ روح مبارک پرواز کرگئی۔ (نور العین ترجمہ ابصار العین علامہ سماوی صفحہ ۴۸ طبع حیدرآباد)

حضرت عباسؑ کا وصیت فرمانا آقائے دربندی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؑ کی آواز پر امام حسین شکستہ پر باز کی طرح دشمنوں پر جھپٹے اور بڑے بڑے ستر دشمنوں کو تہ تیغ کر کے حضرت عباسؑ تک پہنچے وہاں پہنچ کر حضرت عباسؑ کی حالت ملاحظہ کی اور فرمایا اے بھائی تم نے کمر توڑ دی اس کے بعد آپ نے ارادہ کیا کہ حضرت عباسؑ کو اٹھا کر خیمہ میں لے جائیں۔ حضرت عباسؑ

کو اٹھا کر خیمہ میں لے جائیں حضرت عباس کو جو یہ محسوس ہوا کہ مجھے اٹھایا جا رہا ہے آنکھیں کھول دیں اور پوچھا بھائی کیا ارادہ ہے۔ فرمایا تمہیں خیمہ میں لے جانا چاہتا ہوں حضرت عباس نے عرض کی۔ یا اخی بحق جدك رسول الله علیك الا تحملنی ودعنی فی مکانی هذا آپ کو رسول مقبول کا واسطہ۔ آپ مجھے خیمہ میں نہ لے جائیں۔ امام حسین نے پوچھا بھائی وہ کیوں؟ عرض کی لانی مستحی من ابنتك سکینة مجھے سکینہ سے حیا آتی ہے میں اس سے وعدہ کر کے آیا تھا کہ میں تیرے لیے پانی لاؤں گا۔ اور چونکہ میں وعدہ پورا نہ کر سکا۔ اس لیے میں اس کے سامنے نہیں جانا چاہتا۔ (اسرار الشہادت صفحہ ۳۳۶ طبع ایران ۱۲۷۹ھ) بعض کتابوں میں ہے کہ حضرت عباس نے ایک وصیت یہ بھی کی تھی کہ میری زوجہ سے میرے حقوق معاف کرا دیجیے گا۔ (تلخیص المصیبت جلد ۳ صفحہ ۲۲) بعض کتب مقتل میں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت عباس کے سر مبارک کو اپنے زانو پر رکھ لیا۔ جب حضرت عباس کو محسوس ہوا کہ ان کا سر امام حسین علیہ السلام کے زانو پر ہے تو انہوں نے اپنا سر ہٹا لیا۔ اور عرض کی مولا! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرا دم اس حال میں نکلے۔ کہ میرا سر آپ کے زانو پر ہو کیونکہ بعد عصر آپ کا سر مبارک زمین گرم پر ہوگا۔ (واقعات مقتل قلمی)

حضرت امام حسین علیہ السلام کا فریاد کرنا

حضرت عباس علیہ السلام کے وصیت کرتے ہی امام حسین علیہ السلام نے فریاد شروع کر دی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

اخی یا نور عینی یا شقیقی	فلی قد کنت کالرکن الوثیق
ایا ابن ابی نصحت اخیك حتی	سقاك الله کاساً من رحیق
ایا قمراً منیراً کنت عونی	علی کل النوائب فی المضیق
فبعدك لا تطیب لنا حیاة	سنجمع فی الغداة علی الحقیق

الا الله نشکوای وصبری

وما القاه من ظما و ضیق

(ترجمہ) اے میرے بھائی۔ تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا چین ہے تو میری زندگی کے لیے ایک مستحکم رکن کی حیثیت رکھتا ہے اے میرے بھائی تو نے اپنے بھائی کا اس طرح ساتھ دیا ہے کہ اب جام موت سے سیراب ہو رہا ہے اے ماہ روشن تو نے ہر مصیبت اور ہر تنگی میں میری مدد کی ہے۔ خدا شاہد ہے کہ میں تیرے بعد زندگی پسند نہیں کرتا۔ دیکھ عنقریب کل ہی ہم

لازمی طور پر بارگاہ احدیت میں جمع ہو جائیں گے۔ بے شک ہماری صبر و شکیبائی کا مرکز، اور تشنگی و ترشی کا ماوائے ذاتِ باری ہے۔ ہمیں اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ (اسرار الشہادت)
ایک روایت میں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے قوم نابکار کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا ؎

تعدیتم یا شر قوم ببغیکم — وخالفتموا دین النبی محمد
اما کان خیر الخلق اوصاکم بنا — اما کان جدی خیرة الله احمد
اما کانت الزهراء امی ووالدی — علیاً اخا خیر الانام المسدد

لعنتم واخزیتم بما قد جنیتم
فسوف تلاقوا حر نار توقد

ترجمہ۔ اے بدترین قوم! تم نے اپنی سرکشی کی وجہ سے ظلم پر کمر باندھ لی ہے۔ اور تم نے ہمارے بارے میں محمد مصطفےٰ کی مخالفت کی کیا بہترین خلق محمد مصطفےٰ نے ہمارے بارے میں تم کو وصیت نہیں کی۔ کیا خدا کے برگزیدہ احمد مجتبیٰ ہمارے نانا نہ تھے۔ کیا میری ماں فاطمہ زہرا نہ تھیں کیا ہدایت یافتہ اور بہترین خلق کے بھائی علی میرے باپ نہ تھے۔ سنو! تم پر لعنت رہے گی اور جو گناہ تم نے کئے ہیں۔ ان کا مواخذہ کیا جائے گا۔ یاد رکھو عنقریب تم لوگ آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جلو گے۔ (دمعہ ساکبہ ص۳۳۷ و مقتل ابی مخنف ص۵، نوادر الاب ص۱۳ طبع لکھنو ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۹۱)
علامہ السید محمد علی حسن اپنی کتاب الدمعۃ الساکبۃ منظوم ص۱۱ طبع لکھنؤ ۱۳۰۴ھ میں لکھتے ہیں ؎

ولما رأی عباسه متجدلاً — نقال دیکی والحشا یتضرم
وبعدك ظهری یا اخی لمکسر
وما حیلتی الا ولیس یتم

ترجمہ: اور جب آپ نے اپنے بھائی عباس ابن علی کو زخمی اور خاک و خون میں غلطاں زمین پر پڑا دیکھا تو یہ کلمات حسرت آپ نے ارشاد فرمائے اور آپ روتے جاتے تھے اور گویا آپ کے دل و جگر سے شعلے نکل رہے تھے۔ "اے بھائی! آپ کے بعد میری کمر ٹوٹ گئی اور راہ چارہ مسدود ہو گئی۔

او ہم بشہیدانِ دگر ملحق شد ابو مخنف لکھتے ہیں کہ حضرت عباس زمین پر رُخسارے کے بل گر پڑے۔ اپنے خون میں تڑپ کر آواز دینے لگے۔ اے ابو عبداللہ حسین، آپ پر میرا آخری سلام۔ امام حسینؑ نے جس وقت عباس کی آواز سُنی۔ فرمایا ہائے بھائی ہائے عباس ہائے میرے دل کی روح رواں ثم حمل علی القوم فکشفهم عنه پھر آپ نے ان لوگوں پر حملہ فرما کر اپنے بھائی کے پاس سے ہٹا دیا (مقتل ابی مخنف ص۳۷) علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں "خود را برروئے او انداخت۔ وشیون در گرفت جمے سوار و پیادہ کہ آنجا بودند۔ یک بار بروے حملہ کردند و ذرہ ذرہ گوشت اعضائے او را بسر ہائے نیزہ در بودند" حضرت عباس علیہ السلام کی آواز سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور وہاں پہنچ کر اپنے کو حضرت عباس پر گرا دیا۔ اور بے پناہ گریہ کرنے لگے۔ اتنے میں ان سواروں اور پیدلوں نے مل کر حضرت عباس پر حملہ کر دیا۔ اور آپ کے جسم مطہر کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ (روضۃ الشہداء ص۳۶۳) علامہ سماوی لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت عباسؑ کے جسم کے قریب بیٹھ گئے اور رونے لگے۔ تا اینکہ روح مبارک پرواز کر گئی۔ حضرت نے وہاں سے اٹھ کر لشکرِ اعدا پر ایسے حملے کئے۔ کہ سارا لشکر بھیڑیوں کی مانند ادھر اُدھر بھاگنے لگا۔ آپ فرماتے تھے اے میرے برابر کے بھائی کو قتل کرنے والو! اب کہاں بھاگ رہے ہو۔ (ترجمہ ابصار العین ص۴۸ طبع حیدر آباد) علامہ محمد باقر البہبانی تحریر فرماتے ہیں کہ

ان من كثرة الجراحات الواردة على العباس لم يقدر الحسين، ان يحمله الى محل الشهداء فترك جسده فى محل قتله و رجع باكيا حزينا الى الخيام۔ (دمعہ ساکبہ ص۳۳۷ طبع ایران)

حضرت عباس علیہ السلام کے جسم مبارک پر اتنے زیادہ زخم تھے کہ امام حسینؑ اس چیز پر قادر نہ ہو سکے کہ انہیں گنج شہیداں تک لا سکیں۔ بنابریں محل قتل پر چھوڑ کر با صد گریہ و بکا واپس تشریف لے آئے۔

آقائے دربندی تحریر فرماتے ہیں: فوضعه فى مكانه ورجع الى الخيمة وهو يكفكف دموعه بكمه حضرت امام حسینؑ بصد مجبوری حضرت عباسؑ کے جسم مطہر کو مقام قتل پر چھوڑ کر اس حال میں واپس آئے کہ آستین سے آنسو پونچھ رہے تھے۔ (اسرار الشہادت ص۳۳۷) علامہ یزدی رقمطراز ہیں کہ:

آنحضرت در وقتیکہ بر سر نعش حضرت عباس علیہ السلام آمد۔ آں بدن را مجروح و پارہ پارہ یافت بحدیکہ نتوانست حضرت از کثرتِ جراحت آنرا بخیمہ گاہ نقل نماید۔ آں را بحالِ خود گذاشت و تنہا مراجعت نمود (انوار الشہادت صنہ۲)

جب امام حسینؑ حضرت عباسؑ کے سرہانے پہنچے تو ملاحظہ فرمایا کہ بدن عباسؑ ہائے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا گیا ہے۔ اور اس کثرت جراحت کی وجہ سے آپ خیمہ گاہ میں نہ لا سکے۔ بلکہ اس حال میں اُسی جگہ چھوڑ کر تنہا واپس چلے آئے

غرضیکہ حضرت عباس علیہ السلام حضرت امام حسین علیہ السلام کا ساتھ چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔ اور کس قدر رنج کی بات ہے۔ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے اس جانباز برادر کی نعش محترم تک کثرتِ جراحت کی وجہ سے خیمہ میں نہ لا سکے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

مسٹر عبدالحمید مدیر رسالہ "مولوی" دہلی لکھتے ہیں کہ حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت یوم عاشور بعد از ظہر واقع ہوئی ہے۔ (الشہید اعظم صہ۲۲۱ طبع دہلی)

جناب سکینہ کا امام حسین سے حضرت عباسؑ کے متعلق سوال اور مخدرات عصمت کا گریہ

آقائے دربندی ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت عباس کے جسم مطہر کو میدان میں چھوڑ کر آستین سے آنسو پونچھتے ہوئے جیسے ہی خیمہ میں پہنچے ہیں۔ اتت الیہ سکینۃ ولزمت عنان جوادہٖ جناب سکینہ دوڑ پڑیں۔ اور لجام فرس سے لپٹ کر عرض کرنے لگیں۔ "بابا جان اِھل لک علم بعمی العباس" آپ کو میرے چچا عباسؑ کی بھی کچھ خبر ہے۔ اے بابا! میں نے ان سے پانی کی خواہش کی تھی۔ وہ اب تک پلٹ کر نہیں آئے۔ بابا جان وہ تو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے تھے۔ آپ سچ بتایئے کیا ہمارے چچا جان نے پانی پی کر اپنا دل ٹھنڈا کر لیا۔ اور ہم سب کو بھول گئے۔ یا دشمنوں سے حصول آب کے لیے اب تک لڑ رہے ہیں۔ فعند ھا بکی الحسین یہ سُن کر حسینؑ بے ساختہ رو پڑے اور کہنے لگے۔ میری بیٹی! تمہارے چچا عباس قتل کر دیئے گئے اور ان کی روح جنت کو پرواز کر گئی۔ فلما سمعت زینب صرخت و نادت یہ سُننا تھا کہ جناب زینبؑ بھی چلا کر روئیں اور آواز دی "واعباساہ" اے میرے بھائی عباس آپ نے تو سخت مایوسی پیدا کر دی۔ اس کے بعد تمام بیبیاں رونے لگیں اور انہی کے ساتھ ساتھ امام حسین علیہ السلام بھی گریہ فرمانے لگے ؎

زگفتارِ او عرش شد اشکبار
جہاں گشت از گریہ اش بے قرار

از اسرار الشہادت صہ ۴۳۷ وجواہر الایقان صہ ۲۱۴

حضرت عباس کی خبر شہادت سے خیمہ میں کہرام | عالم اہل سنت امام ابو اسحاق اسفرائنی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؑ کی خبر شہادت کا خیمہ میں پہنچنا تھا کہ خرجت النساء وبکین علیه وعلت اصواتهن بالبکاء والنحیب حتیٰ بکت لبکائهن ملئکة السماء فادخلهن الحسین فی الخیام۔ عورتیں خیمہ سے نکل پڑیں۔ اور بے پناہ گریہ کرنے لگیں ان کی آوازیں بلند تھیں۔ اور ان کے رونے سے ملائکہ گریہ کُن تھے۔ یہ دیکھ کر امام حسینؑ نے عورتوں کو داخل خیمہ کردیا ہے

پر از گریہ شد از سما تا سمک
پر از نوحہ بود از زمیں تا فلک

(نور العین صہ ۶۰ طبع بمبئی)

سردیں را برید، بے دینے | مذکورہ مصرعہ سے مولانا روم نے حضرت عباس کی تاریخ شہادت نکالی ہے۔ لفظ دین سے دال کو علیحدہ کرنے سے تاریخ شہادت حضرت عباس نکلتی ہے۔ اس کے علاوہ مظفر حسین صاحب آسیر شاعر دربار واجد علی شاہ تاجدار اودھ نے "سید بے ید" سے تاریخ نکالی ہے اور جناب یاس آروی نے لفظ "حسین" کا سر کاٹ کر حروف منقوطہ وغیر منقوطہ سے علیحدہ علیحدہ تاریخ نکالی ہے (اتول) اگرچہ ہر ایک سے ۶۰ھ ہجری نکلتی ہے لیکن بلاغت کی وجہ سے قابلِ قدر ہے۔

آپ کی کینت ابو قربہ | علامہ اسفرائنی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے چونکہ کربلا میں کمال بے جگری سے سقائی فرمائی تھی۔ لہٰذا آپ کا لقب سقا قرار پایا تھا۔ اور چونکہ آپ کی شہادت مشکیزہ کے پر از آب کرنے کے سلسلہ میں واقع ہوئی ہے۔ لہٰذا آپ کی کینت ابو قربہ قرار پائی۔ (ابصار العین صہ ۲۹ طبع نجف اشرف) علامہ عبد الرزاق موسوی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی کینت ابو الفضل، ابو قربہ، اور ابو القاسم تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری نے زیارت اربعین میں اس طرح سلام کیا ہے۔ السلام علیک یا ابا القاسم یا عباس بن علی رضؓ (قمر بنی ہاشم صہ ۲۵)

حضرت عباسؑ کی عمر شریف شہادت کے وقت حضرت عباس کی عمر شریف کیا تھی؟ اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں (۱) کتاب ذبح عظیم ص۲۱۵ میں ۳۴ سال (۲) شرعت المصائب جلد ۲ ص۱۶۵ میں تیس سال (۳) ید بیضا ص۱۰۳ میں تینتیس سال (۴) واقعہ کربلا اور اس کے اسباب و نتائج ص۹ میں تینتیس سال (۵) چراغ زندگی حصہ ۳ ص۱۹۳ میں ۳۵ سال (۶) جواہر البیان ص۲۳۶ میں ۳۶ سال (۷) حدائق الانس ص۶۱ میں پینتیس سال سے زائد (۸) مرقات الایقان ص۲۰ ۳۵ سال مرقوم ہے۔

لیکن علمائے تاریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی عمر شریف بوقت شہادت ۳۴ سال کی تھی۔ "عباس در وقت شہادت سی وچہار سالہ بود" ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۲۹۱۔ عمدۃ المطالب ص۲۵۱۔ مفاتیح الجنان ص۵۵۔ فوائد المشاہد ص۲۲۳۔ دمعہ ساکبہ ص۳۳۷۔ مقاتل الطالبین ص۔ انوار الحسینیہ ص۶۶۔ اخذ الثار ص۳۹۸۔ تاریخ ائمہ ص۲۹۶۔

البتہ تاریخ ولادت ۴ شعبان ۲۶ھ ہجری اور تاریخ شہادت ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ ہجری کو ملانے سے چند ماہ کا اضافہ مستنبط ہوتا ہے۔ یعنی آپ کی عمر ۳۴ سال چند ماہ تھی۔

حضرت عباس اپنے حقیقی بھائیوں میں آخری شہید ہیں اس امر میں اختلاف ہے کہ بنی ہاشم کا آخری شہید جو میدان میں جا کر لڑ سکتا ہو۔ امام حسینؑ سے قبل کون ہے علامہ سفرائنی نے حضرت عباس کو قرار دیا ہے۔ لیکن تقریباً تمام ارباب مقاتل نے حضرت علی اکبر کو تسلیم کیا ہے۔ البتہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کہ حضرت عباس اپنے حقیقی بھائیوں میں سب سے آخری شہید ہیں۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں۔ وھو اخر من قتل من اخوتہ لابیہ وامہ حضرت عباسؑ اپنے بھائیوں میں سب کے بعد قتل ہوئے۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص۲۲۳)

حضرت عباس کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد حضرت عباسؑ کے ہاتھوں سے کتنے دشمنان اسلام قتل ہوئے ہیں۔ اس کی تفصیل بتانی مشکل ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسے بہادر تھے۔ جو حضرت علی کی طرح جب تلوار اٹھاتے تھے پرے کے پرے صاف کر دیتے تھے۔ اور تلوار سے قتل کئے جانے والوں کی تعداد کا لکھنا اس لیے بھی مشکل ہے کہ تقریباً ہر مجاہد میدان میں آپ سے مدد چاہتا تھا اور آپ جا کر تلوار چلاتے رہے۔ البتہ آپ نے نیزے سے جتنے دشمنوں کو قتل کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:۔

طاویہ پر سوار ہونے سے پہلے ۵۳۰ طاویہ پر سوار ہو کر ۲۸۰۔ نہر فرات میں اُترنے سے پہلے ۸۰۰۔ داہنا ہاتھ کٹنے سے پہلے ۴۵۰ بایاں ہاتھ کٹنے سے پہلے ۵۰۔ دونوں ہاتھ کٹ جانے کے بعد دانتوں اور کٹی ہوئی کلائی کے ذریعے سے ۳۰۵۔ دشمنوں کو واصل جہنم کیا۔ (نور العین امام اسحاق اسفرائنی صفحہ ۵۸ تا صفحہ ۶۰ طبع بمبئی و اسرار الشہادت آقائے دربندی صفحہ ۳۳ طبع ایران)

امام معصوم کا حضرت عباس علیہ السلام پر سلام | حضرت صاحب العصر علیہ السلام زیارت ناحیہ میں حضرت عباس پر ان لفظوں میں سلام فرما رہے ہیں:

السلام علی ابی الفضل العباس بن امیر المومنین المواسی اخاہ بنفسہ الآخذ لغدہ من امسہ الفادی لہ الواقی الساعی الیہ بمائہ المقطوعۃ یداہ لعن اللّٰہ قاتلیہ یزید بن رقاد الحیبی وحکیم ابن طفیل الطائی۔

ترجمہ: امیر المومنین حضرت علیؑ کے فرزند جناب ابو الفضل العباس علیہ السلام پر سلام ہو جو اپنی جان اپنے بھائی پر نثار کرنے والے اور اُن پر قربان ہونے والے۔ انہیں اپنی روح کے ذریعے سے بچانے والے اور طلب آب میں اپنے ہاتھوں کو کٹانے والے تھے۔ خدا اُن کے قاتلوں یزید ابن رقاد اور حکیم ابن طفیل پر لعنت کرے۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۲۰۵ طبع ایران)

حضرت عباس کے خون بہا لینے کی تاکید | حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت کے سلسلہ میں یہ جملہ ملتا ہے۔ ودمہ فی بنی حنیفہ (ومعہ ساکبہ صفحہ ۳۳۰) علامہ کنتوری بحوالہ عمدۃ المطالب تحریر فرماتے ہیں، ودم العباس فی بنی حنیفۃ یہ جملہ اگر مصنف کی طرف سے ہے تو محض خبر ہے اور اگر حدیث صادق آل محمد کا تتمہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے ماننے والوں کو بتا رہے ہیں کہ وہ نسلاً بعد نسل آگاہ رہیں۔ اور جب حضرت حجت ظہور فرما کر شہداء کربلا کے خون کا بدلہ لینے لگیں تو انہیں باخبر کریں کہ حضرت عباس کے خون کی ذمہ داری بنی حنیفہ پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت عباسؑ کے خون کا بدلہ لینا بے انتہا ضروری ہے۔ (مائتین صفحہ ۴۴)

حضرت عباس کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام کا چہرہ اُتر گیا | مورخین کا بیان ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے کسی کے قتل سے تاثر حاصل نہیں کیا یعنی آپ پر کسی کی شہادت کا زیادہ اثر نہیں ہوا۔ البتہ حبیب ابن مظاہر کی شہادت کا اثر ہوا تھا۔ مگر حضرت

عباس کی وجہ سے انہیں زیادہ پروا نہیں ہوئی۔ مگر جب حضرت عباس علیہ السلام شہید ہوئے تو بان الانکسار فی وجہ الحسین فجلس مھموماً مغموماً ودموعہ تجری علی خدیہ تو آپ کے چہرے پر مایوسی اور انکساری ظاہر ہوگئی اور آپ خاموش ہوکر نہایت غم اور الم کی حالت میں بیٹھ گئے۔ اور آنسو آپ کے رخساروں پر جاری تھے۔ فاتی الیہ ولدہ یہ دیکھ کر حضرت علی اکبر حاضر ہوئے اور عرض پرداز ہوئے۔ بابا جان قتل عمی العباس فلاخیرلی فی الحیوۃ بعدہ ہمارے چچا عباس قتل ہوچکے ہیں اب میں ان کے بعد زندہ نہیں رہ سکتا۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ پر سے قربان ہوجاؤں امام حسین نے فرمایا بیٹا۔ یہ کیوں کر ہوسکتا ہے۔ حضرت علی اکبر نے عرض کی۔ بابا جان اب تو یہ ہونا ہے۔ اور مجھے آپ پر نثار ہونا لازمی ہے۔ تاریخوں میں یہ بھی موجود ہے کہ حضرت عباس کے شہید ہوجانے کے بعد تد اقعت الرجال دشمن بالکل بے لحاظ ہوکر ٹوٹ پڑے۔ (دمعہ ساکبہ صـ۳۳۵، ناسخ التواریخ جلد ۶ صـ۲۹۲)

حضرت عباس کے بارے میں امام حسین سے امام زین العابدین کا سوال

حضرت عباس کے بعد حضرت علی اکبر اور ان کے بعد جناب علی اصغر شہید ہوگئے اب آپ کا کوئی صغیرہ کبیرہ مددگار باقی نہ رہا۔ آپ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو بہتر شہید دکھائی دیئے۔ بعدہٗ آپ خیمہ الحرم میں تشریف لائے۔ اور آواز دی اے سکینہؑ! اے فاطمہؑ! اے زینبؑ! اے ام کلثومؑ! تم پر میرا سلام آخری ہو۔ یہ سن کر جناب سکینہ نے چلا کر کہا "اے بابا جان! کیا آپ نے موت کا فیصلہ کرلیا ہے؟" آپ نے فرمایا: "بیٹی! وہ شخص کیوں کر موت کا استقبال نہ کرے جس کا کوئی مددگار باقی نہ رہے"۔ جناب سکینہؑ نے عرض کی "بابا جان! اگر آپ نے اپنی شہادت کا فیصلہ کرلیا ہے۔ تو ردنا الی حرم جدنا ہمیں نانا کے روضہ تک پہنچا دیجئے"۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا۔ ھیھات لوترک القطا لنام۔ افسوس! اے بیٹی! اگر قطا طائر چھوڑ دیا جاتا

ے قطا ایک طائر کا نام ہے جسے فارسی میں کتو کہتے ہیں۔ یہ فاختہ اور قمری کے مشابہ ہوتا ہے۔ اس کے گلے میں طوق بنا ہوا ہوتا ہے۔ عرب سچائی کے لیے اس کا ذکر کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ فلان اصدق من قطا فلاں شخص قطا سے زیادہ سچا ہے نیز اس کا ذکر رہبری کے لیے بھی آتا ہے۔ عرب کہتے ہیں فلان اھدی من القطا۔ فلاں شخص قطا سے بھی زیادہ صحیح رہبری کرنے والا ہے۔ اس کی رفتار میں بڑا لوچ ہوتا ہے اسی لیے لوگ عورتوں کو اس سے تشبیہ دیتے ہیں۔ وہ زمین میں اپنا گھر نسلاً گھاس کے اندر بناتا ہے۔ اسی وجہ سے لوگ

تو سو رہتا یعنی اے بیٹی! ابھی تو نا ممکن ہے۔ یہ سن کر تمام عورتیں چیخ مار کر رونے لگیں امام حسین نے سب کو خاموش کیا اور صبر کی تلقین فرمائی۔ علامہ محمد باقر تحریر فرماتے ہیں کہ جب امام حسین علیہ السلام پر عرصہ حیات تنگ ہوگیا۔ اور آپ تنہا رہ گئے تو اپنے بھائیوں کے خیموں کی طرف تشریف لے گئے۔ اور انہیں خالی پایا پھر اصحاب کے خیموں کی طرف تشریف لے گئے انہیں بھی خالی پایا تو بار بار "لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" فرمایا اور مخدرات عصمت کے خیمے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کے بعد امام زین العابدینؑ کے خیمہ میں آئے۔ اور ملاحظہ فرمایا کہ وہ ایک کھال پر پڑے ہیں۔ اور جناب زینبؑ ان کی تیمار داری میں مشغول ہیں۔ جب امام زین العابدین علیہ السلام کی نظر جناب امام حسینؑ پر پڑی تو آپ اُٹھنے لگے۔ مگر اُٹھ نہ سکے۔ پھر آپ نے جناب زینبؑ سے کہا۔ کہ پھوپھی اماں مجھے اٹھا کر بٹھائیے۔ انہوں نے اپنے سہارے اٹھا کر بٹھایا اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے پوچھا کہ "بیٹا! تمہارا مرض اب کیسا ہے اور طبیعت کیسی ہے۔ آپ نے عرض کی۔ بابا! خدا کا شکر ہے اس کے بعد امام زین العابدین نے امام حسین علیہ السلام سے پوچھا۔ بابا جان ان منافقوں کے ساتھ کیا بیتی۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا! ان پر شیطان چھا گیا ہے اور جنگ جاری ہے اور سنو زمین مقتل خون سے رنگین ہو چکی ہے "فقال علی علیہ السلام یا ابتاہ واین عمی العباس فلما سالہ عن عمہ اختنقت زینب بعبرتھا وجعلت

گھر کے اختصار کے لیے اس کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں نے اتنا مختصر گھر بنایا ہے۔ جیسے خانۂ قطاۃ رسول کریمؐ نے بھی اس کے اختصار کو ایک حدیث میں ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ من بنی اللہ مسجدا ولو بمفحص قطاۃ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ (جو شخص خدا کے لیے مسجد بنائے وہ چاہے گھونسلۂ قطا کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ خدا اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے اس کے بہت سے طبی فوائد بھی ہیں۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ مدتوں غائب رہنے کے بعد جب واپس آتا ہے۔ تو اگر کوئی مزاحمت کرنے والا نہ ہو تو یہ ٹھیک اپنی جگہ پہنچ جاتا ہے۔ یعنی رات کے وقت اپنے گھونسلے میں پہنچ کر ضرور آرام کرتا اور سوتا ہے۔ (عجائب المخلوقات ص۵۳۶ طبع نولکشور ۱۲۹۰ھ و مجمع البحرین ص۸ طبع ایران)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جناب سکینہ کے اس سوال ردنا الی حرم جدنا کے جواب میں "وترک القطا لنام" اسی لئے فرمایا تھا کہ وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ مجھے تمہاری خواہش کے پوری کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے میں قطا کی طرح تمہیں لے کر وطن جانے کو تیار ہوں۔ لیکن افسوس کہ اس کا کوئی امکان نہیں ہے ۱۲

تنظر الی اخیھا کیف یجیبہ لانہ لم یخبرہ بشھادۃ عمہ العباس خوفاً لان یشتد مرضہ یہ سُن کر امام زین العابدین علیہ السلام نے پوچھا۔ بابا جان! میرے چچا عباس کہاں ہیں۔ ان کے اس سوال کے کرتے ہی زینب کی ہچکی بند گئی اور وہ اپنے بھائی کی طرف دیکھنے لگیں۔ کہ بھائی اس اہم سوال کا کیا اور کیسے جواب دیں گے۔ اس لیے کہ امام حسینؑ شہادت عباس کو امام زین العابدینؑ سے چھپائے ہوئے تھے کیونکہ مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ تھا۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: یٰبُنَی ان عمک قد قتل اے بیٹا! تمہارے چچا عباس قتل کر دیئے گئے اور ان کے دونوں ہاتھ برلب فرات قطع کر دیئے گئے۔" فبکی علی ابن الحسین بکاءً شدیداً" یہ سُن کر امام زین العابدین علیہ السلام اس بے قراری سے روئے کہ بے ہوش ہو گئے۔ تو پھر جب افاقہ ہوا تو ہر ایک کے متعلق پوچھنے لگے۔ امام حسین علیہ السلام ہر ایک کے جواب میں فرماتے گئے" قتل" بیٹا وہ بھی قتل ہو گئے۔ بالآخر امام حسین علیہ السلام نے فرمایا اے بیٹا" لیس فی الخیام رجل الا انا وانت اب خیمے میں میرے اور تمہارے سوا کوئی زندہ نہیں ہے۔ تم جن کے متعلق پوچھو گے وہ سب قتل ہو چکے ہیں۔ یہ سُن کر امام زین العابدین علیہ السلام نے انتہائی شدت کے ساتھ رونا شروع کیا اور اپنی پھوپھی زینبؑ سے فرمانے لگے۔ پھوپھی جان میرا عصا اور میری تلوار دیجئے۔ امام حسین علیہ السلام نے پوچھا بیٹا کیا کرو گے۔ عرض کی عصا پر تکیہ کر کے تلوار سے لڑوں گا اور آپ پر قربان ہو جاؤں گا۔ یہ سُن کر امام حسین نے ضمہ الی صدرہٖ انہیں اپنے سینے سے لگا کر فرمایا۔ بیٹا! تم میرے بعد خلیفۃ الاھل ہو۔ ان سب کی نگرانی بھی تمہارے ذمے ہے (دمعہ ساکبہ ص۳۴۴) اس کے بعد آپ نے زینبؑ سے فرمایا کہ بہن پرانا کپڑا دے دو۔ تاکہ میں اُسے اپنے تمام کپڑوں کے نیچے پہن لوں۔ زینب نے عرض کی بھیا اسے آپ کس لیے پہنیں گے۔ فرمایا بہن اس واسطے پہنوں گا۔ کہ اسے میری شہادت کے بعد کوئی میرے جسم سے نہ اُتارے۔ اس کے بعد جناب زینب پرانے کپڑے لائیں۔ آپ نے انہیں اور چاک کر کے سب کپڑوں کے نیچے پہن لیا۔ یہ حال دیکھ کر فارتفعت اصوات النساء بالبکاء والنحیب۔ خیمہ اہل حرم میں کہرام عظیم برپا ہو گیا۔ بعدہٗ امام حسینؑ ان سب کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ (ابصار العین ص۲۵ و دمعہ ساکبہ ص۳۴۴ مجمع النورین مجلس ۵ ص۳۱۹)

امام حسین کے گھوڑے کی رکاب جناب زینب کے ہاتھوں میں

حضرت امام حسین علیہ السلام خیمہ سے برآمد ہو چکے ہیں۔ اور آپ میدان میں جانا چاہتے ہیں۔ آپ کی کمر ٹوٹ چکی ہے۔

بازو شکستہ ہو چکے ہیں۔ جسم سے اتنا خون نکل چکا ہے۔ کہ اب آپ بلا اعانت گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتے۔ ع

نہ قاسم سے نہ علی اکبر سے نہ عباس سے
کوئی موجود نہیں جو رکاب تھامے

ہز اکسی لینسی راجہ سر کشن پرشاد صدر اعظم حکومت حیدر آباد لکھتے ہیں۔ کیا یہ برداشت کے قابل تھا کہ حسین کو رخصت کرنے کے لیے کوئی مرد نہیں ہے۔ کہ رکاب تھام کر سوار کرے۔ علیؑ کی بیٹی یہ رسم (فریضہ) ادا کرتی ہیں۔ شجاعانِ عالم اس بی بی کے قدم کی خاک اپنی آنکھوں میں لگائیں اور فخر کریں۔ شہدائے عالم دیکھیں اور وجد کریں کہ کوئی بے یار و مددگار بی بی جو اس کے بعد اپنے لیے دنیا کی مصیبتیں دیکھ رہی ہے۔ اس فرض کو کس طرح ادا کرتی ہے۔ (شہید کربلا صفحہ ۱۲۰ طبع لکھنؤ ۱۳۵۸ھ)

نعشِ عباسؑ پر خطِ صغریٰ حضرت امام حسین علیہ السلام مخدراتِ عصمت سے رخصت ہو کر میدان کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ اور آپ کے قدم مقتل کی طرف بڑھ رہے ہیں کہ ناگاہ ایک زائر نجف نظر پڑا۔ اس نے قریب آکر پوچھا۔ آپ کون ہیں۔ اور یہ قتل و غارت کا کیا واقعہ ہے۔ آپ نے حالات پر ہلکا سا تبصرہ کیا۔ وہ قدموں پر گر پڑا۔ آپ نے فرمایا تو جس کی زیارت کو نجف آیا تھا۔ ہم انہی کے فرزند ہیں۔ اس نے عرض کی مولا! عباس ابن علی کہاں ہیں؟ امام حسینؑ نے فرمایا۔ وہ بھی قتل ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر زائر نجف نعرے مار کر رونے لگا۔ اور امیر المومنینؑ کو مخاطب کر کے فریاد کرنے لگا۔ ”مولا! آیئے اور اپنے فرزندوں کی خبر لیجیئے۔ (ریاض الشہداء صفحہ ۲۵۵) پھر امام حسین اس مقام سے آگے بڑھ کر اس پہاڑی کی طرف جا رہے تھے۔ جس پر علی اصغرؑ نے شہادت پائی تھی۔ کہ دشمنوں نے زبردست حملہ کر دیا۔ علامہ سماوی لکھتے ہیں۔ کہ پھر امام حسین علیہ السلام نے شیر غضبناک کی طرح حملہ کیا۔ اور آپ کے زخموں سے خون برابر جاری رہا۔ لشکر والے حضرت کے سامنے سے بھاگتے پھرتے تھے۔ پھر وہ اشقیا حضرت کے خیموں کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ دیکھ کر امام حسینؑ علیہ السلام نے شمر کو آواز دی اور کہا اے آل ابی سفیان! تمہاری غیرت و حمیت کیا ہو گئی ہے اگر تمہیں خدا کا خوف نہیں ہے تو کم از کم عرب کے دستور کا لحاظ کرو۔ ارے جنگ ہم سے اور تم سے ہو رہی ہے میری زندگی میں خیام کو تاراج کرنا کوئی انسانیت نہیں ہے۔ ارے شمر! تم اپنے لشکر والوں اور سرہنگوں کو منع کرو اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک زبردست

حملہ کیا۔ اُدھر سے ان لوگوں نے بھی نیزہ و تیر و تلوار تیزی سے برسانا شروع کر دیا۔ (ابصار العین صفحہ ۲۹) علامہ شیخ جعفر شوشتری لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے ان جفاکاروں کو متوجہ کر کے کہا اگر تم ہم کو پانی نہیں دیتے۔ اقلاً بایں زنہا آب دہید "کم از کم غریب عورتوں کو پانی دے دو۔ مگر اُدھر سے ایک ہی جواب تھا کہ پانی کا ایک قطرہ نہ دیا جائے گا۔ (المواعظ والبکاء، صفحہ ۱۰۹) علامہ سماوی لکھتے ہیں کہ حملوں کے درمیان میں آپ بار بار اتمام حجت کے لیے پانی طلب فرما رہے تھے۔ تا اینکہ آپ کو زخموں نے چُور چُور کر دیا۔ اور آپ نے دم لینے کے لیے گھوڑے کو ٹھہرایا۔ (ابصار العین صفحہ ۲۹) ؎

حسینؑ اور طلبِ آب اے معاذ اللہ
تمام کرتے تھے حجّت سوالِ آب نہ تھا

اتنے میں آپ نے دیکھا کہ ایک سانڈنی سوار سامنے سے چلا آ رہا ہے۔ آپ اس کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ وہ ناقہ سے اُترا۔ قریب پہنچا اور پیروں پر گر پڑا۔ امام نے فرمایا۔ کہاں سے آئے ہو۔ اور کیوں آئے ہو۔ مسافر نے جواب دیا۔ میں مدینے کا رہنے والا ہوں اور بنی فاطمہ کا غلام ہوں۔ ایک روز دوپہر کے وقت جب گرمی غضب کی پڑ رہی تھی۔ میں ایک گلی سے جا رہا تھا۔ میں نے یا حسینؑ یا حسینؑ کی جگر خراش آواز سُنی میں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو ایک لڑکی زمین پر بیٹھی حسینؑ حسینؑ کے نعرے لگا رہی تھی۔ میں نے پاس جا کر پوچھا تو کون ہے۔ اس کا دل بھر آیا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور کہا واسطہ خدا کا۔ باپ سے بچھڑی ہوئی۔ بھائیوں سے چھوٹی ہوئی صغریٰ کا خط باپ تک پہنچا دے (سیدہ کا لال علامہ راشد الخیری و رسالہ مولوی دہلی محرم ۱۳۵۱ھ۔ صفحہ ۵۴)

علامہ قزوینی لکھتے ہیں:

نامۂ فاطمہ را بدست حضرت داد۔ او گرفت ملاحظہ کرد۔ دید۔ از دختر علیلہ بہجراں کشیدہ اش فاطمہ است کہ وعدۂ وصال یاد دادہ بود خیلے بر آمدہ صعب و سخت گذشت۔

کہ ناقہ سوار نے ایک خط حضرت امام حسینؑ کے ہاتھ میں دیا آپ نے اُسے ملاحظہ فرمایا۔ دیکھا کہ فاطمہ صغریٰ کا خط ہے کہ جس سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہیں جلد بلاؤں گا۔ یہ خط دیکھ کر آپ کو سخت رنج پہنچا۔

آپ اس خط کو لیے ہوئے خیمہ میں تشریف لائے اور زینب و اُم کلثوم، رقیہ اور رباب کو پکار کر کہا۔ فاطمہ صغریٰ کا خط آیا ہے۔ ان عورتوں میں کہرام مچ گیا۔ (ریاض القدس جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ طبع ایران)

بعض ارباب مقاتل لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین اس کو لیے ہوئے حضرت عباسؑ اور علی اکبرؑ

کی لاش پر آئے اور پکار کر کہا اے عباس! تمہاری بھتیجی فاطمہ صغریٰ کا خط آیا ہے۔ اس نے تمہاری شکایت لکھی ہے کہ تم اس کو لانے کے لیے نہیں گئے یہ کہہ کر بے انتہا روئے اور آنسو پونچھتے ہوئے واپس آئے۔ (فضائل الشہداء باب ۲ فصل ۸ صفحہ ۱۵۱)

علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ وہ قاصد ملائکہ میں سے تھا یہی وجہ ہے کہ وہ جانتا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کربلا میں ہیں اور جلد سے جلد کربلا پہنچ گیا۔ کیونکہ بشر کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ اتنی جلدی کربلا پہنچ جاتا۔ (ریاض القدس جلد ا صفحہ ۱۱۶) مولانا آغا مہدی صاحب نے بھی صحت روایت کی تائید کی ہے۔ (شہزادہ علی اصغر صفحہ ۱۰۱) علامہ قزوینی لکھتے ہیں کہ "جواب نامہ معلوم نیست کہ دادہ شدہ باشد" کہ خط کا جواب دیا جانا معلوم نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ بقول شاعر (مولانا فیاض حسین واعظ مبارک پوری)

فاطمہ صغریٰ کے خط کا شاہ کیا دیتے جواب
کربلا کا واقعہ تحریر کے قابل نہ تھا

البتہ قدرتی نامہ برکبوتروں نے اپنے پروں کو خون حسین سے تر کر کے بعد شہادت مدینہ پہنچ کر شہادت حسینؑ کی خبر دی (روضۃ الشہداء، وناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۳۳۷)

حضرت امام حسینؑ کا گھوڑے سے گرنا اور عباسؑ کو پکارنا مسٹر جیمس کارکرن اپنی تاریخ چین دفتر دوم جلد ۲ باب ۱۶ میں لکھتے ہیں۔ کہ "امام حسین علیہ السلام جن کی بہادری کے سامنے رستم کا نام لینا تاریخ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ کربلا کے میدان میں آٹھ قسم کے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے چاروں طرف فوج، دو دشمن بھوک اور پیاس۔ دو دشمن دھوپ اور ریگ گرمی کی تپش اس کے باوجود کمال دلیری اور انتہائی بہادری کا ثبوت دیا۔" تاریخ بتا رہی ہے کہ حضرت عباسؑ کی شہادت کے بعد دشمنوں نے آپ پر یورش کر دی ہے اور آپ کو قتل کر دینے کی سعی پیہم میں لگے ہوئے ہیں۔

مورخین کا بیان ہے کہ واقعہ خط صغریٰ کے بعد آپ واپس تشریف لائے۔ دفعۃً ایک پتھر آپ کی پیشانی مبارک پر آ لگا۔ اور خون جاری ہوا۔ خون پونچھنے کے لیے حضرت نے رومال نکالا تھا کہ ایک تیر سہ پہلو زہر میں بجھا ہوا سینۂ اقدس پر لگا۔ اور پشت مبارک کی طرف سے نکل گیا۔ اس زخم سے فوارے کی طرح خون جاری ہوا۔ اور اب حملہ کی طاقت حضرت میں باقی نہ رہی۔ اور اسی جگہ آپ ٹھہر گئے یہ دیکھ کر شمر شقی پکارا۔ کیا دیکھتے ہو۔ حضرت کا کام تمام کرو

یہ سنتا تھا کہ صالح بن وہب مزنی نے حضرت کے پہلو پر نیزہ مارا۔ اور حضرت گھوڑے سے زمین پر داہنے رخسار کے بل یہ کہتے ہوئے گرے۔ بسم اللّٰہ و باللہ و علی ملۃ رسول اللّٰہ گرنے کے بعد حضرت پھر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اب ورعہ ابن شریک ملعون نے بائیں شانے پر تلوار لگائی۔ اور کسی دوسرے نے بھی تلوار ماری۔ اور حضرت پھر زمین پر گر پڑے۔ اتنے میں سنان ابن انس ملعون نے حضرت کی ہنسلی پر نیزہ مارا۔ پھر دوسرا نیزہ سینۂ اقدس پر لگایا اس صدمہ سے حضرت اُٹھ بیٹھے اور خون چلّو میں لے کر منہ پر مل لیا۔ پھر مالک ابن نسر کندی ملعون نے سر پر تلوار لگائی۔ (ابصار العین صہ ۲۹ طبع حیدرآباد خلاصۃ المصائب صہ ۱۱۴) ابو مخنف کا بیان ہے کہ جب آپ گھوڑے سے تشریف لائے۔ "فبکی بکاءً عالیاً فنادے" تو بآواز بلند روئے اور داعباسا عباس علمدار کو پکارا۔ اے عباس! میری مدد کو پہنچو۔ اے عباس! تم کہاں چلے گئے کہ مجھ پر یہ مصیبت نازل ہوگئی۔ (مقتل ابی مخنف صہ ۷۶، ناسخ التواریخ جلد ۶ صہ ۳۰۴ طبع بمبئی)

امام حسین علیہ السلام کا جب کوئی عضو کٹتا تو عباس کو پکارتے تھے علمائے تاریخ کا بیان ہے کہ دشمنوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ پھر وقت آیا۔ کہ آپ کے سینے پر شمر سوار ہوگیا۔ آپ نے فرمایا اے شمر! از سینۂ من خیز کہ وقت نماز است" اے شمر! میرے سینے سے اُٹھ جا تاکہ میں رو بقبلہ ہو کر نماز آخر ادا کر لوں۔ شمر سینے سے اُترا آپ سجدے میں تشریف لے گئے۔ شمر نے پس گردن سے سر مبارک جدا کر دیا۔ (روضۃ الشہداء صہ ۳۷۶) ابو مخنف کا بیان ہے "کلما قطع عضو نادیٰ" امام حسین علیہ السلام کا جب کوئی عضو بدن کٹتا تھا تو آپ عباس علمدار کو آواز دیتے تھے اے عباس! خبر لو حسین مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ (مقتل ابی مخنف صہ ۳۰ طبع ایران)

خیام اہل بیت میں آگ کا لگنا اور بیبیوں کا حضرت عباس کو پکارنا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد دشمنانِ اسلام خیمہائے اہل حرم کی طرف متوجہ ہوگئے خیموں میں آگ لگا دی اور طنابوں کو تلواروں سے کاٹ دیا۔ عورتوں کے لباس اور زیورات دشمن اتارنے لگے بچوں کو طمانچے مارے۔ نوک نیزہ سے اذیتیں دیں۔ عورتوں اور بچوں کی پشت پر تازیانے لگائے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کے نیچے جو چمڑے کا ایک بستر تھا۔ اسے گھسیٹ لیا (نور العین صہ ۴۲) اس وقت مخدرات عصمت کی یہ حالت تھی کہ "یلتفتن شمالاً و یمیناً" وہ گھبرا کر داہنے بائیں دیکھتی تھی۔ نہ امام حسینؑ نظر آتے تھے نہ حضرت عباس دکھائی دیتے تھے۔

صاحب ریاض الاحزان لکھتے ہیں کہ اس آفت کے ہنگامے میں حضرت زینبؑ کے حواس پریشان تھے۔ اور وہ گھبرا گھبرا کر فنادت یا الحسین و یا العباس۔ اے بھیا حسینؑ اور اے بھیا عباسؑ آؤ اور ہماری خبر لو۔ ہم پر دشمن چھائے ہوتے ہیں۔ اور ہمیں ستا رہے ہیں۔ مگر اللہ اکبر ان غریبوں کا کوئی پرسان حال تھا۔ اور نہ خبر گیر (ریاض القدس جلد ا صفحہ ۱۸۱ طبع ایران)

عباس سر کٹائے دریا پہ سو رہے تھے
اہل حرم کی حافظ جنگل میں بے کسی تھی

شب یازدہم مخدرات عصمت کی پریشانی اور حضرت عباس کی یاد

مورخین کا بیان ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اسپ وفادار نے خون حسینؑ میں اپنی پیشانی رنگین کر کے خیام اہل بیت تک سنانی پہنچائی جس کی وجہ سے خیام اہل حرم میں کہرام عظیم برپا ہو گیا، ابھی یہ غم زدہ رو ہی رہے تھے کہ دشمنوں نے خیام کا رُخ کر لیا اور پہنچتے ہی خیام میں آگ لگا دی۔ اور سامان لوٹنا شروع کر دیا۔ اہل حرم فریاد و فغاں کی آوازیں بلند کر رہے تھے۔ اور کوئی فریاد رس اور پرسان حال نہ تھا، تمام بیبیوں کے سروں سے چادریں چھین لیں، فاطمہ بنت حسینؑ اور حضرت ام کلثومؑ کے پیروں سے چھاگلیں اتار لیں اور حضرت زینب کے کانوں سے گوشوارے کھینچ لیے۔ سید سجاد کے نیچے سے بستر کھینچ کر زمین پر ڈال دیا۔ غرضیکہ ایک الیا حشر برپا کر دیا گیا۔ جو کبھی کسی کے ساتھ روا نہیں رکھا گیا ان حالات کو دیکھ کر دشمن کی ایک عورت سے نہ رہا گیا۔ جو قبیلہ بکر ابن وائل کی تھی۔ اس نے ایک تلوار کا ٹکڑا لے کر ان مخالفوں پر حملہ آور ہوئی جو آل رسول کو لوٹ رہے تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ایک بچے کے کرتے میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اور وہ باہر کی طرف بھاگ رہا تھا۔ جیسے جیسے ہوا لگتی تھی آگ بھڑکتی جاتی تھی، یہ حال دیکھ کر ایک دشمن نے ترس کھایا اور بڑھ کر دامن سے آگ بجھا دی۔ اس نونہال نے جب اسے اپنے پر مہربان پایا تو کہنے لگا کہ اے شیخ ہمیں نجف کا راستہ بتا دے اس نے کہا کہ اے فرزند اس کمسنی میں نجف کا راستہ کیوں پوچھتے ہو۔ فرمایا، میں اپنے نانا کے پاس جا کر ان کے سامنے فریاد کروں گا۔ صاحب توضیح عزا نے اس واقعہ کو حضرت سکینہ کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے، میرے نزدیک اس قسم کے واقعہ کا، دونوں کے بارے میں ہونا قرین قیاس ہے۔

الغرض ظلم و جور کی انتہا ہو رہی تھی۔ کسی بی بی کی پشت پر تازیانے لگائے جا رہے تھے

کسی کے رخسار پر طمانچے مارے جارہے تھے۔ کسی کی پشت میں نیزے کی انی چبھوئی جارہی تھی۔ جب سب کچھ لوٹا جاچکا۔ خیمے جل چکے اور رات آگئی۔ تو وہیں کے جلے بھنے دانوں سے اور بروایتے حرؑ کی بیوی دانہ پانی لائی اور فاقہ شکنی کی گئی۔

اس کے بعد حضرت زینبؑ نے حضرت ام کلثوم سے فرمایا کہ بہن اب رات ہو چکی ہے تم سب بچوں کو ایک جگہ جمع کرو۔ میں رات بھر پہرہ دوں گی۔ حضرت ام کلثوم نے سب بیبیوں بچوں اور بچیوں کو جمع کیا لیکن انہیں جناب سکینہ نہ ملیں۔ آپ نے علیا جناب زینب سے عرض واقعہ کیا حضرت زینب مقتل کی طرف حضرت سکینہ کو تلاش کرنے کے لیئے نکلیں۔ ایک نشیب سے حضرت سکینہ کے رونے کی آواز آئی۔ جاکر دیکھا کہ سکینہ باپ کے سینے سے لپٹی ہوئی گریہ وزاری کر رہی ہیں۔ جناب زینبؑ! انہیں خیمہ میں لے آئیں ...... اور جناب امّ کلثوم کے حوالے کرکے طلایہ پھرنا شروع کر دیا۔ (دمعہ ساکبہ) رات کا کافی حصہ گذرنے کے بعد جناب زینب نے دیکھا کہ ایک سوار گھوڑا بڑھائے چلا آرہا ہے۔ آپ نے آگے بڑھ کر اس سے کہا کہ ہم آل رسولؐ ہیں۔ ہمارے چھوٹے، بڑے، بوڑھے، جوان حتیٰ کہ بچے تک شہید کر دیئے گئے ہیں۔ اور ہمارا سارا سامان لوٹا جاچکا ہے۔ اب ہمارے کچھ بچے جو بچ رہے ہیں۔ روتے روتے سو گئے ہیں۔ اے سوار اگر تجھے ہمارا پھر لوٹنا منظور و مقصود ہے تو صبح کو آجانا اور جو کچھ ہمارے پاس بچ رہا ہے۔ اسے لوٹ لینا۔ خدارا اس وقت واپس چلا جا۔ لیکن سوار نے ایک نہ سُنی اور قدم فرس برابر بڑھاتا ہی رہا۔ آخر جناب زینب بھی شیر خدا کی بیٹی تھیں۔ انہیں جلال آگیا۔ آگے بڑھ کر لجام فرس پر ہاتھ ڈال دیا اور فرمایا کہ میں کیا کہتی ہوں اور تو کیا کرتا ہے۔ یہ حال دیکھ کر سوار گھوڑے سے اُتر پڑا اور زینبؑ کو سینے سے لگا کر کہنے لگا اے بیٹی! تو نے مجھے نہ پہچانا میں تیرا باپ علیؑ ہوں۔ اے بیٹی! میں تیری حفاظت کے لیے آیا ہوں۔ حضرت زینبؑ نے فریاد و فغاں شروع کر دی۔ اور تمام واقعات بیان کیئے۔ (کتاب چودہ ستارے صفہ ۱۹ طبع لاہور)

علامہ شیخ علی قرنی لکھتے ہیں کہ جب رات آگئی۔ تو عمر بن سعد نے حکم دیا کہ لشکر کا ایک دستہ خیام کے گرد ڈیرہ ڈال دے۔ لئلا یخرج منھما احدٌ تاکہ کوئی خیمہ سے باہر نہ جانے پائے۔ فاصبحن اھل الخیام فی ھذہ اللیلۃ خائفین وہ خیمے والیاں ساری رات خوف کے عالم میں رہیں۔ اس وقت حضرت زینبؑ حضرت عباسؑ اور دیگر بہادروں کو یاد کرکے فرماتی تھیں ؎

تو یارب واقفی از حال ما بیچارگاں امشب — رواں بر چہرہ من سیلاب اشک از دیدگاں امشب
حریم کعبہ ما را نہ باشد چوں نگہبانے! — تحفظ کن تو یارب زیں گروہ ناکساں امشب

حریم را کہ بد عباس و اکبر حافظ و درباں
بگردش صفت زدہ یارب نگر شمر و سناں امشب

زجور کوفیاں خاموش شمع محفل ما ہمہ — بہر سو خفتہ روئے خاک تیرہ کودکاں امشب
سکینہ سر بزانوی غم از ہجر پدر گریاں — رباب از دوری اصغر چو نے اندر فغاں امشب

کتاب منہاج الدموع صفحہ ۳۵۴ طبع قم ۱۳۴۱ھ

جناب سکینہ کا عباس کو پکارنا حمید ابن مسلم کا بیان ہے کہ جب خیموں میں آگ لگی ہوئی تھی۔ میں نے ایک بچی کو دیکھا جس کی عمر تین سال کی ہوگی۔ کہ وہ ایک جانب کو دوڑ رہی ہے اور اس کے دامن میں آگ لگی ہوئی ہے اور اس کے کانوں سے خون جاری ہے۔ جیسے جیسے وہ دوڑتی ہے آگ بھڑکتی جاتی ہے اور وہ ان لفظوں میں فریاد کرتی ہے۔ یاابتاہ یاعماہ یااخاہ اے باباحسینؑ اے چچا عباسؑ۔ اے علی اکبرؑ ہماری خبر لو۔ میں نے دوڑ کر اس کے دامن کی آگ بجھادی اور اس سے پوچھا "من انت یا صغیرۃ اے بچی! تیرا کیا نام ہے۔ فقالت انا سکینۃ بنت الحسین اس نے کہا میں سکینہ بنت حسین ہوں (توضیح عزا مجلس ۵۵۔ صفحہ ۳۰۵)

علامہ شیخ علی ترنی کہتے ہیں کہ جناب سکینہ بنت الحسین حضرت عبداللہ بن حسن سے منسوب تھیں۔ (منہاج الدموع صفحہ ۳۴۳ و اغانی ابو الفرج)

مخدرات عصمت کی کربلا سے روانگی اور حضرت زینب کا حضرت عباس کو پکارنا

عاشورے کا دن گذرا۔ رات آئی اور اپنے مخصوص حالات کے ساتھ گذر گئی۔ یہاں تک کہ صبح ہوئی۔ آقائے دربندی لکھتے ہیں۔ کہ صبح ہوتے ہی عمر بن سعد نے حکم دیا کہ امام حسین علیہ السلام کے اہل بیت کو بلا محمل و کجاوہ کے ناقہ پر سوار کیا جائے۔ یہ سن کر ابن سعد کے لشکری آ حاضر ہوئے اور عورات بنی ہاشم کو گھیر لیا۔ اور کہا کہ جلد سے جلد سوار ہو جاؤ ناقے آ گئے ہیں۔ یہ دیکھ کر جناب زینبؑ نے فرمایا: عمر سعد ہم رسول مقبولؐ کی عزت ہیں۔ اپنے لشکریوں سے کہہ دے کہ یہ ہٹ جائیں ہم ایک دوسرے کو سوار کرلیں گے۔ وہ ہٹ گئے۔ زینبؑ و ام کلثومؑ ناقوں کے قریب آئیں۔ اور چاہا کہ سوار ہو جائیں مگر ممکن نہ ہوسکا۔ پھر آپ نے داہنے بائیں نظر

کی تو زمین کربلا پر جسم اور نیزوں پر سر نظر آئے۔ "فصرخت وقالت واغرتباہ واخاہ وا حسیناہ واعباساہ" یہ دیکھ کر زینب چلا کر روئیں اور کہنے لگیں۔ بھیا حسینؑ اٹھو بھیا عباسؑ آؤ۔ آکر زینب کو سوار کرو۔ یہ حال ملاحظہ فرما کر حضرت امام زین العابدین اپنے مقام سے اٹھے اور کانپتے ہوئے ناقہ کے قریب آبیٹھے اور کہا پھوپھی اماں آپ میرے گھٹنوں پر پاؤں رکھ کر سوار ہو جائیے۔ زینبؑ نے سوار ہونا چاہا، مگر امامؑ بار نہ اٹھا سکے۔ اور گر پڑے۔ شمر نے تازیانہ علم کیا کیا، اور امام زین العابدینؑ کے پشت پر لگایا۔ آپ رو پڑے اور زینبؑ بھی رونے لگیں۔ اس کے بعد فضہ سامنے آئیں۔ اور انہوں نے حضرت زینب کو سوار کیا۔ پھر امام علیہ السلام کو ایک برہنہ پشت ناقہ پر سوار کیا اور چونکہ وہ سنبھل نہ سکتے تھے۔ لہٰذا ان کے دونوں پاؤں ناقہ کی پشت سے باندھ دیئے گئے۔ (اسرار الشہادت صفحہ ۳۶۷)

جناب ام کلثوم نعش حضرت عباسؑ پر اسی حال میں اہل حرم حسین کو لے کر دشمن روانہ ہوئے روانگی کا راستہ ان دشمنوں نے مقتل کی طرف قرار پایا۔ سرہائے شہداء آگے آگے اور ان کے پیچھے اہل حرم کے ناقے تھے۔ جب یہ قافلہ قتل گاہ میں پہنچا تو جناب ام کلثوم دوڑ کر نعش حضرت عباس سے لپٹ گئیں، اور بے پناہ گریہ کرنے لگیں۔ (مفتاح الجنۃ صفحہ ۱۶۵ طبع بمبئی) غرضیکہ یہ لٹا ہوا قافلہ داخل دربار کوفہ ہوا اور مسجد سے متصل قید خانہ میں مقید کر دیا گیا۔ (جلاء العیون)

حضرت عباس علیہ السلام کا سر گھوڑے کی گردن میں کربلا سے روانگی کے وقت سرہائے شہداء کو نیزوں پر بلند کیا گیا لیکن حضرت عباس کا سر مبارک بالکل ہی چور تھا۔ اور وہ نیزے پر رک نہ سکتا تھا۔ اس لیے اسے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا گیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ داخلہ شام کے وقت اسے کسی صورت سے نیزہ پر بلند کیا گیا۔ قاسم ابن اصبغ بن بناتہ مجاشعی کی روایت سے یہ واضح ہے کہ آپ کا سر لٹکانے والا حرملہ بن کاہل اسدی تھا۔ جسے آپ یوم شہادت سے اس کی تاحیات عذاب جہنم سے معذب کرتے رہے۔ اسی وجہ سے وہ سیاہ فام ہو گیا تھا۔ علامہ سماوی لکھتے ہیں کہ اس کے معذب ہونے کی داستان اس کی بیوی نے اپنے ہمسایوں سے بیان کی ہے اور لوگوں سے اس نے خود بھی مجبوراً بیان کیا ہے۔ وہ نقاب پوش رہتا تھا۔ دمات علی اقبح حال اور بری طرح مرا۔ (ابصار العین صفحہ ۴۹۔ اسرار الشہادت صفحہ ۳۳۷۔ انوار الشہادت صفحہ ۶۲، ماتین صفحہ ۴۶، کبریت احمر جلد ۱ صفحہ ۱۱۶۔ مجالس المتقین مجلس ۹۔ تحفہ حسینیہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۷۔ دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۳۸)

حضرت عباس علیہ السلام کی تدفین علامہ اسفرائنی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ محرم کی گیارہویں

تاریخ بوقت صبح عمر بن سعد نے اپنے تیس ہزار مقتولین پر نماز پڑھی۔ اور انہیں دفن کیا۔ (نور العین ص۴) اور فرزندانِ رسول اور حامیانِ اسلام کے لاشے یونہی پڑے رہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام جو امام حسینؑ کی شہادت کے بعد حجتِ خدا اور امام زمانہ تھے وہ اسی دن کوفہ کے دربار اور پھر قید خانہ میں پہنچ گئے۔ معصوم کی نماز اور تدفین معصوم کے سوا کوئی اور نہیں کرسکتا اس لیے امام زین العابدین بحکم خدا باعجاز امامت قید خانہ سے کربلا واپس تشریف لاتے۔ اور آپ نے تمام شہداء پر نماز پڑھ کر ان کو دفن کیا۔ مورخین کا بیان ہے۔ کہ امام زین العابدین اس وقت کربلا پہنچے۔ جب بنی اسد وہاں پہنچ کر لاشوں کی حالت سے حیران تھے کہ کیوں کر تدفین کریں جب آپ پہنچ گئے تو آپ نے ان کی مدد سے سب کو دفن فرمایا۔ امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ کی تدفین میں آپ نے کسی کو شریک نہیں کیا۔ علامہ محمد باقر فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ کو تن تنہا قبر میں اُتارا۔ اور اپنے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنا رخسار امام حسینؑ کی کٹی ہوئی گردن پر رکھ دیا۔ اور رونے لگے۔ پھر اپنے ہاتھ سے مٹی ڈالی اور قبر بند کرکے اپنی انگلی سے اس پر لکھا یہ حسین ابن علی ابن ابی طالب علیہم السلام کی قبر ہے۔ اس کے بعد بنی اسد کو ہمراہ لے کر شطِ فرات پر پہنچے۔ اور ایک بالکل پارہ پارہ لاش سے لپٹ کر رونے لگے اور کہتے جاتے تھے۔ اے قمر بنی ہاشم! آپ پر میرا سلام ہو۔ پھر بنی اسد کو قبر تیار کرنے کا حکم دیا۔ اور تن تنہا قبر میں اتار کر لحد بند کردی۔ اور بنی اسد کو حکم دیا۔ کہ دیگر دونوں لاشوں کو آپ ہی کے نزدیک دفن کریں بعدہٗ آپ گھوڑے پر سوار ہوکر روانہ ہونے لگے۔ تو بنی اسد نے آپ کو گھیر لیا۔ اور عرض کی آپ فرمائیں آپ ہیں کون۔ آپ نے اس کا جواب نہ دیا۔ اور یہ فرمانے لگے۔ کہ پہلا گڑھا اس میں خود امام دفن ہیں۔ اور حضرت کی قبر کے متصل پائنتی کی جانب آپ کے فرزند علی اکبر کی قبر ہے۔ اور دوسرے گڑھے میں آپ کے اصحاب دفن ہیں۔ لیکن جو قبر علیحدہ بنی ہے وہ حبیب ابن مظاہر کی ہے۔ اور جو قبر ترائی میں ہے۔ اس جوان کی ہے۔ جو زخموں سے چُور چُور تھا۔ وہ عباس بن علی کی قبر ہے اور ان کے گرد جو دو لاشیں تھیں وہ بھی اولاد علی بن ابی طالب کی ہیں۔ یہ سب کچھ بتا کر آپ نے فرمایا کہ میں علی بن الحسینؑ ہوں۔ قید خانہ کوفہ سے آیا ہوں اور واپس جارہا ہوں۔ اس کے بعد وہ غائب ہوگئے۔ (اسرار الشہادت ص۴۲۵۔ دمعہ ساکبہ ص۳۵۵۔ مائتین ص۲۹۵۔ کبریت احمر ص۱۲۴۔ قمر بنی ہاشم ص۵۸ ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۳۱۸)

مخدراتِ عصمت کا کوفہ سے روانہ ہو کر شام پہنچنا اور دربار کوفہ میں سرِ حسینؑ جناب سکینہ اور امام زین العابدین کا جناب عباس کو پکارنا اور مخدرات کی جو توہین

کی گئی ۔ وہ تاریخ میں موجود ہے ۔ مورخین کا بیان ہے کہ چند دن کوفہ میں گزرنے کے بعد مخدرات عصمت و طہارت اور سرہائے شہداء کو امام زین العابدین کے ساتھ شام کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ یہ تباہ حال قافلہ حسینی اس طرح روانہ کیا گیا۔ کہ آگے آگے سرہائے شہداء ان کے پیچھے مخدرات عصمت تھیں ۔

علامہ قاینی فرماتے ہیں کہ سروں میں حضرت عباس کا سر سب سے آگے اور امام حسین علیہ السلام کا سر سب سے پیچھے تھا۔ (کبریت احمر صفحہ ۱۲)

علامہ سپہر کاشانی کی تحریر سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان حضرات کی روانگی کا انداز یہ تھا کہ راستے میں جا بجا جناب زینبؑ خطبہ فرماتی تھیں ۔ جناب اُم کلثوم مرثیہ پڑھتی تھیں ۔ جناب سکینہؑ نحن سبایا آل محمد کہتی تھیں اور امام حسین علیہ السلام کا سر تلاوت سورہ کہف کرتا تھا (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۳۵) ابو مخنف کہتے ہیں ۔ کہ اس قافلہ کا شام میں باب خیزران سے داخلہ ہوا۔ جب جناب سکینہ کی نظر سر عباس پڑی جو قشعم جعفی اٹھائے ہوئے تھا تو آپ نے واعباساہ کہہ کر آواز دی ۔ (مقتل ابی مخنف صفحہ ۳۸۳)

دریں وقت سید سجاد ایں شعر انشا کرد ؎

اقاد ذلیلا فی دمشق کاننی
من الزنج عبد غاب عنه نصیر
وجدی رسول الله فی کل مشهد
وشیخی امیر المومنین امیر
فیالیت لم انظر دمشق ولم یکن
یزید یرانی فی البلاد اسیر

(ترجمہ) مجھے ملک شام میں اس طرح کھینچ رہے ہیں گویا میں ایسا حبشی غلام ہوں جس کا کوئی بھی حمایتی نہیں ۔ میرے نانا تمام کائنات کے رسول ہیں ۔ اور میرے بزرگ امیر المومنین ان کے وزیر ہیں ۔ کاش میں نہ دمشق دیکھتا اور نہ یزید مجھے شہر بہ شہر قیدی بنا ہوا دیکھتا۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۳۵۱) مقتل ابی مخنف صفحہ ۳۸۳)

مقصد یہ ہے کہ جب ان حضرات کی نظر سر عباس پر پڑی۔ تو فریاد کی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے قبل آپ کا سر نوکِ نیزہ پر نہ تھا۔ بلکہ گھوڑے کی گردن ہی میں معلق تھا۔ اور اب کسی صورت سے نوکِ نیزہ پر لایا گیا۔ اس کے بعد یزید نے جناب زینب سے دربار میں کلام کرنا چاہا۔ (روضۃ الشہداء)

ایک شامی نے جناب سکینہ کو اپنی کنیزی میں لینے کی خواہش کی۔ (لہوف ص۱۶۷)

نیز امام حسین علیہ السلام کے لب و دنداں کے ساتھ بے ادبی کی گئی۔ (صواعق محرقہ)

اور مخدراتِ عصمت کو ایسے قید خانہ میں داخل کر دیا گیا جس میں کسی قسم کوئی چھت نہ تھی جو انہیں سردی اور گرمی سے بچا سکتی جس کا اثر ان کے چہروں پر نمایاں تھا۔ (لہوف ص۱۶۵)

حضرت عباس علیہ السلام کے قتل کا ادعا علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ چونکہ حضرت عباس کا قتل بہت دشوار تھا۔ اس لیے یزید نے ان کے قاتل کے واسطے خاص انعام رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب سرہائے شہداء داخل دربار شام کئے گئے تو كان يدعي واحد واحد من بينهم انه قتله لاخذ الجائزة ہر شریک جنگ حصولِ جائزہ کے لیے حضرت عباس کے قتل کا ادعا کرتا تھا۔ (مائتین ص۴۴۵)

حضرت عباس علیہ السلام کے گھوڑے کی وفاداری کا مظاہرہ شام میں

گھوڑے کا با احساس ہونا مسلّم ہے۔ امام ابو اسحاق اسفرائنی اور علامہ قندوزی حضرت امام حسین علیہ السلام کے گھوڑے سے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی شہادت کے بعد آپ کا گھوڑا اپنی پیشانی خون میں تر کر کے مخدرات کو خبرِ شہادت دینے گیا اس کے بعد واپس آکر دشمنوں پر حملہ آور ہوا۔ اور حضرت کے قدموں سے آنکھیں مل کر نہر فرات میں جا ڈوبا۔ اب قیامت میں امام مہدی آخر الزماں کے زیر ران ہوگا۔ (نور العین ص۴۷ و ینابیع المودۃ ص۳۰۰)

حضرت عباسؑ کے گھوڑے کے متعلق صاحب حدیقۃ الاحزان لکھتے ہیں کہ حضرت عباس کی شہادت کے بعد عمر سعد نے آواز دی خذوه واقبضوه حضرت کے گھوڑے کو پکڑ کر اپنے قبضہ میں کر لو۔ چنانچہ انہوں نے اسے گرفتار کر لیا پھر یہاں سے واپس جاکر فاهداه الی یزید نحو الشام یزید کے پاس ہدیہ بھیج دیا وہ بہت خوش ہوا اراد ان یرکب علیه۔ یزید نے چاہا کہ سوار ہو مگر اس نے سواری نہ دی۔ پھر اس نے حکم دیا کہ اس جانور کو میرے اصطبل میں بطور یادگار رکھا جائے۔ چنانچہ وہ وہاں رہا۔ اور کبھی کبھی برآمد کیا جاتا رہا۔ بروایت عین البکاء

ایک دن یزید کی سواری قید خانہ کی طرف سے گزری ۔ جناب سکینہؑ نے اُسے پہچان لیا۔ اور وہ پکارا وہ جانور جناب سکینہؑ کے قریب جا پہنچا۔ سکینہؑ اپنے چچا کو یاد کر کے رونے لگیں۔ بالآخر اسی غم میں اس نے دانہ پانی چھوڑ دیا۔ اور یزید کے اصطبل میں مر گیا۔ اور یزید نے اسے دفن کرا دیا۔ (تلخیص المصیبتہ صفحہ ۲۶۵ طبع لکھنؤ)

دمشق میں شہدائے کربلا کا ماتم اور آغوشِ اُمِ کلثوم میں سرِ عباسؑ

اہل حرم نے قید خانۂ شام میں ایک سال گزارا۔ دورانِ قیام میں جناب سکینہؑ نے انتقال فرمایا۔ بالآخر وہ وقت آیا۔ کہ ہندہ نے رسول اکرمؐ کو خواب میں دیکھا۔ اور یزید کو لعنت ملامت کی۔ یزید نے امام زین العابدین کو دربار میں بلا کر کہا کہ اب تم لوگ رہا کئے جاتے ہو۔ اب تمہاری مرضی پر منحصر ہے چاہے شام میں رہو یا مدینہ چلے جاؤ آپ نے فرمایا میں اپنی پھوپھی جان جناب زینب سے جو ہماری سربراہ ہیں دریافت کر کے جواب دوں گا۔ جناب زینب اور اُم کلثوم نے امام زین العابدین سے جواب میں فرمایا۔ کہ بیٹا یزید سے کہہ دو کہ جب سے ہمارے اعزا قتل ہوئے ہیں۔ ہمیں رونا نصیب نہیں ہوا۔ پہلے ہمارے لیے ایک مکان خالی کرا دے۔ کہ ہم اس میں اپنے بھائی اور ان پر قربان ہونے والوں کو جی بھر کر رو لیں۔ پھر جہاں جانا ہوگا۔ چلے جائیں گے۔ یزید نے اُسے منظور کیا۔ اور ایک مکان شہدائے کربلا کے ماتم کی خاطر خالی کرا دیا۔ مخدرات عصمت اس مکان میں اپنے اعزا کا غم منانے اور ماتم کرنے کے لیے چلی گئیں۔ جب شام کی عورتوں کو معلوم ہوا۔ تو تمام گھروں سے عورتیں سیاہ لباس میں حاضر خانہ ہو گئیں۔ اور قیامت خیز ماتم ہونے لگا۔ اسی دوران میں جناب زینب نے یزید سے کہلا بھیجا۔ کہ میرے بھائی حسینؑ اور ان پر قربان ہونے والے عزیزوں کے سر بھی دے دے۔ یزید نے سرہائے بنی ہاشم بھجوا دیئے جب ان بیبیوں نے اپنے وارثوں کے سرہائے بریدہ آتے ہوئے دیکھے۔ منہ پر طمانچے مارنے لگیں۔ اپنے گریبان چاک کر دیئے۔ اور روتی پیٹتی استقبال کو دوڑیں۔ اُمِ لیلیٰ نے علی اکبر کا سر۔ اُمِ فروہ نے قاسم کا سر۔ رباب نے علی اصغر کا سر اپنی اپنی گود میں لے لیا۔ سنتا ہوں کہ جب عون و محمد کے سر آئے۔ جناب زینبؑ نے منہ پھیر لیا اور کہا اے میرے بھائی کا سر لاؤ۔ صاحب بحر المصائب لکھتے ہیں۔ پھر امام حسینؑ کا سر آیا۔ زینب نے بڑھ کر آغوش میں لیا۔ منہ پر منہ رکھ دیا۔ فریاد و فغاں کرنے لگیں۔ آپ فرماتی تھیں ؎

اخی یا ھلالاً غاب قبل کمالہ

فمن فقدہ اضحی نہاری کلیلۃ

اے میرے بھائی۔ اے میرے چاند۔ ارے تم کمال سے پہلے زوال میں چلے گئے۔ اور تمہارے چلے جانے سے میری امیدوں کی صبح تاریک ہوگئی۔ اس کے بعد حضرت عباس کا سرآیا۔ جناب اُمِ کلثوم آگے بڑھیں، اور اُسے اپنی آغوش میں لے کر بے پناہ گریہ کرنے لگیں۔ (توضیح عزا صد ۳۷۱)

اس کے بعد روانگی کا فیصلہ ہوا۔ لٹا ہوا سامان امام زین العابدین کی خواہش پر لایا گیا۔ جس میں حضرت عباس کا علم بھی تھا۔ جناب زینبؑ کی اس پر جونہی نظر پڑی۔ بے ساختہ رونے اور فریاد کرنے لگیں۔ (توضیح عزا مؤلفہ شیخ حسین بخش صد ۳۸۲، طبع دہلی ۱۲۲۷ھ)

حسینی قافلہ کی کربلا کو روانگی دمشق کے خانۂ خالی میں مخدرات عصمت نے شبانہ روز شہدائے کربلا پر نوحہ و ماتم کیا۔ اس کے بعد ایک راہبر کی ہمراہی میں سرہائے شہدا معیت کربلا کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور ۲۰ صفر ۶۲ سنہ ہجری یوم چہلم کو وہاں پہنچ کر قبر مطہر کی زیارت فرمائی نوحہ و ماتم کیا۔ اور سرہائے شہداء کو جسموں سے ملحق کرکے روانہ مدینہ ہوگئے ؎

ہل رہی ہے کربلا فریاد کی تاثیر سے
اربعیں کو ملنے آئے ہیں حرم شبیر سے

(مولانا سبط حسن)

مُلّا حسین واعظ کاشفی کا بیان ہے۔ کہ امام زین العابدین کی خواہش پر تمام سراُن کے حوالے کر دیئے گئے تھے۔ (روضۃ الشہداء صد ۴۰۶) تاریخ ابوالفداء میں ہے۔ کہ یزید نے نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ سامانِ سفر کرکے اہل بیت رسالت کو مدینے پہنچادے۔ روضۃ الاحباب میں بربنائے بعض روایا مذکور ہے۔ کہ یزید نے نعمان بن بشیر کو حکم دیا۔ کہ تیس سواروں کی جمعیت ہمراہ لے کر اہل بیت رسالت کو مدینہ پہنچا آئے۔ اور جب بیسویں صفر کو یہ قافلہ معہ سرہائے شہداء کربلا پہنچا تو امام زین العابدین علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام اور دیگر شہدا کے سروں کو ان کے بدن سے ملا کر وہاں دفن فرمایا۔ (تاریخ احمدی صد ۳۱۴۔ حبیب السیر النفس المہموم صد ۲۵۳ و ریاض الاحزان صد ۱۵۵ و ناسخ التواریخ)

مخدراتِ عصمت کا مدینہ میں ورود اور جناب اُم البنین کا اضطراب "تاریخ کامل میں ہے کہ نعمان بن بشیر نے اہل بیت کو مدینہ پہنچا دیا۔ کتاب ماتین و ناسخ التواریخ میں ہے۔ کہ یہ حضرات مدینہ سے باہر ایک مقام پر ٹھہر گئے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب اہل مدینہ

کو آمد کی خبر ملی۔ تو چھوٹے بڑے سب استقبال کے لیے حاضر خدمت ہوئے۔ اور اُم سلمیٰ ایک ہاتھ میں وہ شیشی جس میں کربلا کی مٹی خون ہوگئی تھی اور دوسرے سے فاطمہ صغرا کا ہاتھ تھامے تشریف لائیں۔

امام ابو اسحاق اسفرائنی تحریر فرماتے ہیں کہ جناب اُم سلمیٰ نے مخدرات عصمت سے ملاقات کے بعد اس خون کو جو پیغمبر اسلام کی دی ہوئی کربلا کی مٹی سے یوم عاشورا ہوا تھا۔ اپنے منہ پر مل لیا اور فریاد کرنے لگیں۔ (نور العین صنا) بعدہ مخدرات عصمت روضۂ رسول پر تشریف لے گئیں اور فریاد و فغان کرتی رہیں۔ علامہ سپہر کاشانی لکھتے ہیں کہ سنانی سنتے ہی حضرت اُم البنین جو فاطمہ صغریٰ کی تیمارداری کی وجہ سے کربلا نہ گئی تھیں۔ اس مقام کی طرف دوڑیں۔ جہاں یہ قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ اور آپ انتہائی اضطراب کے عالم میں امام حسین علیہ السلام سے والہانہ محبت کے ماتحت صرف امام حسینؑ ہی کو پکارتی رہیں۔ آپ کو اس وقت حضرت عباس وغیرہ کا خیال تک نہ آیا۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص۳۷۴)

عبید اللہ ابن عباس کا حضرت عباسؑ کے بارے میں سوال علامہ قزوینی فرماتے ہیں کہ نعمان بن بشیر ابن جزلم جونہی شہدائے کربلا کی سنانی کے سلسلہ میں یا اہل یثرب لا مقام لکم۔ الخ پڑھتا ہوا داخل شہر مدینہ ہوا تو عبید اللہ ابن عباس نے آگے بڑھ کر پوچھا اے قیامت خیز سنانی سنانے والے یہ تو بتا کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے ہمراہ میرے پدر بزرگوار عباس ابن علی بھی آئے ہیں یا نہیں۔ اس نے جواب دیا بیٹا وہ تو نہر علقمہ پر دونوں ہاتھ کٹا کر شہید ہوگئے ہیں۔ اب تم لباس سیاہ پہنو اور نوحہ و ماتم کرو کہ "پدر نہ داری" کہ تمہارے والد بزرگوار دین اسلام پر قربان ہوگئے ہیں۔ اور اب تم بلا باپ کے ہو۔ (ریاض القدس جلد ا ص۱۵۸ طبع ایران)

مدینہ میں مجلسوں کا انعقاد مدینہ منورہ میں مخدرات عصمت کے پہنچنے کے بعد مجلس غم کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلی مجلس جناب اُم البنین مادر عباس کے گھر منعقد ہوئی۔ پھر دوسری مجلس فاطمہ صغریٰ کے گھر منعقد کی گئی۔ پھر تیسری مجلس امام حسنؑ کے گھر منعقد کی گئی۔ پھر محمد حنفیہ کے گھر مجلس منعقد ہوئی۔ پھر روضۂ رسول پر مجلس منعقد کی گئی اور وہاں جو نوحہ پڑھا گیا اس کا پہلا شعر یہ تھا۔

الا یا رسول اللہ یا خیر مرسل حسینک مقتول و نسلک ضائع

اے پیغمبرؐ اسلام! اے اللہ کے رسولؐ! اے بہترین مرسل۔ آپ کے حسینؑ کربلا میں قتل کردیئے گئے اور آپ کی نسل ضائع و برباد کی گئی۔

پیغمبر اسلام کے روضے پر نوحہ و ماتم کرنے کے بعد سارا مجمع حضرت فاطمہ اور امام حسنؑ کے ر[illegible] انور پر آیا اور قیامت خیز نوحہ و ماتم کرتا رہا۔ ابن متوج کہتے ہیں کہ اس وقت جو نوحہ پڑھا گیا اُ[illegible] کا پہلا شعر یہ ہے ؎

الا نوحوا وضجوا بالبکاء
علی السبط الشہید بکربلاء

اے لوگو! نوحہ کرو اور روؤ اس قتیل عطش پر جو کربلا میں تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کردیا گیا۔ (ریاض القدس جلد ۱ صـ۲۴۶)

علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ نوحہ و ماتم کا سلسلہ پندرہ شبانہ روز مسلسل جاری رہا اور کئی ر[illegible] بنی ہاشم کے گھر میں آگ روشن نہیں کی گئی۔ (ماتتین صـ۸۰)

علامہ سپہر کاشانی لکھتے ہیں۔ کہ جب عون و محمد کی خبر شہادت عبداللہ ابن جعفر طیار کو پہنچی تو آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور آبدیدہ ہوگئے۔ یہ دیکھ کر آپ کا ایک غلا[illegible] مسمی ابو السلاسل بولا۔ ھٰذا ما لقینا من الحسین ابن علی۔ حضور! یہ مصیبت تو ہم[illegible] حسین ابن علی کی وجہ سے نصیب ہوئی ہے۔ یہ سننا تھا کہ عبداللہ نے ابو السلاسل کو نعلین سے مارنا شروع کیا۔ اور کہا خدا کا شکر ہے کہ میرے بچے حسینؑ کے کام آگئے مجھے رنج ہے کہ میں کیوں نہ جاسکا۔ میں وہاں ہوتا تو ضرور شرف شہادت حاصل کرتا۔ (ناسخ التواریخ جلد ۱ صـ۳۳۶ طبع بمبئی)

جناب ام البنین کی فریاد جب کربلا کا سنگین واقعہ عالم وقوع میں آچکا۔ اور اس کی خ[illegible] جناب ام البنین مادر گرامی حضرت عباس علمدار علیہ السلام کو پہنچی تو آپ نے اسی دن سے بقیع [illegible] جگر شگاف نالے شروع کردیئے۔ آپ کی آواز میں وہ درد تھا کہ در و دیوار گریہ کن نظر آ[illegible] لگتے تھے کیا دوست کیا دشمن سب رو پڑتے تھے۔ سب کو جلنے دیجئے۔ مروان شقی علیہ اللعن[illegible] جو شقاوت دلی اور قساوت قلبی میں اپنی نظیر آپ تھا وہ بھی آپ کے درد بھرے کلمات درد آگین سے سن کر رو پڑتا تھا۔

قد کانت تخرج الی البقیع کل یوم جناب اُمّ البنین حضرت عباس علیہ السلام کے

ترثیه وتحمل ولده عبید الله فیجتمع یسماع رثائها اهل المدینة وفیهم مردان ابن الحکم فیبکون لشجی الندبة الخ (ابصار العین صہ۳۱ طبع نجف اشرف تحفہ حسینیہ جلد ۱ صہ۱۸۰۔ اسرار الشہادت صہ۲۲۳۔ ناسخ التواریخ جلد ۲ صہ۲۹۱ طبع بمبئی۔ جلاء العیون صہ۲۰۸۔ مفاتیح الجنان صہ۵۰۵۔ مجالس المتقین صہ۲۷ طبع ایران۔ مقتل عوالم صہ۹۴ طبع ایران۔ دمعہ ساکبہ صہ۳۳۷)

بیٹے عبید اللہ کو لے کر روزانہ بقیع میں جا کر مرثیہ کی حیثیت سے اس بے تابی سے گریہ کرتی تھیں کہ تمام اہل مدینہ اس کے سننے کے لیے جمع ہو کر بے پناہ گریہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مروان بن حکم بھی درد بھرے نوحے سن کر رو دیتا تھا۔

سچ ہے ماں کا دل نہایت ہی نرم اور نازک ہوا کرتا ہے۔ جناب ام البنین جس قدر بھی گریہ کریں کم تھا۔ ایک تو امام حسینؑ کی مصیبت۔ دوسرے اپنے چار بیٹوں کی بے دردانہ شہادت وہ بیٹے بھی ایسے کہ جن کی نظیر ناممکن۔ کوئی وفا کا بادشاہ۔ کوئی شجاعت میں بے نظیر۔ کوئی بہادری میں بے مثل کوئی فرمانبرداری میں لاجواب۔ یہ وہ اسباب تھے۔ جو جناب ام البنین کو خون کے آنسو مدتوں رلاتے رہے۔

حضرت عباس علیہ السلام کے متعلق جناب اُمّ البنین کا مرثیہ

حضرت عباس علیہ السلام کی ماں جناب اُمّ البنین نے خبر شہادت پانے کے بعد حسب ذیل اشعار جن کو ابو الحسن اخفش نے بھی شرح کامل میں لکھا ہے۔ بطور مرثیہ پڑھے ؎

یا من رای العباس کر
علی جماهیر النقد

اے وہ شخص جس نے میرے بیٹے عباس کو منتخب اور چیدہ (ٹڈی دل) جماعتوں پر حملہ آور دیکھا۔

ووراه من ابناء حیدر
کل لیث ذی لبد!

اور ان کے علاوہ شیر خدا کے ایسے بیٹوں کو (حملہ کرتے دیکھا ہے) جو شیر بیشہ شجاعت ہے۔

انبئت ان ابنی اصیب
براسہ مقطوع ید

(ذرا بتا تو سہی) مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ میری رگِ جان سے زیادہ عزیز تر فرزند عباس کا سر دونوں ہاتھوں سمیت کاٹا گیا ہے رہائے کیا یہ سچ ہے)

ویلی علی شبلی اما
ل براسہ ضرب العمد

آہ! آہ! میرے شیر کا سر گرزِ آہنی کی ضرب سے جھک گیا تھا۔

لو کان سیفک فی ید
یک لما دنا منک احد

اے میرے بہادر بیٹے (خدا کی قسم) مجھے یقین ہے کہ اگر تیرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تیرے نزدیک کوئی پھٹک نہیں سکتا۔

(ابصار العین فی انصار الحسین صہ ۳۱ طبع نجف اشرف ۱۳۴۱ھ مفاتیح الجنان صہ ۵۵ طبع ایران، ۱۳۵۲ھ۔ منہاج الدموع صہ ۴۰۹ طبع قم ۱۳۴۱ھ)

مرثیہ ثانیہ

لا تدعونی ویک ام البنین
تذکرینی بلیوث العرین

ہائے اے سرزمین مدینہ کی رہنے والیو (خدا کے لیے) مجھے اُم البنین کہہ کر نہ پکارو۔ اس لیے کہ میرے شیر دل (شہید شدہ نوجوان بیٹے) یاد آجاتے ہیں۔

کانت بنون لی ادعی بھم
والیوم اصبحت ولا من بنین

ارے جب میرے بیٹے تھے۔ تب میں اس نام سے پکارے جانے کی مستحق تھی۔ مگر افسوس کہ آج میرے کوئی فرزند نہیں ہے۔

اربعۃ مثل نسور الربی
تدواصلو الموت بقطع الوتین

(دراصل) میرے چار جلیل الشان بیٹے تھے (جو جماعت امام حسین میں) رگِ گردن کٹا کر آغوش موت سے ہمکنار ہو گئے۔

تنازع الغرصان اشلائهم

کلهم امسی صریعا طعین

ان بیٹوں کی اس طرح شہادت ہو گئی کہ بھوک اور پیاس سے ان کے جوڑ بند خشک ہو گئے تھے۔

یا لیت شعری الما اخبروا

بان عباساً قطیع الیمین!

اے کاش مجھے کوئی صحیح صحیح بتا دیتا۔ کیا سچ مچ (ہمارے پیارے بیٹے) عباس کے ہاتھ شمشیر ظلم سے کاٹے گئے ہیں۔ (ابصار العین ص۳۲ و مفاتیح الجنان ص۵۵)

حضرت عباسؑ پر ان کے پوتے فضل بن حسن کا مرثیہ

علامہ مرزا عبدالحسین الامینی اپنی کتاب الغدیر جلد ۳ ص۹ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؑ کے پوتے فضل ابن حسن بن عبیداللہ بن عباس بن علی ابن ابی طالب نے اپنے جد نامدار حضرت عباس علیہ السلام کا مرثیہ ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

احق الناس ان یبکی علیہ

فتی ابکی الحسین بکربلاء

اخوہ وابن والدہ علی

ابو الفضل المضرج بالدماء

ومن واساہ لایثنیہ شیئی

وجادلہ علی عطش بماء

حاصل ترجمہ یہ ہے کہ وہ شخص اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس پر رویا جائے۔ جس نے امام حسین علیہ السلام جیسے صابر کو کربلا میں رلا دیا۔ وہ کون تھے۔ وہ امام حسین علیہ السلام کے بھائی تھے اور ان کی امداد میں خون میں نہائے ہوئے دنیا سے گئے۔ انہوں نے پوری مواسات کی۔ اور ان کے لیے حالت عطش میں جنگ کی اور پیاسے دنیا سے سدھارے۔

ایضاح اشرف علی مورخ ہندی نے اپنی کتاب روض الجنان میں مذکورہ اشعار کو فضل بن حسن کی طرف اور ابو الفرج نے مقاتل الطالبین میں ایک شاعر کی طرف اور علامہ عبداللہ شبر نے اپنی کتاب جلاء العیون عربی میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے۔

حضرت عباس علیہ السلام کے متعلق ان کے پرپوتے کا مرثیہ

فضل بن محمد بن فضل بن حسن ابن عبیداللہ بن عباس بن علی بن ابی طالب علیہم السلام نے حضرت عباس علیہ السلام کا مرثیہ ان کے بعض فضائل پر روشنی ڈالتے ہوئے حسب ذیل اشعار میں کہا ہے ؎

انی لاذکر للعباس موقفة
بکربلاء وهام القوم تختطف

آج میں اپنے دادا عباس کے کربلا والے اس وقت کے کارنامے کو یاد دلاتا ہوں جبکہ لوگوں کی کھوپڑیاں اڑ رہی تھیں۔

یحمی الحسین ویحمیه علی ظماء
ولا یولی ولا ینثنی فیختلف!

وہ اُس دن فرزند رسول الثقلین امام حسین علیہ السلام کی بلا ستی اور تردد کے عالم عطش میں، بے نظیر جانبازی سے مدد کر رہے تھے۔

ولا اری مشهداً یوماً کمشهده
مع الحسین علیه الفضل والشرف

امام حسینؑ کے ساتھ رزمگاہ کربلا میں جس طرح یہ شہید ہوئے ہیں۔ میں نے کسی اور کو شہید ہوتے نہیں دیکھا (دراصل) ان کے لیے یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

اکرم به مشهد ابانت فضیلته
وما اضاع له افعاله خلف!

شہادت کی یہ وہ بہترین منزل ہے۔ جو اپنے دامن میں فضیلتوں کی ایک زبردست دُنیا بسائے ہوئے ہے اور ان کے کارناموں کو ان کے بعد والوں نے ضائع نہیں کیا۔ یعنی چونکہ وہ میرے دادا تھے لہٰذا ان کا تذکرہ میرے نزدیک فریضہ سے کم نہیں۔ (ابصار العین ص۳۱ طبع نجف اشرف)

حضرت عباس علیہ السلام کا مدفن

علامہ شیخ فخرالدین ابن احمد بن علی بن احمد بن طریح النجفی تحریر فرماتے ہیں۔ اما العباس فانه دفن ناحیة عنهم فی موضع المعرکة عند المسناة وقبره ظاهر علی ما هو الآن۔ حضرت عباس تمام شہدا سے علیحدہ پہاڑی کے قریب مقام قتل پر دفن کئے گئے ہیں جہاں آج بھی ان کی قبر موجود ہے۔ (منتخب شیخ طریحی مجلس ۲)

ص ۲۲ طبع بمبئی ۱۳۰۸ھ)

علامہ محمد باقر مجلسی تحریر فرماتے ہیں " و دفنوا العباس بن علی فی موضع الذین قتل فیہ علی طریق الغاضریۃ حیث قبرہ الان" بنی اسد نے حضرت عباس کو ناضریہ کے راستے میں اسی جگہ دفن کیا ہے۔ جہاں آج بھی ان کی قبر موجود ہے۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۲۴۲۔ اعلام الوریٰ ص ۱۴۷۔ یہی کچھ کتاب ارشاد شیخ مفید۔ ابصار العین ص ۱۲۷، تحفہ حسینیہ جلد ا ص ۱۸۰، نور العین ص ۴۵، ہدایۃ الزائرین شیخ عباس قمی ص ۱۱۰ انوار نعمانیہ ص ۳۴۴۔ عمدۃ المطالب ص ۳۴۹۔ ریاض الاحزان ص ۳۹ کفایۃ الطالب ص ۲۹۸ اور کامل بہائی سیرائر ابن ادریس منیخی لولامہ حلی میزار دروس شہید اول شرح ارشاد اردبیلی مصباح الفقیہ رضا ہمدانی میں ہے اور ابو مخنف کے علاوہ اور اہل مقاتل نے لکھا ہے۔ کہ جناب عباس کے علیحدہ دفن کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ کی لاش پارہ پارہ ہونے کی وجہ سے اُٹھ نہیں سکتی تھی اور اسی وجہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام بھی جناب عباس کی لاش اس مقام پر نہیں لا سکے۔ جہاں آپ نے اپنے خیمہ کے روبرو سب شہیدوں کی لاشیں جمع کر دی تھیں۔ (ترجمہ ابصار العین ص ۱۹۸ طبع حیدر آباد)

کربلا کی مختصر تاریخ اور روضہ حضرت عباس کی تعمیر علامہ عبد الرزاق مولوی اپنی کتاب قمر بنی ہاشم طبع نجف اشرف کے ص ۱۱۴ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباس کے لاشے کو امام حسین کے گنج شہیداں تک نہ لے جانے کی دو ہی وجہیں ارباب مقاتل نے تحریر کی ہیں ایک یہ کہ ان کا جسم اس درجہ پارہ پارہ تھا کہ امام حسین اسے اُٹھا ہی نہ سکے دوسرے یہ کہ حضرت عباس علیہ السلام نے وصیت کی تھی۔ کہ میری نعش خیمہ تک نہ لے جائی جائے کیونکہ میں نے سکینہ سے پانی کا وعدہ کیا تھا۔ اور اسے پورا نہ کر سکا۔ لہٰذا مجھے اس سے شرم آتی ہے۔ یہ دونوں وجہیں درست نہیں ہیں۔ کیونکہ حضرت امام حسین ہر حال میں لاشے کو خیمہ میں لے جا سکتے تھے۔ وہ امام وقت تھے۔ ان کے یہ رائے قائم کرنا کہ وہ لاش کو لے جانے پر قادر ہی نہ ہو سکے یہ درست نہیں ہے۔ اصل وجہ یہ ہے۔ کہ حضرت امام حسینؑ یہ چاہتے تھے۔ کہ حضرت کا لاشہ علیحدہ ہی دفن ہو تاکہ ان کا مقبرہ علیحدہ ہی تعمیر کیا جائے۔ اور جلالت و عظمت شہادت کے بعد بھی تا قیام قیامت قائم رہے۔

میں کہتا ہوں کہ مذکورہ وجوہات کثیر کتب مقاتل میں موجود ہیں۔ لہٰذا انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ میرے خیال کے مطابق علامہ عبد الرزاق نے جو وجہ بیان کی ہے اسے دونوں وجوہ

کے ساتھ تیسری وجہ قرار دینی چاہیئے۔

حضرت عباس علیہ السلام کا سر کہاں دفن ہوا کہا جاتا ہے کہ جملہ شہداء کے سر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنے ہمراہ کربلا لے گئے تھے۔ اور وہیں جسموں کے ساتھ ملا کر دفن فرمایا تھا۔ لیکن کسی روایت میں نعمان بن بشیر کے ہمراہ جو لوگ گئے تھے۔ ان کے ساتھ سروں کا ہونا میری نظر سے نہیں گزرا۔ امکان قوی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر کربلا تک ضرور پہنچا ہو اور ہوسکتا ہے کہ دیگر بنی ہاشم کا سر بھی گیا ہو مگر سب شہداء کے سروں کا وہاں پہنچنا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ بہر حال حضرت عباس علیہ السلام کے سر مبارک کے متعلق علامہ محسن الامین نے اپنی کتاب اعیان الشیعہ کی جلد ۴ کے صہ ۲۹ پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے ۱۳۲۱ھ میں بمقام دمشق ایک مقبرہ دیکھا تھا۔ جس پر ایک پتھر نصب تھا۔ جس پر لکھا تھا۔

هذا مدفن راس العباس بن علی و راس علی الاکبر بن الحسینی و راس حبیب ابن مظاهر

یہ حضرت عباس بن علی اور علی اکبر بن حسینؑ اور حبیب بن مظاہر کے سروں کا مدفن ہے۔ لیکن چند سالوں کے بعد اس مقبرہ کو منہدم کر دیا گیا اور اس کی از سر نو تعمیر کر کے اس پر ایک پتھر نصب کر دیا گیا۔ جس پر بہت سے شہداء کے سروں کا حوالہ کندہ ہے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ اس مقام پر حضرت عباس حضرت علی اکبر اور حبیب ابن مظاہر کے سر دفن ہیں۔ کیونکہ اسی مقام پر ان کے سر لٹکائے گئے تھے۔

حضرت علامہ ہندیؒ تاریخ کربلا کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

کربلا مملکت بابل میں ہونے کی وجہ سے قدیم الایام سے مرکز توجہ رہا۔ توریت پیدائش سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ملک بابل کی بنیاد اولاد حضرت نوح علیہ السلام نے ڈالی طوفانِ نوح کے بعد وہیں سے اولاد نوحؑ اختلاف زبان کی وجہ سے اقطاع عالم میں منتشر ہوئی۔ مملکت ہمیشہ سے جباروں کے قبضہ میں رہی۔ نمرود بن کوش بن حام بن نوحؑ یہیں گذرا ہے۔ جس نے سب سے پہلے بادشاہت کی بنیاد ڈالی۔ ارک۔ اکاد۔ کلند۔ سفاء اس کے ملک تھے۔ تاریخ جب تک موجود ہے۔ سرزمین بابل کو نہیں بھول سکتی۔ اسور۔ نینوا۔ حیات۔ عیر۔ کلع بڑے بڑے شہر تھے۔ جو بعد میں مملکت بابل میں داخل ہوئے۔ کربلا۔ نینوا۔ غاضریہ۔ حیرہ۔ شط فرات۔ یہ سب وہ قطعات زمین ہیں جو نینوا کے برباد ہونے پر اسی کے مختلف حصوں پر آباد تھے۔ یونس نبی کی تصریح کی بنا پر نینوا جس کا صحیح تلفظ

بکسر نون ہے۔ اس کا رقبہ تین روز کی راہ بتایا گیا ہے . . . . . یہ امر قابل ذکر ہے کہ حائر جہاں قبر امام حسین ہے اس کو ملک حیرہ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ وجہ تسمیہ میں حائر سے حیرہ کو کوئی مدخلیت ہے۔ بلکہ متوکل عباسی کو ۲۳۶ھ میں نہر کاٹ کر قبر اقدس امام حسینؑ کو بہا دینا مقصود تھا۔ اور پانی اس مقام پر رُک گیا تھا۔ اور آگے نہ بڑھا تھا۔ اس لیے اس مقام کا نام حائر ہوا۔

طف کے معنے کنارہ نہر کے ہیں۔ بصرہ سے ہیت تک فرات کا کنارہ طف کہا جاتا تھا اور فرات کی شاخ جو رضوانیہ سے نکل کر کربلا کے شمال مشرقی جانب کے ریگستان سے ہوتی ہوئی ہندیہ کے اطراف سے گزرتی ہوئی ذوالکفل کے مغربی شمالی جانب سے گزر کر اس مقام سے گزرتی تھی۔ جہاں پر روضہ حضرت عباسؑ ہے اور اصل دریائے فرات میں مل جاتی ہے۔ اس کا نام نہر علقمہ تھا اس نہر علقمہ کے کنارے کو جس پر کربلا واقع ہے۔ طف کہتے ہیں۔ جو شط فرات کا واقعہ شہادت حسینؑ میں بار بار ذکر آتا ہے۔ اور اسی نسبت سے نہر علقمہ نہر فرات کی ایک شاخ تھی۔ اور فرات سمجھی جاتی تھی۔ اور یہ مقام قدیم الایام سے طف اور شط فرات کے نام سے مشہور تھا۔ یرمیاہ باب ۴۶ میں رب الافواج کے لیے اُتر کی سرزمین میں دریائے فرات کے کنارے ذبیحہ مقرر ہے۔ بائیبل میں جا بجا اُتر کی زمین کا ذکر آیا ہے۔ جو یروشلم کی سمت مراد لی گئی ہے اور بے شک یروشلم کی اُتر کی سمت نہر فرات ہے۔ جہاں اس ذبیحہ کی خبر دی گئی ہے اور یہی ٹھیک کربلا کا محل اور مقام ہے جو فرات سے غربی سمت میں واقع ہے فرات کا کنارہ یرمیاہ کے زمانہ میں طف و شط فرات سے موسوم تھا۔ جو اب تک اسی نام سے مشہور ہے . . . . . غاضریہ قبیلہ بنی اسد کی شاخ بنی غاضرہ کی طرف منسوب ہے اور اسی قبیلہ کی جائے سکونت کا نام ہے۔ امام حسینؑ نے انہی سے چار ہزار درہم کی زمین خریدی تھی۔ . . . . . غرضیکہ مذکورہ کل نام اسی وسیع میدان میں ہیں۔ جہاں نینوا آباد تھا۔ بعد میں مختلف قطعات زمین مختلف ناموں سے مشہور ہو گئے۔ حقیقتہً سب ایک ہی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب امام حسین اس زمین پر وارد ہوئے اور لوگوں سے اس زمین کا نام پوچھا۔ تو کسی نے نینوا کہا۔ کسی نے غاضریہ اور کسی نے کربلا (نیبول کا ماتم ص ۱) علامہ محمد باقر قائنی امام محمد باقر علیہ السلام کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ زمین کربلا کو عمورا بھی کہتے ہیں۔ آپ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اس زمین میں قمر از ہر بھی دفن ہوگا "میرا خیال یہ ہے کہ اس سے قمر بنی ہاشم مراد ہیں (کبریت احمر ص ۱۱۱ طبع ایران ۱۳۴۳ھ و مرآۃ العقول جلد ا ص ۱۵۱ طبع ایران)

"تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد شہدائے کربلا کے مقبروں اور روضوں

سے متعلق بہت تغیرات رونما ہوتے رہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر صدی کے خاص حالات مختصر لفظوں میں تحریر کر دوں۔ پہلی صدی میں جابر ابن عبداللہ انصاری نے امام حسینؑ کی قبر کی سب سے پہلے زیارت کی۔ اسی صدی میں جناب محمد ابن ابراہیم بن مالک اشتر نے ایک مختصر حجرہ قبر اطہر پر تعمیر کرایا۔ لیکن وہ حجرہ و نشان قبر اطہر تھوڑے ہی عرصہ میں مٹا دیا گیا۔ مومنین نے ایک بیری کا درخت قریب قبر مطہر لگا کر اس امام مظلوم کی قبر کا نشان باقی و قائم رکھا۔

دوسری صدی میں خلیفہ عباسی ہارون رشید نے وہ بیری کا درخت[ـہ] کٹوا کر قبر حسینی پر ہل چلوا دیئے۔ اور یہی زمانہ شروع آبادی کربلا کا ہے۔ اس وقت بھی مومنین نے مخفی قبر مطہر کا نشان بنا دیا۔

تیسری صدی یعنی ۲۳۶ھ میں متوکل شاہ عباسی نے ویرج یہودی کو بربادی قبر حسین پر مامور کیا زمین پر ہل چلوائے۔ نہر فرات کاٹ کر قبر حسینی کو غرق کر دینا چاہا۔ لیکن معجزات قبر مطہر کے ظہور سے یہودی مذکور نے مکرر بے ادبی سے گریز کی۔ اسی زمانہ میں زائرین کے لیے سخت سزائیں اور بندشیں کی گئیں اور بار بار قبر اقدس کے مٹانے کی کوششیں ہوئیں۔ ۲۴۷ھ میں مستنصر باللہ نے اپنے باپ متوکل کو قتل کر دیا۔ اور تجدید روضہ اقدس کی گئی۔ (ناظمی خلیفہ)

چوتھی صدی یعنی ۳۵۲ھ میں معزالدولہ نے عزائے امام مظلوم میں عام اجازت ہی نہیں دی بلکہ نوحہ و ماتم و سوگواری کو ترقی دی ہے۔ ایام عزا میں بازار بند کرائے۔ حکومت آل ایوب تک روز بروز عزائے امام میں ترقی ہوتی۔ لیکن آل ایوب نے سیرت مروان کی پیروی سے پھر سخت

ـہ علامہ شیخ علی قرنی تحریر فرماتے ہیں کہ جب ہارون رشید نے بیری کا درخت کٹوا دیا۔ تو اس سے لوگ بڑے زیادہ ناراض ہوئے۔ یحییٰ بن معتمر راوی کا بیان ہے کہ میرے پاس اس زمانہ میں عراق سے ایک شخص آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ کوئی نئی خبر ہے؟ اس نے کہا کہ تازی خبر یہ ہے کہ ہارون رشید نے نشان قبر امام حسینؑ کو مٹانے کی پوری کوشش کی ہے۔ اور اس سلسلہ میں اس بیری کے درخت کو کاٹ دیا ہے جس سے امام حسینؑ کی قبر پہچانی جاتی تھی۔ یہ سن کر ایک شخص جو اس جگہ بیٹھا ہوا تھا جس کا نام جریر تھا۔ چیخ پڑا اور باآواز بلند اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر کہا کہ رسول خدا نے ایک دن اپنے خطبہ میں تین بار لعن اللہ قاطع السدرۃ۔ خدا بیری کے درخت کاٹنے والے پر لعنت کرے۔" فرمایا تھا اصحاب اس کا مطلب نہیں سمجھے تھے۔ آج معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ نے اسی بیری کے درخت کے کاٹنے والے پر لعنت فرمائی تھی۔ (کتاب منہاج الدموع صـ ۳۶۴ طبع قم ۱۳۴۱ھ)

بند شیں نازکیں لیکن معز الدولہ و رکن الدولہ و عضد الدولہ نے روضہ ہائے مقدسہ کی از سر نو تعمیر کی۔ اور شہدائے کربلا کے مزاروں کی تزئین ہوئی۔ اور امام علیہ السلام کے نام سے ایک خزانہ قائم کیا گیا اسی صدی میں کثرت سے لوگوں نے کربلائے معلےٰ کی مجاورت اختیار کی اور شہر کی آبادی بڑھ گئی۔ بنی ہاشم میں سب سے پہلے اولاد جناب عباس اور اولاد امام موسیٰ کاظم اور اولاد جناب جعفر طیار نے کربلا کی مجاورت اختیار کی۔

پانچویں صدی میں عربوں نے کربلائے معلےٰ میں تاخت کی لیکن سیف الدولہ نے حلہ سے فوج بھیج کر مفسدوں کو قتل کیا۔

چھٹی صدی یعنی ۵۴۸ھ میں مسترشد خلیفہ عباسی نے خزانہ حضرت کا لوٹ لیا۔ اور اپنے لشکریوں پر تقسیم کر دیا۔ لیکن اس لوٹ کے بعد مسترشد مع اپنے پسر کے راستے میں قتل ہو گیا۔

آٹھویں صدی میں سلطان محمد خدا بندہ نے خداموں کو روضہ اقدس کے وظائف مقرر کیے ۷۴۵ھ میں سلطان احمد والیٔ عراق نے عراق کو لوٹ لیا۔ لیکن امیر تیمور نے اپنی فوج لے کر مقابلہ کیا اور شکست دی اور مال عراق کا واپس لیا۔

دسویں صدی یعنی ۹۱۴ھ میں شاہ اسماعیل صفوی نے روضہ مقدسہ امام اور روضہ حضرت عباس کی تعمیر کی۔ اور قندیل ہائے طلائی آویزاں کیں۔ ضریحیں بنوائیں۔ اور ۹۵۰ھ میں نہر کربلائے معلےٰ کی تعمیر کی۔

گیارہویں صدی میں عبدالوہاب نجدی نے کربلائے معلیٰ پر حملہ کیا۔ اور ضریح اقدس توڑ ڈالی۔ اور قتل عام کیا۔ سلطان روم و خدیو مصر نے اپنی اپنی افواج بھیج کر اس سرکش کو شکست فاش دی۔

۱۲۶۳ھ میں حضرت سید العلماء علیین مکان جناب سید حسین صاحب قبلہ نے ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ حجۃ الاسلام آقائے شیخ محمد حسن نجفی مصنف جواہر الکلام کو بھیج کر نہر آصفی تعمیر کرائی اور دیوار شہر نجف اشرف دوبارہ پندرہ ہزار روپیہ بھیج کر روضہ حضرت مسلم و حضرت ہانی کی تعمیر کرائی اور نجف اشرف میں قناتی کنوئیں بنوائے اور مبلغ تیس ہزار روپیہ حجۃ الاسلام آقا سید ابراہیم قزوینی کو بھیجا۔ تعمیر ایوان طلائی حضرت عباس کے لیے اور ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ واسطے تعمیر نہر حسینی کے ۱۲۸۲ھ میں ناصر الدین شاہ قاچار مرحوم نے روضۂ اقدس کی مزید تزئین اور ۱۲۹۵ھ میں در قبلہ امام حسینؑ پر سونا چڑھایا گیا۔ اور روضہ کی جابجا سے مرمت ہوئی۔ آئینہ بندی

کی گئی ، اور کانسی کی اینٹیں لگیں ،

علامہ عبدالرزاق موسوی لکھتے ہیں کہ ۱۳۲ھ میں شاہ طہماسب کے حضرت عباس کے قبۂ مبارکہ کو کاشانی اینٹوں سے زینت دی ، اور صندوق قبر پر جالیاں بنوائیں ۔ اور رواق اور صحن کو درست کرایا اور کافی فرش و فروش بھیجے ، ۱۱۵۵ھ میں نادر شاہ درانی نے بہت کافی تحفے حرم مطہر کے لیے بھیجے ۔ اور بلور سے بہت بانی مزین کئے ۱۲۳۶ھ میں محمد شاہ قاچاری نے حضرت عباس کے ضریح کی جالیاں چاندی کی بنوائیں ۱۲۵۹ھ میں محمد علی شاہ (شاہ اودھ) نے حضرت کے حرم مبارک کا قبہ تعمیر کرایا ۔ اسی تیرھویں صدی میں حاجی شکر اللہ بن بدل بک انشاری نے اپنا سارا مال لگا کر ایوان ابو الفضل پر باہتمام حضرت راس المجتہدین شیخ زین العابدین مازندرانی سونا چڑھوایا اور اسی صدی میں نصیر الدولہ نے حضرت عباس کے منارے پر سونا چڑھوایا ۔ (قمر بنی ہاشم صـ۱۲۷ و مختصر تاریخ کربلا صـ۴ و کتاب طاقت ایمان علامہ عبدالکریم صـ۱۹)

"چودھویں صدی" ۔ روضۂ امام علیہ السلام اور روضہ حضرت عباس علیہ السلام کے پھاٹکوں پر دو گھڑیاں نصب ہوئیں ۔ اور روضہ حضرت عباس کی توسیع ہوئی ۔ اور چھوٹی چھوٹی برجیاں بنائی گئیں ۔

کتاب معین الزائرین میں ہے کہ ارباب بینش کو علم ہے ۔ کہ حضرت عباس کے روضے پر سونا نہیں ہے ۔ یعنی جس طرح امام حسین کے روضے کے گنبد پر سونا چڑھا ہوا ہے ۔ حضرت عباس علیہ السلام کے روضے پر نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عباسؑ امام حسینؑ کی برابری نہیں چاہتے یہی وجہ ہے کہ جب کسی بادشاہ نے سونا چڑھا دیا تھا تو وہ بار بار گر گیا تھا ۔ مجھے اس کا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ کراکری ضلع الہ آباد میں ۱۹۱۱ء سے ایک روضہ حضرت عباس کی تعمیر جاری ہے لیکن چونکہ وہ وہاں کی کربلا سے زیادہ بلند بنایا جا رہا ہے ۔ اس لیے وہ مکمل نہیں ہونے پایا ۔ جب تیاری کے قریب پہنچتا ہے ۔ اس کا گنبد پھٹ جاتا ہے ، شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت عباس کے لیے فرمایا کرتے تھے ، کہ اے عباسؑ ! تم زندگی اور موت دونوں حال میں میرا پاس و لحاظ کرنے والے ہو ۔ (دمعہ ساکبہ طبع ایران) ۔ نیز کتاب معین الزائرین صـ۲۴ میں یہ بھی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے روضہ سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر روضہ حضرت عباسؑ واقع ہے اور ان دونوں کے درمیان دو رویہ دکانیں ہیں اور ایک تختی پر لکھا ہوا ہے ۔ ھذا طریق الی الفضل العباس آپ کے روضہ پر دعائیں بہت زیادہ مستجاب ہوتی ہیں منہ کتاب مہیج الاحزان صـ۱۲۱ میں ہے کہ حضرت عباس باب الحوائج ہیں آقائے دربندی لکھتے ہیں کہ دیگر شہدائے کبار کی مانند حضرت

عباس کا بدن بھی قبر میں بالکل تر و تازہ قیامت تک رہے گا۔ (اسرار الشہادت صفحہ ۳) حاجی عبدالکریم بن خواجہ عاقبت محمود تاریخ تہان یعنی وقائع احوال نادر شاہ قلمی ورق ۵، میں لکھتے ہیں کہ عراق میں حلہ کے قریب ایک مسجد ہے جس کا نام "مسجد شعیب" ہے اس کے مینار پر چڑھ کر اگر کوئی کہے کہ "بحق عباس جنبش کن" تو وہ حرکت کرنے لگتا ہے۔ اور بید کی مانند متحرک ہو جاتا ہے۔

حضرت عباس علیہ السلام کی نسل اور ان کے بعض نبیرگاں کے مختصر حالات

علمدار کربلا حضرت عباس علیہ السلام جب شہید ہوئے ہیں۔ تو ان کی اولاد میں عبید اللہ ابن عباس کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ ان کے علاوہ ان کی والدہ جناب ام البنین بقید حیات تھیں۔ حضرت عباس کی میراث کے مالک یہی دونوں قرار پاتے ہیں۔ ان کی نسل کے بارے میں علامہ عبد الرزاق موسوی لکھتے ہیں:

کہ تمام علمائے انساب کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ آپ کی نسل صرف عبید اللہ ابن عباس سے بڑھی ہے آپ کا شمار بہت بڑے علماء میں تھا۔ آپ کمال اور جمال میں بہت امتیاز رکھتے تھے۔ آپ نے ۱۵۵ھ میں وفات پائی ہے۔ آپ کے بیٹے حسن بن عبید اللہ تھے۔ جناب حسن نے ۶۷ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ کے پانچ بیٹے تھے۔ (۱) عبید اللہ (۲) عباس (۳) حمزہ (۴) ابراہیم (۵) فضل۔ "وکلھم اجلاء فضلاء ادباء" سب کے سب عالم اجل، فاضل اور ادیب دہر تھے۔

۱۔ عبید اللہ ابن حسن ابن عبید اللہ ابن عباس بن علی "امیرا بمکۃ والمدینۃ قاضیا علیھما" یہ امیر مکہ و مدینہ اور قاضی الحرمین تھے۔

۲۔ عباس ابن حسن ابن عبید اللہ ابن عباس "کان بلیغاً فصیحاً شاعراً" یہ زبردست بلاغت اور فصاحت کے مالک تھے۔ شاعری میں بھی ملکہ تامہ رکھتے تھے۔ اور ابو نصر بخاری کا بیان ہے کہ "ما رائی ھاشمی اغضب لساناً منہ" ان سے زبردست کوئی ہاشمی زبان کا مالک دیکھا بھی نہیں گیا۔ "کان مکیا عند الرشید" وہ رشید کے پاس رہتے تھے۔ وہ ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ اس کے بعد ماموں کے پاس رہے۔ علویین انہیں اشعر اولاد ابی طالب کہتے تھے۔

۳۔ حمزہ ابن حسن ابن عبید اللہ ابن عباس۔ ان کی کنیت ابو القاسم تھی۔ "وکان یشبہ بامیر المومنین" یہ حضرت علیؑ سے بہت مشابہ تھے۔ ماموں رشید نے انہیں ایک لاکھ درہم ارسال کیا تھا۔ اس کے ساتھ جو خط لکھا تھا اس میں انہیں شبیہ امیر المومنین لکھا تھا۔

۴۔ ابراہیم جردقہ ابن حسن ابن عبید اللہ ابن عباس "کان من الفقہاء الادباء الزھاد" یہ زبردست فقیہ، ادیب اور زاہد تھے۔

۵۔ فضل ابن حسن ابن عبیداللہ ابن عباس کان لسناً فصیحاً شدید الدین عظیم الشجاعۃ یہ زبردست فصاحت کے مالک اور دینیات میں بہت پختہ تھے۔ اور میدان شجاعت کے شاہ سوار تھے۔ لوگوں کی نظر میں آپ کی بے انتہا عزت تھی۔ (عمدۃ المطالب ۳۵۲ طبع لکھنو و تاریخ بغداد و قمر بنی ہاشم ص۱۳۶)

حضرت عباس کی نسل کافی پھیلی ہے۔ آپ کے کثیر بیرگان کا ذکر کتب میں موجود ہے یہ خاص بات ہے کہ آپ کی نسل میں کوئی غیر عالم شاید ہی گزرا ہو آپ کی نسل کے متعلق، صاحب عمدۃ المطالب لکھتے ہیں کہ مکہ، مدینہ، مصر، بصرہ، یمن، سمرقند۔ طبرستان، اردن، حائر و میاط، کوفہ، قم، یمن، شیراز، آمل، آذربائیجان جوجان مغرب وغیرہ میں پائی جاتی ہے آپ کی اولاد کو میرے نزدیک "سید علوی" کہنا چاہیے۔ اور حضرت عباسؑ کی طرف اعوان کا انتساب کوئی اصل نہیں رکھتا۔

حمزہ بن حسن بن عبیداللہ بن عباس علیہ السلام، یہ اپنے دادا حضرت علی علیہ السلام سے بہت زیادہ مشابہ تھے۔ مامون رشید کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک خط دیکھا گیا ہے جس میں اس نے جناب حمزہ کو ایک ہزار درہم بھیجنے کا حوالہ دیا ہے۔ خط سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نے انہیں یہ رقم محض اس لیے بھیجی تھی۔ کہ یہ حضرت علی کے مشابہ تھے۔ اس نے اس خط میں اسی مشابہت کو عنوان قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنی شادی زینب بنت الحسین بن علیؑ بن عبیداللہ بن جعفر طیار سے کی تھی۔ عبداللہ بن جعفر طیار کے فرزند علی اپنے کو زینب بنت علیؑ کی طرف منسوب کرکے زینبی کہتے تھے۔

جناب حمزہ بن حسن بن عبیداللہ بن عباس علیہ السلام کے ایک پوتے محمد بن علی بن حمزہ بھی تھے۔ جو بڑی شخصیت کے مالک تھے۔ اور نہایت عمدہ شاعر تھے۔ یہ بصرہ میں نازل ہوئے اور امام رضا علیہ السلام سے حدیث کی روایت کی۔ یہ بڑے ثقہ اور صدوق تھے۔ جیسا کہ تاریخ بغداد جلد ۲ ص۶۳ اور تہذیب التہذیب جلد ۹ ص۳۵۲ میں ہے آپ کا انتقال ۲۸۶ھ میں ہوا ہے۔

انہیں حمزہ بن حسن بن عبیداللہ بن عباس علمدار کے ایک پرپوتے بھی تھے۔ جن کا اسم گرامی، ابویعلی حمزہ بن قاسم بن علی بن حمزہ بن حسن بن عبیداللہ ابن عباس علیہ السلام بن امیر المومنین علی بن ابی طالب تھا۔ ان کے سلسلہ نسب کی یہی ترتیب علامہ نجاشی نے، رجال نجاشی

ص۱۱۰ میں علامہ نے خلاصہ میں حضرت شہید ثانی نے حاشیہ خلاصہ میں ابو علی حائری نے منتھی المقال میں شیخ نوری نے جنۃ الماویٰ حکایت ۴۵، علامہ مامقانی نے تنقیح المقال میں، شیخ عباس قمی نے سفینۃ البحار ج جلد ا ص۳۳۹ میں سید حسوف برمی نے سانحۃ النفحۃ العنبریہ میں قرار دی ہے۔ لیکن علامہ شیخ الفتونی نے حدیقۃ النسب میں علی کو قاسم پر مقدم کیا ہے۔ اور علامہ سید مہدی قزوینی نے فلک النجات کے ص۳۳۶ پر ان کے شجرہ کو اس طرح لکھا ہے۔ الحمزہ بن الحسن بن الحمزہ بن علی بن قاسم بن عبد اللہ بن عباس لیکن میرے نزدیک یہ ترتیب صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا ماخذ نہیں ملتا۔ ہو سکتا ہے کہ مذکور الصدر علماء کی ترتیب کے خلاف یہ ترتیب قائم کرنا کاتب کی عنایت ہے اور اس کا قطعی امکان ہے۔ اسی فلک النجات کی عبارت میں دیکھ لیجئے۔ کہ حضرت عباس کے فرزند کا نام عبید اللہ تھا۔ لیکن کتاب مذکور میں عبد اللہ لکھا ہوا ہے۔

بہر صورت جملہ علماء فرقہ جعفریہ کا ان کی وثاقت اور جلالت قدر پر اتفاق ہے۔ وہ انہیں طائفہ علویہ کا چشم و چراغ سمجھتے تھے۔ یہ علوم کے عظیم مدارج پر فائز تھے۔ بے شمار احادیث کو اپنے آباؤ اجداد سے روایت کرتے تھے۔ ان کے پاس علماء کی آمدورفت کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ وہ ان کے پاس حدیث سنتے اور ان سے روایت حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔ آپ کے پاس اخذ حدیث کے جو علماء آتے تھے۔ ان میں شیخ الثقہ سعد بن عبد اللہ اشعری، محمد بن سہل بن ذارویہ القمی۔ الحسن بن متیل۔ علی بن عبد اللہ۔ ابن یحییٰ۔ جعفر بن مالک اری الکوفی، ابو الحسن علی بن جنید الرازی اور ان کے بلند پایہ عم عزیز ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حمزہ میں حسن بن عبید اللہ بن عباس شامل تھے

علامہ عبد الرزاق الموسوی کا بیان ہے کہ سیدنا حضرت ثقۃ الاسلام علامہ کلینی صاحب اصول کافی کے طبقہ میں تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جن میں کتاب التوحید کتاب الزیارت والمناسک، کتاب من روی عن الصادق، کتاب الرد علی محمد بن جعفر اسدی زیادہ مشہور ہیں۔ معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ سیدنا حمزہ کے فضائل لکھنے سے دست کاتب قاصر اور زبان قلم عاجز ہے واضح رہے۔ کہ ان کے مرقد مطہر سے اس درجہ کرامات کا مظاہرہ ہوا ہے کہ ان کو قلم بند نہیں کیا جا سکتا۔ بے شک غیر محدود کرامات کا ظاہر ہونا ان کی فضیلت ان کی بلند مرتبگی، ان کے اخلاص ورع و تقویٰ اور بلندی مقام علمی کی شہادت کے لیے کافی ہے۔ نیز ان کی فضیلت اس

سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ کہ ان کے وہ چچا جن کی مثال اولاد ائمہ میں مشکل سے ملے گی وہ اُن سے اخذ روایات کرتے ہیں۔ اور چونکہ وہ بڑی نمایاں حیثیت کے مالک تھے اسی لیے جناب نرجس خاتون" والدہ حضرت حجتؑ کو اس وقت پناہ دینے میں کامیاب ہو گئے۔ جس وقت بادشاہ وقت انہیں گرفتار کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔ اس کے بعد علامہ عبد الرزاق کہتے ہیں کہ سید الفقہا علامہ محمد مہدی القزوینی ایک دفعہ وارد حلہ ہوئے۔ اور انہوں نے حضرت حمزہ کی بنی ہوئی قبر کی اس لیے زیارت نہ کی کہ وہ جانتے تھے کہ ان کی مقام رے میں ہے۔ جناب شاہ عبد العظیم کے مدفن کے قریب ہے۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ وہ محو خواب تھے۔ کہ ایک شخص علوی لباس میں آ کر کہنے لگا کہ تم سید نا حمزہ کی زیارت کیوں نہیں کرتے انہوں نے خواب ہی میں جواب دیا۔ کہ وہ یہاں مدفون نہیں ہیں۔ ان کی اصل قبر رے میں ہے۔ اس آنے والے نے جواب دیا کہ ان کے رے میں مدفون ہونے کی روایت بے بنیاد ہے۔ وہ اسی جگہ دفن ہیں۔ تم ان کی زیارت یہیں کیا کرو۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ یہیں مدفون ہیں۔ آنے والے نے جواب دیا کہ اس کا ثبوت علم رجال ہے۔ تم کتب رجال کا مطالعہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے جب کتب رجال پر نگاہ کی تو خواب کے مخبر کی خبر صحیح ثابت ہوئی۔ اور حضرت علامہ قزوینی نے حضرت حمزہ کی زیارت کرنا شروع کر دی اور اس بات کا یقین کر لیا کہ خواب کی اطلاع حضرت حجت علیہ السلام کی ہدایت کا مظہر ہے۔

ابراہیم بن حسن بن عبید اللہ ابن عباس بن علی بن ابی طالب، یہ جرد قہ کے لقب سے مشہور تھے۔ یہ فقیہ، ادیب اور بہت بڑے زاہد مشہور تھے۔ ان کے ایک فرزند تھے۔ جن کا نام علی بن ابراہیم تھا۔ یہ بڑی عزت وجاہ کے مالک تھے۔ انہوں نے ۲۶۴ھ میں انتقال فرمایا ہے۔ ان کے ۹ فرزند تھے۔ جن میں عبد اللہ بن علی بن ابراہیم زیادہ مشہور تھے۔ جناب عبد اللہ پہلے بغداد پھر مصر گئے اور وہیں متوطن ہو گئے۔ ان پر تحدث و تبلیغ کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔ لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد اجازت مل گئی تھی۔ ان کے پاس ایک کتب خانہ تھا۔ جس کا انہوں نے الجعفریہ نام رکھا تھا۔ ان کے کتب خانہ میں فقہ امامیہ کی کافی کتابیں تھیں۔ انہوں نے رجب ۳۱۲ھ میں بمقام مصر انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔ جناب علی بن ابراہیم کے پوتوں میں خلیفہ ابو الحسن علی بن یحییٰ بن علی بن ابراہیم بن حسن بن عبید اللہ ابن عباس بن علی بن ابی طالب علیہم السلام تھے۔ یہ ابو عبد اللہ بن داعی علی انتقابتہ بغداد کے خلیفہ تھے۔

فضل بن حسن بن عبیداللہ ابن عباس علیہ السلام بہت بڑے عالم تھے۔ بہترین تقریر کرتے تھے متکلم اور فصیح البیان تھے۔ دین اور دینیات کے بارے میں بہت ہی مضبوط تھے۔ شجاعت میں بے مثل و بے نظیر تھے۔ خلفا کی نگاہ میں بڑی عزت کے مالک تھے۔ انہیں ابن الہاشمیۃ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ ان کے تین فرزند تھے۔ جن سے ان کی نسل چلی ہے۔ (۱) جعفر (۲) عباس الاکبر (۳) محمد۔ ان سب کے اولادیں تھیں۔ اور تقریباً سب کے سب عالم اور ادیب تھے۔ انہیں میں سے ایک کا نام ابو العباس فضل بن محمد بن فضل بن حسن بن عبیداللہ بن عباس تھا۔ یہ بہت بڑے خطیب اور شاعر تھے۔ ان کی اولاد قم اور طبرستان میں زیادہ ہے انہوں نے اپنے جد نامدار حضرت عباس علیہ السلام کے متعلق بہت سے اشعار کہے ہیں۔ جن میں سے ایک مرثیہ ہم نے پچھلے اوراق میں نقل کیا ہے۔

"تاریخ نجدارج صہ ۱۲۹-۳۲۶-۳۱۳ عمدۃ المطالب۔ المجدی۔ مروج الذہب جلد ۲ صہ ۶۶ صہ ۱۵۵ المصدر۔ اغانی جلد ۵ صہ ۴۵ [10] [12]۔ ذخیرۃ الدارین۔ سر السلسلہ العلویہ الحجت علی الذاہب صہ ۶۶، تہذیب التہذیب جلد ۹ صہ ۳۵۲، القدیر جلد ۳ صہ ۳، الجواہر المفیتہ جلد ۲ صہ ۱۱۴، النفحۃ الغنبریہ بشارۃ المصطفیٰ صہ ۵۸۔ رجال نجاشی صہ ۱۴۵ رجال طوسی اکمال الدین صدوق۔ جنۃ الماوی للنوری حکایات صہ ۴۵، تذکرہ سبط ابن جوزی صہ ۲۲۳۔ خلاصہ للعلامہ سفینۃ البحار شیخ عباس قمی جلد ۱ صہ ۳۳۹ فلک النجاۃ عربی مصنفہ سید مہدی قزوینی صہ ۳۳۶)

حضرت عباس علیہ السلام کے کرامات ومعجزات

مظہر العجائب والغرائب حضرت علی علیہ السلام کے فرزند ارجمند حضرت ابو الفضل العباس علیہ السلام کے معجزات وکرامات بے شمار ہیں ان کی وسعت کو سمیٹنے کے لیے اور ان کی تعداد کو یکجا کرنے کے لیے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ ہم اس مقام پر دو تین کرامات ومعجزات تحریر کرتے ہیں۔

۱۔ مصنف کتاب سرور المومنین لکھتے ہیں کہ میرے بھائی شیخ جعفر نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں ایک سید کے ساتھ کربلا سے نجف اشرف کو بوقت شب جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک عالیشان عمارت نظر پڑی جس کے ارد گرد نہایت گنجان درخت پورے سلیقہ کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ دل میں سوچنے لگا کہ بارہا اس طرف سے گذر ہوا ہے۔ کبھی اس قسم کا کوئی مکان اس راہ میں نظر سے گزرا یہ کیا مکان ہے میں اسی تردد میں باہمدگر باتیں کر رہا تھا۔ کہ ایک مرد بزرگ سامنے سے نمودار ہوئے اور فرمانے لگے۔ یہ میرا مکان ہے آیئے اور میری دعوت مہمانی قبول

کیجیئے۔ ہم دونوں ان کے ہمراہ داخل خانہ ہوئے وہ مکان کیا تھا جنت کا نمونہ تھا ۔

دار عجیب کل ما فی روضھا　　مامر بالابصار و الاسماع

اطیارھا تنشی و علی اشجارھا　　بلطائف النعمات والاسجاع

وہ ایسا مکان تھا جو کہ راحت و آرام کے اسباب سے پُر تھا جو نعمتیں اس میں مہیا تھیں نہ آنکھوں نے کبھی دیکھا تھا نہ کانوں نے سُنا تھا۔ اس میں باغات تھے کہ سبحان اللہ! باغوں کے درختوں پر طائران خوش الحان اور مرغان شیریں بیان چہک رہے تھے۔ نہریں جاری تھیں۔ سبزہ لہلہا رہا تھا۔ درخت بارِ ثمر سے جھکے ہوئے تھے۔ پھولوں کی خوشبو سے دماغ معطر تھے اور فضا بسی ہوئی تھی۔ میں اس عجیب و غریب مکان میں سیر کرتا ہوا جا رہا تھا۔ کہ اس کے پہلو میں ایک اور شاندار مکان نظر آیا۔ اسے دیکھ کر میں اور حیران ہوگیا، وہ اس خوبی سے بنا ہوا تھا اور اس طرح آراستہ تھا کہ اس کی توصیف سے میری زبان قاصر ہے۔ اس میں ایک بزرگوار جن کے چہرے سے عظمت و جلال آشکار تھی مجھے دکھائی دئے۔ انہیں میں نے صدر مقام پر بیٹھا دیکھا۔ میں نے آگے بڑھ کر نہایت ادب سے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب سلام کے بعد اسی سید سے جو میرے ہمراہ تھا اور جسے میں پہچانتا نہ تھا لیکن رفیق سفر ہونے کی وجہ سے میں اس سے مانوس تھا، کہا اس شیخ کو جو کہ آقائے نامدار حضرت سید الشہداء کا ذاکر ہے فلاں مقام پر لے جاؤ۔ اور اسے آب سرد اور طعام لذیذ سے سیر و سیراب کرو اور جس چیز کی اسے ضرورت ہو۔ اُسے مہیا کر دو۔ یہ سُن کر وہ سید مجھے ایک مکان وسیع میں لے گیا جہاں انواع و اقسام کے کھانے چُنے ہوئے تھے۔ میں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ جب وہ سید مجھے رخصت کرنے کے لیے نادر خانہ آیا تو میں نے اس سے کہا کہ تجھے قسم ہے اسی عظیم الشان شخصیت کی۔ جو اس مکان کی مالک ہے۔ مجھے بتا کہ مقام کون سا ہے اور یہ مسند نشین صدر خانہ کون ہیں؟ اس نے کہا کہ اسی مقام کا نام وادیٔ مقدس ہے اور ان جناب کا اسم گرامی حضرت عباس علیہ السلام ہے۔ یہ مکان انہی کا ہے۔ یہیں سب شہدا کربلا جمع ہو کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں جاتے ہیں۔ میں نے عرض کی اے سید میں نے سنا بھی ہے اور کتابوں میں بھی پڑھا ہے کہ کربلا میں حضرت عباس علیہ السلام کے دونوں دست مبارک کٹ گئے تھے۔ اس نے کہا بے شک، میں نے عرض کی کہ مجھے رخصت آخری کے بہانے سے ان کی خدمت میں لے چلو تاکہ میں حضرت کے دست بریدہ جسم کو بچشم خود دیکھ لوں۔ وہ سید مجھے دوبارہ اُن کی خدمت میں لے گیا۔ میں نے جونہی ان کے دست بریدہ جسم کو دیکھا میں بے اختیار رونے لگا۔ اور بے ساختہ یہ اشعار میری زبان پر جاری ہوگئے ۔

وقد رشقوه بالنبال وخرقوا   له قربة الماء الذی کان قد ملا

فنادی حسینا والدموع حوامل   ایابن ابی قد خیبت ما کنت آملا

ترجمہ: دشمنوں نے اُن کے جسم کو تیروں سے چھلنی بنا کر اس مشکیزہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جسے انہوں نے بڑی مشکلوں سے پُر کیا تھا۔ اس وقت آپ نے کمال مایوسی کے عالم میں باچشم پُرنم حضرت امام حسین کو آواز دی۔ اے میرے آقا حسین میری تمام اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ افسوس میں پانی پہنچانے سے قبل ملک الموت سے ملاقات کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔"

راوی کہتا ہے کہ یہ سنکر سب حضار رونے لگے۔ اور حضرت عباس نے فرمایا اے شیخ خدا تم لوگوں کو صبر دے۔ میں نے ان سے زیادہ تکالیف برداشت کی ہیں۔ جن کی تمہیں اطلاع ہے۔

۲۔ کتاب حزن المومنین میں ہے۔ کہ عرب و عجم کے دستور کے مطابق، عباس آباد شہر میں مومنین نے یوم عاشورا شبیہ حضرت عباس بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لئے وہ ایک نیک قسم کے نوجوان کی تلاش میں تھے ناگاہ ایک مرضی کے مطابق نوجوان نظر آیا۔ اس سے انہوں نے اپنے مقصد کو ظاہر کیا وہ بہت خوش ہوا اور شبیہ بننے پر تیار ہو گیا۔ الغرض اسے شبیہ عباس بنا کر انہوں نے مراسم غم ادا کئے۔ اس واقعہ کی اطلاع اس کے باپ کو ہو گئی جو سخت ترین ناصبی تھا۔ جب یہ جوان اپنے گھر گیا۔ تو اس کے باپ نے واقعہ پوچھا۔ اس نے سب واقعہ کہہ سنایا۔ باپ نے پوچھا کہ تو کیا عباس کو دوست رکھتا ہے۔ اس نے کہا بے شک یہ سن کر اس نے تلوار اٹھائی اور اس کے دونوں ہاتھ جدا کر کے کہا کہ لے۔ اب تو صحیح تصویر بنا ہے۔ وہ غریب اس صدمہ سے زمین پر لوٹنے لگا۔ یہ دیکھ کر اس کی ماں سر پیٹتی ہوئی قریب آئی اور فریاد و فغاں کرتی ہوئی بولی کہ اے ظالم تو روز حشر رسول خدا اور فاطمہ زہرا کو کیا جواب دے گا۔ اس نے کہا کہ کیا تو ان لوگوں کو دوست رکھتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بے شک ان پر ہمارا ایمان ہے۔ یہ سن کر اس ظالم نے اس عورت کی زبان قطع کر دی۔ اور اس کی آغوش میں بیٹے کے ہاتھ ڈال کر کہا کہ جا قیامت کے دن فاطمہ اور عباس سے شکایت کر کے جو بنانا ہے بنا لینا۔ اس کے بعد ان دونوں کو گھر سے باہر نکال کر دروازہ بند کر لیا۔ وہ مومنہ اپنے لڑکے کو اپنے ہمراہ ہاتھوں سمیت ایک عزاخانہ میں چلی گئی۔ اور اپنے بیٹے کو زیر منبر ڈال کر منبر کے قریب محو گریہ و بکا ہوئی۔ صبح کے قریب چند بیبیاں سیاہ پوش ظاہر ہوئیں اور اس سے رونے کا سبب دریافت کیا اس نے ہاتھ کے اشارے سے زبان کے کٹنے کا حال ظاہر کیا۔ انہوں نے فرمایا غم نہ کر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے بعد ان عورتوں میں سے ایک نے اس کی زبان

کا ٹکڑا زبان سے ملا کر اپنا لعاب دہن لگایا۔ وہ ٹھیک ہو گئی۔ اس کے بعد وہ جانے لگیں۔ اس مومنہ نے ان کا دامن تھام لیا۔ اور کہا کہ میرا لڑکا زیر منبر پڑا ہے اسے بھی درست کر دیجئے انہوں نے فرمایا کہ کو حضرت عباسؑ نے ٹھیک کر دیا ہو گا۔ تو اسے دیکھ بے وہ اٹھی اور منبر کے اندر کی جانب گئی تو دیکھا کہ اس کا بچہ تندرست ہے۔ اس مومنہ نے پوچھا کہ بی بی آپ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں حسینؑ دکھیا ماں فاطمہؑ ہوں۔ اس کے بعد وہ بیبیاں نظروں سے غائب ہو گئیں اس مومنہ کا بیان ہے کہ میں نے لڑکے سے پوچھا کہ کیا واقعہ گذرا اس نے کہا کہ میں عالم بیہوشی میں تھا کہ ایک نقاب پوش جوان میرے قریب آیا۔ اور کہنے لگا کہ گھبرا نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے بعد میرے ہاتھوں کو جسم سے ملا کر کچھ فرمایا اور میرے ہاتھ درست ہو گئے میں نے فوراً ان کا دامن تھام لیا۔ اور ان خدمت میں عرض کی۔ حضور! آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں عباسؑ ہوں۔ میں نے کہا حضور دست مبارک دیجئے تاکہ میں بوسہ دوں آپ نے فرمایا کہ میرے ہاتھ نہیں ہیں۔ وہ کربلا میں اسلام قربان ہو گئے اس کے بعد وہ نظروں سے غائب ہو گئے ہیں۔

۳۔ کربلائے معلےٰ کے رہنے والے سید عباس طباطبائی بیان کرتے ہیں کہ میں مشغول درس تھا کہ ایک روز شور مچا کہ حضرت عباسؑ کے روضہ میں معجزہ ہوا۔ یہ شور سن کر استاد نے چھٹی کر دی میں دوڑا ہوا۔ روضہ حضرت عباسؑ میں گیا۔ وہاں جا کر میں نے دیکھا کہ روضہ کے اندر بہت حضرات ہیں۔ اور سب کے سب بالکل خاموش ہیں۔ اور ایک عورت بے ہوش پڑی ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا معجزہ ہوا ہے۔ مگر کوئی نہ بولا۔ بڑی دیر کے بعد ایک شخص نے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ تو میں نے دیکھا کہ ایک طلائی طوق ایک قندیل سے چپکا ہوا ہے اور قندیل حرکت میں ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس بیہوش عورت کے اعزا آ گئے۔ اور انہوں نے بڑی آہ و زاری کی تو عورت کو ہوش آیا۔ اس کا بیان ہے کہ یہ لڑکا جو میرے پاس بیٹھا ہے۔ ایک بار علیل ہوا اور میں نے منت مانی تھی کہ یہ طوق گراں جو میری گردن میں ہے اپنے لڑکے کی صحت پر نذر حضرت عباسؑ کر دوں گی اب جبکہ اسے کامل صحت ہو گئی تو میں طوق ضریح مبارک پر چڑھانے کے لئے لائی ابھی طوق کو گلے سے اتارنے نہ پائی تھی۔ کہ یک بیک یہ خیال پیدا ہو گیا۔ کہ چونکہ یہ کافی قیمتی ہے۔ لہٰذا اس کے بجائے کچھ سونا چڑھاؤں گی۔ میرے ذہن میں اس کا خیال آنا تھا کہ میں نے ایک پرچھائیں سی دیکھی۔ اس کے بعد میں بے ہوش ہو گئی۔ پھر مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا ہے (کتاب موسع الغموم صد ۴۳ صد ۴۵ صد ۳۸ طبع لکھنو ۱۲۹۳ھ)

ع

عباس آبرو پہ بڑا حرف آئے گا
پانی پیا تو نام وفا ڈوب جائے گا

(راجہ محمود آباد)

استدراک

نوٹ

اس حصہ کتاب میں وہ واقعات وحالات لکھے گئے ہیں جو اصل کتاب پر نظر ثانی کے بعد دستیاب ہوئے ہیں ان کے لکھنے میں ترتیب مد نظر نہیں رکھی گئی۔

مشک سکینہ کو چھید نے اور حضرت عباس کا ہاتھ کاٹنے والے اسحاق بن حویہ کا حشر اور عبداللہ اہوازی کا کارنامہ

علامہ حسان نہرانی لکھتے ہیں کہ عبداللہ اہوازی کا بیان ہے کہ میں ایک دن بازار میں جا رہا تھا کہ میری نظر ایک ایسے شخص پر پڑی کہ جس کا چہرہ متغیر تھا۔ اور زبان خشک تھی۔ اور منہ سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ وہ عصا کے سہارے سے راستہ چل رہا تھا اور بھیک مانگتا پھرتا تھا۔ میں نے جونہی اسے اس حال میں دیکھا۔ میرا بدن لرز اٹھا۔ میں اس کے قریب گیا۔ اور اس سے پوچھا تو کہاں کا رہنے والا ہے اور کس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے میری طرف توجہ کئے بغیر اپنی راہ لی۔ میں نے اسے قسم دے کر پوچھا کہ تو اپنا حال تو بتا۔ کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ اس نے کہا بھائی! میرا حال نہ پوچھو اور مجھے اپنی راہ جانے دو۔ میں نے کہا کہ میں ہرگز نہ مانوں گا۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ مجھے اپنے حال سے آگاہ کر اس نے کہا کہ اگر تم نہیں مانتے۔ تو پھر پہلے مجھے کچھ کھلاؤ کہ میں سخت بھوکا ہوں اس کے بعد میں اپنی غم آفریں داستان تمہیں سناؤں گا۔ میں اسے اپنے گھر لے گیا۔ اور اسے خوب اچھی طرح کھلایا پلایا جب اسے سکون ملا تو اس نے اپنی داستان بیان کرنا شروع کی اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم عمر بن سعد کو جانتے ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ جانتا ہوں۔ پھر میں نے کہا کہ تیرا اس ملعون سے کیا تعلق اس نے کہا کہ واقعہ کربلا میں۔ میں اس کا علمدار تھا اور ...... میرا نام ہے اسحاق بن حویہ اس کے اس کہنے پر اس کے منہ سے تارکول کی بو آنے لگی۔

پھر وہ کہنے لگا کہ رزمگاہ کربلا میں عمر بن سعد نے مجھے نہر فرات پر تعینات کیا تھا اور مجھے حکم دیا تھا کہ امام حسینؑ کے لشکر میں کسی صورت سے پانی نہ پہنچنے دینا۔ چنانچہ میں اس کے حکم کی تعمیل میں ہمہ تن متوجہ ہو گیا۔ اور شب و روز پوری بیداری کے ساتھ امام حسین تک پانی پہنچنے کو روکتا رہا۔ حتیٰ اینکہ میں نے اپنے لشکر والوں تک کو نہر فرات پر بلا اجازت جانے سے روک دیا تھا کیونکہ اس کا شبہ تھا کہ کہیں ہم میں ہی کا کوئی خفیہ طور پر امام حسین تک پانی پہنچا دے۔

ایک شب کا واقعہ ہے کہ میں بہت پوشیدہ طریقے سے امام حسینؑ کے ایک خیمہ تک جا پہنچا تاکہ ان کے ارادے معلوم کروں۔ میں چھپا ہوا بیٹھا ہی تھا کہ امام حسین اور حضرت عباس میں گفتگو کی آواز آنے لگی اس بات چیت میں میں نے یہ محسوس کیا کہ دونوں بھائی موجودہ حالات سے بے حد متاثر ہیں۔ حضرت عباس نے حضرت امام حسینؑ سے کہا کہ اے بھائی! مجھے اب اطفال میں پیاس کی بے تابی دیکھی نہیں جاتی اور نہ ان کے انتہائی پُردرد نالے سنے جاتے ہیں۔ میرے آقا میں اب تک دو مکانوں کے اندر کنوئیں کھود چکا ہوں۔ اور پانی برآمد کرنے کی کوشش کر چکا ہوں۔ لیکن پانی دستیاب نہیں ہو سکا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ عباس اگر تم ان انسان نما لوگوں کے پاس جاکر پانی طلب کرو۔ تو کیا ممکن ہے کہ وہ پانی دے دیں۔ حضرت عباس نے عرض کی مولا کئی بار ایسا بھی ہو چکا ہے۔ جتنی مرتبہ گیا ہوں تیر و شمشیر کے سوا کوئی جواب نہیں ملا۔ یہ سن کر حضرت امام حسین علیہ السلام بے حد متاثر ہوئے اور بے ساختہ رو پڑے۔ حضرت عباس نے عرض کی مولا! آپ متاثر نہ ہوں میں صبح کو ایک بار پھر سعی بلیغ کروں گا۔ اور انشاءاللہ پانی حاصل کر لوں گا۔ یہ سن کر امام حسین علیہ السلام نے ان کو دعائے خیر دی۔

اے عبداللہ! میں یہ تمام باتیں پس پردہ سے سن کر اپنی جگہ پر واپس گیا۔ اور میں نے تمام واقعہ عمر بن سعد سے بیان کیا پھر اس کے بعد بہت سے مددگاروں کو جمع کر کے اس وقت کا انتظار کرنے لگا۔ جبکہ عباس بن علیؑ کے آمد کی توقع تھی۔ اے عبداللہ جب صبح کا وقت ہوا اور کارزار کربلا شروع ہو گیا۔ تو وہ موقع پیش آیا جس میں عباس بن علیؑ امام حسین کے پاس سے روانہ ہو کر طلب آب کے لیے نہر فرات کی طرف آئے۔ وہ اس وقت شیر غضب ناک کی طرح تھے۔ ان کے نہر پر پہنچتے ہی سارے لشکر نے ان پر یک بارگی حملہ کر دیا۔ تیر بارانی کرنے والوں نے تیر چلائے نیزہ باز نیزہ مارنے کی سعی کرتے رہے۔ اے عبداللہ حضرت عباس بن علی پر اس قدر تیر مارے گئے کہ ان کا بدن ساہیؔ کے بدن کی طرح ہو گیا۔ اور جسم پر ان کے تیر ہی تیر نظر آتے تھے۔ مگر وہ بلا کے بہادر تھے انہوں نے اپنی ہمت پست نہیں ہونے دی۔ اور وہ برابر آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ لشکر کو درہم برہم کر کے نہر فرات پر جا پہنچے۔ اور انہوں نے اپنے گھوڑے کو نہر فرات میں ڈال دیا۔ اور چلو میں پانی لے کر اپنے دہن کی طرف لے گئے۔ میں نے اس وقت پوری سعی کی کہ یہ پانی نہ پینے پائیں۔ میں نے لشکریوں کو حکم دیا کہ اب پوری توجہ سے کام کرو۔ دیکھو اگر عباس نے پانی پی لیا۔ تو پھر ان سے کوئی بھی مقابلہ کسی صورت سے نہ کر سکے گا۔ چنانچہ میرے لشکریوں نے پوری

توجہ دی۔ اور ان پر حملہ شروع کر دیا۔ وہ مشکیزہ کو نہر سے بھر کر برآمد ہوئے اور حملوں کا جواب دینے لگے اے عبداللہ! وہ اس بہادری سے لڑ رہے تھے۔ کہ ہم سب حیران تھے، لشکر چاروں طرف سے حملہ کر رہا تھا۔ اور وہ سب کا جواب دے رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہمارے لشکر کے ایک ازدی شخص نے جو ایک کمین گاہ میں چھپا بیٹھا تھا۔ ایک ایسا وار کیا کہ ان کا داہنا ہاتھ بازو سے کٹ کر زمین پر گر پڑا۔ اس وقت انہوں نے بڑی پھرتی کے ساتھ مشک اور علم کو بائیں ہاتھ سے سنبھالا اور جنگ کو جاری رکھا۔ اور پوری بہادری سے کثیر افراد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

اے عبداللہ ہماری تمام تر سعی اب یہ تھی کہ پانی خیمہ حسین میں پہنچنے نہ پائے۔ چنانچہ ہم سب اسی سعی میں ہیں۔

ناگاہ مجھے موقع مل گیا اور میں ان کے قریب جا پہنچا اور نیزے کا ایک وار ایسا کیا کہ مشکیزہ چھد گیا، مشکیزہ کو چھید کر میں اس مقام سے دور ہو جانا چاہتا تھا کہ حضرت عباس نے مجھ پر حملہ کر دیا میں نے اس کے جواب میں ایک ایسا وار کیا۔ کہ ان کا بایاں ہاتھ گٹے سے کٹ گیا۔ اور ایک شخص نے بڑھ کر گرز آہنی سے ان کے سر کو شگافتہ کر دیا۔ دریں حالات وہ گھوڑے سے زمین کی طرف چلے اور انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو آواز دی۔

عباس بن علی کی آواز سن کر امام حسین علیہ السلام ان کی طرف "عقاب کے تیز پر" کی طرح نہایت سُرعت سے پہنچے۔ راستے میں جو لوگ حائل تھے ان کو حملہ شمشیر سے دُور کیا۔ اور وہاں پہنچ کر عباس بن علی کی حالت ملاحظہ کی تو آپ رو پڑے۔

اے عبداللہ انہوں نے حضرت عباس کو اس حال میں دیکھا کہ اُن کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے تھے۔ اور ان کا سر شگافتہ تھا۔ اور ان کا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے تھا۔ صدائے گریہ و نالہ اتش بلند شد، یہ دیکھ کر آپ کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی اور آپ رونے لگے۔ پھر امام حسین زمین پر بیٹھ گئے اور انہوں نے اپنے بھائی کا سر اپنے زانو پر رکھا۔ اور ان کے چہرے کو خون سے صاف کیا پھر دونوں بھائیوں میں کچھ گفتگو ہوئی۔

جب امام حسین علیہ السلام کے زانو پہ روح عباس پرواز کر گئی۔ تو وہ اُٹھے اور انہوں نے ہمارے لشکر پر بھرپور حملہ کیا، اور تہس نہس کر ڈالا۔ ہم لوگوں نے پورا مقابلہ کیا۔ لیکن آخر میں شکست کھا کر ہم سب بھاگ نکلے۔ اس کے بعد وہ نہر فرات کے قریب گئے۔ ہم نے یہ سوچتے ہوئے کہ کہیں پانی

نہ پی لیں۔ ان سے پکار کر کہا۔ کہ آپ پانی پینا چاہتے ہیں اور لشکر خیمہ میں گھس گیا ہے یہ سنتے ہی وہ فوراً خیموں کی طرف دوڑے۔ وہاں پہنچ کر محسوس کیا کہ ہمیں دھوکا دیا گیا ہے۔ عبداللہ اہوازی کہتے ہیں کہ میں نے جب اس واقعہ کو سنا۔ خون پھڑپھڑانے لگا۔ اور مجھے اس قدر رنج پہنچا کہ میں اپنے قابو سے باہر ہو گیا۔ اس کے فوراً بعد میں نے یہ کیا کہ اُسے ایک دوسرے مکان میں لے جا کر ٹھہرایا اور کہا کہ اس جگہ بیٹھ میں آتا ہوں یہ کہہ کر باہر آیا اور ایک دوسرے دروازے سے اپنی شمشیر لے کر داخل ہوا۔ اس نے جب شمشیر برہنہ میرے ہاتھ میں دیکھی تو کہنے لگا کہ مہمان کے ساتھ کیا یہ سلوک مناسب ہے۔ میں نے کہا کہ امام حسین بھی تو خود نہ گئے تھے ان کو بھی مہمان ہی تم لوگوں نے بُلایا تھا پھر ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا وہی مناسب تھا جو تم لوگوں نے انہیں مہمان بلا کر کیا تھا۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ قتل کے علاوہ اگر کوئی اور سزا ممکن ہوتی تو میں تجھے وہی سزا دیتا یہ کہہ کر میں نے تلوار سے اس کا سر اُڑا دیا۔ اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس کی لاش نذر آتش کر کے اس کی خاک ہوا میں اُڑا دی۔ کتاب دارالسلام طبع ایران و کتاب زندگی شہادت ابوالفضل ص۵۳ طبع ایران)

حضرت عباسؑ کے چلّو میں پانی لے کر نہر میں پھینک دینے کی ایک اور وجہ

کتاب ہذا کے گذشتہ صفحات میں اپنے موقع پر اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ حضرت عباس نے چلّو میں پانی لے کر اس لیے نہر میں پھینک دیا تھا کہ انہیں اہل حرم کی پیاس یاد آ گئی تھی۔ نیز یہ بھی لکھا گیا ہے کہ آپ نے پانی پینے کے لیے چلو میں نہیں لیا تھا بلکہ اس لیے لیا تھا کہ دشمن کو دکھا دیں کہ تمہارے گہرے پہرے کے باوجود پانی ہماری مٹھی میں ہے لیکن ہم اس لیے نہیں پیتے کہ امام حسینؑ کے اہل حرم پیاسے ہیں۔ اس مقام پر علامہ عبدالرزاق مقرم (نجف اشرف) نے ایک اور وجہ لکھی ہے۔ وہ بحوالہ نقد الذہبیہ جلد ا صنا تحریر فرماتے ہیں)

ان امیرالمومنین علیہ السلام دعا العباس وضمہ الیہ وقبل بین عینیہ واخذ علیہ العھد اذا ملك الماء یوم الطف ان لا یذوق منہ قطرۃ واخوہ الحسینی عطشان ؎

وللمرتضیٰ وصی الیہ فی بنہ

(ایک دفعہ) حضرت علی علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت عباس کو بلا کر اپنے سینے سے لگایا اور ان کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ پھر ان سے اس امر کا عہد لیا کہ جب کربلا میں پانی پر تمہارا قبضہ ہو، تو تم ایسی حالت میں جبکہ حسین پیاسے ہوں پانی نہ پینا ؎

ترجمہ۔ حضرت علی نے اپنے بیٹے کو یہ وصیت کر دی،

وھیبۃ صدقہ عن ان یشربا — تھی کہ تم نہر فرات میں پہنچ کر بھی محض اس لیے
قمر بنی ہاشم صہ ۴۹ طبع نجف اشرف — کہ امام حسین اور ان کے اطفال پیاسے ہیں، پانی
نہ پینا۔

حضرت عباس کی قبر کو بوسہ دینے کا جواز

حضرت عباس علیہ السلام کی جلالت قدر کا تقاضہ ہے کہ جس طرح ارباب عصمت کی قبر کا بوسہ لیا جاتا ہے اسی طرح ان کی قبر کو بھی چوما جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے آپ کی قبر کو بوسہ دینے کا حوالہ ان کی زیارت کے سلسلہ میں دیا ہے وہ ارشاد فرماتے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت سے فراغت کے بعد زائر کو چاہیئے کہ حضرت عباس کی طرف جائے اور کہے السلام علیک ایھا الولی الخ ثم تنکب علی القبر وتقبلہ پھر قبر پر اپنے کو گرا دے اور اسے بوسہ دے۔ اس کے بعد بابی وامی یا ناصر دین اللہ السلام علیک یابن امیر المومنین السلام علیک یا ناصر الحسینی الصدیق السلام علیک یا شہید بن الشہید السلام علیک، السلام علیک منی ابداً مابقیت وصلی اللہ علی محمد والہ وسلم ترجمہ (میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اے دین خدا کے مددگار۔ اے علی بن ابی طالب کے فرزند آپ پر میرا سلام ہو اے حسین مظلوم کے مددگار آپ پر میرا سلام ہو۔ اے شہید بن شہید آپ پر میرا سلام ہو۔ اے عباس بن علی آپ پر میری طرف سے اس وقت تک سلام پہنچتا رہے جب تک میں زندہ رہوں (مزار البحار صہ ۱۸)

مذکورہ زیارت کے فقرے سے واضح ہو گیا ہے کہ حضرت عباس کے قبر کی تقبیل جائز ہے اور اسے شرعی حیثیت حاصل ہے اس کی مزید تائید کے لیے علامہ شیخ مفید، ابن مشہدی اور ابن طاؤس کے مزار کی کتابیں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ انہوں نے اپنی اپنی کتابوں میں حضرت عباس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ روضہ اقدس کے حرم میں داخل ہوتے وقت دعا اذن پڑھے۔ اور قبر پر اپنے کو گرا دے۔ اور اس کے بعد کہے۔ السلام علیک ایھا العبد الصالح الخ یعنی زیارت پڑھے۔

ناچیز مؤلف کتاب کہتا ہے کہ میں ماہ مئی ۱۹۶۵ء میں جب زیارات کے لیے گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ بارہویں صدی کے مجدد مذہب حضرت آقا محمد باقر بہبہانی جس طرح حرم حضرت امام حسین علیہ السلام میں داخل ہونے کے وقت بھی ڈیوڑھی کا بوسہ دیتے تھے۔ میرے نزدیک اتنے جلیل القدر عالم دین کا عمل جواز تقبیل قبر حضرت عباس کی تصدیق کے لیے کافی ہے۔

روضوں کی تعمیر کے جواز کے متعلق

حضرت علی علیہ السلام کے ایک فرزند کا نام عثمان تھا جو جنگ کربلا میں اسلام کے کام آئے۔ آپ نے اپنے اس فرزند کا نام عثمان اپنے بھائی عثمان بن مظعون کے نام پر رکھا تھا۔

علامہ سمہودی اپنی کتاب تاریخ مدینہ کی جلد ۲ کے صـ۸۵ پر لکھتے ہیں کہ جب جناب عثمان بن مظعون کا انتقال ہوا۔ تو انہیں دفن کرنے کے بعد حضرت رسول کریمؐ نے ان کے قبر کے سرہانے ایک پتھر گاڑ دیا۔ تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ آپ اس جگہ مدفون ہیں۔

یہ عجیب و غریب بات ہے کہ رسول کریمؐ کی وفات ظاہریہ کے بعد جب بنی امیہ کا خروج ہوا تو مروان نے عثمان بن عفان کے انتقال کے بعد اس پتھر کو کھود کر ان کی قبر پر نصب کر دیا۔ اگرچہ اس کے عمل سے اس عمل پر بنی امیہ خود چیخ اٹھے اور انہوں نے کہا کہ رسولؐ کا نصب کیا ہوا پتھر کیوں اٹھایا گیا۔ اسے پھر اپنی جگہ پر پہنچانا چاہیے۔ لیکن مروان نے کسی کی ایک نہ سُنی اور عثمان بن مظعون کی قبر کا پتھر عثمان بن عفان ہی کی قبر پر نصب رہنے دیا۔

حضرت عباس علیہ السلام کی زیارت کا استحباب

حضرت عباس علیہ السلام کی جلالت قدر مسلم ہے۔ ان کی زیارت دیگر ائمہ طاہرین کی زیارت کا درجہ رکھتی ہے۔ زیارت قبور خاصان خدا کے متعلق حضرت رسول خدا حضرت علی کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ کہ اے علی! خدا نے اپنے اچھے بندوں کے دلوں میں تم لوگوں کی محبت اس طرح ڈال دی ہے کہ وہ تمہاری طرف کھنچتے ہیں۔ اور تمہارے لیے ہر قسم کی ذلت و خواری خوشی سے برداشت کرتے ہیں۔ اور جب دل بھر آتا ہے فیزدرون قبورکم ویکثرون زیارتہا تقرباً منہم الی اللہ تعالیٰ ومودۃ منہم لرسولہ اولئک المخصوصون بشفاعتی الخ تو تمہارے قبروں کی زیارتیں کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ بار بار زیارت کریں اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ کا تقرب حاصل ہو اور میرے لیے تمہاری محبت کا مظاہرہ ہو۔ اے علی! یہی وہ لوگ جن کے لیے میری شفاعت مخصوص ہوگی۔ یہ حوض کوثر پر پہنچیں گے۔ اور جنت میں میری زیارت سے مشرف ہوں گے۔ اے علیؑ جو تم لوگوں کی قبروں کی تعمیر میں حصہ لے وہ بالکل ایسا ہے جیسے اس نے تعمیر بیت المقدس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی مدد کی۔

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں۔ کہ کچھ ایسے گندی فطرت کے لوگ بھی دنیا میں ہوں گے جو تم لوگوں کی زیارت کرنے پر زائرین کا تمسخر کریں گے۔ اور ان پر عیوب لگائیں گے۔ اولئک شرار امتی لا انا

لهم اللہ شفاعتی ایسے لوگ میری امت کے بدترین لوگوں میں سے ہوں گے۔ میری شفاعت سے محروم رہیں گے۔ (قمر بنی ہاشم صفحہ ۱۲۶ بحوالہ فرحۃ الغری ابن طاؤس)

میرا خیال ہے کہ حضرت رسول کریم نے یہ باتیں بطور پیشین گوئی فرمائی تھیں اور انہیں معلوم تھا کہ ایک گروہ مذکورہ قسم کا پیدا ہو گا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس قسم کا گروہ عرصہ دراز سے دنیا میں موجود ہے۔ اور ایسے ناپاک لوگوں کی کتابیں بھی اول ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں۔ وہابیوں کی کتاب تطہیر الجنان جس کے صفحہ ۳ پر اس تعمیر قبور کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ اور جس کا مکمل جواب علامہ محمد جواد مغنیہ نے اپنی کتاب (ھذہ ھی الوھابیہ) طبع بیروت میں دیا ہے۔ اور جواب لکھا ہے۔

حضرت عباس علیہ السلام کی تعداد اولاد کے متعلق

حضرت عباس علیہ السلام کی تعداد اولاد کے متعلق میں نے گذشتہ صفحات میں مفصل بحث کر دی ہے۔ اور واضح طور پر یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ حضرت عباسؑ کے تین فرزند تھے۔ فضل۔ قاسم اور عبید اللہ۔ اول الذکر دو فرزند یوم عاشورا قربان گاہ اسلام پر قربان ہو گئے اور جناب عبید اللہ تنہا باقی رہے ہے۔ اور انہی سے حضرت عباس کی نسل قائم ہوئی۔

میں نے جو کچھ اس کے متعلق لکھا ہے وہ پوری تحقیق سے لکھا ہے اور میرے خیال کے مطابق وہ بالکل درست ہے۔ لیکن زیر نظر کتاب قمر بنی ہاشم میں علامہ عبد الرزاق موسوی مقرم نے آپ کی پانچ اولاد کا حوالہ دیا ہے اور تحریر فرمایا ہے۔ کہ حضرت عباس کے پانچ اولاد تھی۔ عبید اللہ۔ فضل حسن قاسم اور ایک لڑکی۔ الخ (صفحہ ۱۳۳)

میرے نزدیک ان کا یہ تحریر فرمانا درست نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ اولاً تو انہوں نے جو ترتیب قائم کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ سب سے پہلے فضل کا نام لکھنا چاہیے تھا۔ کیوں کہ وہ حضرت عباسؑ کی اکبر اولاد تھے اور انہی کے نام سے ان کی کنیت ابوالفضل قرار پائی تھی۔ ثانیاً حسن کا تذکرہ کسی معتبر کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ ثالثاً جناب مقرم صاحب نے حسن کے نام کا تذکرہ بحوالہ معارف ابن قتیبہ فرمایا ہے۔ حالانکہ معارف ابن قتیبہ میں عبید اللہ کا ذکر ہے حسن کا نہیں ہے اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔ کیونکہ حضرت عباس کی نسل انہی سے بڑھی ہے۔ رابعاً موصوف نے اپنی تحریر میں ایک لڑکی کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن نام نہیں بتایا۔ میرے نزدیک حضرت عباسؑ کے لڑکی تسلیم کرنا نہ صرف خلاف واقع ہے۔ بلکہ غلط نویسوں۔ غلط بیانوں اور

غلط گویوں کی ہمت افزائی ہے۔ میں گزشتہ صفحات میں اس کی حقیقت واضح کر چکا ہوں اور بتا چکا ہوں کہ یہ بالکل غلط ہے اور اپنی تائید میں علامہ محمد باقر قائنی خراسانی کی تحریر بھی پیش کر چکا ہوں انہوں نے لکھا ہے کہ یہ مرثیہ خانوں کی پہنچ ہے اور مہمل ہے میں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ شیخ نقوی نے حضرت عباس کی نسل کے بڑھنے کے سلسلے میں جو حسن بن عباس کا ذکر کیا ہے قمر بنی ہاشم ص۱۳۵ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کسی ایک مورخ نے بھی حضرت عباس کے حسن نامی فرزند کو تسلیم نہیں کیا ہے اور نہ عبیداللہ کے علاوہ کسی فرزند سے حضرت عباس کی نسل بڑھنے کو مانا ہے۔

مقام کربلا میں حضرت علی کا خواب اور خطبہ

علامہ شیخ عباس قمی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام جنگ صفین کے لیے کوفہ سے روانہ ہو کر ۲۲ ذی الحجہ ۳۶ھ کو بمقام صفین پہنچے اور یکم صفر کو مشغول بجنگ ہوئے (سفینۃ البحار جلد ۲ ص۲۵) علامہ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں کہ صفین کو جاتے ہوئے جب آپ زمین کربلا پر پہنچے تو پوچھا کہ اس زمین کا کیا نام ہے۔ کہا گیا کربلا۔ یہ سن کر آپ اتنا روئے کہ زمین تر ہو گئی۔ (صواعق محرقہ ص۱۱۱)

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ زمین کربلا پر آپ نے ایک خواب دیکھا اور آپ نے بے پناہ گریہ کیا (کشف الانوار ترجمہ بحار فارسی جلد ۹ ص۱۹۲ کما مرّ)

حضرت علامہ ہادی کشف الغطاء تحریر فرماتے ہیں: لمّا نزل کربلاء وصلّٰی فیھا رفع الیھا من تربتھا فشمھا ثم قال جب امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کربلا پہنچے تو اتر پڑے اور آپ نے نماز ادا فرمائی اور اس کے بعد زمین سے ایک مٹی خاک اٹھا کر اسے سونگھا اس کے بعد ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے:

اے زمین کربلا، تجھ سے ایک ایسی قوم محشور ہو گی۔ جو بلا حساب و کتاب جنت میں داخل ہو گی۔ ایک شخص نے پوچھا مولا وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا وہ آلِ رسول اور ان کے ہمراہی ہوں گے۔

ھھنا مناخ رکابھم ھھنا موضع رجالھم۔ ھھنا مھراق دمائھم کربلا ذات کرب وبلاء۔

اسی جگہ وہ اتریں گے اسی جگہ ان کی سواریوں کی کاٹھیاں اتاری جائیں گی وہ یہیں ٹھہریں گے

۱؎ یہی وجہ ہے شیعہ حضرات جنہیں حضرت علی علیہ السلام کے ارشاد پر یقین کامل ہے کربلا میں دفن ہونے کی تمنا رکھتے ہیں۔ ۱۲

اسی جگہ ان کے خون بہائے جائیں گے۔ اس زمین کا نام کربلا ہے۔ اور یہ کرب و بلا سے بھرپور ہے۔ (مستدرک نہج البلاغۃ ص۸۷ طبع بیروت)

حضرت عباس کے دو سالوں کا قتل اور ان کے خوش دامن کا اضطراب

فن تاریخ کے امام علامہ مسعودی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عباسؓ کی بیوی لبابہ بنت عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کی ماں اُم حکیم جویریہ بنت خالد ابن قرظ کنانیہ تھیں۔ کانت من اجمل النساء واوفرھن عقلاً جو کہ نہایت حسین اور عاقل تھیں۔

ام حکیم جنہیں حضرت عباسؓ کی خوش دامن ہونے کا بھی شرف حاصل تھا۔ ان کے دو بیٹوں عبدالرحمن اور قثم کو بسر بن ارطاۃ نے کمسنی کے عالم میں اس طرح قتل کیا کہ وہ اپنے بیٹوں کو قتل ہوتے دیکھ رہی تھیں۔

بچوں کو قتل ہوتے دیکھ کر ان کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا واخذ ھا الوجد فکانت تدور فی البیت ناشرۃ شعرھا اور وہ بے قابو ہوگئیں اور ان کی حالت یہ ہوگئی کہ وہ بال بکھرائے ہوئے گھر میں دوڑتی پھرتی تھیں۔ اور انتہائی پریشانی کی حالت میں مرثیہ پڑھ رہی تھیں جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

یا من احسّ بابنی اللذین ھما

کالدرتین تشظی عنھما الصدف

اُم حکیم کے اشعار کو سن کر ایک یمن کا راہگیر تڑپ گیا اور اس نے بسر بن ارطاۃ کی تلاش شروع کر دی۔ بالآخر اس کا سراغ مل گیا۔ پھر اس نے بسر کے لڑکوں کو ڈھونڈا جب وہ مل گئے تو وہ یمنی، اس کے دو لڑکوں کو وادی اوطاس میں قتل کر کے بھاگ گیا (مروج الذہب مسعودی جلد ۲ ص۲۹ واغانی جلد ۱۵ ص۴۵)

حضرت علی علیہ السلام کو جب بسر بن ارطاۃ کی جانگداز حرکت کی اطلاع ملی تو آپ نے اسے بددعا کی۔ اور فرمایا اللھم اسلبہ دینہ وعقلہ۔ خدایا! اس کے دین اور عقل کو سلب کر لے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ پاگل ہو کر ناگفتہ بہ حرکات کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ۸۶ھ میں جبکہ ولید بن عبدالملک بادشاہ تھا واصل جہنم ہوا۔

(مروج الذہب جلد ۲ ص۱۵۵)

روضہ حضرت عباس علیہ السلام کے خدام

خانہ کعبہ ہو، یا روضۂ رسول، حرم امیر المومنین ہو، یا روضہ امام حسین، آئمہ طاہرین کے روضے ہوں۔ یا روضہ حضرت عباس علیہ السلام اُن کے خدام بڑی عظمت و عزت کے مالک ہوتے ہیں، ان کے درجات ارباب نظر کی نگاہ میں بہت بلندی رکھتے ہیں۔ خدام عموماً علماء اور زہاد میں سے ہوا کرتے ہیں ۔ مقامات مقدسہ کے خدام قدیم الایام سے فرائض خدمت یکے بعد دیگرے ادا کرتے چلے آتے ہیں۔ حضرت عباس علیہ السلام کے روضہ مبارک کے خدام کے متعلق حضرت علامہ عبد الرزاق موسوی مقرم نے اپنی کتاب قمر بنی ہاشم میں ایک باب قرار دے کر کافی تفصیل سے لکھا ہے۔ میں اس مقام پر اس کا خلاصہ تحریر کرتا ہوں۔

وہ معزز اور شرفا جو حضرت عباس علیہ السلام کے روضے کی خدمت کا شرف حاصل کرتے چلے آئے ہیں، ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جناب محمد بن نعمت اللہ	۱۰۲۵ سے ۱۰۹۱ء تک
۲۔ جناب شیخ حمزہ	۱۰۹۱ء سے ۱۱۰۸ء تک
۳۔ جناب شیخ احمد	۱۱۰۸ء سے ۱۱۸۷ء تک
۴۔ جناب شیخ عبد الرسول	۱۱۸۷ء سے ۱۲۲۲ء تک
۵۔ جناب عبد الجلیل	۱۲۲۲ء سے ۱۲۲۴ء تک
۶۔ جناب سید محمد علی بن درویش	۱۲۲۴ء سے ۱۲۲۹ء تک
۷۔ جناب سید ثابت ابن درویش	۱۲۲۹ء سے ۱۲۳۸ء تک
۸۔ جناب سید وہاب ابن سید محمد علی	یہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضے کے بھی خادم تھے۔
۹۔ جناب سید محمد بن جعفر بن مصطفیٰ	۱۲۵۰ء سے ۱۲۵۱ء تک
۱۰۔ جناب السید حسین بن حسن بن محمد	۱۲۵۱ء سے ۱۲۶۵ء تک
۱۱۔ جناب السید حمید بن ثابت	۱۲۶۵ء
۱۲۔ جناب السید حسین عرف نائب التولیہ	
۱۳۔ جناب السید حسین بن محمد بن مصطفیٰ	۱۲۸۶ء سے ۱۲۸۸ء تک
۱۴۔ جناب سید مصطفیٰ نبیرہ سید حسین	۱۲۸۹ سے ۱۲۹۷ تک

۱۵۔ جناب سید محمد مہدی بن محمد کاظم — ۱۲۹۷ھ سے ۱۲۹۸ھ تک
۱۶۔ جناب سید مرتضیٰ نبیرہ سید مصطفےٰ — ۱۲۹۸ھ سے ۱۳۵۷ھ تک
۱۷۔ جناب سید محمد حسن ابن سید مرتضیٰ — ۱۳۵۷ھ

(قمر بنی ہاشم صد ۱۲۹ بحوالہ کتاب مدینۃ الحسین و مختصر تاریخ کربلا طبع بغداد ۱۳۶۷ھ)

حضرت عباس علیہ السلام میں حضرت علیؑ کے طور طریقے

حضرت عباس کا طور و طریقہ وہی تھا جو حضرت علی علیہ السلام کا تھا۔ وہ رسول کریم کے مددگار تھے۔ یہ فرزند رسول امام حسین علیہ السلام کے مددگار رہے۔ وہ فقراء و مساکین کو رات کے وقت اپنی پشت پر لاد کر اجناس پہنچایا کرتے تھے۔ یہ بھی امام حسین علیہ السلام کی طرح فقراء و مساکین کو غذا پہنچایا کرتے تھے۔ نیز جس طرح حضرت رسول تک پہنچنے کے لیے حضرت علی علیہ السلام سے وسیلہ ضروری تھا۔ اسی طرح امام حسینؑ تک پہنچنے کے لیے حضرت عباس کے وسیلہ کی ضرورت ہے۔ جس طرح حضرت علی باب الحوائج تھے۔ اسی طرح حضرت عباس باب الحوائج تھے۔ (کتاب زندگی حضرت عباس علیہ السلام صد ۱۵)

حضرت عباس کی اہم مصیبت اور ایک خواب

کتاب تظلم الزہراء صد ۱۲۰ میں ہے کہ جب حکیم بن طفیل نے حضرت عباس علیہ السلام کا بایاں ہاتھ قطع کر دیا تو آپ نے علم کو سینے سے لگا لیا۔ اسے لکھنے کے بعد مصنف بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عالم جلیل القدر علامہ شیخ کاظم سبیتی نے فرمایا ہے کہ:

"ایک عالم دین میرے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے انا رسول العباس الیک میں حضرت عباس کا سفیر ہوں۔ آپ کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ میں نے پوچھا کیا پیغام لائے ہیں۔ فرمایا کہ مجھ سے حضرت عباس علیہ السلام نے خواب میں فرمایا کہ میں آپ سے یہ کہہ دوں کہ آپ حضرت عباس کے مصائب نہیں پڑھتے"

اس کے بعد اس عالم سفیر نے کہا کہ

"میں نے حضرت عباس علیہ السلام کے فرمانے پر عرض کی حضور! میں تو ان کی مجالس میں اکثر شریک ہوا ہوں۔ اور بارہا حضور کے مصائب بیان کرتے ہوئے ان کو سنا ہے۔ فرمایا یہ ٹھیک ہے لیکن وہ میری یہ عظیم مصیبت نہیں بیان کرتے:

ان الفارس اذا سقط من فرسہٖ یتلقی الارض بیدہٖ فاذا کانت

السهام فی صدرہ و یداہ مقطوعتین بماذا یتلقی الارض

ترجمہ: (جب کوئی سوار زخموں کی تاب نہ لاکر) اپنے گھوڑے سے زمین کی طرف گرتا ہے تو زمین پر پہنچنے میں اپنے ہاتھ کا سہارہ لیتا ہے۔ لیکن وہ مظلوم کیا کرے۔ جس کے سینے میں تیر چُھبے ہوں اور دونوں ہاتھ کٹے ہوں وُہ زمیں پر گرتے وقت کس چیز کا سہارہ لے سکتا ہے۔

اس خواب سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عباس نے گھوڑے سے گرتے وقت اپنے کو ہاتھوں کے سہارے سے محروم پاکر بے انتہا صدمہ برداشت کیا ہے۔ اور اس مصیبت کو علیؑ کے شیر نے بہت زیادہ محسوس کیا ہے۔

حضرت عباس علیہ السلام کی آخری تمنّا

علامہ احسان تہرانی لکھتے ہیں: کہ حضرت عباس، جب گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے۔ تو آواز دی مولا! خبر لیجئے" حضرت امام حسین علیہ السلام جب افتاں وخیزاں حضرت عباسؑ کے پاس پہنچے تو دیکھا کر جوان بھائی ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ اور رمق جان باقی ہے۔ امام حسین علیہ السلام زمین پر بیٹھ گئے اور حضرت عباس کا سر اٹھا کر اپنے زانو پر رکھا۔ حضرت عباس نے عرض کی۔ میرے آقا میرے آنکھوں سے خون صاف فرمایئے" تاکہ حضورؑ کی شکل آخری بار دیکھ لوں؛ بھائیؑ کی شکل دیکھنے کے بعد حضرت عباس نے درخواست کی کہ میری لاش خیمہ میں نہ لے جایئے گا۔ کیوں کہ میں اہل حرم سے پانی لانے کا وعدہ کرکے آیا تھا۔ اب مجھے شرمساری ہوگی۔ (زندگی حضرت عباس ص۱۵ طبع ایران)

کتاب بطلۃ کربلا کی ایک عبارت پر تبصرہ

ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی نے اپنی کتاب بطلۃ کربلا مطبوعہ بیروت کے ص۱۱۵ پر حضرت امام حسین علیہ السلام کے ان اشعار کو پڑھنے کا حوالہ شب عاشور دیا ہے۔ جن کا ایک شعر یہ ہے۔

یا دھر اف لک من خلیل

کم لک بالاشراق والاصیل

ان اشعار کے پڑھنے کے بعد خیمہ میں کہرام برپا ہوگیا۔ اور حضرت زینبؑ اپنا منہ پیٹنے لگیں یہاں تک کہ بے ہوش ہوگئیں۔ حضرت زینبؑ کے بے ہوش ہوجانے پر فصب علی وجھھا الماء

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیے تب انہیں ہوش آیا۔ الخ
کتاب کی مصنفہ نے واقعہ صحیح لکھا ہے لیکن وہ یہ نہیں سمجھ سکیں کہ یہ واقعہ ہے کس تاریخ کا۔

میں گزشتہ صفحات میں ابوالکلام آزاد کی کتاب (انسانیت موت کے دروازے پر) کے معنی پر اظہار خیال کر چکا ہوں۔ اور متعدد کتابوں کے حوالہ سے واضح کر چکا ہوں کہ یہ واقعہ محرم الحرام کی دوسری تاریخ کا ہے۔ شب عاشور کا ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ شب عاشور خیمہ میں قطعاً پانی نہیں تھا پھر ایسی صورت میں امام حسین پانی کہاں سے لاتے اور کیونکر انہوں نے چھینٹا دیا۔

ان دونوں مصنفین نے تاریخ سے الگ ہٹ کر اس واقعہ کو لکھا ہے۔ اور اتفاق سے دونوں غیر شیعہ ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ واقعہ کربلا کی عظمت کو سبک بنانے کے لیے یہ چیز لکھ دی ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ علامہ عبد الرزاق موسوی مقرم نے بھی اپنی کتاب مقتل الحسین کے صفحہ ۲۶۳ پر اس واقعہ کو شب عاشور کے حالات میں لکھا ہے۔ جو کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔ اس واقعہ کے دوسری محرم کے ہونے کی تصدیق کے لیے ملاحظہ ہو۔ (لہوف صہ ۱۰۶۔ اثارۃ الاحزان صہ ۳۶۔ سوانح کنتوری صہ ۱۹۱۔ شہید اعظم صہ ۱۱۱۔ مقتل ابی مخنف صہ ۲۴۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ صہ ۹۳ ینابیع المودۃ صہ ۳۳۹)

حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کی حالت

علامہ عبد الرزاق موسوی مقرم تحریر فرماتے ہیں:

لم یبق الحسین بعد ابی الفضل الا ھیکلا شاخصاً معری عن لوازم الحیاۃ وقد اعرب سلام اللہ علیہ من ھذا الحال بقولہ" الان انکسر ظھری وقلت حیلتی

حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام ایک ایسے ڈھانچہ کی شکل میں ہوگئے تھے۔ جو زندگی کے آثار و لوازم سے خالی ہو۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنی اسی حالت کو ان لفظوں میں ظاہر فرمایا ہے۔ اے بھائی عباس اب میری کمر ٹوٹ گئی۔ اور راہ چارہ مسدود ہوگئی ہے۔ (مقتل الحسین صہ ۳۲۸ طبع نجف ۱۳۹۲ھ)

حضرت عباس علیہ السلام کی علمی حیثیت | مجلسی ثانی علامہ شیخ عباس قمی، سفینۃ البحار

ۛ صفحہ ۱۵۵ میں لکھتے ہیں کہ:

جس طرح محمد بن حنفیہ حضرت علی علیہ السلام کی زندگی ہی میں علم و فضل کے مالک بن گئے تھے۔ اسی طرح حضرت عباس بھی اپنے پدر بزرگوار امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے سامنے ہی علم و فضل کے بلند درجے پر فائز ہو گئے تھے۔

حضرتِ عباسؑ کے روضے کے گنبد کی طلا کاری

حضرت عباس علیہ السلام اپنے روضے کے گنبد کی طلا کاری پر راضی نہ تھے جب کہ سابقہ حالات و واقعات سے ظاہر ہے پھر نہ جانے کیسے راضی ہو گئے تھوڑا زمانہ گذرا ہے کہ وہ سونا جو آپ کے روضے میں جمع ہو گیا تھا اسی سے گنبد کی طلا کاری عمل میں آئی۔ علامہ احسان تہرانی لکھتے ہیں کہ:

آپ کے روضے کے گنبد پر جو سونا چڑھایا گیا ہے۔ اس کی مالیت ایک کروڑ سات لکھ دینار ہے۔ مدت طلا کاری تین ماہ تھی ۱۳۳۵ھ تک گنبد کاشی اینٹوں کا بنا ہوا تھا۔ پھر اسی سنہ میں اس پر سونا چڑھایا گیا تھا۔

(کتاب زندگی و شہادت حضرت عباس صہ۶۹)

حضرت عباسؑ کی زیرِ قیادت پچاس آدمیوں کا نہر فرات پر دوبارہ جانا

حضرت عباس علیہ السلام کے پچاس آدمیوں سمیت نہر فرات پر تشریف لے جانے میں مورخین میں متردد ہیں کوئی لکھتا ہے کہ:

یہ واقعہ شب ہشتم محرم کا ہے کوئی لکھتا ہے کہ یہ واقعہ شب عاشور کا ہے اس لیے میں اس کی وضاحت کرتا ہوں کہ حضرت عباس دوبارہ پچاس بہادروں کو لے کر نہر فرات پر تشریف لے گئے تھے۔ پہلی مرتبہ شب ہشتم کو تشریف لے گئے اور بیس مشکیں بھر کر لائے تھے اخبار الطول ابو حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ صہ۲۵۲) دوسری مرتبہ عاشور کو تشریف لے گئے تھے۔ لیکن اس بار آپ پانی نہیں لا سکے تھے

(تذکرہ خواص الامۃ صہ۱۱۴ طبع ایران)

ان دونوں عظیم واقعات میں جناب نافع بن ہلال بن نافع بن جمل مرادی حضرت عباس

کے ہمراہ تھے شب عاشور کے واقعہ میں آپ کی شہادت کے متعلق علامہ طوسی لکھتے ہیں

"فقتل من طغتہ اصابتہ"

کہ جناب نافعؒ اسی واقعہ طلب آب میں ایک ضرب لگنے سے شہید ہو گئے تھے۔
(رجال طوسی ص۸۰ طبع نجف ۱۳۸۱ھ)

یہ واقعہ حضرت امام حسین کے اس واقعہ کے بعد کا ہے۔ جس میں ان سے حضرت زینبؑ نے فرمایا تھا کہ آپ نے اپنے اصحاب کو جانچ لیا ہے یا نہیں؟ جس کا تذکرہ کتاب ہذا میں گذر چکا ہے۔

حضرت عباس کی شہادت کے بعد امام حسین علیہ السلام کی حیرانی و پریشانی!

حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت عباس کی موجودگی تک بالکل مطمئن تھے۔ اور نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ مصائب برداشت کر رہے تھے۔ ولما قتل العباس التفت الحسین فلم یر احداً ینصرہ الخ لیکن جب حضرت عباس شہید ہو گئے تو آپ کے اطمینان اور سکون میں کمی پیدا ہو گئی اور آپ نے نظر اُٹھا کر داہنے بائیں دیکھا کوئی مددگار نظر نہ آیا۔ اسی دوران میں بچوں اور عورتوں کی چیخ و پکار نے دل و جگر بیکار کر دیئے۔ صاح باعلی صوتہ تو آپ نے باآواز بلند فریاد کرتے ہوئے پکارا۔ ھل من ذاب عن حرم رسول اللہ ہے کوئی جو اہل بیت رسولؐ سے دشمن کو دُور رکھے۔ ھل من موحد یخاف اللہ فینا۔ ہے کوئی اللہ واحد کو ماننے والا جو ہمارے بارے میں اللہ سے خوف کرے۔ ھل من مغیث یرجو اللہ فی اغاثتنا ہے کوئی مدد کرنے والا جو ہماری امداد کے ذریعہ سے خدا کی رحمت کی امید کرنے والا ہو۔ فارتفعت اصوات النساء بالبکاء۔ یہ سُن کر مخدرات عصمت کی جگر سوز صدائیں بلند ہوئیں۔ (مقتل الحسین عبدالرزاق ص۲۴۴ طبع نجف اشرف ۱۳۸۳ھ

---

[1] اکثر علماء نے اس واقعہ میں نافع بن ہلال بن نافع تحریر کیا ہے اور زیارت ناحیہ میں بھی یہی ہے (مطلوب الزائرین ص۲۴۶ طبع تہران ۱۳۷۲ھ لیکن صاحب دمعہ ساکبہ نے اس واقعہ کو ہلال بن نافع سے متعلق بتایا ہے ۱۲ منہ

مشکل کشاء عالم حضرت علی علیہ السلام ہی کی طرح حضرت عباس بھی مدد کو پہنچتے ہیں

یوں تو مظہر العجائب والغرائب حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام و حدیث قدسی اپنے وجود ظاہری سے پہلے انبیاء کرام کی امداد فرمایا کرتے تھے۔ سلمان فارسی کو دشت ارژن میں شیر کے چنگل سے بچایا اور وجود ظاہری کے بعد نہ صرف حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امداد فرماتے رہے بلکہ ان کے بعد عہد خلیفہ اوّل میں اسلام کی مدد کی۔ عہد خلیفہ دوم میں اسلام کی مدد کی، عہد خلیفہ سوم میں اسلام کی مدد کی۔ اور اپنے عہد خلافت ظاہری میں اسلام کو پروان چڑھانے کی پوری سعی کرتے رہے۔ پھر جب ظاہری طور پر لباس حیات اتار کر نظروں سے پوشیدہ ہو گئے۔ اس وقت سے اب تک ہر پکارنے والے کی بروقت امداد فرماتے ہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ مدد کے لیے پکارنے والا موالی ہے یا مخالف۔ اپنا ہے یا پرایا۔ وہ سب کی امداد فرماتے ہیں۔ پاکستان و ہندوستان کی جنگ ۱۹۶۵ء میں انہوں نے جس انداز سے امداد کی اسے معرکہ دمعہ جانتا ہے۔ میں اس وقت ان کے تمام کارناموں سے قطع نظر صرف دو ایسے واقعات کو مختصر الفاظ میں قلم بند کرتا ہوں۔ جن میں سے ایک خود مجھ سے متعلق ہے اور دوسرا میرے فرزند شہزادہ سید ظفر الحسن سے تعلق رکھتا ہے۔ ۱۹۶۱ء ۱۱ مئی کا واقعہ ہے کہ میں لاہور وارد ہوا۔ میرے دوست عبد الجلیل مالک دری فیکٹری بھاٹی گیٹ نے خواہش کی کہ میں ان کے ہاں ایک شبانہ روز قیام کروں۔ چنانچہ میں قیام پذیر ہو گیا۔ ۱۱ مئی کی صبح کو میں سید ہاشم رضا چیف سٹلمنٹ کمشنر سے اسمبلی ہال میں ملا تو انہوں نے قیام گاہ معلوم کر کے مجھے فرمایا کہ آپ تو بارود خانے میں مقیم ہیں پھر سید اختر حسین صاحب زیدی ملنے کو آئے تھے اور انہوں نے دری فیکٹری کی پوزیشن دیکھی۔ تو کہا کہ آپ تو بارود خانے میں قیام پذیر ہیں۔ میں نے ان حضرات سے کہا کہ مجھے تو صرف ایک شبانہ روز ہی قیام کرنا ہے۔ غرضیکہ اسی دن ساڑھے بارہ بجے جلیل نے کہا کہ کھانا تیار ہے کھالیں۔ میں نے کہا کہ مجھے ابھی بھوک نہیں ہے میں نماز پڑھ کر سو جاؤں گا۔ پھر دو بجے کھانا کھاؤں گا۔ یہ کہہ کر میں پھوس کے اس برآمدہ کے نیچے وضو کرنے کے لیے بیٹھ گیا جس میں میرا بستر بچھا ہوا تھا۔ وضو کر ہی رہا تھا کہ دفعۃً میرے بائیں رخسار پر تیز گرمی محسوس ہوئی۔ میں نے جو اس کی طرف نگاہ کی، تو ایک پچاس گز کے مربع پھوس کے چھپر سے فلک برس شعلہ دکھائی دیا۔ میں وضو کے مقام کو چھوڑ کر اس مقام سے

باہر نکل آیا۔ اور میں نے لوگوں کو آواز دی۔ کہ آگ لگی ہے۔ لوگ دوڑ پڑے۔ آواز دینے کے بعد میں نے یہ سوچ کر کہ تین گز کی مربع کوٹھڑی سے جس میں میرا سامان رکھا ہوا تھا اور جس میں دریاں بنی ہوئی رکھی تھیں اور جو پھوس کے کئی مربع پچاس گز کے چھپروں کے درمیان واقع تھی۔ قرآن مجید اور روپے ایک منٹ کے اندر نکال لوں اس کوٹھڑی میں داخل ہوا۔ ابھی میں نے قرآن مجید کو ہاتھ ہی لگایا تھا کہ تیز ہوا کی مدد سے آگ کوٹھڑی کے اندر داخل ہو گئی۔ اور جس طرح کل میدان جو تقریباً دوسو مربع گز تھا اور پھوس کے چھپروں سے گھرا ہوا تھا جل رہا تھا۔ کوٹھڑی بھی جلنے لگی۔ دروازہ جلنے لگا۔ چوکھٹ جلنے لگی۔ اندر جو دریاں رکھی تھیں جلنے لگیں۔ اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے میں آگ کے سمندر میں ہوں۔ اب میں نے بڑی پھرتی سے باہر نکلنے کی سعی کی۔ جیسے ہی باہر نکلنا چاہا۔ ویسے ہی دروازے کے اوپر جو چھپر تقریباً بیس گز کا تھا۔ اس میں آگ لگی ہوئی تھی۔ دفعتہً گر پڑا۔ اور دروازہ بند ہو گیا۔ چھپر اور دروازہ کے درمیان جو تھوڑی سی جگہ کھلی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے آواز دی کہ "مجھے بچاؤ میں جلا جا رہا ہوں۔"

میری آواز معلوم نہیں باہر پہنچتی تھی یا نہیں۔ لیکن میں بچشم خود دیکھ رہا تھا کہ پچاس آدمی آگے بڑھ کر چھپر کو کھینچنے اور میرے نکلنے کا راستہ بنانے کی سعی کرتے ہیں۔ لیکن شعلوں کی تپش سے عاجز آکر بھاگ جاتے ہیں۔ میں نے انہیں عاجز دیکھ کر ارادہ کیا کہ جلتے ہوئے چھپر پر چڑھ کر دوڑ کے نکل جاؤں۔ لیکن پھر خیال آیا کہ چھپر جل رہا ہے۔ اگر میں اس پر چڑھوں گا تو اس میں گھس جاؤں گا اور جل کر راکھ ہو جاؤں گا۔

ابھی تک میرے حواس درست تھے اور میں بے ہراس نہ تھا۔ گھبراہٹ مطلق نہ تھی۔ لیکن جب باہر نکلنے کی ہر صورت سے مایوسی کا نقشہ سامنے آیا اور موت نزدیک آپہنچی اور ہر جانب سے مایوسی نے گھیر لیا اور میں نے اپنے جل کر ہلاک ہو جانے کا یقین کر لیا تو میرے منہ سے پوری یاس کے ساتھ یہ جملہ نکلا

"مولا! اب تم بھی نہ بچاؤ گے۔"

ان الفاظ کا زبان پر جاری ہونا تھا کہ میرے بائیں کان میں نہایت تیز یہ آواز آئی۔

"بیٹھ کر نکل۔"

میں فوراً بیٹھ گیا تو میں نے دیکھا۔ کہ جلتے ہوئے چھپر کے نیچے راستہ ہے میں اس راستے

سے بیٹھے بیٹھے باہر نکل آیا۔ لوگوں نے دوڑ کر مجھے پکڑ لیا۔ میں نے کہا کہ میرے سارے جسم میں آگ لگی ہے۔ اسے بجھاؤ۔ لیکن یہ مولا کا کرم تھا کہ میرا ایک بال بھی نہ جلا۔ الخ

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ فرزندم شہزادہ سید ظفر الحسن جو کہ بی اے فائنل کے طالب علم ہیں۔ ۲۹، ۳۰ ۱۹۶۹ء کی درمیانی شب کو پشاور سے راولپنڈی گئے۔ پھر وہاں سے چوبیس گھنٹے کے لیے لاہور پہنچے۔ وحدت کالونی سے رات کو ساڑھے گیارہ بجے شہر آ رہے تھے کہ راستہ میں ان کا رکشا جس پر وہ سوار تھے، اور پوری رفتار سے چل رہا تھا۔ ایک بیل گاڑی کے پیچھے گھس گیا۔ جب ٹکر لگی تو فرزندم نے باآواز بلند کہا یا علیؑ ڈرائیور اسی وقت مر گیا اور مولا نے ان کی جان بچا دی۔

حضرت عباسؑ چونکہ مشکل کشا کے چشم و چراغ تھے۔ لہذا ان میں بھی مشکل کشائی کی صفت موجود تھی۔ جس طرح حضرت علی علیہ السلام ہر پکارنے والے کی مدد کو ہر وقت پہنچ جایا کرتے تھے وہ بھی ہر پکارنے والے کی مدد کے لیے بر وقت پہنچتے ہیں اور حیرت انگیز طریقے سے امداد فرماتے ہیں۔ مثال کے لیے ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

کراری ضلع الہ آباد یوپی بھارت، سادات کی ایک مشہور بستی ہے۔ اسے عہد دیرینہ میں سید حسام الدین نے جو کہ جناب امام محمد تقی علیہ السلام ابن حضرت امام علی الرضا علیہ السلام کی اولاد سے تھے، ۳۱۱ھ میں جنگل کاٹ کر آباد کیا تھا۔ سید حسام الدین صوبہ متھرا کے گورنر تھے پھر کمانڈر انچیف مقرر ہوئے تھے۔ اسی دوران میں ریاست کو سمجھ کر فتح کر کے واپس الہ آباد جاتے ہوئے کراری کو آباد کیا تھا۔ ان کی تقریباً تمام اولاد ہمیشہ زمیندار رہی ہے۔ علم و فضل اور شجاعت و سخاوت ان کی نسل کا خاصہ ہے۔ ان کی اولاد میں سید اعظم علی بھی گذرے ہیں جو صوبہ مونگیر کے گورنر تھے۔ اور علامہ قاری سید امیر حسین بھی تھے۔ جو عہد ملکہ وکٹوریہ میں عہدہ قضا پر فائز تھے۔ یہ دونوں حضرات مؤلف کتاب کے اجداد میں سے تھے۔ سید حسام الدین کی اولاد کو خدا نے وہ عروج عطا کیا تھا کہ جو کم کسی بستی کے باشندوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اس بستی میں سادات کے علاوہ دیگر مسلمانوں اور ہندوؤں کی اب بڑی تعداد آباد ہے لیکن خدا کے فضل سے سید صاحب کی اولاد سب پر ہمیشہ چھائی رہی ہے۔ یہاں غیر سید و غیر شیعہ کبھی زمیندار نہ تھا۔ مسلمانوں کی تقریباً ساری آبادی انہی سادات کی خدمت گار کی حیثیت سے ہمیشہ رہی ہے۔ لیکن بعد میں کچھ زمیندار بھی بن گئے تھے۔ جس کی بنا پر ان کے ملاؤں نے بھی سر اٹھا

لیا تھا۔ اور فسادات کی ایسی کیفیت پیدا کر دیتے تھے کہ اکثر بلوے کے آثار پیدا ہو جاتے تھے اسی کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۲۳ء میں ایک عظیم بلوہ ہو گیا۔ (ملاحظہ ہو۔ کتاب روئداد بلوہ کراری ۱۹۲۳ء مصنفہ سید ریاض حسین مرحوم قلمی)

اس بلوے کے پس منظر کے سلسلہ میں فخر ملت عالیجناب سید ارتضیٰ حسین صاحب سابق ناظم شیعہ مشن پرگنہ کراری ضلع الہ آباد تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۹۲۱ء میں جبکہ خلافت کمیٹی کا زور تھا ذمہ داران خلافت کمیٹی الہ آباد نے چاہا کہ شیعیانِ کراری کو اپنے میں جذب کر لیں۔ لیکن شیعہ کلیتہً اس سے علیحدہ رہے اور ان کی تمام ترغیبوں اور ترکیبوں کے باوجود وہ ان میں شامل نہ ہوئے۔ جس کے ردعمل میں انہوں نے شیعہ سُنی فساد کرانا ضروری سمجھا اور اس کے لیے انہوں نے تبرا کو بہانہ قرار دے کر بلوہ کرانے کی سعی کی۔ لیکن اس زمانہ میں محسن علی سب انسپکٹر (سنی مذہب) جو کہ تھانہ منجھن پور میں تعینات تھے بغرض انتظام کراری تشریف لائے۔ اور واپسی پر جا کر انہوں نے جنرل ڈائری میں رپورٹ درج کی کہ

> کراری کے سُنی شیعہ میں کشیدگی ہے اور کچھ اہلسنت انہیں آپس میں لڑانا چاہتے ہیں۔ میں نے اپنی حکمت عملی سے امسال فساد نہیں ہونے دیا تاہم کنجڑوں اور جولاہوں نے جو اپنا تعزیہ شیعوں کے ساتھ مل کرلے جاتے تھے امسال نہیں لے گئے، نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ سال حالات کیا رہیں گے یہ سچ ہے کہ شیعوں کے گلی کوچہ میں تبرا[1] کہنے کی وجہ سے سنیوں کی دل آزاری ہوتی ہے۔ لیکن یہ امر بھی قطعی اور یقینی ہے کہ یہ عمل قدیم الایام سے جاری ہے۔

محسن علی کے تبدیل ہونے کے بعد گنگا دھر راؤ انسپکٹر اور باد رام سنگھ سب انسپکٹر تعینات ہوئے۔ ان حضرات نے گاؤں کے چند پاسیوں کا دفعہ ۱۱۰ میں چالان کر کے شیعوں سے گواہی چاہی۔ شیعوں کے مسلمہ لیڈر جناب سید مظاہر حسین صاحب امیر صدر نے شیعہ گواہ گذارنے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے وہ جل بھن گئے اور انہوں نے کہا کہ اب ہم جو کچھ کریں اس کی شکایت نہ کیجیے گا۔

---

[1] تبرا سے مراد دشمنان آل محمدؐ اور قاتلان حسینؑ سے اظہار بیزاری ہے نہ کہ کسی فرقہ کے بزرگوں کو بُرا بھلا کہنا ہے ۱۲

سال گزشتہ کے محرم کی سالانہ رپورٹ تھانہ میں موجود تھی۔ اس میں اُن لوگوں نے عبداللہ خان نائب تحصیل دار منجھن پور کے مشورے سے نہ جانے کیا تغیر کر دیا کہ اس رپورٹ پر حاکم ضلع نیوبی صاحب (انگریز) اسپرنٹنڈنٹ پولیس نے حکم جاری کر دیا کہ امسال منجھن پور موئی اور کراری میں ۱۰ ر محرم کو تبرا نہ کیا جائے۔ یہ حکم ۸ر محرم ۱۳۴۱ھ کو کراری پہنچا حالانکہ اس سے قبل کی تاریخوں میں ۵ ر ۶ ر ۷ ر محرم کو جلوس ذوالجناح و تابوت میں تبرا ہو چکا تھا۔ اس حکم کے خلاف جناب کلکٹر صاحب کے وہاں درخواست دی گئی۔ اس پر مسٹر گوپی ناتھ ڈپٹی کلکٹر کراری آئے۔ اور انہوں نے ہمارے حقوق تسلیم کرتے ہوئے حکم دیا کہ "خاموشی کے ساتھ تبرا کہا جائے"۔ اس لفظ خاموشی کو اہل تشیع نے منظور نہ کیا۔ اور احتجاجاً دو ماہ آٹھ دن اپنے تعزیے امام باڑوں میں رکھے رہے۔ اور اسی دوران میں مقدمہ دائر کر دیا۔ شیعوں کی طرف سے ثبوت دعوے کے گواہ میں اہل ہنود اور اہل سنت بھی پیش ہوتے۔ بالآخر ضلع مجسٹریٹ نے شیعوں کے حق میں فیصلہ دے دیا اور باآواز بلند اظہار بیزاری کی حمایت کر دی۔ فیصلہ کے وقت کمرہ عدالت میں مولوی ولایت حسین اور باقی خان اہل سنت کی طرف سے موجود تھے۔ ان کی زبان سے جہاد کا لفظ نکل گیا جس پر حاکم سخت برہم ہوا۔ اور سپرنٹنڈنٹ کو مکمل انتظام کا حکم دیا۔ بالآخر ۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۲ء مطابق ۸ر ربیع الاول کو بڑی شان و شوکت اور بڑے جوش و خروش سے تعزیے اُٹھے اس موقع پر باہر سے بھی شیعیان علی زیارات کے لیے آکر شریک ہوئے شہر کے برادران اہل سنت نے مقدمہ تبرا میں ناکامی کے ردعمل میں شیعوں کو تباہ کر دینے کا فیصلہ کیا وہ حکام دل بھی تھے اور مال دار بھی انہوں نے کراری آکر بار بار میٹنگ کی۔ اور تمام کنجڑوں، کباڑیوں، جولاہوں، نائیوں، کاسہ گروں، نانبائیوں، دھوبیوں، بہشتیوں کو ابھار کر سب سے پہلے ان کا بائیکاٹ کرایا۔ پھر ایک زبردست بلوہ کرا دیا۔

یہ بلوہ ۶ر رمضان المبارک مطابق ۲۴ر اپریل ۱۹۲۳ء بوقت ۷ بجے صبح رپورٹ کے مطابق ایک مجلس کے حوالہ سے ہوا۔ یہ بلوہ پوری تیاری کے ساتھ کیا گیا۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا۔ کہ تقریباً دو ہزار افراد رات کے وقت کراری اور اطراف کراری کے قصبہ کے اندر ایک محفوظ مقام پر جمع ہوئے۔ اور چھیڑ چھاڑ کے لیے ۱۰ر افراد رات کو میر مظاہر حسین صاحب رئیس کے مکان کی طرف سے شور و غل کرتے ہوئے گزرے انہوں نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ ان سرکشوں کو پکڑ لاؤ۔ چنانچہ سب میر صاحب کے پاس حاضر کئے گئے اور معافی مانگ

کر چلے گئے۔ میر صاحب کے دروازے کے حدود سے نکل کر گالیاں دیتے ہوئے بھاگ گئے

اس واقعہ کی اطلاع میر صاحب نے سید فیض محمد صاحب محلہ شریف آباد کو رات میں کرا دی۔ لیکن اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہ دی گئی، مگر جب صبح کو گھر کا پر کے امام بارے کے میدان میں لوگ آ پہنچے تو سید موسیٰ رضی صاحب دوڑے ہوئے محلہ شریف آباد پہنچے۔ اور سید سبط حسن صاحب سے کہا کہ

"بندوق لے کر فوراً چلو حملہ آور آگئے ہیں۔"

الغرض ادھر سے شریف آباد تلیا کے لوگ وہاں پہنچ گئے۔ اور دیگر حضرات بھی جا پہنچے، بلوائیوں نے تین طرف سے ان مختصر سے لوگوں کو جن کی تعداد ۲۴، ۲۵ سے زیادہ نہ تھی گھیر لیا۔ جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

سید محمد اختر، سید فیض محمد، سید سرور حسین۔ سید رونق حسین۔ سید ریاض حسین۔ سید ارتضیٰ حسین۔ سید سلطان حسین۔ حسن رضا۔ سید ظہیر حسن۔ سید اطہر حسن۔ سید کاظم حسین عالم علی عرف بندا، سید کرم حسین۔ سید سبط حسن۔ سید موسیٰ رضا۔ سید نظیر العباس سید سبط حسین، سید واجد حسین۔ سید الفدا حسین، میر صدر۔ سید آباد حسین۔ سید نذر عسکری سید بشارت حسین۔ سید ظہیر عباس۔

بلوائیوں نے ان بنی فاطمہ کو گھیر کر پہلے ایک مسجد کی اینٹیں نکال کر خشت باری کی۔ اور اس شدت سے خشت باری کی کہ کہنہ مسجد اپنی بیخ و بُن سے ختم ہو گئی۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر لاٹھیوں سے حملہ کیا۔ اب کیا تھا فرزندان فاطمہ پوری جرأت سے کام لے کر اس دلیری کے ساتھ لڑے کہ ان کے چھکے چھوٹ گئے۔ ان بہادروں نے تین بار بلوائیوں کو امام باڑے سے بھگا کر کربلا کے قبرستان تک پہنچا دیا۔ بالآخر مولوی عبدالستار جو کہ ان کا لیڈر تھا اس نے واپس آتے ہوئے راستہ میں حلف اُٹھایا۔ کہ اس حملہ میں سب کا خاتمہ کروں گا۔ اور مظاہر حسین کا سر لاؤں گا۔

الغرض یہ شکست خوردہ پھر واپس آیا۔ اور اس نے لاٹھیوں سے جنگ شروع کر دی اس جنگ میں سید محمد اختر۔ سید سرور حسین اور سید ظہیر حسن بہت زیادہ زخمی ہو گئے تھے۔ بالآخر سید بشارت حسین صاحب نے سید محمد اختر صاحب کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنے مکان کے چبوترے پر چڑھا لیا۔ اور ان سے کہا کہ یہاں بیٹھ کر بندوق سے فائر کرو۔ مولانا سید نجم الحسن اور ڈاکٹر

سید ناصر حسین جو کہ اس وقت نہایت کمسن تھے۔ اس چبوترے کے نیچے کھڑے ہوئے تھے۔

مولانا نجم الحسن کا بیان ہے کہ بھائی محمد اختر کے جسم سے اس درجہ خون نکل چکا تھا کہ وہ بندوق چلاتے وقت اونگھ جاتے تھے۔ اور سید بشارت حسین صاحب جھنجھوڑتے اور چونکاتے تھے۔ اسی دوران میں ایک اینٹ کوٹھے پر سے آکر انگوٹھے پر لگی اور بندوق زمین پر گر گئی سید بشارت حسین صاحب نے پھر بندوق اٹھا کر دی۔ اور سید محمد اختر نے سنبھل کر فائر کیا تو ایک کھنا نامی جولاہا نشانہ بن کر گرا۔ اور اس کے لڑکے نے بڑھ کر محمد اختر پر حملہ کرنا چاہا۔ تو انہوں نے دوسرا فائر کر دیا۔ جس سے وہ گر پڑا۔ اُدھر محمد اختر فائر کر رہے تھے۔ اُدھر ایک بڑے گروہ نے تھوڑے سے آدمیوں کو گھیرے میں لے کر مار ڈالنا چاہا۔ اسی دوران میں سید فیض محمد کے سر پر سولہ لاٹھیاں پے در پے لگیں۔ اور وہ گر پڑے۔ اتنے میں ان کے منجھلے لڑکے سید نذیر العباس ان کے اوپر لیٹ گئے تاکہ مزید زخم ان کے نہ لگنے پائے۔

اسی دوران میں مولوی عبدالستار ایک موٹا ڈنڈا لیے ہوئے ان کے قریب پہنچ گیا، اور اس نے چاہا کہ ایک ہی وار سے فیض محمد صاحب کی زندگی کا فیصلہ کر دے اتنے میں ان کے منہ سے یہ نکلا:

"بلاؤ عباس کو کہاں ہیں آکر مدد کریں"

ان الفاظ کو اس کے منہ سے نکلنا تھا۔ کہ عالم علی بڈا جو کہ سید انصار حسین کے دالان کے ایک کھمبے میں بندوق لئے چھپے بیٹھے تھے۔ ان کے کان میں کسی نے کہا فائر کر دو۔ وہ فوراً نکل پڑے اور اس کے سینے پر فائر کرتے ہوئے کہا

"یہ آئے حضرت عباس"

اس کے ادھر گولی لگی اُدھر سید محمد اختر کے فائر سے دو مرے پھر کیا تھا بھگدڑ مچ گئی۔ اس کے بعد لوگ زخمیوں کو اُٹھا کر میر مظاہر حسین صاحب امیر صدر کے مکان پر لائے۔ سید فیض محمد صاحب جو کہ مولانا نجم الحسن کے والد تھے انہیں مولانا کے نانا سید مظاہر حسین اور پھوپھی زاد بھائی سید محمد اختر کو پکڑ کر گھر لے گئے۔ اسی دوران میں سینولی نے مولوی سید محمد عباس صاحب کو ان کے گھر پر جا کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد سید رونق حسین

صاحب نے تھانہ منجھن پور میں جاکر رپورٹ درج کرائی اور پولیس آگئی۔ اور گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ ۸۴ شیعہ اور ڈیڑھ سو اہل سنت گرفتار کر لیے گئے۔ ان لوگوں کو پہلے حوالات میں پھر جیل میں پہنچا دیا گیا اور مقدمہ چلنے لگا۔

کچھ شیعہ لوئر کورٹ سے چھوٹے۔ کچھ سشن سے چھوٹے۔ ۲۸ شیعوں کو کالا پانی کا اور میر سید مظاہر حسین صاحب امیر صدر، سید محمد اختر اور عالم علی کو پھانسی کا حکم سشن عدالت نے سنایا، پھر ہائی کورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی۔ ۱۹ مارچ ۱۹۲۴ء کو میر مظاہر حسین بے داغ بری ہوئے اور عالم علی کو ایک سال کی سزا ہوئی اور محمد اختر کو چودہ سال کی سزا دی گئی۔ کیونکہ انہوں نے سب کے قتل کا ایک خواب کی وجہ سے اقبال کر لیا تھا۔ دس شیعوں کو ایک ایک سال کی سزا تجویز ہوئی۔ شیعوں کی طرف سے ہری موہن بیرسٹر اور مسٹر بوائے بیرسٹر وکالت کر رہے تھے۔

اس مقدمہ میں اہل سنت کی طرف سے سیٹھ چھوٹانی بمبئی اور دیگر روساء ملک نے حصہ لیا۔ اور شیعوں کی طرف سے مومن و مومنات پرگنہ کراری اور متحدہ ہندوستان کے تمام مومن و مومنات نے دلچسپی لی۔ جن میں خصوصی طور پر حجۃ الاسلام شمس العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ والی ریاست رامپور۔ مولانا سید محمد۔ راجہ منظور حسین انبالہ ٹھاکر سیتلا بخش سنگھ منیجر ریاست، ٹانڈہ، مولوی حیدر مہدی وکیل، ظفر مہدی بیرسٹر، نواب مہدی حسن لکھنوی، تفضل حسین جونپور، ڈاکٹر سید جعفر حسین کراروی ڈی لٹ لندن چوہدری سید غلام حیدر منجھن پور، مولوی سید مظاہر حسین صاحب احاطہ مولوی سید رمضان حسین، سید رضا حسین جونپور، سید محمد عباس موئی، سید محمد یعقوب، کراری، سید امیر الاعظم محمد مظہر سید سید علی اصغر، سید ضمیر الحمید، سید دستی حسن قابل ذکر ہیں۔ اس واقعہ کے سلسلہ میں جناب ڈپٹی بیول صاحب شاد، ابن سید سبط رسول صاحب ساکن ... شاد

مراد آبادی نے جو قطعہ "تاریخ لکھا ہے درج ذیل ہے:

ساداتِ ساکنِ کراری — تھے جو ماخوذ فوجداری
تجویز عدالت سشن سے — احکام سزائے موت کے تھے
دائر جو ہوا اپیل اس کا — وہ حکم قضا قضا نے بدلا
افضل سرسی کے حسبِ ارشاد — فکرِ تاریخ کی جو لے شاد
نکلا منہ سے یہی ہمارے
شیعہ ہیں کراری کے کرالے
۱۳۴۲ھ

حضرت عباسؑ کے غم میں جو محزون نہ ہو اس کا اسلام خطرے میں ہے!

علامہ حسن بن محمد علی ایزدی تحریر فرماتے ہیں کہ: جنگ صفین میں جناب عمار یاسر کی شہادت کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے ان کی لاش کو دیکھا اور فرمایا کہ جو عمار یاسر کے غم میں محزون نہ ہو

اور از مسلمانی نصیبی نہ باشد۔

اس بدنصیب کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں

اس روایت کو لکھ کر علامہ یزدی لکھتے ہیں کہ:

جب کہ آپ کے صحابی عمار یاسر کے غم میں محزون نہ ہونے والا مسلمان نہیں رہتا تو پھر حضرت عباسؑ جو کہ آپ کے نورِ دیدہ تھے ان کے غم میں محزون نہ ہونے والے کو اسلام کیوں کر نصیب ہو سکتا ہے۔

(مہیج الاحزان صفحہ ۲۹۱ طبع ۱۳۳۳ھ)

حضرت عباسؑ بن عبدالمطلب اور عباسؑ بن علی علیہ السلام

یہ حسن اتفاق ہے کہ عباسؑ بن عبدالمطلب اور عباسؑ بن علی کے نام، کنیت اور کام میں پوری موافقت پائی جاتی ہے۔ دونوں کے نام ایک۔ دونوں کی کنیت "ابوالفضل" ایک۔ دونوں کے کام اور

ان کے اعزاز ایک ،

عباسؑ بن عبدالمطلب کو سقایت زمزم کا شرف حاصل تھا ـــــ اور عباس بن علی علیہما السلام سقایت آل رسول کے شرف سے مشرف تھے۔ (منتہی الآمال ص۱۱ طبع طہران ۱۳۷۹ھ)

حضرت عباس علیہ السلام کا حفظ قرآن

علامہ احسان ایرانی رقمطراز ہیں کہ حضرت عباس علیہ السلام علم معرفت میں کمال رکھتے تھے انہوں نے کم سنی ہی کے عالم میں "کلام اللہ مجید را از بر کرد" کلام مجید کو حفظ کر لیا تھا۔ (زندگی حضرت عباس ص ۔ طبع ایران)

حضرت امام حسن علیہ السلام کو حضرت عباس علیہ السلام کا غسل دینا

حضرت امام حسن علیہ السلام کی جو خدمات حضرت عباس علیہ السلام نے فرمائی ہیں۔ اور جس جس انداز سے ان کے ساتھ مواسات کی ہے۔ ان کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں زیر عنوان (حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت عباس علیہ السلام) گذر چکا ہے۔

البتہ شہادت امام حسن علیہ السلام کے موقع پر یہ نہیں تحریر کیا گیا۔ کہ ان کے غسل و کفن میں کن لوگوں نے خصوصی دلچسپی لی تھی۔ بنا بریں تحریر کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد ان کو حضرت عباس، حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت محمد حنفیہ نے غسل دیا تھا اور کفن پہنایا تھا۔

(سفینۃ البحار جلد ۲ ص۱۵۵ ذخائر العقبیٰ محب طبری ص۱۴۱)

حضرت عباس علیہ السلام کے گھوڑے کی تاریخ

علامہ احسان تہرانی رقمطراز ہیں کہ:

حضرت عبدالمطلب ایک دن یمن کے بادشاہ، سیف بن ذی یزن سے ملنے کے لیے گئے۔ اور چند دن اس کے پاس مقیم رہے۔ بادشاہ نے ایک ایسے دن جس میں بہار کا لطف تھا عبدالمطلب سے کہا کہ میں تم سے ایک بہت پوشیدہ بات کہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ میری زندگی تک اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ آپ فرمائیں میں آپ کی گفتگو کا امین ہوں گا۔

سیف بن ذی یزن نے کہا کہ :

"میں نے توریت اور زبور میں پڑھا ہے کہ عرب میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جس کی مثال دنیا کے پردے میں نہ ہوگی ۔ وہ حسن و جمال سے آراستہ ہوگا۔ دولت اخلاق سے مالامال ہوگا اس کے کندھے پر مہر ہوگی ۔جو نبوت کی ہوگی یعنی وہ نبی برحق ہوگا۔ جب وہ آفتاب کی روشنی میں نکلے ۔ ابر سایہ فگن ہو جایا کرے گا۔ وہ قیامت میں اپنی امت کا شفیع ہوگا۔ اس کی ایک علامت یہ بھی ہے ۔کہ وہ بہت کم سنی میں یتیم ہو جائے گا۔ اور اس کی پرورش اس کا دادا اور اس کا چچا کرے گا ——— اے عبدالمطلب بتاؤ کہ ایسا فرزند پیدا ہو چکا ہے یا نہیں۔ عبدالمطلب نے کہا کہ اے بادشاہ وہ فرزند عالم وجود میں آ چکا ہے ۔اس کا نام محمد ہے اور میں اس کا دادا ہوں ۔ اور ابو طالب اس کے چچا ہیں ۔ ابھی میں اس کی پرورش کر رہا ہوں۔ میرے بعد ابو طالب اس کے نگران و محافظ ہوں گے۔ اے بادشاہ اس کی عمر چھ سال کی ہو چکی ہے ۔

سیف بن ذی یزن نے کہا کہ

عبدالمطلب میں اس کو کچھ ہدایا دینا چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ ان ہدایا کو تم خود اپنے ہمراہ لے جاؤ ۔ اور اس فرزند کو میرا سلام پہنچا کر یہ چیزیں اس کے حوالے کر دو ۔

عبدالمطلب نے لانے کا وعدہ کر لیا ۔ اور اس نے بہت اصیل گھوڑے ۔بہت سے اونٹ اور کچھ آلاتِ حرب کے نوادر ان کے ہمراہ کئے ایک ایسا گھوڑا دیا ۔جس کا شجرہ نسب بھی ساتھ اور جسے وہ خود بہت زیادہ چاہتا تھا ۔

حضرت عبدالمطلب اس سے رخصت ہو کر مکہ معظمہ پہنچے اور انہوں نے ساری چیزیں حضرت محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حوالے کر دیں ۔حضور والا نے اس گھوڑے کا نام "عقاب" رکھا۔ حضرت رسول کریمؐ کے بعد یہ گھوڑا حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں رہا۔ آپ نے بعدِ رسولؐ جتنی جنگیں کی ہیں ۔سب میں یہی گھوڑا حضرت کے زیر ران رہا ہے ۔

"ہمیں عقاب بعد از حضرت علی بن ابی طالب مرکب مخصوص عباس علیہ السلام گردید"

یہی عقاب حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بعد حضرت عباس علیہ السلام کے پاس رہا۔ علماء کا بیان ہے کہ جب حضرت عباس علیہ السلام گھوڑے سے زمین کی طرف گرنے لگے تو آپ کے اسپ وفادار نے اپنی وفاداری کا ثبوت دیا۔ اور اس سے زیادہ اس نے اس وقت ثبوت دیا جبکہ نہر فرات سے سوار ہی کی طرح پیاسا نکلا۔ (زندگی حضرت عباس ص ۸۳)

حضرت عباس علیہ السلام کی بیوہ کی دوسری اور تیسری شادی

علامہ سبط ابن جوزی اور علامہ مجدی کا بیان ہے کہ حضرت عباس کی شہادت کے عرصہ دراز کے بعد ان کی بیوی لبابہ کا عقد ثانی حضرت امام حسن علیہ السلام کے بیٹے زید بن حسن بن علی علیہم السلام سے ہوا۔ اور ان سے ایک لڑکی نفیسہ نامی پیدا ہوئی۔ پھر زید بن حسن کے انتقال کے بعد اُن کا عقد ثالث ایک شخص ولید نامی سے ہوا۔ جس سے قاسم نامی لڑکا پیدا ہوا۔

(تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۲۲۳ والمجدی۔ لابی و قمر بنی ہاشم ص ۱۳۵)

حضرت عباس علیہ السلام کے بیٹے عبید اللہ بن عباس کی بیویاں

صاحب ذخیرۃ الدارین تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عباس علیہ السلام کے بیٹے عبید اللہ نے تین شادیاں کی تھیں (۱) رقیہ بنت حسن بن علیؑ (۲) بنت معبد بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب۔ (۳) بنت مسور بن مخرمۃ الزہری۔ اور علامہ ابو نصر بخاری نے تحریر کیا ہے کہ آپ کی تیسری شادی ام علیؑ بنت علی بن الحسین بن علیؑ سے ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام جناب عبید اللہ کی بڑی عزت کرتے تھے۔

واذا رای عبید اللہ رق واستعبر باکیاً فاذا سئل عنہ قال انی اذکر موقف ابیہ یوم الطف فما املک نفسی

اور جب انہیں دیکھتے تھے تو رو پڑتے تھے۔ اور جب ان سے رونے کا سبب پوچھا جاتا تو فرماتے تھے کہ میں انہیں دیکھتا ہوں تو مجھے چچا عباس اور ان کی جانفشانی یاد آجاتی ہے اور میں بے قابو ہو جاتا ہوں۔

(قمر بنی ہاشم ص ۱۳۶ طبع نجف اشرف ۱۳۶۹ھ وکتاب سر السلسلۃ العلویۃ)

حضرت عباس علیہ السلام کی جانبازی کے متعلق صادق آل محمد علیہ السلام کا ارشاد

شیخ ابو نصر بخاری مفضل ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت عباس علیہ السلام کی جانثاری اور مجاہدہ فی سبیل اللہ کی تائید کرتے فرماتے ہیں۔

جاهد مع ابی عبد اللہ وابلی بلاء حسناً ومضیٰ شهیداً

میرے عم محترم حضرت عباس علیہ السلام حضرت امام حسین علیہ السلام کی حمایت میں نہایت بے جگری سے جہاد کیا اور وہ زبردست ابتلا کی منزل کو جھیل کر شہید ہو گئے۔

(عمدۃ المطالب صہ ۳۲۳ طبع بمبئی ۱۳۱۸ھ و دمعہ ساکبہ صہ ۳۲۷)

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی نظر میں شفاعت اُمت کے لیے حضرت عباس علیہ السلام کے لیے دونوں ہاتھ کافی ہیں

آقائے دربندی لکھتے ہیں کہ:

جب قیامت کا دن ہوگا اور اہل محشر سخت حیران و پریشان ہوں گے۔ اس وقت رسول مقبولؐ حضرت علی علیہ السلام کو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس بھیج کر دریافت کریں گے۔ کہ آج کے دن کے لیے تم نے کون سی ایسی چیز مہیا کر رکھی ہے جو بخشش امت کے کام آسکے۔ اس وقت جناب فاطمہ عرض کریں گی۔

کفانا لاجل هذا المقام الیدان المقطوعتان من ابنی العباس

ابوالحسن آج کے دن کے لیے میرے پاس میرے فرزند عباس کے دونوں کٹے ہوئے ہاتھ کافی ہیں۔ (اسرار الشہادت ۳۲۵۔ جواہر الایقان صہ ۱۹۴ طبع ایران قمر بنی ہاشم صہ ۵۹)

حضرت عباس علیہ السلام کی زیارت نہ کرنے سے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ناراضگی

آقائے دربندی تحریر فرماتے ہیں کہ "ایک شخص کا یہ اصول تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی روزانہ دن میں تین بار زیارت کرتا تھا۔ اور حضرت عباس علیہ السلام کی بیس دن کے بعد ایک بار زیارت کرتا تھا۔ ایک شب میں وہ سو رہا تھا کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو خواب میں دیکھا۔ کہ آپ تشریف فرما ہیں۔ اس نے آگے بڑھ کر نہایت ادب

سے سلام کیا۔ فاعرضت عنه انہوں نے منہ پھیر لیا۔ اس نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں لامی تقصیر منی تعرضینی حضور کس وجہ سے ناراض ہیں۔ اور میری طرف سے منہ پھیر لیتی ہیں۔ آپ نے فرمایا محض اس وجہ سے کہ تو میرے بیٹے کی زیارت نہیں کرتا۔ اس نے عرض کی حضورؑ میں تو دن میں تین بار روزانہ زیارت کے لیے جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تزور ابنی الحسین ولا تزور ابنی العباس تو میرے ایک بیٹے حسینؑ کی زیارت کرتا ہے اور دوسرے بیٹے عباس کی زیارت نہیں کرتا۔ عباسؑ میرا بیٹا ہے میں عباس کی ماں ہوں۔ (اسرار الشہادت ص۳۲۵)

شہیدانِ کوفہ فرزندانِ مسلمؑ کی زبان پر حضرت عباس کا نام

کوفہ میں جناب مسلم بن عقیل کی ۹ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو شہادت کے بعد ان کے دونوں لڑکوں کی تلاش شروع ہوگئی۔ بالآخر وہ بچے گرفتار ہو کر قتل ہو گئے جناب عبد المجید حنفی دہلوی لکھتے ہیں:

"ملعون حارث غلام اور بیٹے کو قتل کر کے اور بیوی کو خاک و خون میں تڑپتا چھوڑ کر بچوں کی طرف بڑھا۔ بچے جو پہلے ہی سے سہمے ڈرے اور ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے تھے۔ شقی کو شمشیر بکف آتا دیکھ کر رونے لگے۔ مسلم کے بچے شاخِ گل کی مانند تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ہاتھ جوڑ کر کہا کہ للہ ہم پردیسیوں پر رحم کر۔ یتیموں پر ترس کھا۔ ہم نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔ پھر ہم کو کیوں مارتا ہے۔ اماں سنیں گی تو بہت روئیں گی۔ ماموں جان جناب امام حسین اور حضرت عباسؑ کو معلوم ہوگا تو سر دھنیں گے۔ ہمیں مار کر کیا ملے گا۔ ہمیں غلام بنا کر بیچ ڈال۔ مگر قتل نہ کر۔ مگر اس سفاک کا دل کب پگھلنے والا تھا؟"

(شہید اعظم ص۹۱ طبع بمبئی)

حضرت عباس علیہ السلام کی زیارت کے متعلق

پروفیسر شیخ محمد طاہر فاروقی ایم اے بحوالہ "راہِ وفا" مصنفہ حفظ الرحمٰن

ڈبائیوی زیر عنوان "سفر کربلا و نجف" لکھتے ہیں کہ:

"۲ دسمبر ۱۹۳۰ء مطابق ۱۲ شوال صبح سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ موٹر طے کر لیا گیا تھا۔ گیارہ بجے ٹھیک روانگی ہوئی۔ کربلا کے تصور سے دل کی جو کیفیت تھی

اس سے خدا خوب واقف ہے۔ ایک ایک کر کے ہر ایک واقعہ نظر کے سامنے آگیا۔ اور موٹر بیٹھتے ہوتے آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ ریگستانی راستہ۔ دُور تک سبزہ اور درخت کا پتہ نہیں۔ راستے میں درختوں کی جگہ چاروں طرف بگولوں کی ناہموار قطاریں۔ ریت کے دریا۔ خاکی دیواریں ضرور نظر آتی ہیں۔ کتابوں میں پڑھا تھا۔ اور سیاحوں سے سُنا تھا کہ اکثر ایسے بگولے اُٹھتے ہیں۔ جن میں قافلے تک گم ہو جاتے ہیں اس کا بہت ہلکا سا نمونہ ہمیں بھی آنکھوں سے دیکھنا پڑا۔ "مسیب" سے پہلے اس قدر تیز ہوا چلی کہ گرد و غبار کی وجہ سے دس قدم کے فاصلے کی چیز دکھائی نہ دیتی تھی۔ موٹر والے کو موٹر چلانا دشوار ہوگیا۔ چالیس میل کی رفتار دس میل سے بھی کم کرنی پڑی۔ ۵ منٹ تک یہی شکل رہی۔ بارے خدا کا شکر کہ آفت ناگہانی سے نجات ملی۔ تھوڑی دیر میں راستہ صاف نظر آنے لگا۔ اور موٹر پوری رفتار سے چلنے لگی۔ راستے میں دو قریئے جو اپنی آبادی کے لحاظ سے پہلے قصبوں سے زیادہ پر رونق تھے۔ محمودیہ اور اسکندریہ ملے۔ ساڑھے بارہ بجے ہم قصبہ مسیب پہنچے یہ دریائے فرات کے کنارے پر دونوں طرف آباد ہے۔ ریلوے سٹیشن بھی ہے۔ پل بنا ہوا ہے۔ یہاں سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر آبادی سے بہت دور علیٰحدہ جنگل میں صاحبزادگان مسلم بن عقیل کے مزارات ہیں دونوں معصوم ایک گنبد میں آرام فرما ہیں۔ کربلا کے تصور ہی سے دل بھرا ہوا تھا ان کے ابتدائی ظلم کی پہلی تصویر نظر کے سامنے جو آئی۔ تحمل دشوار ہوگیا۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اشک آلودہ آنکھوں کے ساتھ فاتحہ پڑھی اور دعا مانگی۔ عجیب عالم رنج میں یہاں سے روانگی ہوئی۔ دو بجے کے قریب اس جگہ پہنچے۔ جہاں ظلم کی انتہا ہوئی تھی حیف ہے۔ کہ ساکنان کوفہ نے اپنے مرشد زادہ کے ساتھ وہ دغا کی۔ جس کی آج "تاریخ عالم میں نظیر نہیں، ہم لوگ اپنا سامان میر ہاشم مزدور (معلم) کے مکان پر رکھ کر سب سے پہلے حضرت عباس کے مزار پر پہنچے مزار پر خوب رونق ہے ہر وقت زیادہ مجمع یہیں رہتا ہے۔ فاتحہ پڑھی اور دعا مانگی اور یہاں سے سیدنا امام حسین علیہ السلام کے روضے پر گئے۔ ایک ہی گنبد میں ننھے بچے اور کڑیل جوان بیٹے کو آغوش محبت میں لیے ہوئے آرام فرما رہے ہیں۔ فاتحہ پڑھنے کے لیے اشکوں کی لڑیوں، کپکپاتے ہوئے ہاتھوں، ڈگمگاتے ہوئے پیروں کو سنبھالا۔ دوگانہ ادا کر کے فاتحہ پڑھی الخ (نصاب اردو حصہ ۶ صہ ۱۹)

حضرت عباس علیہ السلام کی نذر حاضری اور سبیل

حجۃ الاسلام آقائے اصفہانی تحریر فرماتے ہیں کہ :

جس طرح دیگر ائمہ کی نذر ادا کرنی ضروری ہے۔ حضرت عباس علیہ السلام کی نذر بھی ادا کرنی لازم ہے۔ (صراط النجات جلد ۲ صہ ۲۲)

لسان الملتہ مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ لکھنوی لکھتے ہیں کہ :

کربلا کے بہتر شہیدوں میں کھانے پر کسی شہید کی نذر نہیں دی جاتی سوائے جناب عباسؑ کے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس رسم کی بنیاد قائم کرنے والے قمر بنی ہاشم کی گرسنگی کی مخصوص یادگار قائم کرنا چاہتے تھے الخ (راز شہادت ۳۳)

لیکن میں کہتا ہوں کہ

میت کے گھر کھانا پہنچانا سنت ہے۔ (دیکھو عروۃ الوثقی صہ ۱۲۶)

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب جعفر طیارؑ کی شہادت کے بعد ان کے گھر کئی روز تک کھانا پہنچوایا۔ (مشکوٰۃ شریف صہ ۹۹)

اور یہ ظاہر ہے کہ جعفر طیار اور عباس علمدار کی شہادت میں کافی مماثلت و مشابہت ہے۔ (مخزن المصائب طبع آگرہ ۱۳۰۹ھ)

حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام یقیناً اسی طرح ان کے گھر کھانا پہنچواتے جس طرح آنحضرتؐ نے جعفر طیار کے گھر کھانا بھیجا تھا۔ لیکن چونکہ انتہائی مجبوری کی وجہ سے وہ کھانا تو درکنار ان کے اہل بیت کو کربلا میں پانی تک نہ عنایت فرما سکے۔ بنابریں ان کے ماننے والے اسی کی یادگار میں کھانے پر حضرت عباس علیہ السلام کی نذر دلاتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ یہ رسم آٹھویں کو کیوں ادا کی جاتی ہے۔ اس کے متعلق عرض ہے۔ کہ آٹھویں ہی سے حضرت عباس کی جانفشانی حد سے بڑھ گئی تھی۔ بھوک اور پیاس کی حالت میں بار بار کھودنا۔ پانی کے لیے نہر کی طرف جانا اور خود بالکل بھوکے رہنا آپ کا خاص کارنامہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی حاضری آٹھویں کو کی جاتی ہے۔ اب رہ گئی آپ کے نام کی سبیل۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ اولاً تو کربلا کے تمام پیاسوں کی یادگار میں سبیل لگائی جانی قرین قیاس ہے۔ لیکن حضرت عباس سے اس کا اختصاص بھی مناسب ہے۔ کیونکہ حضرت عباس ہی صرف پانی لینے کی غرض سے نہر پر تشریف لے گئے

تھے۔ اور طبِ آب ہی میں یوم عاشورا بعد از ظہر شہید ہوئے تھے۔ نیز یہ کہ دریا میں داخل ہونے اور چلو میں پانی لینے کے باوجود پیاسے برآمد ہوئے تھے۔ اور مشکیزۂ سکینہ لیے ہوئے خیمہ کی طرف بڑھتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ یعنی جناب سکینہ تک پانی لے جانے کی کوئی سبیل پیدا نہ کرسکے۔ بنابریں آپ کے نام کی سبیل رکھی جاتی ہے ؎

اک مشک کا فیض اللہ اکبر منظر
ہے چار طرف رکھی سبیلِ عباسؑ

تبلیغاتِ دینی کی طرف ایک اور قدم

اِس دَور میں جب کاغذ گراں ہے۔ کتابت کا کوئی معیار باقی نہیں رہا، طباعت کی سہولتیں میسّر نہیں، کتابوں کی فروخت سخت مُشکل ہے۔

حیدری کتب خانہ، بمبئی

کتابیں لکھنے والوں، پڑھنے والوں — اور فروخت کرنے والوں کے بیچ ایک اچھا ذریعہ ہے —!

ہمارے یہاں اُردو کے علاوہ انگریزی، ہندی اور عربی وفارسی کی کتابیں بھی چھاپی اور فروخت کی جاتی ہیں۔

ہر قسم کی کتابت، ڈیزائن، لیتھو، آفسٹ اور عکسی طباعت نیز خوشنما اور مضبوط جلد سازی کے لئے حیدری کتب خانہ بمبئی کا نام یاد رکھئے۔ ہمارا کتب خانہ دینی کتابوں کی طباعت و اشاعت اور فروخت کیلئے مشہور ہے۔ معمولی اُجرت پر پابندیٔ وقت کے ساتھ آپ کی کتاب شائع ہوسکتی ہے۔ گھر بیٹھے ہماری خدمات سے فائدہ اُٹھائیے۔ بمبئی سے باہر رہنے والے اہلِ قلم اور مخیّر حضرات کے لئے یہ نادر موقع ہے۔

دینی کتابوں کی طباعت و اشاعت اور فروخت کا سب سے بڑا مرکز

حیدری کتب خانہ ۱۵/۱۴ مرزا علی اسٹریٹ۔ امام باڑہ روڈ۔ بمبئی ۴۰۰۰۰۹

خطیب الایمان، شیر ہندوستان - عالی جناب مولانا

سیّد مظفر حسین طاہر جرولی مرحوم

کی عظیم الشّان کتابیں

انجمن امامیہ بمبئی کی یادگار صد سالہ پر ۱۲ مجالس کا مجموعہ

قرآن واہلبیتؑ تحریف قرآن وعظمت اہلبیتؑ پر تحقیقی مجالس

اس کے بعد انجمن امامیہ بمبئی میں پڑھی ہوئی مجالس کا آخری عشرہ

مجالس جس کا عنوان ہے

نجات حدیث سفینہ "مثل اہلبیتی کمثل سفینۃ نوحٍ" کی شرح پر بہترین کتاب ثانی زہرہ کمیٹی بمبئی میں پڑھی ہوئی مجالس

وسیلہ وسیلہ اور اسلام کے عنوان پر انجمن امامیہ بمبئی میں پڑھی ہوئی خطیب الایمان کے آخری یادگار عشرۂ مجالس۔

حیدری کتب خانہ - مرزا علی اسٹریٹ امام باڑہ روڈ بمبئی ۹

ہمارے کتب خانہ کی اہم مطبوعات

غدیر سے کربلا تک مولانا مرزا اطہر صاحب	45/-	
حسین وارث انبیاء ،،	60/-	
پیام مودت ،،	35/-	
خاندان رسالت ،،	70/-	
بنائے لاالہ مولانا سید عرفان حیدر عابدی (پاکستان)	50/-	
شریعت و شیعیت ،،	50/-	
اطاعت رسول ،،	45/-	
کافر کون؟ ،،	100/-	
ذخیرۂ عملیات مولانا محمد علی	100/-	
مخزن عملیات مولانا محمد علی	120/-	
آثار اہلبیتؑ حکیم سید واحد علی	60/-	
حرز المومنین مولانا سید وزیر الدین	120/-	
وسیلہ مولانا طاہر جرولی	45/-	
مودت اہلبیت ،،	50/-	
نجات ،،	35/-	
قرآن و اہلبیتؑ ،،	40/-	
ارجح المطالب مولانا عبید اللہ امرتسری (فضائل حضرت علیؑ)	175/-	
کوکب دُرّی مولانا محمد صالح کشفیؒ (فضائل حضرت علیؑ)	120/-	
لوائج الاحزان اول مولانا سید محمد مہدی صاحب قبلہ	120/-	
لوائج الاحزان دوم ،،	130/-	
ممتاز بستہ چالیس تاریخوار مراثی	45/-	
ثبوت عزاداری علی حسن اختر امروہوی	15/-	
تصویر عزا مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ (بہار)	75/-	

تہذیب الاسلام علامہ مجلسیؒ	100/-
خورشید خاور اول دوم مکمل	250/-
شبہائے پشاور مولانا سید محمد شیرازی صاحب	
چالیس مجالس مولانا سید قائم مہدی صاحب	50/-
تعقیبات نماز پنجگانہ (بڑی) مولانا سید نذر محمد صاحب دہلوی	40/-
تعبیر نامہ خواب نامہ علامہ مجلسیؒ	50/-
گلدستہ مراد اردو مجموعہ مناجات و معجزات (مرادی کہانیاں)	
گلدستہ مراد ہندی مجموعہ مناجات و معجزات (مرادی کہانیاں)	30/-
مختار نامہ مطبع یوسفی (دہلی کا چھپا ہوا قدیم)	50/-
صحیفۂ کاملہ مکمل شرح ترجمہ مفتی جعفر حسین صاحب (پاکستان)	150/-
صحیفہ علویہ حضرت علی کی دعائیں	120/-
ذکر العباسؑ جناب عباس کی سوانح عمری	
علامہ سید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی	120/-
حیات القلوب مکمل تین جلدیں علامہ مجلسیؒ	500/-
وظائف ناد علی مولانا محمد علی	10/-
چودہ ستارے علامہ سید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی	100/-
حیدری استخارہ سجادیہ پاکٹ سائز	15/-
علیؑ ولی اللہ عبد الکریم مشتاق	30/-
آگ خانہ بتولؑ پر ،،	15/-
وہی منصف وہی مجرم ،،	15/-
یا رسولؐ ،،	15/-
ہم متعہ کیوں کرتے ہیں؟ ،،	10/-
واقعۂ قرطاس و کردار عمر ،،	15/-

حیدری کتب خانہ
۱۵/۱۴ مرزا علی اسٹریٹ، امام باڑہ روڈ، ممبئی-۴۰۰۰۰۹
فون : 3743445 (دکان)، 3711929 (رہائش)